بحر المعانی

از

حضرت شیخ محمد ابو جعفر حسینی مکیؒ

اردو ترجمہ و شرح

مولانا حافظ شاہ تقی انور قلندر علوی کاکوروی

بحر المعانی

از

حضرت شیخ محمد بن نصیر الدین جعفر مکی حسینیؒ (متوفیٰ نویں صدی ہجری)

اردو ترجمہ و شرح

کاشف الحقایق والمعارف حضرت مولانا حافظ شاہ تقی انور قلندر علوی مدظلہ العالی

خلف اکبر

بقیۃ السلف عارف ربانی حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب : بحر المعانی
مترجم و شارح : تقی انور علوی
ناشر : تقی انور علوی
سنہ طباعت : باراول ۲۰۱۰ء/۱۴۳۱ھ
تعداد : ۵۰۰
قیمت : ۴۰۰/روپے

ملنے کے پتے:
۱- پروفیسر مسعود انور علوی، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۲- کتب خانہ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ تکیہ شریف کاکوری، ضلع لکھنؤ
۳- شبیہ انور علوی، صہیب منزل، کاکوری، ضلع لکھنؤ

انتساب

ان مقدس و متبرک ہستیوں (حضرت مرشدی و مولائی شاہ **محمد مصطفیٰ حیدر قلندر** قدس سرہٗ الاطہر آخری سجادہ نشین ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری اور حضرت مرشدی و مولائی و استاذی حافظ شاہ **محمد مجتبیٰ حیدر قلندر** مدظلہ العالیٰ)

کے حضور میں

جو الفاظ و معانی سے ماوراء، علوم و عرفان و ہدایت کے سرچشمہ تھے اور ہیں

اس حقیر پیش کش کے ساتھ

اے گدائے خانقہ باز آ کہ در دیر مُغاں
می دہند آبے و دلہا را تونگر می کنند

فہرست مضامین

۱- عرض حال - از حضرت مترجم و شارح مدظلہ العالی ۷

۲- مقدمہ پروفیسر مسعود انور علوی ۱۱

۳- حمد و نعت از حضرت مصنف علام قدس سرہٗ ۴۱

۵- مکتوب اول[۱] ایمان کے سلسلے میں ۴۳

۶- مکتوب دوم[۲] نماز ۵۲

۷- مکتوب سوم[۳] زکوٰۃ ۶۲

۸- مکتوب چہارم[۴] معرفت ۶۹

۹- مکتوب پنجم[۵] روح ۸۱

۱۰- مکتوب ششم[۶] روح ۸۹

۱۱- مکتوب ہفتم[۷] عشق ۱۰۰

۱۲- مکتوب ہشتم[۸] عشق ۱۱۳

۱۳- مکتوب نہم[۹] عشق ۱۲۹

۱۴- مکتوب دہم[۱۰] عشق ۱۴۳

۱۵- مکتوب یازدہم[۱۱] اسرارِ انسان ۱۵۵

۱۶- مکتوب دوازدہم[۱۲] مشاہدات ۱۶۹

۱۷- مکتوب سیزدہم[۱۳] مشاہدات ۱۸۳

۱۸- مکتوب چہاردہم[۱۴] مشاہدات ۱۹۸

۱۹- مکتوب پانزدہم[۱۵] مشاہدات ۲۱۹

۲۰-	مکتوب شانزدہم[۱۶]	مشاہدات	۲۳۰
۲۱-	مکتوب ہفتدہم[۱۷]	طالب ومطلوب	۲۴۳
۲۲-	مکتوب ہشتدہم[۱۸]	کفر	۲۵۸
۲۳-	مکتوب نوزدہم[۱۹]	کفر	۲۷۲
۲۴-	مکتوب بستم[۲۰]	اسرارالقرآن	۲۸۷
۲۵-	مکتوب بست ویکم[۲۱]	اسرار	۲۹۸
۲۶-	مکتوب بست ودویم[۲۲]	اسرار	۳۱۰
۲۷-	مکتوب بست وسوم[۲۳]	اسرار	۳۱۹
۲۸-	مکتوب بست وچہارم[۲۴]	اسرار	۳۳۰
۲۹-	مکتوب بست وپنجم[۲۵]	سکر کے بارے میں	۳۴۳
۳۰-	مکتوب بست وششم[۲۶]	وصول کے سلسلہ میں	۳۵۳
۳۱-	مکتوب بست وہفتم[۲۷]	نفس اور خود بینی کے سلسلہ میں	۳۶۳
۳۲-	مکتوب بست وہشتم[۲۸]	مذاہب	۳۷۴
۳۳-	مکتوب بست ونہم[۲۹]	سماع	۳۸۴
۳۴-	مکتوب سیم[۳۰]	رویا-خواب کے سلسلہ میں	۳۹۷
۳۵-	مکتوب سی ویکم[۳۱]	صلوٰۃ-نماز کے بارہ میں	۴۰۳
۳۶-	مکتوب سی ودوم[۳۲]	نور وجنون کے سلسلہ میں	۴۱۴
۳۷-	مکتوب سی وسوم[۳۳]	اسرار کے بیان	۴۲۱
۳۸-	مکتوب سی وچہارم[۳۴]	مشرکوں کے سلسلہ میں	۴۳۰
۳۹-	مکتوب سی وپنجم[۳۵]	حقیقت کے بارے میں	۴۳۸
۴۰-	مکتوب سی وششم[۳۶] وخاتمہ کتاب	عشق واسرار کے سلسلہ میں	۴۵۳

عُرض حال

از

حضرت مترجم وشارح مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم و العاقبة للمتقین
نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الکریم و علی آله الطیبین

زیر نظر کاوش کی ابتداء ۱۹۸۵ء میں ہوئی تھی۔ متعدد مخطوطے اور مطبوعات پیش نظر رہے، جا بجا عبارت غیر مربوط اور اغلاط سے پُر۔ بعض مقامات پر مطالب ہی خبط ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات اپنی افتادِ طبع، نااہلی اور بے استعدادی نیز تصوف کے نکات و رموز کے سلسلہ میں نارسائی پر تاسف، یہ سب چیزیں ایسی تھیں جو صرف ایک مترجم اور غیر شارح کے لیے اگر شکست ہمتی کا سبب نہ سہی تو پست ہمتی کا باعث ضرور تھیں۔ بہر حال وقتاً فوقتاً ہمت کو مجتمع کرتے ہوئے اپنے شکستہ قلم سے صفحۂ کاغذ کو نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرتا رہا۔

دوسری طرف یہ خوف بھی مانع ہوتا رہا کہ صاحب بحر المعانی نے اپنے متعدد مکتوبات میں مکتوب الیہ کو اس کی اشاعت وغیرہ کے سلسلہ میں اسرار کو افشاء نہ کرنے کی تاکید بھی فرمائی ہے۔ بہر حال ۱۹۹۳ء میں اس کی کتابت اور دوبارہ ترجمہ کی نقل سے فراغت ہوئی۔ ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۳ء یعنی دس سال کے طویل عرصہ تک یہ مسودہ جوں کا توں پڑا رہا۔ اس دوران متعدد علماء و مشائخ سے تذکرہ رہا اور اظہار خیال بھی ہوا نیز اس کے مضامین پر بحثیں رہیں۔ طباعت اور عدم طباعت پر اتفاق رائے اور اختلاف رائے ہوا۔ آخر کار طے پایا کہ باوجود روحانی فقدان کے عالم امکان راسخون فی العلم سے یکسر خالی نہیں ہے۔

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(لسان الغیب حضرت حافظ شیرازیؒ کا مصرعہ ہے۔ پورا شعر یوں ہے

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد   اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کون عاشق ہے کہ معشوق نے جس کے حال پر توجہ نہ کی ہو۔ جناب! درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہے۔ م.ع.ا)

تصفیہ، تزکیہ، تجلیہ کے امکانات اور مواقع اب بھی دم نقد ہیں گو کہ اصل چیز طلب صادق اور نسبت کا قوی ہونا بلکہ رہنا ہے۔ ۲۰/ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو شیخ کامل، مرشد برحق (حضرت مولانا ومرشدنا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر قدس سرہٗ الاطہر، آخری سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری، م.ا.ع) کی وفات کا واقعہ ہائلہ ایسا پیش آیا جس نے دل و دماغ کے پرخچے اڑا دیے۔ ہمت کو پست، دماغ کو ماؤف، دل کو شکستہ، جگر کو سوختہ اور حال کو بے حال کر دیا۔ آس نے یاس کی جگہ لے لی۔ فہم ناقص میں یہ آیا کہ یہ کام اب اپنے بس کا نہیں۔ ان اوراقِ پریشاں کو طاق نسیاں پر رکھ دیا۔

گذشتہ سال برادر عزیز مسعود انور سلمہٗ نے جن کو بحمد اللہ اپنے اسلاف سے نسبتِ جبی حاصل ہے پھر اس سلسلہ میں اصرار کیا اور توجہ دلائی۔ یہی نہیں بلکہ میرے سید وسند، ذخیرۂ یوم وغد، استاد مکرم نیز شیخ طریقت اور پیر تربیت (حضرت مولانا حافظ شاہ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی - م.ا.ع) سے عرض کیا کہ وہی اب زندگی کا ماحصل، اصل سرمایہ، مریدین کی تعلیم و تربیت کا مرکز، اسلاف کرام کی امانتوں کے امین، ان کی میراث اور روحانی جانشین ہیں۔

چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

(جب پھول مرجھا گیا باغ ویران ہو گیا تو پھول کی خوشبو سوا گلاب کے کہاں سے طلب کروں)

حضرت موصوف مدظلہٗ نے مجھے حکم فرمایا۔ بذات خود توجہ ذاتی اور ہمت باطنی مبذول فرمائی اور باوجود اپنی کمزوری، ضعیفی، پیرانہ سالی اور دماغی و ذہنی افکار و انتشار جا بجا اصلاحات فرمائیں اور عبارت کو عام فہم کیا۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ یہ جو کچھ بھی پردۂ خفا

سے ظہور میں آیا ان ہی کا رہین منت ہے۔ ورنہ میں تو محض ہیچمداں ہوں۔ پھر بھی قارئین سے عرض ہے کہ الانسان مرکب من الخطاء و النسیان (انسان غلطیوں اور بھول چوک کا مجموعہ ہے م.ا.ع) کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ میں سہو و خطا یا عبارت میں بے ربطی دیکھیں تو اسے میری ناطاقتی، بے بضاعتی اور نااہلی پر محمول کریں۔ اگر ترجمہ میں حسن نظر آئے تو دعاؤں سے نوازیں اور حسن و قبح کو ما اصابك من حسنة فمن الله و ما اصابك من سيئة فمن نفسك (آیة ۹۷/۴ سورۂ نساء) (تم کو جو کچھ بھی نیکی و خیر پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور جو برائی پہنچے وہ تمہاری اپنی ذات سے ہے۔ م.ا.ع) کے معیار پر رکھیں۔

برادر عزیز سلمه الله و سقاه الله شراباً طهوراً (اللہ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے اور شراب طہور پلائے۔ م.ا.ع) نے بالاستیعاب اس پر نظر ثانی کی۔ پروف ریڈنگ اور طباعت وغیرہ کے اہم مراحل سے باوجود اپنی مصروفیات کے مجھے یکسر فارغ اور سبکدوش رکھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کام میرے بس کا تھا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دونوں جہانوں میں شاداں شاد رکھے اور ان پر وہ نعمتیں نازل فرمائے جن کو لا عينٌ رأت و لا أذنٌ سَمعت و لا خطر علىٰ قلب بشر (نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان سے سنا اور نہ کسی انسان کے قلب پر وارد ہوئی ہوں۔ م.ا.ع۔ اللّٰھم آمین)

آخر میں پھر ناظرین اور قارئین سے استدعا ہے کہ اس ہیچمیرز کو اپنی مقبول دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔ شاید مالک حقیقی اور ستار عیوب اس لم يكن شيئاً مذكوراً کو جس کی نااہلی مسلم ہے کبھی نیستی کے صحرا میں انفس و آفاق سے فارغ کر کے کسی صاحب دل کے طفیل معائب و معاصی سے درگذر کرے اور مغفرت فرمائے۔

اے کہ من زشت و خصالم جملہ زشت　　چوں شوم گل چوں مرا اوُ خار کشت
درکمالِ زشتیم من منتہی　　لطفِ تو در فضل و در فن منتہی
نوبہارا! حسنِ گل دہ را　　زینت طاؤس دہ ایں مار را

(میں بھی ناچیز، میری خصلت و عادت بھی ایسی۔ جب مجھے کانٹا سمجھ کر بویا تو پھول کیسے بن جاؤں۔ جتنی میری ہیچمدانی حد کو پہنچی ہے اتنا ہی تیرا فضل و کرم انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ نوبہارا! اس کانٹے کو گلاب کا حسن عطا فرما اور اس سانپ کو مور کی خوبصورتی عطا فرما۔ م.ا.ع)

اور یہ وزیر جس کا نام عبد الملک ہے قطب مدار کی روح سے فیض لیکر اہل علوی پر اس کا افاضہ کرتا ہے اور یہ دوسرا وزیر جو بائیں جانب ہے جس کا نام عبد الرب ہے قطب مدار کے دل سے فیض لیتا ہے اور اہل سفلی پر افاضہ کرتا ہے اور جب قطب مدار دنیا سے رحلت کرتا ہے اور عقبیٰ پر پہنچتا ہے تو یہ عبد الملک جو وزیر راست ہے قطب مدار کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس کا نام اختیار کر لیتا ہے کیوں کہ قطبیت پر پہنچ جاتا ہے اس کا نام عبد اللہ ہوتا ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں میں اسے عبد اللہ کہا جاتا ہے خواہ اس کا نام دوسرا ہو بائیں جانب کے وزیر کو جو عبد الرب ہے عبد الملک کی جگہ پر پہنچاتے ہیں اور ابدال میں سے کسی ایک کو جو قطب اسرافیل ہے عبد الرب کی جگہ پہنچاتے ہیں۔ پس عبد الملک قطب مدار ہو جاتا ہے اور عبد الرب عبد الملک ہو جاتا ہے اور ابدال مذکور عبد الرب کی جگہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روز قیامت تک باقی رہتے ہیں۔ فاما الاقطاب وهم على قلوب الانبياء عليهم السلام قالوا احد منهم على قلب نوح عليه السلام والثانى على قلب ابراهيم عليه السلام والثالث على قلب موسى عليه السلام والرابع على قلب عيسى عليه السلام والخامس على قلب داؤد عليه السلام والسادس على قلب سليمان عليه السلام والسابع على قلب ايوب عليه السلام والثامن على قلب الياس عليه السلام والتاسع على قلب لوط عليه السلام والعاشر على قلب هود عليه السلام والحادى عشر على قلب صالح عليه السلام والثانى عشر على قلب شيث عليه السلام، و الاقطاب المذكورة اثنا عشر قطبا وعيسى والمهدى خارجان عنهم بل يكونان من المفردين كما قال عليه السلام علماء امتى كانبياء بنى اسرائيل، (اقطاب انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر ہیں انھوں نے کہا کہ ان میں سے ایک حضرت نوح علیہ السلام کے قلب پر ہے اور دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہے اور تیسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور چوتھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور پانچواں حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب پر ہے اور چھٹا حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب پر ہے اور ساتواں حضرت ایوب علیہ السلام کے قلب پر ہے اور آٹھواں حضرت الیاس علیہ السلام کے قلب پر ہے اور نواں حضرت لوط علیہ السلام کے قلب پر ہے اور دسواں حضرت ہود علیہ السلام کے قلب پر ہے اور گیارہواں حضرت صالح علیہ السلام کے قلب پر اور بارھواں حضرت شیث علیہ السلام کے قلب پر ہے۔ اور مذکورہ اقطاب بارہ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؑ ان سے الگ ہیں بلکہ وہ مفردین میں سے ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) ان علماء سے مراد اولیاء ہیں جو اولیائے ربانی ہیں۔ اور تم نہیں جانتے اور ایک جانتے ہو۔ واما قطب المدار فواحد واسم عبد اللہ وکان ساکنا

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریمؐ

ہندوستان میں تصوف کی روایت اسلام کے اس ملک میں ورود مسعود سے ہی ملتی ہے۔ ماضی سے آج تک ہندوستانی ارباب تصوف کی نگارشات کو جو لاکھوں کی تعداد میں منصۂ شہود پر آئیں دو حصوں میں آسانی سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک کا تعلق اس کی تاریخ، اذکار و اشغال اوراد و وظائف اور تعلیمات سے ہے اور دوسرا حصہ ان حقایق و معارف اور اسرار و رموز سے متعلق ہے جو بعض صاحبان حال صوفیہ نے اپنے مکتوبات و ملفوظات کی صورت میں ارشاد فرمائے نیز جن کی افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تصوف کا یہ عظیم سرمایہ بیشتر فارسی زبان میں ہے۔

زیر نظر تصنیف حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ایک محبوب و منظور نظر مرید و خلیفہ، حقایق و معارف کے بحر زخار حضرت شیخ سید محمد بن جعفر مکی حسینیؒ کے ۳۶ دقیق مکتوبات پر مشتمل ہے۔ یہ مکتوبات انھوں نے ملک محمود عرف شیخنؒ کے نام تحریر فرمائے۔ مکتوب نگار کی قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں یہ مکتوبات خود گواہ ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے بعض خلفا مثل حضرت سید محمد گیسو درازؒ بن سید یوسف حسینی دہلویؒ شہرت و ناموری کے اوج پر پہنچے لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن کو وہ شہرت حاصل نہ ہوسکی اور جن کے حالات زندگی پردۂ خفا میں رہے۔ ان ہی شخصیات میں ایک شخصیت صاحب بحر المعانی حضرت شیخ سید محمد بن جعفر مکی حسینیؒ کی ہے جن کے حالات زندگی

تفصیل سے دستیاب نہیں ہوتے ہیں۔ ہمارے پیش نظر سب سے مستند و اہم ماخذ ''بحر المعانی'' ہے۔ اس کے بعد دوسرا ماخذ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کی ''اخبار الاخیار فی اسرار الابرار'' ہے۔ شیخ وجیہہ الدین اشرف لکھنوی نے ''بحر زخار'' میں اور بعد کے چند سوانح نگاروں نے اخبار الاخیار کا تتبع کیا ہے۔

صاحب بحر المعانی کے سن ولادت کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ ان کے آبا و اجداد مکہ معظمہ کے شرفا میں سے تھے۔ حضرت شیخ کی ولادت بھی وہیں ہوئی اسی بنا پر وہ اپنے نام کے ساتھ مکی لکھتے تھے۔ مولف ''نزہۃ الخواطر'' کو غالباً تسامح ہوا جو انھوں نے ولد و نشاء بدار الملك دهلی (پیدائش ونشو ونما دہلی میں ہوئی) لکھا۔ وہ اپنے والدین کے ہمراہ دہلی آئے اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ مولانا شمس الدین یحییٰؒ سے اکتساب علم کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار امیر کبیر جعفر نصیر ایک دن میرے شیخ حضرت نصیر الدین محمودؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ شیخ نے ان سے فرمایا کہ جعفر! سید محمد (مکتوب نگار) میدان لاہوت کا شہباز ہے۔ تین سو اسّی سے زیادہ اولیا و اقطاب اس سے فیض حاصل کریں گے اور اس کی بیعت سے سرفراز ہوں گے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ مولانا شمس الدین یحییٰؒ سے ''تلخیص'' پڑھا کرتا تھا۔

حصولِ علم کے بعد بہت سے ممالک کی سیر کی اور ''جم غفیر مشائخ عظام کبار'' سے ملاقات کی اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ فرماتے تھے کہ اس بوڑھے فقیر نے بیس سال تک عاشقانِ الٰہی کے آستانوں پر خاک روبی کی اس کے بعد صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی خدمت عالیہ میں تین ماہ بارہ یوم تک حاضر باش رہا اور مرید ہونے کے بعد تین ہدایات پر عمل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہوگیا۔ (۱) پانچوں وقت پانی لاکر اپنے شیخ کو وضو کرانا (۲) شیخ کے گھر کی روشنی کا انتظام کرنا (۳) شیخ کے استنجے کے لیے ڈھیلے لانا مگر میں انھیں حاصل کرنے کے بعد اپنے رخساروں پر مسل کر صاف کرلیا کرتا تھا۔ یہ اس زمانے کے بات ہے جب سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں میرے والد ماجد کے پاس پورے علاقہ کھنبات کی جاگیر تھی اور ایک ہزار تین سو سوار بھی مقرر تھے۔ اپنے شیخ کی اجازت سے

تین سو بیاسی اولیاء کرام کو پایا اور ان کی خدمت کی، ہر ایک سے مجھے فائدہ ہوا۔ ظاہر پرست صوفیہ اور عوام الناس یہ سمجھتے ہیں کہ یہ منزل بڑی آسان ہے۔

بحر المعانی میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اے محبوب میں صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمودؒ سے مرید ہونے کے بعد آپ کی برکت سے راہ تصوف وسلوک میں ترقی کرتا رہا اور مقام تجلیٔ صفات سے تجلی ذات میں جو مستور و پوشیدہ رکھنے کا مقام ہے داخل ہوا۔ ایک روز جب صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمودؒ ذکر خفی فرما رہے تھے میں آپ کی خدمت میں بڑی متواضعانہ صورت میں حاضر ہوا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا اے میدان عالم لاہوت کے شہباز، عالم جبروت کے پاکیزہ! عالم ملکوت کے ناسوت و شہسوار آیئے۔ بعد ازاں میری آنکھوں میں سرمہ کی ایک سلائی ڈالی اور فرمایا کہ یہ جمال ذاتِ الٰہی کے نور کا سُرمہ ہے۔

بحر المعانی میں ان تین سو بیاسی مشہور بزرگوں کے اسماء، جائے سکونت، مقام ملاقات، سفر و قیام اور ان کیخدمت میں اپنے ٹھہرنے کی مدت وغیرہ کی تفصیل لکھی ہے۔ مزید برآں یہ کہ میں نے صفوان بن قصی برادر عبد مناف کو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ایک غار میں مصروف عبادت دیکھا۔ میں نے جس روز ان سے ملاقات کی اس وقت ان کی عمر نو سو بانوے سال کی تھی۔ میں نے اُن سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں درازیٔ عمر کی دعا فرمائی تھی۔

کب دہلی سے سرہند تشریف لے گئے اس کی صراحت نہیں ملتی ہے لیکن سو سال سے زائد عمر پا کر وہیں وفات پائی اور آسودۂ خواب ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال علوم ظاہری کی تحصیل میں صرف کیے اور بڑے بڑے کمالات حاصل کیے اس زمانے میں مَیں محبوب ازلی و مقصود ابدی سے غافل تھا اور اب یہ حال ہے کہ تیس برس سے قوت بینائی جو دکھاتی ہے اسے دیکھتا ہوں اور کان جو سناتے ہیں سنتا ہوں۔ اے محبوب اہل ظاہر کے دل اور ان کی بانجھ عقل اس راستہ میں حائل تھی ورنہ اپنا ابدی ولم یزل سامان جنگل کی طرف باندھ چکتا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے لوگوں نے ابھی تک سنا نہیں اور اللہ رب العزت نے بغیر حرف اور آواز کے جوام الکتاب میں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اسے

جب حروف اور آواز کے ذریعہ سے لوگوں پر ظاہر کرتا ہوں وہ سمجھتے نہیں۔ تینتیس سال ہوگئے ہیں کہ لوگوں کے مثل کہنے سے میں نے توبہ کر لی ہے اور جو کچھ کہتا ہوں اس میں اپنی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی ہے۔

صاحب بحر المعانی کی عمر اور سنہ وفات کی صحیح تعیین کرنا محل نظر ہے۔ اخبار الاخیار اور بحر زخار کی روایت کے مطابق آپ کا زمانہ ''از زمانِ سلطان محمد تغلق تا زمانِ سلطان بہلول در حیات بود'' ہے۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول کے زمانہ تک حیات رہے۔ یہی بیان صاحب بحر زخار کا ہے۔

صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' مفتی غلام سرور لاہوری نے پتہ نہیں کس تحقیق کی بنیاد پر وفات کا سنہ ۸۹۱ھ لکھا ہے۔ ''وفات سید محمد در سال ہشتصد و نو یک قبل از وفات سلطان بہلول شاہ لودی واقع شد و از حضرات چشت اہل بہشت عمری طویل مثل وی کم یافتہ است۔

چوں محمد ابن جعفر میر دیں   گشت از دنیا بہ جنت جای گیر
گفت سرور پیر کامل متقی   سال وصل آں شہ برنا و پیر
باز سالِ ارتحالش گفت دل   سید آلِ محمد دست گیر

۸۹۱ھ

مولف نزہۃ الخواطر نے بھی ۸۹۱ھ لکھا ہے۔

سلطان محمد تغلق کا زمانہ (۱۳۲۵ء/ ۷۲۵ھ تا ۱۳۵۱ء/ ۷۵۲ھ) ہے اور سلطان بہلول لودی (۱۴۵۰ء/ ۸۵۴ھ تا ۱۴۸۹ء/ ۸۹۴ء) ہے۔ بحر المعانی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکاتیب ۱۰؍صفر ۸۲۴ھ سے ۲۷؍محرم ۸۲۵ھ تک کے ہیں۔ مزید برآں ان مکاتیب سے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مکاتیب نگار کی عمر اس وقت ۹۳ برس سے زائد کی تھی۔ فرماتے ہیں'' کہ ۹۳ سال تک دوستوں اور چاہنے والوں پر نظر رکھی اور کسی لایق وفایق، اپنے ان کلمات کا ذائقہ چکھنے والے کو ڈھونڈھتا رہا آپ سے زیادہ کسی کو محبّ، مطلوب اور محبوب نہ پایا۔

اگر آپ کی ذات عالی صفات نہ ہوتی تو میرا کتابخانہ جہان سے ضرور چلا جاتا نہ

کسی کو پاتا نہ کہتا جب برسوں باطن سے حریف کے نہ ملنے پر جس سے راز کہا جا سکے گرم و سرد آہیں نکلتی رہیں اور کسی کو نہ پایا تو ڈرتا تھا کہ آسمان سے آگ نہ برسنے لگے۔

محمد آہ گرمت بر فلک رفت
عجب کز آسماں آتش نہ بارد''

مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں کم از کم سنہ ولادت کی تعیین کسی حد تک کی جاتی ہے لیکن سنہ وفات ۸۹۱ھ کی نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ۔

مولف بحرزخار، صاحب بحر المعانی کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں ''آں سرشار بادۂ محبت' آں میم محوطۂ مودت، آں معروف بہ صفا مزکی، فرد کامل میر سید محمد بن جعفر المکی مرید و خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی است بغایت قوی واحوال و ہمت بلند نیز بے باک و بے نیاز بود سخن را مستانہ می گفت۔''

صاحب اخبار الاخیار رقم طراز ہیں کہ:

> ''آپ مقام توحید و تفرید میں عالی مرتبہ رکھنے کے علاوہ بڑے بلند پایہ بزرگ اور ولی تھے۔ آپ نے جو اپنے ظاہری و باطنی حالات تحریر فرمائے ہیں انکو دیکھ کر انسانی عقل بغیر حیران رہے نہیں رہ سکتی اگر ان تمام احوال کو بغیر کسی تاویل کے ظاہر پر ہی محمول کر لیا جائے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ واقعی اپنے وقت کے بڑے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے باطن کو پاک فرمائے۔ آپ نے اپنی کتاب ''بحر المعانی'' میں توحید کے اکثر دقائق اور مختلف قوموں کے علوم اور اسرار و رموزِ معرفت کو بیان فرمایا ہے۔ آپ کی تحریر کا انداز بڑا مستانہ وار ہے۔ آپ نے دو مزید کتابیں ''دقائق معانی اور حقائق معانی'' لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ خدا معلوم آپ کی یہ کتابیں لکھی گئی ہیں یا نہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے یہ رسالے بھی ہیں (۱) رسالہ روح کے بیان میں (۲) پنج نکات (۳) بحر الانساب، اس میں اپنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

> وآلہ وسلم کے اہل بیت کا نسب نامہ لکھا ہے۔ آپ نے بہت سے دعوے کیے ہیں لیکن آپ کے حالات ان کی سچائی پر بیّن دلیل ہیں۔“

مولف نزہۃ الخواطر کی نگاہ سے بھی ”بحر الانساب“ اور ”بحر المعانی“ گزرے ہیں۔ بحر الانساب کا ایک نسخہ راقم احقر کی نگاہ سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کلکشن (۱۸۳ فارسیہ اخبار) میں جو ۱۴۲ اوراق پر مشتمل ہے گزرا ہے۔ اس کے ہر صفحہ میں ۱۱ سطریں ہیں۔ اس میں حضرت آدم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت وائمہ اطہار کے مختصر حالات ہیں۔

دقائق المعانی:

اس اہم اور کمیاب بلکہ ایک عرصہ تک نایاب تصنیف کا واحد معلوم نسخہ نیشنل میوزیم (۶۱.۱۴۲۰) نئی دہلی میں محفوظ ہے۔ متوسط تقطیع میں ۱۵ سطری، ۲۱۳ اوراق پر خفی خط میں ہے۔ اس میں ۴۶ مکتوبات ہیں۔ صفحہ اول پر ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۳۱۵ھ میں نقل ہوا ہے۔

اس میں مباحث تقریباً وہی ہیں جو بحر المعانی میں ہیں۔ حقایق و معارف کے بیانات کا طرز بھی وہی ہے۔ راقم سطور کے پاس مخطوطہ کا عکس محفوظ ہے۔ اس نے حضرت مترجم وشارح بحر المعانی سے مودبانہ التماس کیا ہے کہ وہ بحر المعانی کی طرح دقایق المعانی کا بھی ترجمہ وشرح فرمادیں کہ فی زمانا یہ صرف ان ہی کا حصہ ہے۔ کاش راقم احقر کی یہ عرضداشت شرف قبولیت حاصل کرے۔ آغاز اس طرح ہے:

”بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين الذی خلق الخلایق بقدرته و خلق الانسان بمحبته وعلی صورته

هست انساں مصحف ذرات او   کس نہ بیند جز بداں مرأت او
نقش نقاشی بانساں آمده ست   سایۂ خورشید پنہاں آمده ست

فیقول عبدالنبی محمدجعفر الحسینی المکی بصر عیو ب نفسه و جعل یو مه خیر من امسه

سبب تالیف کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ روز شنبہ ۲؍رجب ۸۲۵ھ کو میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپؐ نے فرمایا بیٹے! صمدیت کے اسرار قلم بند کرو۔ چنانچہ میں نے ارشاد عالی کی تعمیل کی۔

پہلا مکتوب بدایت ونہایت (آغاز وانجام) اوراس کے لوازم کے سلسلہ میں ۱۰؍رجب ۸۲۵ھ کا ہے۔ آخری (۴۶واں) مکتوب علم قلبی وعلم لسانی سے متعلق ۱۲؍ربیع الاول ۸۲۷ھ کا ہے۔

آخری عبارت یہ ہے:

"الحمد لله رب العلمین علی اتمام دقایق المعانی و الصلوٰة و السلام علی محمد سید المرسلین و خاتم النبیین و علی وصیه وهو خیرالمومنین اعنی علی المرتضی علیه السلام الخ۔

حضرت مصنفؒ نے بحر المعانی میں اکثر حقایق ومعارف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان کی سمائی بحر المعانی میں چونکہ نہیں ہے اس لیے انھیں دقایق المعانی میں بیان کروں گا۔ مثلاً کفر جلالی و جمالی والٰہی وغیرہ۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ''قدرت لایزالی کے جو عجائب وغرائب میں نے دیکھے ہیں اگر ان میں سے کچھ بیان کردوں تو اہل ظواہر اور عام مخلوق کا پتہ پانی ہوجائے اور وہ بے جان ہوجائیں۔ بیچارے اہل ظواہر کا معدہ دودھ پیتے بچوں جیسا ہے جو حلوے اور بھنے ہوئے پکوان ہضم نہیں کرسکتا۔ جب گزک ہی نہیں برداشت کرسکتے تو شراب خالص کیا برداشت کریں گے۔ یہ تمام نکتے میں نے خون دل سے لکھے ہیں:

زسرار عاشقاں چو محمد بروں دہم   ایں عشق و معرفت ہمہ زیر و زبر کنم

(محمد! جب میں عاشقوں کے اسرار آشکارا کرتا ہوں تو عشق ومعرفت سب کو درہم برہم کر دیتا ہوں)

عاشقی و معشوقی کے معانی کی شرح دقایق المعانی میں کی ہے کہ ان کا اطلاق حق تعالیٰ اور مخلوقات پر کس طرح کرنا چاہیے۔

بحرالمعانی:

حضرت شیخؒ کی سب سے اہم تصنیف بحرالمعانی ہے جو حقیقتاً حقایق و معارف اور اسرار و رموز کا مخزن ہے۔ اکثر مقامات تو ایسے ہیں کہ عوام تو عوام بعض خواص کے ذہن سے بالا ہیں۔ تصوف کے بکثرت مقامات، اس کے مسائل اور اسرار و رموز ایسے ہیں جہاں عقل انسانی کا دور دور تک گزر نہیں۔ انسان اگر چشم بصیرت رکھتا ہو تبھی وہ اس وادی کی سیر کر سکتا ہے۔ اہل دنیا جو چشم ظاہر سے حضرات صوفیہ کے احوال و کوائف، ان کے مشاہدات و مکاشفات دیکھتے ہیں وہ نہ جانے کتنی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کو ہدف ملامت بنانا، ان پر اعتراض کرنا اور ان کی تکفیر و تشریک کو اپنے لیے دو جہاں کی سرخروئی و سرفرازی سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ بقول حضرت سرمدؔ اگر تم محرم اسرار نہیں ہو تو یہ کیوں سمجھتے ہو کہ دوسرا بھی محرم اسرار نہیں۔

زنہار مگو کہ رہرواں نیز نیند   کامل صفتانِ بے نشاں نیز نیند
زیں گونہ کہ تو محرمِ اسرار نئی   می پنداری کہ دیگراں نیز نیند

بحرالمعانی کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں ہیں کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری (ضلع لکھنؤ) میں ۳ قدیم نسخے موجود ہیں۔ پہلا نسخہ ۴۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اس کے ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں بخط قدیم و نستعلیق ہے۔ صفحہ اول پر تین مہریں ہیں ایک مہر پر شیخ علی ۱۰۵۱ھ ہے دوسری مہر غلام محی الدین خاں کی ۱۱۹۳ھ کی ہے۔ ایک تیسری مہر مٹی ہوئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ شاہی مہر ہے۔ صرف شاہ اور محمد پڑھا جا سکتا ہے مدوّر ہے۔ راقم احقر کی نگاہ سے اب تک بحرالمعانی کے جتنے نسخے گزرے ہیں مذکورہ بالا نسخہ سب سے صاف اور قدیم ہے۔ پہلے ہی صفحہ پر غیاث الدین محمد بن فتح الضیا گیلانی کی تحریر ہے اور محمد عزیز الدین نور عالم چشتی ہاشمی کے دستخط اور ان کا سجع ''زاحدیت جہاں گشتہ

محمد نور عالم شد'' درج ہیں۔ اسی صفحہ پر علامہ میر نذر علی علوی دردؔ کاکوروی کے ۷؍صفر ۱۳۵۴ھ/ ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء کے دستخط ہیں اور نسخہ مذکورہ کی قیمت خرید ۵ روپے درج ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور اسی نسخہ کی مدد سے لکھی جارہی ہیں۔ کیوں کہ قیاس یہ ہے کہ یہ مصنف کے قریب ترین عہد کا ہے۔

''بحرالمعانی'' کا ایک دوسرا نسخہ بھی ۵۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں۔ خط نستعلیق و خفی ہے اور پہلے نسخہ کی طرح صاف و قابل استفادہ ہے۔ سن کتابت ۱۱۱۴ھ، ۴۶ جلوس عالمگیری درج ہے۔ دو تین قلم بدلے ہوئے ہیں۔ ابتدائی ۷۴-۷۵ صفحات تو بہت خوشخط ہیں لیکن باوجود اس کے دونوں نسخوں میں کتابت کی بڑی غلطیاں ہیں۔

تیسرا نسخہ ۵ جمادی الثانی ۱۰۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے مگر یہ نسخہ خوش خط نہیں ہے۔ ۱۶۵؍اوراق ہیں ورق ۵۰ پر ۱۱۶۶ھ کی مہر ہے۔ کتابت کی اغلاط بہت کم ہیں۔

ان تینوں نسخوں کے علاوہ راقم السطور کے مطالعہ سے ۱۹۸۹ء میں انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ وہاں کا قدیم ترین مخطوطہ مکتوبہ ۱۹؍رمضان ۱۰۵۵ھ بھی گزرا ہے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی اس کے تین نسخے موجود ہیں۔ یہاں کا قدیم ترین نسخہ ۱۰۷۸ھ کا ہے۔

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا نسخہ تیرھویں صدی کا ہے اور خوشخط نہیں ہے مگر قابلِ استفادہ ہے۔

بحرالمعانی اب سے تقریباً سو سال قبل طبع ہوچکی ہے مگر اس قدر اغلاط ہیں کہ پڑھنا اور پھر صحیح مفہوم نکالنا مشکل ہے۔ اس میں ۳۶ مکتوبات اور ایک خاتمہ ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ مکاتیب کے عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں (۱) مکتوب اول در ایمان - یہ مکتوب ۱۰؍صفر المظفر ۸۲۴ھ کا ہے (۲) نماز - دوشنبہ ۵؍ربیع الاول ۸۲۴ھ (۳) زکوۃ روزہ و حج - یکشنبہ ۱۸؍ربیع الاول ۸۲۴ھ (۴) معرفت - ۱۳؍ربیع الآخر ۸۲۴ھ (۵) روح - ۷؍جمادی الاولی (۶) روح - ۱۵؍جمادی الاولی ۸۲۴ھ (۷) عشق - جمعہ

۴؍ جمادی الآخر ۸۲۴ھ (۸) عشق - ۲۷؍ شعبان المعظم ۸۲۴ھ (۹) عشق - ۹؍ رمضان المبارک ۸۲۴ھ (۱۰) عشق - یکشنبہ ۱۳؍ رمضان المبارک ۸۲۴ھ (۱۱) دربیان اسرار انسان - ۲۹؍ رمضان المبارک ۸۲۴ھ (۱۲) شاہد - پنجشنبہ ۴؍ شوال المکرّم ۸۲۴ھ (۱۳) مشاہدات - پنجشنبہ ۱۱؍ شوال المکرّم ۸۲۴ھ (۱۴) مشاہدات - ۲۳ شوال المکرّم ۸۲۴ھ (۱۵) مشاہدات - یکشنبہ ۲۸ شوال المکرّم ۸۲۴ھ (۱۶) مشاہدات - ۳۰ شوال المکرّم ۸۲۴ھ (۱۷) دربیان طالب و مطلوب - جمعہ ۳؍ ذی قعدہ (۱۸) کفر - ۴؍ ذی قعدہ (۱۹) کفر - پنجشنبہ ۹؍ ذی قعدہ ۸۲۴ھ (۲۰) اسرار قرآن - یکشنبہ ۱۲؍ ذی قعدہ (۲۱) اسرار - ۱۹؍ ذی قعدہ ۸۲۴ھ (۲۲) اسرار - دوشنبہ ۲۴؍ ذی قعدہ ۸۲۴ھ (۲۳) اسرار - ۱۰؍ ذی الحجہ ۸۲۴ھ (۲۴) اسرار - شب شنبہ ۲ ذی الحجہ (۲۵) شکر - ۷؍ ذی الحجہ ۸۲۴ھ (۲۶) وصول - ۱۲؍ ذی الحجہ ۸۲۴ھ (۲۷) دربیان معرفت نفس و عجب - سہ شنبہ ۱۰ ذی الحجہ ۸۲۴ھ (۲۸) اسرار مذاہب - ۲۳؍ ذی الحجہ (۲۹) دربیان وجد و حالات انبیاء و اولیاء (سماع) دوشنبہ ۲۶؍ ذی الحجہ ۸۲۴ھ (۳۰) رویاء - یکشنبہ ۲؍ محرم الحرام ۸۲۵ھ (۳۱) نماز اور اس کے لوازم - ۵؍ محرم الحرام ۸۲۵ھ (۳۲) دربیان نور و جنون - ۱۱؍ محرم الحرام ۸۲۵ھ (۳۳) اسرار - ۱۴ محرم الحرام ۸۲۵ھ (۳۴) مشارب - ۱۰؍ محرم الحرام ۸۲۵ھ (۳۵) حقیقت - دوشنبہ ۲۴ محرم الحرام ۸۲۵ھ (۳۶) عشق و اسرار - ۲۷؍ محرم الحرام ۸۲۵ھ - خاتمہ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب ہیں۔

یہ مکاتیب حقایق و معارف کا گنجینہ ہیں جن کے مطالعہ سے جہاں مکتوب نگار کے علمی تبحر، فضل و کمال اور عرفان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے وہاں جستہ جستہ ان کے حالات و واقعات کا علم بھی ہوتا ہے۔ بحرالمعانی کے مکاتیب الیہ کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ کون صاحب ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہ حضرت شیخ کے برادرطر اور دوست یا ممکن ہے مرید ہوں جن کا نام ملک محمود عرف شیخن ہے۔ انداز تخاطب ایسا البیلا و مستانہ وار ہے کہ دلوں کو موہ لیتا ہے۔ ہر مکتوب کے آغاز میں تمہیدی کلمات ہیں جن کو

طوالت کے خیال سے حذف کیا جا رہا ہے۔ محبوبم، جانم، فرزند عزیز، عزیز از جانم و دلم جیسے محبت آمیز الفاظ کا جا بجا استعمال ہے:

من برائے ''شیخن'' از باطن زسر
برکشادم صَد در از دیوانگی

راقم احقر نے ترجمہ میں تسلسل کے خیال سے اپنی فہم ناقص سے بعض مقامات پر محبوبم و جانم کو حذف کر دیا ہے۔ ان مکاتیب میں جا بجا حضرت شیخ کے عارفانہ فارسی اشعار بھی ہیں۔ تخلص محمد ہے۔

ابتدا اس طرح ہے:

''آں خدای کہ انگبین شیریں نوش را از فوارہ تلخ نیش زنبور بہ قدرت خویش چکاند، وآں سبحانی کہ نبات در قمطرۂ عطا از شاخ نومیدی رساند وآں ملکی کہ اشک دیدہ برابر۔'' الخ

یعنی وہ خدا جو اپنی قدرت سے شہد کی مکھی کے لیے تلخ شگوفوں کے فوارہ سے انگبین شیریں نوش ٹپکاتا ہے اور وہ سبحان جو سوکھی شاخ سے عین یاس میں اپنے کیسۂ عطا سے سبزہ ظاہر فرماتا ہے اور وہ تصرف کرنے والا جو گہرے اَبر کے آنسو جن کو بارش کہتا ہے رات کو صدف کی آنکھ کے خانہ میں فروزاں کرتا ہے اور وہ قادر جو کالی رات کے نفس کو جن کو توصبح کہتا ہے نیلے آسمان کے نیچے دن کی خلعت پہناتا ہے اور ایسا صانع جو عارضِ خورشید سے اندھیری رات کی زلف کا نور دکھاتا ہے اور آسمان کے چہرے پر روشن ستاروں کی آنکھیں کھولتا ہے۔ وہ ایسا ستار ہے جو اپنے فضل کی آگ سے گناہ گاروں کے گناہوں کا کھلیان جلا ڈالتا ہے اور عنایت کی راہ پر چلنا سکھاتا ہے اہل وجدان اور عاشقوں کو محبت کرنا سکھاتا ہے اور موحدوں کی گردنوں میں توحید کی لڑی باندھتا ہے اور اپنے جمال کا شوق مشتاقوں کے باطن میں مقرر فرماتا ہے۔ وہ ظہور کرنے والا جو اپنے سراپردۂ کبریائی کو اپنے نور کی چمک کے سامنے لٹکا دیتا ہے تاکہ اس کے انوارِ جمال کے دردِ فراق سے دل خون ہو جائیں اور کشتی سلوک کبھی جلال کا کشف کرے یہاں تک کہ تجلیِ صفات پاک کی ہیبت سے آنکھیں بہہ نکلیں

اور کبھی اہل عرفان کی محبت کو جنبش دے کر ہزار فرسخ کے بُعد کو ختم کر دیتا ہے تا کہ موسیٰ کی طرح طور میں اور وحی غفور کے حریم میں مستغرق ہو جائیں اور اپنے آپ کو وہی دیکھیں اور لَیسَ فِی الوُجُودِ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا وجود میں کوئی نہیں ہے) کا گیت گائیں اور کبھی اہل اسلام کی جان میں اسرار کے جام لنڈھائے تا کہ وہ غایتِ مستی میں اس کی ہستی میں مستغرق ہو جائیں اور 'انا الحق' اور 'سبحانی ما اعظم شانی' کے نعرے لگائیں۔ الخ

حمد وثنا اور تمہید کے بعد رقم طراز ہیں ''اما بعد فیقول العبد المفتقر الی اللہ الغنی محمد بن نصیر الدین جعفر المکی الحسینی بصر عیوب نفسه **نکات** اسرار معانی از طومار سبع المثانی حقایق انوار دقایق اسرار بادشاہ سید مختار علیہ السلام بالتماس و درخواست برادر محترم ملک **محمد** عرف **شیخن** ارشد اللہ تعالیٰ در قلم آوردم و این کتاب رابعون سبحانی بحرالمعانی مسمّٰی کردم اِنَّ اللّٰہ بَالِغُ اَمرِہٖ۔''

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! میں نے اتنی سیر و سیاحت کی اور اس قدر مختلف مذاہب کے لوگوں سے اس درمیان ملا ہوں اور اُن سے گفتگو کی ہے کہ اگر اس سب کو تفصیل سے بیان کروں تو ایک ایسا ضخیم ذخیرہ تیار ہو جائے گا جسے اٹھانے کے لیے اونٹوں کی ضرورت پڑے گی۔

۲۶ ویں مکتوب میں پھر فرماتے ہیں کہ میں اگر ان تمام کلمات کو جو مجھ پر وارد ہوئے بحرالمعانی میں درج کر دیتا تو یہ جہان لرزہ براندازم ہو جاتا۔ میں اپنے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیرت کی وجہ سے بڑا ہراساں ہوں (کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کسی فعل سے غیور ہونے کے بنا پر خفا ہو جائیں) میں دو غیوروں کے درمیان ہوں جیسا کہ حدیث شریف ہے انا غیور و اللہ اغیر منّی (میں غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے)

بحرالمعانی کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ پنجشنبہ ۲۷ محرم الحرام کو جب ۳۶ واں مکتوب لکھ رہا تھا اور قلم اسرار عشق میں بڑی تیزی سے چل رہا تھا جب زُرِ غِبًا تزدَد حُبًا (کبھی کبھی ملا کرو محبت بڑھے گی) کے مقام پر پہنچا تو ایک

دوسری کیفیت وحال میں چلا گیا اور گھٹنوں پر سر رکھ دیا اسی عالم میں مشاہدہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کرام مع حضرت علی مرتضٰی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر حضرت نصیر الدین محمودؒ (چراغ دہلی) تک تمام حضرات مسجد قبا میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے بڑی عاجزی وانکساری سے سلام عرض کیا سب بزرگوں نے اس گنہ گار پر نظرِ رحمت فرمائی، بیٹھنے کا حکم فرمایا چنانچہ خاکسار ایک جگہ بیٹھ گیا۔

درحلقۂ عاشقان چالاک
ماصدر نشین زیر دستم

(ہوشیار عاشقوں کے حلقہ میں بلند و پست کے صدر نشین ہم ہیں)

میں نے دیکھا کہ ہر ایک کے چہرہ مبارک سے مسرت وخوشی ظاہر ہو رہی ہے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی زبان میں مجھ سے فرمایا اے حضرت لم یزل ولایزال کے مست فرزند بحر المعانی لاؤ۔ میں نے جو ۳۵ یا ۳۶ مکاتیب لکھے تھے فوراً پیش کر دیئے۔ سرکارؐ نے اپنی نبوت کی طاقت سے تمام مکتوبات بہت جلد پڑھ کر فرمایا ''اے بیٹے تمام تعریف اس ذات کی ہے جس نے تم کو ان اسرار ورموز کا علم عطا فرمایا۔ بعد ازاں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس سے زیادہ علم عطا فرمائے''۔ اس کے بعد فارسی زبان میں ارشاد فرمایا کہ'' دوستو! بحر المعانی کا یہ مصنف وہ شخص ہے جس نے پورے کلام مجید کے حقیقی معنوں کو بحر المعانی میں لکھ دیا ہے اگر روئے زمین کے تمام علوم دھو دیئے جائیں اور ایک ورق بھی ان علوم کا باقی نہ رہے تب بھی یہ شخص ان علوم کو ازسرِ نو تحریر کر ڈالے گا۔'' اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ'' بیٹے! حضرت لم یزال ولم یزل کے مست، ان اسرار ورموز کو صحرا میں نہ ڈال دینا کیوں کہ شریعت کے امور دنیا میں بہت کم ہوتے جا رہے ہیں اور اہلِ شریعت سے لوگ نفرت کرنے لگے ہیں''۔ میں نے اقرار کیا کہ ارشاد سر آنکھوں پر، چنانچہ ۳۶ ویں مکتوب سے آگے اس واقعے کے بعد لکھنا شروع کیا اور بحر المعانی کو مکمل کیا۔

اے محبوب! اس کے بعد خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کتاب ملاحظہ فرما کر حضرت علیؓ کو دی انھوں نے حضرت حسن بصریؒ کو، غرض کہ سلسلہ وار تمام مشائخ کے پاس

سے ہوتی ہوئی حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ تک پہنچی۔ انھوں نے ملاحظہ فرمانے کے بعد میرے ہاتھ میں دی اور میں تم کو دے رہا ہوں...... اے محبوب یہ فقیر اس بات کا منتظر تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی اجازت دے دیں کہ بحر المعانی کے دقایق وحقایق کو تحریر کیا جائے چنانچہ جب آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ ارشدك الله فی زیادة علمك (تمہارے علم کی زیادتی میں اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی فرمائے) تو میں نے اس کو تصنیف کی اجازت پر محمول کیا۔

مکتوب دوم میں فرماتے ہیں بھائی! اگر تو ہزار سال کی عمر پائے اور اہلِ ظواہر بھی پائیں اور تو نماز پڑھتا رہے اور وہ نماز پڑھتے رہیں۔ ہرگز قربت تک نہ پہنچیں گے جیسا کہ خواجۂ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "سیأتی علی الناسِ فی امتی زمان یجتمعون فی المساجد ویصلون ویصومون فی رمضان ومافیھم مسلم" عنقریب میری امت کے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مساجد میں جمع ہوں گے، نمازیں پڑھیں گے، رمضان میں روزے رکھیں گے اور حالاں کہ ان میں کوئی مسلمان نہ ہوگا۔ یقین جان لو کہ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے۔

اے محبوب! اس فقیر پر روح کا بیان پوری طرح منکشف ہوا ہے لیکن آپ کے لیے ایک لباس میں بیان کرتا ہوں اور تشریح کرتا ہوں۔ اس وقت کہ آپ کا نفس علم الیقین سے مقام قلب میں آئے اس کے بعد بھائی آپ کا قلب بھی علم الیقین سے عین الیقین میں غوطہ خوری کرے گا اور جوہر حق الیقین حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ ان اشعار کا جمال آپ پر تجلی کرے اور کرے گا۔

انچہ من در کوئے جاناں یافتم کمترین چیزہا جاں یافتم
چوں در افتادم بہ پندارِ بقا در بقا خود را پریشاں یافتم
تانہ پنداری کہ ایں دریائے ژرف نیست دشوار و من آساں یافتم
صد ہزاراں قطرۂ خون از دل چکید تانشانِ قطرۂ زاں یافتم

(میں نے کوئے جاناں سے جو کچھ حاصل کیا وہ یہ ہے کہ سب سے کمترین چیز جان ہے۔ جب بقا کے پندار میں پھنسا تو خود کو پریشان پایا۔ کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ گہرا دریا پار کرنا

مشکل نہیں ہے اور میں نے آسانی سے پار کرلیا۔ میرے دل سے خون کے ہزاروں قطرے ٹپکے تب اس کا ذرا سا نشان پا سکا)

گیارہویں مکتوب میں حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ دریائے ذات میں کشتی میں ہم سفری اور عجیب وغریب اسرار ورموز کا بیان ہے۔ یہ واقعہ ۹ر جمادی الاولی ۷۵۸ھ کا ہے۔

چودھویں مکتوب میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب جیسے بیان فرمائے ہیں وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ عقل انسانی حیران ہو جاتی ہے۔ عجیب وغریب اسرار ورموز کا بیان ہے۔ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

> ”روزی ایں فقیر در کشتی دریاءِ نیل مصر با خضر علیہ السلام مصاحب بود وسخن در بیان شاہدان لایزالی می رفت خضر علیہ السلام نیز فرمود کہ عبدالقادر گیلانی وشیخ نظام الدین بدایونی در مقام معشوقی بودند بعدہٗ فرمود واللہ ہیچو نظام الدین بدایونی وعبدالقادر گیلانی در زیر کبود آسمان نیامدہ است ونخواہد آمد۔“

یعنی یہ فقیر ایک روز مصر کے دریائے نیل میں کشتی پر خضر علیہ السلام کے ہمراہ تھا اور شاہدانِ لایزالی کے بارہ میں گفتگو کی تھی۔ خضرؑ نے یہ بھی فرمایا کہ عبدالقادر گیلانیؒ اور شیخ نظام الدین بدایونیؒ مقامِ معشوقیت میں تھے۔ پھر فرمایا خدا کی قسم نظام الدین بدایونیؒ اور عبدالقادر گیلانیؒ، جیسا نیلے آسمان کے نیچے نہ آیا ہے اور نہ آئے گا۔

اس کے بعد مقامِ معشوقیت اور مقامِ غیرت کی تشریح فرمائی ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیہ میں سے دو حضرات مقامِ قطبیت سے مقامِ معشوقیت تک رسائی حاصل کر سکے ہیں اور وہ دونوں یہی مذکورہ بالا حضرات ہیں۔

انیسویں مکتوب میں کفر جمالی، کفر روحی، کفر جلالی اور کفر الٰہی کے سلسلہ میں لکھا ہے پھر فرماتے ہیں کہ بیچارے مولانا جلال الدین رومیؔ کو ان کفروں کی خبر اور ان کا اثر پہنچا تھا کہ اس مقام سے اپنے کو آگاہ کیا ہے۔

ہنوز از کافِ کفرت خود خبر نیست حقایقہائے ایماں را چہ دانی
(تو ابھی اپنے کفر کے کاف سے ہی واقف نہیں ہے ایمان کے حقایق کو تو کیا جانے)

اسی مکتوب میں ابلیس کے کفر کے سلسلہ میں عجیب وغریب اسرار و دقایق ضبط تحریر فرمائے ہیں کہ عقل انسانی حیران ہے۔ جگہ جگہ اہل ظواہر کی نافہمی اور غلط فہمیوں کو بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں اے محبوب! بیچارے اہلِ ظواہر جو مقرب ہونے کے دعویدار ہیں انھوں نے اللہ تعالٰی کے کلام کے معنی کس جگہ صحیح بیان کیے ہیں۔ پھر وہ مفسرین کے بادشاہ جنھوں نے اپنا نام عبداللہ ابن عباسؓ رکھا کہتے ہیں کہ میں ایک رات شاہِ مرداں علی کرم اللہ وجہہ کے حجرہ میں تھا حرف بسم اللہ کے معنی بیان فرماتے تھے۔ رات ختم ہوگئی، حرفِ باء کے معنی پورے نہ ہوئے اور میں علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ۔ کے بیان معنی کے دریا میں پانی کی چھاگل کے مثل تھا۔ چھاگل میں کتنا پانی سما سکتا ہے۔ شاہ مفسراں عبداللہ بن عباسؓ کا تو یہ حال تھا۔ اہل ظواہر نے بیچارے زمخشری کو امام مفسراں بنایا ہے۔ واللہ زمخشری کو کلام ربانی کے معانی کی بُو بھی نہ ملی لیکن وہ لفاظ تھا اور کہنے میں ظاہری کوشش کرتا تھا۔ اس کی بات باطن کا مطلق اثر نہیں رکھتی اور وہ خود معانی کی حقیقت سے اتنا دور تھا جیسے کعبہ سے کنشت۔ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب اور محامد کا متعدد مقامات پر بیان ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اے محبوب نہ کہو گے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب میں کوشش بلیغ کرتا ہے جب کہ ہندوستان میں جو کوئی دو مرتبہ علیؓ کا نام لے اس کو رافضی کہتے ہیں۔ واللہ میں نے ان کے جو مناقب مشاہدہ کیے ہیں اگر ان کا ایک ذرہ بھی ظاہر کردوں تو آفتاب کا جمال بالکلیہ محو ہو جائے۔"

بیچارے اہلِ ظاہر، حضرات صوفیہ پر جو چشم باطن سے حضرت علی مرتضٰیؓ کے محامد و مناقب مشاہدہ کر کے بیان فرماتے ہیں، رفض، شیعیت اور تفضیلیت جیسے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

بیسویں مکتوب میں عجیب وغریب اسرار و حقایق قرآنی کا بیان ہے مکتوب کی ابتدا ہی ان اشعار سے کی ہے۔

بہ دریائے در افتادم کہ پایانش نمی بینم ‌ ‌ ‌ ‌ بہ دردے مبتلا گشتم کہ درمانش نمی بینم
دریں دریا یکے دُر است من مشتاق آن بودم ‌ ‌ ‌ ‌ ولیکن کوُ کہ دُر جوید کہ فرمانش نمی بینم

(میں ایک ایسے سمندر میں گر پڑا ہوں جس کا میں کوئی اور چھور نہیں دیکھتا اور ایسے درد میں مبتلا ہو گیا ہوں جس کا مجھے کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ اس سمندر میں ایک موتی ہے جس کا میں مشتاق تھا لیکن مجھے اس کے ڈھونڈنے کا حکم دینے والا کہاں ہے)

فرماتے ہیں کہ اے محبوب! اگر قرآن عزت کے نقاب کو اپنے جمال سے اٹھالے اور معانی کے چہرہ سے برقع عظمت ہٹالے تو سارے لقاء اللہ کے فراق کے مارے شفایاب ہو جائیں اور ساری مصیبتوں سے نجات پا جائیں...... یعنی قرآن طالب کو کھینچ کر مطلوب تک پہنچاتا ہے۔

حقایق و معارف کے بیان کے ضمن میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اے محبوب! ظاہر ڈھونڈنے والے مفسر کیا جانیں اور کیسے جانیں۔ افسوس اے محبوب! قرآن ہزار حجابوں میں ہے اور اہلِ ظواہر محروم رہتے ہیں۔ اگر پردہ کے اندر اہل ظواہر کا دخل ہوتا تو ان پر اس فقیر کے قلم سے نکلے ہوئے معانی کے راز جلوہ گر ہوتے۔ تم کیا جانو کہ میں کیا کہتا ہوں۔ واللہ اگر جو کچھ اپنے پیر کی بدولت اس فقیر پر متجلی و مشاہدہ ہوا ہے اس علم اور اس کشف کا ایک حرف ظاہر کر دوں تو سارے دینی علوم اور جو کچھ لوگوں کو پیش آیا ہے اور اس سے رسمی طور پر تھوڑا بہت جو سمجھے ہیں وہ سب انھیں زنار نظر آئے اور اپنی ہستی کو پستی اور نیستی میں ڈال دیں۔ اس فقیر کو ہر لحہ الہام پہنچتا ہے اور کہتا ہے۔

چوں تو سرپائے منی بے دم من نالہ مکن ‌ ‌ ‌ ‌ تا چو چنگت بہ نوازم ز نوایچ مگو

(جب تو میرا سایہ ہے تو بغیر میرے فریاد نہ کر اور جب میں تجھے چنگ کی طرح بجاؤں تو میرے نوا کے متعلق کچھ نہ کہہ)

میرا اقال ہی میرا حال ہے جو مجھے گفتگو پر مجبور کرتا ہے اس لیے مجھے الزام نہ دو

بحر جانم چوں کہ ز صد گونہ جوش ‌ ‌ ‌ ‌ چوں توانم بود یک ساعت خموش
چوں کہ غرق آتشم عیبم مکن ‌ ‌ ‌ ‌ می بہ سوزم گر نمی گویم سخن

جان کا سمندر برابر موجیں مار رہا ہے، جذبات کا سمندر موجزن ہے اس صورت میں گھڑی بھر بھی خاموش نہیں رہ سکتا چوں کہ آگ میں غرق ہوں اس لیے ملامت نہ کرو اگر ان حقایق کا اظہار نہ کروں تو تپش دل جلا کر خاک کر دے گی۔

جا بجا حقایق و معارف کے بیان کے بعد فرماتے ہیں ۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی
بہ صد دفتر نمی گنجد حدیث حال مشتاقی

(دفتر بھر گیا بات پھر بھی اسی طرح باقی رہی۔ مشتاقوں کے حال کی بات تو سیکڑوں دفتروں میں بھی نہیں سما پاتی)

سلوک باطنی میں تمام عنایات توجہات اور الطاف الٰہی کے بعد فرماتے ہیں اور یہی تصوف اور ارباب وصل کی پہچان ہے ۔

من از جام محمدؐ مست گشتم   دو عالم پیش من گشت ست پستم
ندارم لاف فرزندی درین راہ   منم خاک درش ہستم کہ ہستم

(میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جام سے مست ہوں۔ دونوں عالم میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس راہ میں ان کی نسل میں ہونے کا میں فخر نہیں کرتا۔ میں جو کچھ بھی ہوں ان ہی کے در کی خاک ہوں)

کز خوف جاں فقیر محمد بہ لب رسید   تا بازگشت او بقیامت کجا بود

(محمد کی جان اس خوف سے ہونٹوں پر اٹکی ہے کہ کل قیامت کے روز نہ معلوم اس کی واپسی کہاں ہوں)

نیست لافم چوں کہ فرزندم رسول   باد راضی مصطفیٰ و مرتضیٰ

(مجھے اس پر بھی فخر نہیں کہ میں رسول کی اولاد ہوں اور مصطفیؐ و مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مجھ سے راضی رہیں گے)

نیز فرماتے ہیں اللھم ارزقنا فکرۃ فی ادراك المکتوبات (اے اللہ ہم کو مکتوبات کے ادراک کا تفکر عطا فرما)

پچیسویں مکتوب میں ''سکر'' سے متعلق عجیب و غریب اسرار کا بیان ہے۔

چھبیسواں مکتوب ''وصل'' سے متعلق ہے۔ مختلف ''منازل'' کا ذکر ہے فرماتے ہیں کہ اے محبوب عالی ہمت بنو کہ سوائے حق کے کسی مطلوب و محبوب کو گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھو اور اگر انبیاء کے مقامات بھی تم پر پیش کیے جائیں تو ان پر بھی نظر نہ ڈالو اور حق کے سوا باطن میں کسی سے مشغول نہ ہو۔ اسی ضمن میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی مثال دی ہے۔ بعد ازاں فرماتے ہیں کہ جب درویش مقامِ کبریا میں نزول کرتا ہے تو اس پر انبیاء و رسل کے مقامات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اس کی عالی ہمتی و پست ہمتی کا امتحان لیا جائے۔ اگر پست ہمت ہے تو ان مقامات پر نظر کرتا ہے اور باطن میں تمنا کرتا ہے فوراً اس مقام کبریا سے سرنگوں کر کے پلٹایا جاتا ہے اور اس کے احوال پلٹ دیئے جاتے ہیں۔ بھلا نبوت کے طویلہ کے کتوں کو مسند نبوت سے کیا کام ہے۔

آٹھویں منزل صبر ہے جس کی حقیقت ظاہر و باطن کی آنکھوں کو حظوظ دارین سے سی لینا اور حضرت صمدیت کی بساط محبت پر ثابت قدم رہنا ہے۔ نویں منزل مراقبہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہری و باطنی آنکھوں کو مطلوب اور محبوب کے حضور میں رکھنا۔ مراقبہ یہ ہے کہ تم تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس کے بعد مواہب الٰہی کے دروازے کھلنے کے انتظار میں آرام پاؤ، الطاف لامتناہی کی ہواؤں سے پوشیدہ رہ کر مودت کے میدان میں قدم ہمت سے مرادوں کو ٹھکراؤ، بحر احدیت میں غوطے کھاؤ اور ہستی کے پروانہ کو جلال احدیت کی شمع پر جلنے کے لیے جھونک دو۔ دسویں منزل رضا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی رضا سے نکل کر محبوب کی رضا میں داخل ہو کیوں کہ جب اپنی خواہش کو درمیان سے اٹھا دو گے اور اپنے کارِ عظیم کو عظیم پر چھوڑ دو گے تو لامتناہی عطا پاؤ گے اور بجز جناب کبریا جلت قدرتہ کے کسی کے لائق نہ رہو گے۔ حضرت صمدیت فرماتا ہے کہ جس کو میری یاد مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر لیتی ہے میں اس کو سوال کرنے والوں سے بہتر دیتا ہوں تو پھر جو طلب کے بیان میں گُم ہو اور جو جو کچھ اُسے ملے اس پر راضی ہو کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

ستائیسواں مکتوب جو سہ شنبہ ۱۰ ذوالحجہ ۸۲۴ھ کا ہے معرفت نفس و عجب کے بیان

سے متعلق ہے فرماتے ہیں سرکار رسالتمآب کا ارشاد گرامی ہے کہ عابد کے حق میں اس کے اکثر طاعات معصیت ہوتے ہیں اور طالب کے حق میں اس کے اکثر معاصی طاعت ہوتے ہیں۔ اے محبوب اربابِ قلوب کے نزدیک بھی یہی معانی مقرر ہیں کیوں کہ ہر وہ طاعت جو غرور اور عجب کا سبب ہو وہ عین معصیت ہے اور ہر وہ معصیت جو اعتراف اور عذر کی طرف لے جائے طاعت ہے۔ درحقیقت وہ معرفت تیرے لیے طاعت سے زیادہ مفید ہے یعنی جب تم کو اخلاق بشری اور اوصاف بہیمی اور سباعی و شیطانی کے سبب سے امیدوں اور اعمال کے آثار و اخبار نظر آئیں تو خوب اچھی طرح غور کرو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ شیوخ عصر اور عوام زیادہ تر عبادات اور طاعات رسمی طور پر ادا کرتے ہیں اور یہ سب بے سعادتی کی نشانیاں ہیں اگر چہ ظاہری صورت میں اچھی معلوم ہوتی ہیں کیوں کہ اگر ان سب کو میزانِ عدل میں رکھیں تو وہ انکی گرفتاری کا سبب ہو جائیں اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ ۔ اے محبوب! جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ" (۳۹/۴۷) (حضرت باری تعالیٰ سے حشر کے دن میدان قضا کے مجمع میں ان پر وہ ظاہر ہوا جو ان کے گمان میں نہ تھا) صحابہ کرامؓ نے بھی حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی تفسیر پوچھی۔ سید کونین علیہ السلام کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ عمل کرتے ہیں اس تصور کے ساتھ کہ یہ طاعت ہے اور جب قیامت میں دیکھیں گے تو جسے وہ طاعت سمجھتے تھے معصیت ہو گی۔ محبوب بڑا مشکل کام ہے لیکن زمانہ کے زاہدوں نے یہ تصور کر لیا ہے کہ صرف ایک ٹوپی سر پر رکھ لینے اور چند رکعت نماز عادتی اور شغل عبادتی اور چند سلوک کی مصلحتی حکایتیں جو سب کی بے سعادتی اور بے دولتی کی علامتیں ہیں یہی بڑا کام ہے۔ ان عادتی عبادات سے ان کو بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ ان کے عیال کی روزی کا ذریعہ ہیں۔ تمہارے اور شیوخ عصر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی ایسے پیر کی صحبت حاصل کریں جو اس راہ پر چل چکا ہو اور منازل شریعت و طریقت سے گزر چکا ہو اور اسرارِ حقیقت کے جام نوش کر چکا ہو۔ ایسے صاحبِ دولت کا دامن پکڑیں جو اعمال نفسانی و

شیطانی اور اعمال قلبی و رحمانی سے آگاہ کر کے ہدایت دے کیوں کہ بادشاہوں کی خدمت کا طریقہ صرف ان کے مقربین جانتے ہیں اور حضرت صمدیت جلت قدرتہ کے قرب کے اسرار اور دقایق سوائے مقربین بارگاہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اسی لیے جسے سلطان کے قرب کی طلب ہوتی ہے اس کے مقربین میں سے کسی ایک کے ذریعہ جلد مراد کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح جو کوئی حضرت صمدیت کی رضا اور محبت کا طالب ہو وہ جب تک کسی وحدت کے راستہ جاننے والے کا دامن نہ تھامے گا ہرگز مقصود نہ پائے گا۔ ایسی چند رکعات جو عجب و غرور میں ڈوبی ہیں اور چند مردان سلوک کے قصوں سے جو مخنثوں کی زبان پر جاری ہیں کیسے کام چلے گا۔

مردِ کامل اور صاحبِ باطن کے روبرو پائمالی، اس کے فوائد، حضرت صمدیت کی عنایت سے مرید کے دل میں اعمال صالحہ، افعال مرضیہ، احوال شریفہ اور مقامات سنیہ کے جاگزیں ہونے اور مقبول مرید کی نشانیوں کا بیان فرمانے کے بعد مرید بے دولت اور خود تدبیر کرنے والوں کی نشانیوں کو یوں بیان کیا ہے کہ ”وہ جاہل شیخ کے پاس پہنچتا ہے اور خود کو اس کے دامن سے وابستہ کر لیتا ہے۔ پھر وہ گمراہ شیخ تقلیدات رسمی اور عبادات رسمی کی ظلمتوں کو روز بروز مرید پر بڑھاتا رہتا ہے اور جھوٹی آراستگی اور لغویات سے راہ حق مسدود کر دیتا، بدعت کے کانٹے اور گمرہی بیچارے مرید کے راستہ میں رکھ دیتا اور ہر لمحہ خساست و خباثت کے بیج اس کے دل میں بوتا اور اس کے باطن کو حرص و حسد کی گندگیوں سے آلودہ کرتا رہتا ہے وغیرہ۔

اے محبوب (ان سب کے باوصف) حضرت صمدیت جلت قدرتہ کے ایسے محبّ بھی روئے زمین پر ہیں کہ خط دین کے قواعد ان کے اقدام صدق سے معمور ہیں اور آدم و آدمیت کا سر ان کے احوال کے جمال سے پاک ہے وہ عرش ولایت کے سلطان اور بارگاہ عنایت کے ستون ہیں، ان کی ہمت کا ہُما سوائے قاب قرب کے کہیں نہیں بیٹھتا۔ ان کی دولت کا عنقا سوائے سدرۂ کبریائی کے کہیں قرار نہیں پاتا۔ وہ وحدت کے ایسے شاہباز ہیں جن کی ہمت کی اکسیر بادیہ جہالت کے مردود کو خالص سونا بنا دیتی ہے۔ وہ جناب حضرت صمدیت کے ایسے پاکباز ہیں جن کے مبارک انفاس کی برکت سے وہ گمراہوں اور

ظالموں کو قبول کر کے مقبول بنا دیتا ہے۔ اے محبوب! حضرت لایزالی کے شہباز صحرائے محبت میں ڈیرہ ڈالتے ہیں لیکن دیکھنے والوں کی آنکھیں میسر نہیں کہ وہ ان حضرات کے محرم ہوسکیں۔

اٹھائیسویں مکتوب میں مختلف مذاہب اور ان کے عجیب وغریب اسرار کا بیان ہے ان کے مطالعہ سے مکتوب نگار کی غیر معمولی بصیرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> ''ایں فقیر در سیر عالم چنداں مذاہب دیدہ است کہ اگر عدد آں در قلم آرم خود بحرالمعانی را از جہت گرانی شتراں باشد کہ حامل بار شوند'' الخ

(اس فقیر نے سیر عالم میں اتنے مذاہب دیکھے ہیں کہ اگر ان کی تعداد لکھوں (اور ہر مذہب کے متعلق علمی مباحثہ کروں) تو بحرالمعانی اتنی ضخیم ہو جائے کہ اونٹوں پر لادی جائے۔ الخ)

انتیسویں مکتوب میں سماع کے اسرار و رموز، اس کے فوائد، حضرات مشائخ چشتؒ کے سماع، ان کی کیفیات اور واردات کا بڑے پُر اثر انداز میں بیان ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اے محبوب اپنی فنا میں سماع فیض مطلق ہے یعنی اگر آواز سے کچھ سُن لیا تو سن لیا اور سنتے ہی حالت پیدا ہوئی اور اس نے لذت کو تازہ کر دیا گویا کہ الستُ بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سنا اور غیر محبوب سے بے خبر ہو گئے جیسے مصر کی عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھتے ہی خود کو فراموش کر دیا اور اپنے ہاتھ کاٹے۔

مطربا اسرار مارا بازگو — قصہ ہائے جاں فزا را باز گو
ماجرائے رفت مارا در ازل — بازگو آں ماجرا را باز گو
مخزنِ انا فتحنا برکشا — سرجانِ مصطفیٰؐ را باز گو

اے محبوب اہل ظاہر نادانوں کا گروہ ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ شریعت حضرت رسالت علیہ السلام کے نفس کا عمل ہے اور سماع حضرت رسالت علیہ السلام کی روح کا عمل ہے پس نفس کے عمل کو مقبول اور روح کے عمل کو غیر مقبول بنا دیا۔

ایک روز حضرت شیخ کبیر بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ العزیز اپنے مریدوں میں اہلِ سماع اور اہلِ وجد کا ذکر فرما رہے تھے بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ ہم نہریں کھود کر کاشتکاری کرتے ہیں لیکن چشتی پانی لے گئے اور لے جاتے ہیں کیوں کہ ان کو سماع میں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو ہم کو چالیس دن میں حاصل نہیں ہوتی۔ بعض بزرگ مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کیوں نہیں سنتے۔ فرمایا کہ وہ ایسی معراج ہے جس سے ہم محروم ہیں۔

اے محبوب حضرت صمدیت جلت قدرتہ کو اپنے آپ سے ایسا عشق ہے کہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ساتھ کرتا ہے جیسا کہ شبِ معراج میں حضرت رسالت علیہ السلام کو قاب قوسین او ادنیٰ میں ندا پہنچی کہ قف یا حبیبی (اے میرے محبوب ٹھہر جایئے) خواجہ عالم علیہ السلام نے نامرادی کا نعرہ مارا اور کہا کہ کیوں ٹھہروں۔ دوسری ندا پہنچی کہ انّ اللّٰہ یُصلی (اللہ تعالیٰ نماز پڑھ رہا ہے) خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا ما صلوٰتك (تیری نماز کیا ہے) قال اللّٰہ تعالیٰ صلوٰۃ الثناء الذاتی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثناء ذاتی کی نماز) یہ جلال عظمت اور کمال سلطنت جو کچھ رکھتا ہے اپنے آپ سے رکھتا ہے۔ کما قال ان تکفروا اَنتُم وَمَن فِی الارضِ جَمِیعاً فَاِنَّ اللہ لغَنِیٌّ حَمِید (۱۴/۸) (جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم اور روئے زمین کے سبھی لوگ کفر کے مرتکب ہوں (تو بھی کوئی فرق نہ پڑے گا) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے)

چنانچہ اے محبوب میں ایک رات خلوت میں طواف کعبہ کر رہا تھا اور حرم کے اندر مشغول تھا۔ شوق نے جوش مارا میں نے کہا خداوندا تو کس کا ہے میرے سِر نے کہا کسی کا نہیں پھر کہا تو کس کا تھا کہا کسی کا نہیں پھر کہا کس کو چاہتا تھا کہا کسی کو نہیں۔ نامرادی سے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گیا۔ مکہ کے لوگوں نے مجھے اٹھایا اور گھر لے گئے۔ اسی عالم میں صبح سے عشاء تک چار نمازیں قضا ہوئیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں اے محبوب ضلالت عشق کو سمجھو تا کہ ہدایت پاؤ ووجدك ضالا فھدی (اے رسول ہم نے آپ کو ضال پایا تو ہدایت دی) حضرت رسالت علیہ السلام کی ضلالت عشق سے تھی یعنی خدائے تعالیٰ کا عشق ان کے لیے حجاب

ہو گیا تھا اپنے جد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیرت سے ڈرتا ہوں کہ یہ بات کہتا ہوں لیکن رمز کو سمجھو کہ حضرت رسالت علیہ السلام ہر دن و رات ستر بار استغفار فرماتے تھے یہ استغفار کیسا۔ ان کا کیا گناہ تھا۔ ان کے تو اگلے پچھلے بھی گناہ بخشے جا چکے تھے۔ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر (۴۸/۲) البتہ یہ استغفار رفع حجاب کے لیے تھا کیوں کہ عشق بھی حجاب ہے پس ضلالت نہ تھی سب ہدایت تھی۔

چوں حجاب مشکل آمد عشق و جاں در کوئے او
لاجرم در کوئے او بے عشق و بے جاں می روم

(جب عشق اور جان اس کے کوچہ میں سب سے مشکل حجاب بن گئے تو پھر بغیر عشق و جان کے اس کی راہ میں چل پڑا)

ضلالت سے ضلالت عشق مراد ہے۔ حضرت صمدیت جلت قدرتہ صرف اپنا عاشق ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے عشق میں اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اے محبوب اسی واسطے کہتا ہوں کہ سارے عالم نے خدا کو جانا حضرت رسالت علیہ السلام کو نہ جانا اور ذرہ بھر بھی نہ پہچانا۔ اے محبوب کڑی راہ اور بلند نتائج ہیں۔ خسروؔ کی جان پر اللہ کی رحمت ہو جنھوں نے کہا

ایوان مراد بس بلند است کانجا بہوس رسیدہ نتواں
کیں شربت عاشقی ست خسروؔ جز خون جگر چشیدہ نتواں

(مراد کا محل بہت بلند ہے۔ وہاں ہوس کی حالت میں نہیں پہنچا جا سکتا۔ اے خسرو، یہ عاشقی کا شربت بغیر جگر خون کیے ہوئے نہیں چکھا جا سکتا)

اس راہ میں عاشق کے لیے اختیار و خودرائی نہیں ہے کیوں کہ اختیار و خودرائی حضرت عزت جلت قدرتہ جل وعلا کے لیے ہے۔

اختیارم چو نیست دانستم بعد ازیں گوش ما و حلقہ یار

اے محبوب عاشق کے لیے یہی عشق دوزخ کی آگ ہے کہ العشق عذاب الاکبر (عشق سب سے بڑا عذاب ہے) اس آیت پر کان لگاؤ وان منکم الا واردھا ای

داخلھا (تم میں سے ہر ایک کو اس پر گزرنا ہوگا یعنی اس میں داخل ہونا ہوگا)۔ یعنی نار عشق میں داخلہ اور وہ نار اللہ الموقدة (اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ) ہے۔ جیسا کہ شبلی قدس سرہ العزیز نے فرمایا العشق نار فی القلوب احرقت ماسوی المحبوب (عشق دلوں میں ایک ایسی آگ ہے جس نے محبوب کے علاوہ ہر چیز کو جلا ڈالا)۔ کلام مجید سے یہ برہان سنو ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر (سورۂ سجدہ آیۃ ۲۱) (اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے) یعنی اے محبوب یہ حجاب بھی بہت سے فوائد رکھتا ہے۔ یعنی جب حجاب ہوتا ہے تو وہ عاشق کے شوق کو دار الجلال والجمال کی طرف بڑھانے والا ہوتا ہے۔

بحر المعانی میں جا بجا اس بات پر افسوس کیا ہے کہ کوئی ایسا ہمدم وہمراز اور محرم نہیں جس سے یہ حقایق و معارف اور اسرار رموز بیان کیے جا سکیں اور یہ کہ اس زمانہ میں ان کلمات و حروف کا کوئی حامل نہیں ہے۔ لیکن ان کو بیان کرنا بھی ضروری ہے جب مکتوب لکھنا چاہتا ہوں تو میری فکر کے تنور میں ایسی آتش شوق بھڑکتی ہے کہ کونین اس کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ جس کو قلم کی نوک سے بجھاتا ہوں...... لفظوں کے گرد نہ پھرو بلکہ معانی تلاش کرو۔ بحر المعانی میں ہزاروں مقامات عشق و عاشقاں، مکان و لامکاں سے گزرا اور گزر گیا۔

کبھی ارشاد فرماتے ہیں کہ ان مکتوبات میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ حقیقت الیقین کے مشاہدہ سے ہے۔ مقام لاہوت نے مجھ سے سرگوشی سے کہا

کم گو زمن ازیں پس اسرار خوبرویاں
ایں در چہ می کشائی دیوار گوش دارد

(خوبرویوں کے اسرار مجھ سے نہ کہو۔ کیوں یہ دروازہ کھول رہے ہو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں)

فرماتے ہیں کہ بحر المعانی کے کلمات اور حرکات کو اس سبب سے چھپانا ہے کہ اہل ظاہر سوائے علوم ظاہر کے اور اہل باطن سلوک سوائے حکایتوں کے اور کچھ نہیں جانتے اور ملوکِ حقیقت اور ان کے ان افعال واعمال سے کہ جو ان کے حال اور احوال میں بیان کیے

گئے کوئی خبر اور اثر نہیں رکھتے۔ جو نادان ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز اپنے گھر میں نہیں ہے وہ بادشاہ کے وہاں بھی نہیں ہے یہ بے علمی اور بے عقلی ہے بادشاہ کے گھر کی پونجی نفیس ترین ہوتی ہے اور گمراہوں اور نادانوں کے گھر ادبار کی گدڑی اور اضطراری فقر کی روسیاہی کہ الفقر سواد الوجه فی الدارین (فقر دارین میں روسیاہی ہے)

جگہ جگہ علمائے ظاہر اور تقلیدی ومجازی مسلمانوں کی کم فہمی اور خام کار عقلوں پر اظہار خیال اور افسوس فرماتے ہیں۔ ۵ویں مکتوب میں فرماتے ہیں کہ جب بھی روح کی شرح میں قلم اٹھتا ہے سلسلۂ دیوانگی حرکت میں آتا ہے۔ میدان غیرت کا نقیب سرادقات غیب اور پردۂ لاریب سے اس فقیر سے حالاً گفتگو کرتا ہے۔

دی بارقیبے گفت رو روتو محمدؐ را بگو   لاف معانی کم زند ورنہ کہ بردارش کنم

(کل اس نے رقیب کو بھیجا کہ محمدؐ سے جا کر کہہ دو کہ رازوں کو ظاہر نہ کرے ورنہ پھانسی پہ لٹکے گا)۔

کبھی فرماتے ہیں۔

اگر پرسی ز سر ایں سوائے   چگویم من کہ خاموشی صواب ست
بہ غول ایں راہ کم روکا ندریں راہ   جہان عقل چوں خردر خلاب ست

اس کا راز اگر پوچھتے ہو تو کیا بتاؤں خاموشی ہی بہتر ہے۔ اس حقیقت کی تلاش میں ہزاروں لوگ کشمکش میں مبتلا ہیں۔ بغیر راہنما کے اس راستہ پر نہ چلنا چاہئے کیوں کہ عقل کی مثال کیچڑ میں پھنسے ہوئے گدھے کی طرح ہے۔

۱۵ویں مکتوب میں فرماتے ہیں کہ میرا بیان اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کرو کی قبیل سے ہے یعنی محبوبوں، محبوں اور محرموں کو نعمت کی اطلاع دینا ایک طرح کا شکر نعمت ہے اس لیے یہ حقایق ومعارف لکھے جارہے ہیں۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ ناتمام لوگوں کی ناتمامی کی وجہ سے قلم کو بشریت اور شریعت کے حوصلہ کے مطابق چلا رہا ہوں۔ اگر شمہ برابر کہوں تو اس کا سننے والا کوئی نہیں۔

اہل ظواہر کے خطرات اور اہل شرائع کی بانجھ عقلیں جاہل ہیں ورنہ لم یزل کی ارزانی کو صحرائے ابد پر مارتا یعنی تفصیل کی انتہا کر دیتا۔ اہل ظاہر جو حقیقت سے بے بہرہ ہیں ان کو نہ بتایئے کیوں کہ ان کے معدے ہضم نہ کر سکیں گے اور تشویش میں پڑ کر آپ کے لیے بھی تشویش و پریشانی کا سبب بن جائیں گے۔"

بحر المعانی کے ۹ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

شیخ ابوالحسن خرقانی اس مقام پر کیا فرماتے ہیں انا اقل من ربی بسنتین (میں اپنے رب سے دو سال کم ہوں (یعنی کہتے ہیں کہ وہ (خدائے تعالیٰ) مجھ سے دو سال سبقت رکھتا ہے اور دو سال پہلے سے ہے یعنی میں اس سے دو سال کم ہوں۔ اور وہ اللہ کے ایام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے سالوں میں ہر ساعت (یوم) کی مدت ہزار سال ہے۔ وان یوماً عند ربك كالف سنة مما تعدون (۲۲/۴۷) (اور بیشک تمھارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رو سے ہزار برس کے برابر ہے) بھائی! علمائے نادان سمجھتے ہیں کہ (یہ قول) لائق کفر ہے۔ اس کی شرح کرتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے تاکہ میرے سارے کلمات پر اسی کو منطبق کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كنت كنزاً مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں میں نے خلق کو پیدا کیا) ظہور مخفی سے فخلقت الخلق (ظہور ظاہر) تک یعنی خلقت روح تک سات سو بیس ہزار (دنیا کے) سال تھے جو پروردگار کے دو سال تھے اور پروردگار کے دو سال دنیا کے سات لاکھ بیس ہزار سال ہوتے ہیں۔ یعنی پروردگاری (ربوبیت) کا اظہار کرنے کے بعد سات لاکھ بیس ہزار سال گزرے تھے جو پروردگار کے دو سال ہیں کہ روح کی خلقت کی۔ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا قول درست ہے کہ "مجھ سے دو سال سبقت رکھتا ہے۔ چونکہ علماء سمجھ نہیں سکتے نادان ہیں جب تک نہ کہو کہ علمائے ظاہر کو نادان اس لیے کہتے ہیں کہ حقیقت کے قضیہ سے جاہل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو ہمارے گھر میں نہیں ہے وہ بادشاہ کے گھر میں بھی نہیں ہے یہ بڑی جہالت ہے۔ پس

میرے اور ان مقامات کے اہل لوگوں کے سارے کلمات کو انھیں معانی پر منطبق کرو جن معانی مذکور کی میں نے شرح کی ہے۔ چنانچہ وہ مشہور عاشق حسین منصور بھی کہتا ہے۔

نہ انتظارِ لقایش کند حسین گہے
کہ درمقابلہ چشمش ہمیشہ صورتِ اوست

(حسن اس کی ملاقات کا انتظار کبھی نہیں کرتا (اس کے دیدار کا انتظار نہیں کرتا کیوں کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی موہنی صورت ہمیشہ جلوہ آرا رہتی ہے۔)

راقم احقر اس بات کے اظہار میں اپنے کو حق بجانب سمجھتا ہے کہ اگر تصوف کی ان چند اہم و وقیع کتابوں کی فہرست بنائی جائے جس میں اس کی حقیقی فکر ذروۂ کمال پر پہنچی ہو تو مذکورہ بحرالمعانی اس میں ایک اہم مقام کی حامل ہوگی۔ تصوف کے بیشتر الہامی کتب و رسائل کا معاملہ یہ ہے کہ ان کو ایک بار پڑھ کر رکھ دینا کافی نہیں ہے بلکہ بار بار پڑھتے رہنا چاہئے تا کہ ان میں پوشیدہ حقایق و معارف اور مطالب و الفاظ کی معرفت مکشوف ہو اور حروف بے صوت و بے کلام کا شہود حاصل ہو۔

ایسی معرکۃ الآرا جامع اور غور و فکر کو دعوت دینے والی تصنیف کے اردو ترجمہ اور شرح کا حق بھی ایسی ہی کسی جامع شخصیت کو پہنچتا تھا۔ اس کے مترجم اور شارح بقیۃ السلف مولانا حافظ شاہ تقی انور صاحب مدظلہ العالی[1] خلف اکبر سلالۂ علماء و مشائخ حضرت خداوند نعمت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کے مایہ ناز فرزند بلکہ گُل سرسبد ۱۹۵۰ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے انھوں نے تمام ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل اور خاندانی ذکر و اشغال اور اوراد و وظائف کی تحصیل والد ماجد مدظلہ العالی سے کی۔ اپنے نامور اسلاف کرام کا نقش حقیقی اور ان کے قابل تقلید اطوار پر بچپن سے ہی سختی سے گامزن اور بے نفسی و بیخویشی جیسی صفات جو تصوف کی اصل الاصول ہیں سے متصف نیز فنافی الشیخ اور ''قلندریت'' کا پیکر مجسم ہیں۔ وہ اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر قدس

---

[1] موصوف کے مکمل حالات و کمالات اور علمی و ادبی خدامات کے لیے راقم احقر کی حالیہ کتاب ذکر تقی (۱۴۳۰ھ) ملاحظہ ہو وہ یہاں طوالت کے خیال سے قدرے اختصار سے کام لے رہا ہے۔

سرۂ سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ سے بیعت، خلافت کبریٰ، ان کی ذات میں مکمل فنائیت کے حامل اور اپنی اس نسبت کو پوشیدہ رکھنے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔

درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شوق ان کا آبائی ہے۔ انھوں نے باوجود گوناگوں مصروفیات کے سعی التقی فی ترجمۃ القول الجلی فی ذکر آثار الولیؒ، دیوان ترابؒ (مرتبہ)، تذکرہ گلشن کرم، تذکرہ خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندیؒ، اردو ترجمہ تنویر الظلمات فی تفسیر المقطعات، شرح رسالہ معما (شکارنامہ) بحر المعانی اردو ترجمہ وشرح جیسی اہم وقابل قدر کاوشیں فرمائی ہیں۔

محقق عصر علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلویؒ نے جب آنجناب مدظلہٗ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اہم ملفوظ القول الجلی فی ذکر آثار الولیؒ کا اردو ترجمہ اور مبہم ودقیق مطالب ومعارف کی شرح فرمائی تھی تو بڑی مسرت کا اظہار فرمایا تھا اس پر ایک سیر حاصل مقدمہ سپرد قلم کیا اور متعدد بار ارشاد فرمایا تھا کہ اگر مولانا تقی انور صاحب اب پوری زندگی کوئی علمی خدمت نہ انجام دیں تو صرف یہی ایک کام ان کے لیے ذخیرہ ہوگا اور ان کا نام زندہ رہے گا۔ بلاشبہ بحر المعانی جیسی دقیق اور فکر وتعمق کو دعوت دینے والی الہامی تصنیف کا بھی یہی عالم ہے کہ وہ حضرت مترجم وشارح کے اس وقیع اہم کارنامہ (اردو ترجمہ وشرح) کو نہ صرف شہرت دوام عطا کرے گا بلکہ صاحبان بصیرت کے لیے بھی سرمۂ کیمیا بنے گا۔ مترجم وشارح مدظلہ نے اس تصنیف کی شرح وترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔

قارئین حضرت مترجم کے عرض حال سے اس کتاب کی صورت حال کا اندازہ کر لیں گے۔ ''عرض حال'' کے معاملہ میں احقر یہ عرض کرتا ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جب وطن گیا تو آنجناب مدظلہ سے عرض کیا کہ کتابت تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ صفحہ ڈیڑھ صفحہ دیباچہ کی شکل میں تحریر فرما دیں۔ پہلے تو انکار فرمایا پھر اصرار اور پیہم تقاضہ کو ملاحظہ فرماتے ہوئے۔ قلم برداشتہ دو صفحات بغیر سرنامہ وغیرہ کے اور ایک پرزہ پر انتساب لکھ کر عطا فرما دیئے کہ شامل کر لو۔

راقم احقر اس کو اپنی قسمت کی سرفرازی سمجھتا ہے۔ اس نے ''عرض حال'' کا عنوان دے کر بعض عربی فقرات اور فارسی اشعار کے تراجم قوسین میں محض عام قاری کی سہولت کی خاطر کر دیے۔ آنجناب مدظلہ العالی کی صحت وتندرستی درازی عمر اور آلام وافکار سے کلی طور پر چھٹکارہ کے لیے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے تشنگان معرفت عرصہ تک فیضیاب و شاکام ہوتے رہیں۔ اور اس نامہ سیاہ ننگ اسلاف کے حق میں حضرت مترجم وشارح کی دعائیں شرف قبولیت حاصل کریں۔ آمین بحرمة نبیه و آله اجمعین۔

احقر

مسعود انور علوی
پروفیسر وصدر، شعبۂ عربی
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۳۰؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
۱۸؍دسمبر ۲۰۰۹ء
بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ خدا جو اپنی قدرت سے شہد کی مکھی کے لیے تلخ شگوفوں کے فوارہ سے انگبین شیریں نوش ٹپکاتا ہے اور وہ سبحان جو سوکھی شاخ سے عین یاس میں اپنے کیسۂ عطا سے سبزہ ظاہر فرماتا ہے اور وہ تصرف کرنے والا جو گہرے اَبر کے آنسو جن کو بارش کہتا ہے رات کو صدف کی آنکھ کے خانہ میں فروزاں کرتا ہے اور وہ قادر جو کالی رات کے نفس کو جن کو تو صبح کہتا ہے نیلے آسمان کے نیچے دن کی خلعت پہناتا ہے اور ایسا صانع جو عارض خورشید سے اندھیری رات کی زلف کا نور دکھاتا اور آسمان کے چہرے پر روشن ستاروں کی آنکھیں کھولتا ہے۔ وہ ایسا ستار ہے جو اپنے فضل کی آگ سے گنہگاروں کے گناہوں کا کھلیان جلا ڈالتا ہے اور عنایت کی راہ پر چلنا سکھاتا ہے۔ اہل وجدان اور عاشقوں کو محبت (کرنا) سکھاتا ہے اور موحدوں کی گردنوں میں توحید کی لڑی باندھتا ہے اور اپنے جمال کا شوق مشتاقوں کے باطن میں مقرر فرماتا ہے وہ ظہور کرنے والا جو اپنے سراپردۂ کبریائی کو اپنے نور کی چمک کے سامنے لٹکا دیتا ہے تاکہ اس کے انوارِ جمال کے دردِ فراق سے دل خون ہو جائیں اور کشتی سلوک کبھی جلال کا کشف کرے یہاں تک کہ تجلی صفات پاک کی ہیبت سے آنکھیں بہ نکلیں اور کبھی اہل عرفان کی محبت کو جنبش دے کر ہزار کوس کی دوری کو ختم کر دیتا ہے تاکہ موسیٰؑ کی طرح طور میں اور وحی غفور کے حریم میں مستغرق ہو جائیں اور اپنے آپ کو وہی دیکھیں اور لیس فی الوجود الا اللہ (اللہ کے سوا وجود میں کوئی نہیں) کا گیت گائیں۔ اور کبھی اہل اسلام کی جان میں اسرار کے جام لنڈھائے تاکہ وہ غایتِ مستی میں اس کی ہستی میں مستغرق ہو جائیں۔ انا الحق (میں ہی حق ہوں) اور سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں میری شان کتنی بڑی ہے) کے نعرے لگائیں۔ کبھی اس کے جمال ملکوت کے

مشتاق ارنی (مجھے دکھا) کا شورِ عالم مستی میں بلند کریں اور بجز لن ترانی (تم ہرگز مجھے نہ دیکھوگے) کے جواب کے نہ سنیں یعنی لاتدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار وھو اللطیف الخبیر (۶/۱۰۳) (وہ ایسا ہے کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے) جل جلالہ و لا الہ غیرہ (اس کی شان بڑی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہی نہیں) اور اسماء تعالیٰ کا مقدس کبریاء وہ صلوٰت برگزیدہ ذات اکمل صفات، خلاصۂ موجودات، سلطان تخت رسالت، شمس سماءِ جلالت خواجۂ کونین رسول ثقلین، رحمۃ للعٰلمین، کرسی نشین وانك لمن المرسلین علی صراط مستقیم (۲/۲۵۲) (آپ پیغمبروں میں سے ہیں جو راہ راست پر ہیں) محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے فرزندان پر جو عظیم و بزرگ ہیں و سلم تسلیما کثیرا اس کے بعد عبد العبد الی اللہ الغنی محمد بن نصیر الدین جعفر المکی الحسنی طومار سبع المثانی سے اسرارِ معانی کے نکتے انوار کے حقایق، اسرار کے دقایق سید مختار علیہ السلام بہ بنائے التماس برادرِ محترم ملک محمود عرف شیخن ارشد اللہ تعالیٰ تحریر میں لایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کتاب کا نام "بحر المعانی" رکھتا ہے۔ ان اللہ بالغ امرہ (۶۵/۳، اللہ تعالیٰ اپنا معاملہ پورا فرماتا ہے)

پہلا مکتوب

(ایمان کے سلسلے میں)

برادرم اعز محترم! ملک شیخن دام العشق طالبہ ومدام شوق غالبہ عرف دعوات وصنوف تحیات از محمد حسنی خاکِ آستانہ قطب عالم قدس سرہٗ ہے بہ کرم قبول فرمائیں۔ خلاصہ صحیفہ اس پر مبنی ہے کہ آپ کا مفاوضہ شریفہ ومکاتبہ لطیفہ پہنچا بہ تعظیم تمام مطالعہ کیا۔ آپ کی خبر سلامتی پر حضرتِ صمدیت جلت قدرتہ کا شکر بجالایا للہ الحمد والمنۃ، اس کے بعد روئے انور کو معلوم ہو اور آپ کی خاطر منور کو مفہوم ہو کہ اہل کمال کے نزدیک ایمان کا چھوٹے سے چھوٹا درجہ دل کی تصدیق ہے اور اکثر اس کی انتہا نہیں ہوتی۔ راہ کے مبتدیوں کے نزدیک تصدیق وہ ہے جو سالک سے اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب کا باعث ہو۔ اس کے بعد جب نہایت کار میں داخل ہوتا ہے تو کفر وایمان دونوں عشاق کے متلاشی ہوتے ہیں اور عاشق کو کہیں نہیں پاتے ہیں۔ اس کے بعد عاشق کو آخرت کے احوال کا کشف ہوتا ہے اور (وہ) تشبیہ کی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے اور علوم معرفت کا اجماع ذوق کے ساتھ لذت دیتا ہے۔ یعنی جب تک عالم تشبیہ وشک میں رہے گا طریق (راستے) سے دوری رہے گی فلا تعلم نفس ما اخفی لہ من قرۃ اعین (آیۃ ۳۲/۱۷ سورۃ، تم میں سے کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے) اے بھائی جب تشبیہ وشک سے فارغ ہوگئے تب تمہارا نفس دل کے رنگ میں اور دل روح کے رنگ میں رنگ جائے گا اس کے بعد علم الیقین تمہارا حال ہوگا۔ یعنی جو کچھ اپنے آئینہ میں دیکھو گے علم الیقین ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ تم دیکھو گے۔ اس واقعہ کے بعد تمام

احوال پیچھے چھوڑ دو گے۔ اور اس وقت تم خود حق الیقین ہو جاؤ گے اور تمام خیالات علمی متشکل ہو کر جلوہ گری کریں گے۔

دزدیدہ رہی زتو خیالے بنگاشت　　بردیدنِ آں خیال عمرے بگذاشت
چوں طلعتِ خورشید عیاں سر برداشت　　دردیدہ غلط نماند در سر پنداشت

(ایک چور راستہ سے ایک خیال تیرے قدر ابھرا۔ اس خیال کو دیکھنے میں عمر گذر گئی۔ جب خورشید نے اپنا جمال پوری طرح عیاں کر دیا تو نہ دیکھنے میں غلطی رہی نہ سمجھنے میں)

شرح پہلے انسان کے قلب میں حقیقت کی جانب سے ایک خطرہ پیدا ہوتا ہے وہی خطرہ دماغ میں جا کر خیال بنتا ہے اور اس خیال کی نگہداشت میں ایک عمر گذر جاتی ہے پھر جب حقیقت اپنا جلوہ دکھاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی حقیقت خطرہ بن کر قلب میں آئی تھی۔ خیال کے الجھاوے میں ایک عمر گذر گئی اور خطرہ کی جانب سے توجہ ہٹ گئی اگر توجہ خیالی جال میں پھنسنے کے بجائے خطرہ پر مرکوز رہتی تو حقیقت عیاں ہو جاتی۔ بہ الفاظِ دیگر انسان میں دیکھنے سمجھنے، سوچنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت ہی وجہ اللہ ہے مگر یہ حقیقت حق الیقین پیدا ہونے کے بعد کھلتی ہے عموماً لوگ صلاحیت کی طرف سے توجہ ہٹا کر فکر و عمل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔) لیکن بھائی یہ بات زبانی کہنے سے نہ مجھے کوئی فائدہ ہے اور نہ تمہیں۔ اس زبانی گفتگو سے یہی ہوا ہے کہ حکمِ ظاہر کے مطابق نفس کے قتل اور مال کے غارت ہونے نے عصمت پائی ہے اور کلمہ کا زبان سے ادا کرنا کم ہمتوں اور کم بینوں کے لیے مصور رہا ہے ورنہ بھائی اہل کمال کے نزدیک یہ ذوق کی وجہ سے ہے یعنی جب کلمہ کے جمال کو مشاہدہ کرتے ہیں تب زبان پر لاتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ لکھتے ہیں کہ توبۃ الناس من ذنوبھم و توبتی من قول لا الہ الا اللہ (لوگوں (عوام) کی توبہ ان کے گناہوں سے ہوتی ہے اور میری توبہ لا الہ الا اللہ کہنے سے) بھائی کوشش کرو کہ کلمہ کے جمال سے مشرف ہو۔ (اور) انشاء اللہ ہو گے۔ جب نقطۂ کبیر یا اللہ نے ذاتِ احدیت سے صحرائے لم یزل و لا یزال میں قدم رکھا تو کسی چیز پر نزول نہ کیا یہاں تک کہ صحرائے صفات ایک لطف دوسرے قہر عالم ذات میں ظاہر کیے ایک الجمال

(نعمت جمال) وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (۲۱/۱۰۷) (ہم نے تم کو عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا) اور دوسرے الجلال (نعمت جلال) ان علیک لعنتی الی یوم الدین (۳۸/۷۸) (تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے) بھائی مجھے معذور سمجھو میں مست ہوں نہیں جانتا کہ قلم سے کیا نکل رہا ہے۔

سرمست شد نگارم بنگر بہ نرگسانش مستانہ شد حدیثش پیچیدہ شد زبانش
کہ می فتد ازیں سو کہ می فتد ازاں سو واں کو کہ مست گردد خود ایں بود نشانش

(میرا معشوق سرمست ہو گیا اس کی سرمستی اس کی آنکھوں میں دیکھو اس کی گفتگو بھی مستانہ ہے اور زبان بھی پیچیدہ اس کی حقیقت کو وہی پا سکتا ہے جو خود سرمست ہو جائے اس کو اس کی پروا نہیں کہ کون ادھر گرتا ہے اور کون ادھر گرتا ہے۔ مست کی پہچان یہی ہے کہ بے خبری میں اسے یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ کہاں گرا اور کدھر گرا۔ اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتا ہے)۔

(تشریح سرمستی اپنے آپ سے بے نیازی ہے اور جو اپنے آپ ہی سے بے نیاز ہوا اسے اور کسی کی کیا خبر ہو گی۔ اس عین بے نیازی میں جمال وجلال نے سر نکالا اور ان کی تجلیات سے کفر و ایمان کے بکھیڑے ظاہر ہوئے۔ حقیقت ان دونوں سے بے نیاز ہے مگر اس کا نشان ان ہی دونوں سے ملتا ہے۔ اور اس نشان کو وہی پا سکتا ہے جو خود ہر شے سے بے نیاز ہو جائے)۔

بھائی! اس جگہ بہت سے مدارج اور بے شمار عروج کے منازل سمجھ کے ناقص ہونے کی بنا پر چھوڑ دیے گئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے خط میں تحریر کیے جائیں گے۔ مقصود یہ ہے کہ لا الہ عالم عبودیت وفطرت سے ہے اور الا اللہ کا تعلق عالم الوہیت وولایت سے ہے لیکن سالکوں کی روش یہ ہے کہ دائرہ لا الہ میں رہیں اور ان اللہ تعالی خلق الخلق فی ظلمته (اللہ تعالیٰ نے خلق کو ظلمت میں پیدا کیا) اس کے بعد دائرہ الا اللہ میں پہنچیں پھر اس کے بعد دائرہ اللہ میں آئیں۔ اور ثم رش علیہم من نورہ (پھر اُن پر اپنے نور کا چھڑکاؤ کیا) ان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر اس دائرہ اللہ سے ایسی جگہ پہنچتے ہیں کہ اللہ

کہنے سے بھی توبہ کرتے ہیں کہ من عرف اللہ لا یقول ومن یقول اللہ لا یعرف اللہ (جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اللہ نہیں کہے گا اور جو اللہ کہتا ہے اسی اس کی معرفت حاصل نہیں ہے)۔ یہ وہ مقام ہے کہ مقام نہیں ہے اور وہ جگہ ہے کہ جگہ نہیں ہے۔ بھائی جو سالک دائرہ باللہ میں توقف کرتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے اس پر زنار اور شرک ظاہر ہوتے ہیں اور اس کو اللہ کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ لیکن بھائی ہزاروں طالبوں وسالکوں نے گو ہر اللہ کی طمع میں الا اللہ کے دائرہ میں قدم رکھا بجز وادیِ ماسوا اللہ کو طے کر لینے کے کچھ نہ پا سکے۔ اور پاسبانِ حضرت اللہ نے ان کو سرگرداں اور حیران کر دیا حضرت اللہ کا پاسبان کون ہے وہ سیاہ پوش زنگی (شیطان مظہر جلال) کہ جس نے سیاہی زلف حبیب اللہ کو اپنی قبا بنایا ہے وہ کہتا ہے۔

محبوب مراگفت نشیں بر درِ من
بگذار دروں ہرکہ نہ دارد سرِ من

(محبوب نے مجھ سے کہا دروازہ پر بیٹھ جا۔ اندر کا خیال چھوڑ دے)

اے بھائی! اس پاسبان حضرت اللہ نے تمام اہل ظاہر کو عالم "لا" کے جھاگ میں رکھا ہے اور اس غبار کے پردے کے باعث جمال انا من نور اللہ (میں اللہ کے نور سے ہوں) پر مطلع نہیں ہونے دیتا اور لاکھوں جانوں کو اس راہ میں بے جان کیا ہے بھائی اس راہ میں جان وہ ہوتی ہے جو اللہ تک پہنچے (یعنی وجود) اور اس جان کی حیات محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ہے۔ جب نورِ حبیب کا جذبہ آتا ہے تو اس وقت عاشق کو سیاہ نقاب سے خلاصی ملتی ہے اور ان جندنا لھم الغالبون (۳۷/۱۷۳) (بے شک ہماری فوج ان کے لیے غالب ہے) اس کو نصرت دینے والے ہو جاتے ہیں اور نصر من اللہ وفتح قریب (۶۱/۱۳) (اللہ کی مدد اور فتح قریب ہے) کا پروانہ اسے دیتے ہیں۔

افگندہ دلم رخت بہ منزل گاہے کانجا نبود ہیچ دلیلے راہے
چوں من دو ہزار عاشق اندر راہے می کشتہ شوند بر نیاید آہے

(میرا دل ایسی منزل پر قیام پذیر ہے جہاں کسی دلیل کا گذر نہیں۔ میرے جیسے ہزاروں عاشق اس راہ میں مارے جاتے ہیں لیکن کسی کے منہ سے ایک آہ بھی نہیں نکلتی)۔

(تشریح) دل نے جو منزلِ مقصود اپنے لیے منتخب کی ہے اس کے انتخاب کا کوئی سبب نہیں ہے یعنی محبت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ ایک جذبۂ بے اختیار محبت کی بناڈال دیتا ہے اور لطف یہ ہے کہ جس نے بھی اس سرزمین پر قدم رکھا مارا گیا۔ لیکن کسی کی زبان سے اُف بھی نہیں نکلتی یعنی محبت سود و زیاں سے بے نیاز ہے۔ عاشق جب تک معشوق کا متمنی رہتا ہے عشق کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہی تمنا اس کی راہ کا کانٹا بن جاتی ہے۔ پھر جاذبۂ عشق اس کی وہ تمنا بھی جلد بھسم کر دیتا ہے تب عاشق و معشوق فنا ہو جاتے ہیں اور صرف عشق باقی رہتا ہے۔ یہی مقام لاہوت ہے جو افراد کا مقام ہے۔

نامرادی کی بھی طلب نہ رہے
یہی پایانِ نامرادی ہے

(حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکورویؒ)

بھائی سیاہ نقاب نا اہلوں پر مسلط ہوتی ہے۔ مخلصین سے اس کا کچھ واسطہ نہیں۔ مخلص کون ہیں وہ وہ ہیں جو ان عبادی لیس لك علیهم سلطان (۴۲/۱۵) (میرے جو مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں) میں داخل ہیں۔ یعنی مخلص ایسی کوشش میں ہیں جو محال معلوم ہوتی ہے اور تقرب کی یاء میں ہیں یعنی عبادی کی یائے تقرب یائے یٰسین ہے۔ جس نے سمجھا وہ سمجھ گیا۔ (اس کے بعد) یہ مخلص سوائے نورِ محمدی ﷺ کے اور کچھ نہیں دیکھتا یعنی جمال اللہ کے صحرا میں ہمیشہ رہتا ہے کیوں کہ بھائی جمال ذات بجز محمد رسول اللہ ﷺ کے آئینۂ صفات کے کہیں ظاہر نہیں ہوتا ؎ بیروں ز سرِ دو زلف شاہد رہ نیست (معشوق کی دونوں زلفوں کے باہر کوئی راستہ نہیں ہے۔ (تشریح رخسارِ حقیقی تک پہنچنے کے لیے بغیر زلفوں کو پار کیے کوئی راستہ نہیں ہے اور زلفوں کی سیاہی کفر ہے اور رخسار کی تابانی ایمان ہے۔ لہٰذا ایمان بغیر کفر کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور عاشق کفر و ایمان دونوں سے بے نیاز ہو کر عشق تک رسائی حاصل کرتا ہے) کہ من عرف نفسه (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا) سے مطلب نفسِ محمدؐ ہے۔ یعنی جو کوئی محمدؐ کے نفس کو پہچانتا ہے وہ اپنے رب کو پہچانتا ہے فقد عرف ربه، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرویہ حدیث کے یہی معنی ہیں۔ لیکن

اہل ظاہر دوسرا مطلب نکالتے ہیں۔ حضرت رسالت علیہ السلام نے بھی ان معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ من رآنی فقد رأی الحق (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے یقیناً حق کو دیکھا) انہوں نے سب کچھ ظاہر کر دیا ہے)۔ بھائی حق ہی، رسول اللہ ﷺ ہے۔ لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین (۶۵/۳۹)، اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے اعمال ملیا میٹ ہو جائیں گے اور تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گے) حضرت رسالت علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اعوذبک من الشر والشک (میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شر اور شک سے) بھائی نکتہ یہ ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام جب بھی اللہ کے نورِ ذات کو اپنے آئینہ نور میں دیکھتے تھے حکم ہوتا تھا کہ جب ہم کو اپنے میں دیکھتے ہو شرک ہوتا ہے لہٰذا ہم کو بغیر اپنے آپ کو دیکھو تا کہ شرک سے خلاصی پاؤ اور یہ خلوص حضرت رسالتؐ کی ذات سے مخصوص ہے لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء حضرت رسالت کے توسط سے دیکھتے ہیں۔ یعنی آئینۂ محمدیؐ میں دیکھتے ہیں اور یہ کہ انبیاء و اولیاء میں سے کسی کو یہ حوصلہ ہو کہ آئینہ حضرت رسالت علیہ السلام کے باہر دیکھے تو اس کا جواب لن ترانی ہوتا ہے۔ کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے پردۂ محمدیؐ کے باہر ڈھونڈھا تھا اور لن ترانی سنا تھا۔ بیروں زسرِ دو زلف شاہد رہ نیست۔ رسالت علیہ السلام کل (آخرت میں) جمال کو بیچون دیکھیں گے۔ اور دوسرے سب انبیاء و اولیاء پردۂ محمدی میں دیکھیں گے۔ اور حضرت رسالت علیہ السلام کے پردوں کی انتہا نہیں ہے۔ اگر حضرت رسالتؐ کے پردوں میں سے کسی ایک پردہ کا بیان کر دوں تو باللہ العظیم آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب عدم میں چلا جائے کیوں کہ بے معرفت ہے بجز اہل قلوب کمال کے۔ اے بھائی! قلم جب اس جگہ پہنچا تو اس نے دیوانگی کا تقاضا کیا اور دیوانوں کے سلسلہ کو حرکت دینا چاہی لیکن میری عقل نے میرے منھ کے دامن کو پکڑ لیا۔ اور کہا کہ اے دیوانے۔ دیوانوں کے سلسلہ کو نہ چھیڑ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بینا کرے کہ اس فقیر کے مکتوب کو سمجھیں۔ کیونکہ اس فقیر کے کلمات کے کمالات ہر کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ خبردار، یہ نہ سمجھنا کہ اس زمانہ میں کوئی بھی اس فقیر کے کلمات پر غور و فکر سے پہنچ سکتا ہے۔ اور کیسے پہنچے کہ اس فقیر کے کلمات ولو علم

اللہ فیھم خیرا لا سمعھم (۸/۲۳) (اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دیتا) کے تعلیم خانہ سے (لکھے ہوئے) ہیں۔ لیکن میں نے نیت کی ہے کہ اس مکتوب سے تھوڑا تھوڑا کر کے آپ کے کتب خانہ کے لیے لکھوں۔ لیکن ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتے رہیے۔ اور جو رہ جائے گا وہ انشاء اللہ بوقت ملاقات حل کر دیا جائے گا۔ اس ایمان کے مکتوب میں بہت سے مدارج ہیں۔ اور بے شمار فتوحات لیکن وہ دوسرے مکتوب میں لکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کمال کرم اور احسان سے بحرمت نبیؐ و آلِ نبیؐ آپ کو ماورائے کوشش جہات عزت بخشے۔ فقط۔

(تشریح) ایمان کا چھوٹے سے چھوٹا درجہ دل کی تصدیق ہے اور اکثر اس کی انتہا نہیں ہوتی۔ یعنی اہل کمال کے نزدیک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دل سے کہنا ابتدائے ایمان ہے۔ اور دل سے مراد قلب ہے جس میں عالمِ مجردات سمایا ہوا ہے۔ لہٰذا پہلے قلب کی جانب متوجہ ہونا چاہیے کہ اس میں اس عالم مجردات کو دیکھے اور یہ بات فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے اور فنا عشق سے حاصل ہوتی ہے پھر عاشق کو آخرت کے احوال کا کشف ہوتا ہے یعنی وہ عالمِ مجرّدات جو اس سے پوشیدہ تھا اسی کے قلب میں جلوہ گر ہوتا ہے اور عالم مثال کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ یہی تشبیہ اور شک سے فارغ ہونا ہے۔ جس کے بعد نفس قلب کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور قلب روح کے رنگ میں رنگ جاتا۔ روح کے ادراکات علم الیقین کا درجہ ہیں کہ ہر خیال قلب کی صورت میں صورت گر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ کا خیال جب قلب میں جلوہ گر ہوتا ہے تو کلمہ کے جمال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یعنی ذات باری تعالیٰ میں جلال و جمال کے عوالم ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر ذاتِ احدیت سے نقطۂ کبریائی اسی صحرائے لم یزل و لا یزال میں نمودار ہوتا ہے جسے حقیقتِ محمدیؐ کہا جاتا ہے اور یہی نقطہ ذوالجلال والاکرام کہلاتا ہے کیوں کہ اسی نقطہ سے لطف وقہر کے صفات کا اظہار ہوتا ہے اس کے بعد کے مدارج نزول اس مکتوب میں چھوڑ دیے گئے۔ لا الہ کو عالم عبودیت وفطرت اور الا اللہ کو عالم الوہیت وولایت قرار دیا گیا اور سالکوں کی روش یہ بتائی گئی کہ وہ دائرۂ لا الہ میں رہ کر دین ودنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں جسے ظلمت سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سالکین راہ الا اللہ کے دائرہ میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی توجہ کا مرکز اللہ ہوتا ہے اس کے بعد جب وہ دائرہ اللہ میں آتے ہیں تو ثم رش علیہ من نورہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تخلیق کے راز سے واقف ہو جاتے ہیں۔ پھر اس دائرہ سے ترقی کر کے عرفان ذات حاصل کرتے ہیں۔ یعنی لامکانی میں قدم رکھنے سے من عرف اللہ لا یقول اللہ و من یقول اللہ لا یعرف اللہ ذات ہی میں گم ہو جاتے ہیں اور ان کی خودی فنا ہو جاتی ہے اور وہ سالک جو دائرہ باللہ میں توقف کرتا ہے اور ساکت ہو جاتا ہے اور عرفان کی منزل لامکانی میں قدم نہیں رکھتا اس پر نار و شرک ظاہر ہوتے ہیں کیوں کہ اس میں خودی باقی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اللہ تک پہنچ گیا۔ اور یہی نہایت کار ہے۔ پاسبان حضرت اللہ جس نے سیاہی زلف حبیب اللہ کو اپنی قبا بنایا ہے کہتا ہے کہ مجھے حکم ہے کہ صرف اسے اندر جانے دوں جس میں طلب بھی باقی نہ رہی ہو۔ یہ پاسبان تمام اہل ظاہر کو روک دیتا ہے اور ان کو جمال انا من نور اللہ پر مطلع نہیں ہونے دیتا۔ یعنی وہ اللہ کی طلب میں وہاں تک پہنچتے ہیں اور طلب ہی غیریت ہے لہٰذا ان کی جانیں بے جان ہو جاتی ہیں جان وہی ہے جو ذات حبیب میں سما جائے کیوں کہ جان کی حیات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ ان کی جانیں بے جان ہو جاتی ہیں۔ جان وہی ہے جو ذاتِ حبیب میں سما جائے کیوں کہ جان کی حیات محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ہے وہی نور ذات باری تعالیٰ میں سما سکتا ہے لہٰذا جب نور حبیب کا جذبہ آتا ہے تو سیاہی زلف حبیب سے نجات پاتے ہیں اور نصر من اللہ و فتح قریب کا پروانہ حاصل کرتے ہیں۔ یعنی جو لوگ خدا اور رسولؐ میں فرق کرتے ہیں یہ غیریت انہیں دروازے کے باہر ہی روک دیتی ہے۔ مخلصین کی نظر وجہ اللہ پر ہوتی ہے لہٰذا زلف کی سیاہی ان کے آڑے نہیں آتی۔ مخلص وہ ہیں جو ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (۱۵/۴۲) (میرے ان بندوں پر تیرا کچھ غلبہ نہیں) میں داخل ہیں۔ یعنی جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ محمد رسول اللہ ہیں۔ لفظ عبادی کی یاء تقرب کی یاء ہے۔ یعنی ''میرے بندے''۔ اس لفظ ''میرے'' میں جو پیار ہے وہ کام آتا ہے۔ یہی یاء یٰسین میں ظاہر ہوتا ہے جس کے معنی ''میرے حبیب'' ہیں، مخلص سوائے نور محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی

دوسرے کو نہیں دیکھتا۔ جیسے عاشق حقیقی صرف معشوق حقیقی کو دیکھتا ہے کیوں کہ جمالِ ذات بجز محمد رسول اللہ کے آئینۂ صفات کے نہیں ظاہر ہوتا من عرف نفسہ کا مطلب نفس محمدؐ ہے یعنی جو نفس محمد کو جانتا ہے یعنی شیونِ جمال وجلال کا شیدائی ہے فقد عرف ربہ وہی اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ من رآنی فقد رآنی ربی میں اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی حق ہی رسول اللہ علیہ السلام ہے یہ شرک نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت رسالتؐ نے خود فرمایا ہے۔ اعوذبك من الشر و الشك ۔ اور یہ اس وقت فرمایا جب اپنا سب کچھ تج دیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ رسالت علیہ السلام جب بھی نورِ ذات کو اپنے آئینہ میں ملاحظہ فرماتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ یہ شرک ہے ہم کو بغیر اپنے آپ کے دیکھو تا کہ شرک سے خلاصی پاؤ۔ اور یہ خلوص حضرت رسالت علیہ السلام کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے سب انبیاء واولیاء ذاتِ رسول کے توسط سے دیکھتے ہیں یعنی آئینہ محمدیؐ میں دیکھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پردۂ محمدیؐ کے باہر ڈھونڈھا اور جواب لن ترانی سنا۔

دوسرا مکتوب

(نماز کے بیان میں)

غرض صحیفہ اس پرمبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی (۲/۲۳۸) (پابندی کرو نمازوں کی اور خصوصاً نماز وسطیٰ (عصر) کی۔ اور صاحب شرع کا فتویٰ بھی اس پر دلیل ہے کہ الصلوٰۃ عماد الدین (نماز دین کا ستون ہے) لیکن بھائی صحت نماز کی شرط طہارت ہے کہ بے طہارت نماز حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور نماز کی کنجی پاکی ہے) یعنی پہلا درجہ اعضائے جسمانی کا پانی یا خاک سے پاک کرنا ہے۔ تو بھائی یہ اعضاء کی طہارت ہے۔ لیکن دوسرا درجہ بری خصلتوں جیسے حرص، حسد، غرور و بخل وغیرہ سے اندر کی صفائی ہے۔ بھائی جب باطن کو ان برے خصائل سے طہارت دو گے تو وضو کامل ہوگا۔ اس وقت تمہاری نماز حضرت جل وعلا قبول فرماتا ہے جیسا کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے لا یقبل اللہ الصلوٰۃ الا بالوضوء الکامل (اللہ تعالیٰ بغیر وضو کامل کے نماز قبول نہیں فرماتا ہے)۔

اور نکتہ یہ ہے کہ اگر تم کو ماسوی اللہ سے انفصال حاصل نہ ہو تو ہرگز نماز میں لی مع اللہ وقت سے اتصال مشاہدہ نہ ہوگا لیکن امید کرتا ہوں کہ طہارت مذکور تم کو حاصل ہو جائے گی چونکہ تم نے اس فقیر سے اعتقاد درست کر رکھا ہے اس کے بعد اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس (۱۷/۷۸) (آفتاب کے ڈھلنے سے نماز کو قائم کرو)

بھائی نماز کے لیے قیام چاہئے اور قیام کے لیے سمت اور وہ قبلہ ہے لیکن یہ قبلہ قالب کا قبلہ ہے کہ قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها فول

وجھك شطر المسجد الحرام (۲/۱۴۴) (ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم تم کو اسی قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے۔ تو تم اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانۂ کعبہ) کی طرف پھیر لو)۔ لیکن یہ جان کا قبلہ نہیں ہے۔ جان کا قبلہ یہ ہے کہ لا اقسم بھٰذا البلد (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور تم اور اہل ظاہر جانتے ہو کہ یہ شہر مکہ ہے جو حضرت خواجہ عالم علیہ السلام کے قالب کا مولد ہے اور یہ شہر مکہ ہی ہے جس میں روح محمدؐ مولود ہے۔ خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے انا من نور اللہ وولدت فی البلد وھو عرش الرحمن وفی عرش الرحمن لا لیل ولا نھار ولا ارض ولا سماء (میں اللہ کے نور سے ہوں اور میں پیدا ہوا شہر میں اور وہ رحمٰن کا عرش ہے اور رحمٰن کے عرش میں نہ رات ہے نہ دن، نہ زمین ہے نہ آسمان) اے بھائی! ایک زمانہ نے اس قبلہ کی طرف قرب حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھی برسوں بغیر قبلۂ مذکور کے پیشانی رگڑتے رہے اور رگڑتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ انبیاء و اولیاء نے بھی اس قبلہ میں نماز پڑھی ہے جسے میں نے ظاہر کیا اور تب ثمرہ نبوت وولایت چکھا ہے۔ باللہ العظیم اگر وہ اس قبلہ مذکور کے علاوہ کسی دوسری سمت ہوتے تو ہرگز ثمرۂ نبوت وولایت نہ چکھتے۔ بھائی اگر تم ہزار سال کی عمر پاؤ اور اہل ظواہر بھی پائیں اور تم نماز پڑھتے رہو اور وہ نماز پڑھتے رہیں ہرگز قربت تک نہ پہونچیں گے۔ جیسا کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے سیأتی علی الناس فی امتی زمان یجتمعون فی المساجد و یصلون و یصومون فی رمضان ومافیھم مسلم (عنقریب میری امت کے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ مساجد میں جمع ہوں گے اور نماز پڑھیں گے اور رمضان میں روزے رکھیں گے اور (حالانکہ) ان میں کوئی مسلمان نہ ہوگا) یقین جانو کہ یہ اشارہ کن لوگوں کے لیے ہے۔ بھائی! نماز وہ ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم خلیل مست حضرت جلیل علیہ السلام نے اپنے اور اپنے فرزندوں کے لیے چاہی ہے۔ رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی، (۱۴/۴۰) (اے میرے پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرما) اور سرورِ اولیاء علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ واللہ لم اعبد ربا حتی لم اره (خدا کی قسم میں نے اپنے رب کی عبادت اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ

اسے دیکھ نہیں لیا) یعنی خدا تعالیٰ کی نماز وہ ہے کہ بندہ خداوند تعالیٰ سے راز کہتا ہے اور خداوند تعالیٰ بندہ سے راز کہتا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ بندہ سے اس وقت راز کہتا ہے جب بندہ کا قیام قبلہ مذکور کی سمت طہارتِ مذکور کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اے ہونا یہ چاہیے کہ اہل ظواہر کے خاطر میں آئے۔ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں؟ صلوٰۃ کا مشتق صلت ہے اور صلت یہ ہے کہ مناجات اور بندہ کا خداوند سے بات کہنا المصلی یناجی ربه (نماز پڑھنے والا اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے) جیسے کہ اے بھائی حضرت رسالت علیہ السلام معراج میں ایسی جگہ پہونچے جہاں عقل نہیں پہونچتی کہ ناگاہ سرادقاتِ غیب اور پردہ ہائے لاریب سے ندا آئی کہ قف یا حبیبی (اے میرے حبیب توقف کرو) حضرت رسالت علیہ السلام نے کہا کیوں توقف کروں۔ دوسری ندا آئی کہ لان اللہ تعالیٰ یصلی (اللہ تعالیٰ نماز پڑھ رہا ہے فقال علیہ السلام وما صلوٰتك (پس آپؐ نے فرمایا تیری نماز کیا ہے) یعنی حبیبؐ نے پوچھا کہ اے میرے خداوند، تیری نماز کیا ہے۔ دوسری ندا آئی یا حبیبی ان صلوتی الثناء لذاتی ثم اشتغله بثنائك (بیشک میری نماز میری اپنی ذات کی ثنا ہے پھر اسے مشغول کروں گا تیری ثنا میں) جب حبیبؐ نے یہ ماجرا سنا تو ان پر واجب لازم ہوا کہ لا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك (میں تیری تعریف نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ذات کی تعریف کی) کہیں لیکن اے بھائی اس فقیر کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جب حبیبؐ نے توقف کرنے کی ندا سنی تو خاطر مبارک پر گراں گذرا جیسے مجاز میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوست بھائی کی طرح مطلوب ومقصود ہو اور دوست آ پہونچے پھر اگر ایک لحظہ بھی توقف ہو تو دل پر کیا گذرتی ہے پھر اس کی اصلاح اور عذر میزبان پر ہوتا ہے اور عذر پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت سید کونین وکرسی نشین ماورائے دارین مقام مطلوب میں تھے کہ سبحان اللہ اسری، پس مطلوب کے لیے ندائے توقف کیا (کیا معنی) مگر ندائے توقف عذرات کی تھی۔ لیکن اس فقیر پر روشن ہے کہ حضرت عزت جل وعلا نے کون سے عذرات پیش کیے۔ امید ہے کہ آپ پر بھی روشن ہو جائیں گے۔ اگر حضرت جل وعلا کے عذرات میں سے ایک عذر کی بھی تشریح کردوں تو اہل ظواہر ناسمجھی اور نااہلی کی وجہ سے میرا خون بہادیں گے۔ اور ایک نہ ایک دن بہادیں گے۔ لیکن آپ پر یہ رمز ظاہر کیا جاسکتا ہے

کہ دلِ محمدی کا انکسار ندائے توقف پر حضرت حق کا خریدار بن گیا۔

باز آفتاب دولت برآسماں برآمد بازار روئے جانہا از راہِ جاں برآمد
بازآں شہے درآمد کوُ قبلۂ شہانست بازآں مہے برآمد کز ماہ برتر آمد

(آفتاب دولت پھر آسمان پر نکلا جانوں کے چہروں کا بازار جان ہی کے راستہ سے نکلا اور پھر وہ بادشاہ جو شاہوں کا قبلہ گاہ ہے نکلا وہ ایسا چاند ہے جو روزمرہ نکلنے والے چاند سے کہیں بہتر تھا)

(تشریح) رسولِ اکرمؐ نے جب معراج میں توقف کرنے کی ندا سنی تو عشق ذاتی سے بے قرار ہو کر اندر جھانکا اور اس جھانکنے کی ادا سے ان کے حسن میں چار چاند لگ گئے۔ بہ الفاظِ دیگر اللہ کی ذات کا جمال صفات پر چھا گیا اور صفات ذات ہو گئے۔ اور ذات صفات کے لباس میں ملبوس ہو گئے۔ یعنی محمدؐ کے احد ہونے سے عاشق و معشوق ایک ہو گئے)۔

بھائی! جب حضرت رسالت علیہ السلام نے سر کو قدم بنایا (آگے بڑھایا) (یعنی جھانکا کہ جھانکنے کی لطافت کو مشتاقوں کے دل ہی سمجھتے ہیں) تو حسن فزوں تر ہوا اور جمال ذات نے صفات پر ایسی نوازش کی کہ صفات ذات ہو گئے اور ذات صفات کے لباس میں ملبوس ہو گئی۔ بھائی! سمجھو کہ میں کیا کہتا ہوں۔ زمینوں میں حبیبؐ کو محمدؐ کہتے ہیں اور نو آسمانوں میں احمدؐ کہتے ہیں اور ماورائے شش جہات میں میم کو حذف کر دیتے ہیں۔ یعنی احد کہتے ہیں۔

آں یار ہمانست اگر جامہ دگر کرد اوُ جامہ دگر کرد دگر بار برآید
ایں نیست تناسخ سخنِ وحدت محض است کز شش جہت ایں قلزم زخار برآمد

(اس یار نے اگر لباس بدل لیا تو وہ وہی رہا۔ لباس بدل کر دوبارہ نکل آیا یہ بات وحدتِ محض کی ہے تناسخ نہیں ہے۔ جس طرح شش جہت سے ایک بے پایاں سمندر نکل پڑا جو یک رنگی کا حامل ہے)

(تشریح) کل یوم ھو فی شان (۵۵/۲۹) سے ذات الآن کما کان ہی رہتی ہے)

المثال مصابیح الاقوال (مثال اقوال کے چراغ ہیں) یعنی اے بھائی، سکندر متعدد مواقع پر خود اپنا رسول بن کر گیا اور جامۂ رسالت پہنا اور ذات سکندر ہی کی رہی۔ اہل وحدت کے نزدیک ہرگز روا نہیں ہے کہ لباس کے سبب سے ذات بدل جائے۔

مرد می باید کہ باشد شہ شناس
گرچہ بیند شاہ را در صد لباس

(انسان کو شہ شناس ہونا چاہیے خواہ وہ کسی لباس میں جلوہ گر ہو وہ اسے فوراً پہچان لے۔ یعنی اسے اس شعر کا مصداق ہونا چاہیے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شنام

(تشریح) جس کی نظر شاہ کے وجہ (چہرہ) کی خوگر ہوگی وہ تبدیل لباس سے متاثر نہ ہوگا۔ یعنی معرفت الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ اُسے انسان بزرگ میں پہچانے)

بھائی! اتوار کے دن فجر کے وقت یہ مکتوب شروع کیا تھا۔ وجودِ ظاہر میں بیمار تھا۔ جب رات ہوئی تو یہ مکتوب مثنوی تک پہنچ گیا تھا۔ لہٰذا چھوڑ دیا۔ اسی شب حضرت رسالت علیہ السلام کو خواب میں دیکھا گویا کہ مکتوب میرے ہاتھ میں ہے (اور اسے) رسول علیہ السلام کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ فرمایا کہ فرزند۔ میرے علوم کے اس سے زائد اسرار صحرا میں نہ رکھ۔ اگر ظہور کا دستور ہوتا تو میں بے حرف و بے صوت علوم با حرف و با صوت کر دیتا اور بیان کر دیتا اور اہل ظواہر کے کفر کو دھوڈالتا۔

دستور نیست جائز تا گوید ایں بیاں را
ورنہ زکفر رستی ہرجا کہ کافر آمد

(اس رمز کے بیان کا دستور جائز نہیں کیوں کہ اس کے بیان سے کافر کفر سے چھٹکارہ پا جائیں گے)

(تشریح) توحید کا بیان کرنا اس لیے منع ہے کہ کافر کفر کو چھوڑ دیں گے اور جب کفر نہ رہے گا تو ایمان بھی نہ رہے گا۔ حقیقت ظاہر ہونے کا وقت مقرر ہے)۔

اے بھائی! نماز میں بھی یہی نماز ہے اور وہ جو خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ الانبیاء یصلون فی قبورھم (انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں) زہے حیات صوری وحیاتِ معنوی۔ بھائی! نماز کی شرح سن لی اب نیت کا راز بھی سن لو۔ اہل ظواہر کو کیا معلوم کہ نیت کیا ہوتی ہے نیت بھی نماز کی شرط ہے۔ نماز اس وقت درست ہوتی ہے جب نیت درست ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیت پر ہے) اور حضرت عبداللہ سہل تستری ؒ کہتے ہیں النیۃ نور (نیت نور ہے) اور نیت کے حروف میں اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ وہ النون اشارہ ہے نور کی جانب اور حرف یاء اشارہ ہے ید اللہ کی جانب اور حرف تا اشارہ ہے ہدایت اللہ کی جانب فان النیۃ نسیم الروح فروح وریحان وجنۃ نعیم (نیت روح کی خوشبودار ہوا ہے پس خوشبودار پھول اور جنت کے باغات ہیں) بھائی! اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت عالم کسب سے نہیں ہے۔ بلکہ عالم عطاء وخلعت الٰہی سے ہے۔ اسی وجہ سے بشر حافیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے جنازہ پر نماز نہیں ادا کی۔ دوستوں نے ان پر اعتراض کیا کہ وہ نیت مذکور سے محروم تھے اور پوچھا کہ حسن بصریؒ کے جنازہ پر کیوں نماز نہیں پڑھی۔ بشرؒ نے جواب دیا میں نے اب تک نیت (اذن) نہیں پائی۔ نماز میں ایسی ہی نیت (اذن) ہونا چاہیے اس کے بعد تکبیر کہنا ہے۔ بھائی! جب نماز کے لیے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتا ہے تو کہنے والے کو چاہیے کہ جتنی بھی ناچیزیت اس میں ہو وہ آتشِ شوق سے جل جائے تاکہ ناچیزیت (بطلان) میں سے اس میں کچھ نہ رہے۔ یعنی صرف حق رہ جائے۔ وقل جاء الحق وزھق الباطل (کہہ دو کہ حق آیا اور باطل چلا گیا) جیسے اے بھائی! پروانہ آگ کا عاشق ہے۔ جب خود کو آگ میں ڈالتا ہے اور آگ اس کو قبول کرتی ہے اور غیریت کی اس سے نفی ہو جاتی ہے۔ تو وہ آگ سے ایسی غذا پاتا ہے کہ (ایسا ہو جاتا ہے) آگ کی غذا بھی اسی سے ہوتی ہے۔ اور پروانہ کا سارا وجود غیر ہے۔ نہیں جانتا کہ کیا لکھ رہا ہوں کہ مقامِ شش جہت اٹھا جا رہا ہے۔ (یعنی یہ کلام لامکانی ہے) اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے اور امید ہے کہ کرے گا۔

در فروغِ پرِ توِ آں یک نظر   محوی گردد وجودم سر بسر
از شعاعِ آفتاب فرِّ شاہ   پاک بری خیزد آں ساعت زراہ
چوں نمی ماند زمن نام وجود   چوں بخدمت پیش افتم در سجود
گرتو می بینی مرا آں دم میاں   نیستم من ہست آں شاہ جہاں
گفتم اکنون من نہ دانم کیستم   بندہ بارے نیستم من چیستم
می نہ دانم تو منی یا من توئی   محو گشتم در تو وگمشد دوئی

(اس ایک نظر کی معجز نمائی سے میرا وجود ہی محو ہو گیا۔ آفتاب عزت شاہ کی ایک شعاع نے میرے راستہ سے خوف نکال پھینکا۔ جب میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں تو میرے لیے وجود کا نام ہی نہیں رہتا۔ اگر اس وقت کوئی مجھ کو عیاں دیکھتا ہے تو وہ میں نہیں ہوتا ہوں بلکہ وہی جہانوں کا بادشاہ ہوتا ہے میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ البتہ میں نہیں ہوں پھر آخر کیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ تو میں ہے یا میں تو ہوں۔ میں تجھ میں محو ہو گیا اور دوئی غائب ہو گئی)

(تشریح) اس کی ایک نظر نے تفرقہ مٹا ڈالا من وتو کا سوال ہی نہ رہا۔ جو کچھ ہے وہی ہے)۔ سمجھا جو سمجھا۔ اے محبوب! جس چیز کی طرف جان (وجود) متوجہ ہو جائے وہی چیز اس کا قبلہ ہوتی ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (۲/۱۵۵) (تم جدھر بھی رخ کرو ادھر اللہ ہی کی ذات ہے) المقصود اے بھائی جب بندہ اس مقام میں جس کا ذکر کیا گیا پہنچتا ہے وہاں نہ رات ہوتی ہے نہ دن۔ لیس عند اللہ صباح ولا مساء (اللہ کے نزدیک (وہاں) نہ صبح ہے اور نہ شام) تو پانچ وقت کی نماز کیسے پائے گا۔ لیکن اس طائفہ کو والذین ہم علی صلوٰتہم دائمون (۲۳/۷۰) (وہ لوگ ہمیشہ اپنی نمازوں میں رہتے ہیں) حاصل ہو جاتا ہے۔ بھائی! کیا کروں کہ علمائے رہزن کے ہاتھوں جو طفل راہ کی طرح ہیں شرح وبیان نہیں کر سکتا۔ تکبیر ایسی ہونا چاہیے کہ جب اللہ اکبر کہے تو کونین کا وجود محو دیکھے جب بھی دیکھے اور انی ذاہب الی ربی سیہدین (۳۷/۹۹) (اور میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف وہ یقیناً مجھے ہدایت دے گا) کے استقبال کو چلا جائے اور

مشاہدہ کرے، پڑھنے کے وقت انی وجھت وجھی للذی یعنی ''وجھی'' کی یاء کو الذی کے دریا میں غرق پائے اور اپنے کو بھی گم دیکھے۔ اور آسمانوں اور زمین کو دیکھے۔ فلا اقسم بما تبصرون (ہم کو ان چیزوں کی قسم جو تم کو نظر آتی ہیں) اور حنیفا ملتِ ابراہیم کو دیکھے اور پوری طرح قول سے استغناء کرے۔ اور اس میں اپنے آپ کو اس وقت تک ما انا من المشرکین (میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) دیکھے جب تک تختہ وجود فانی نہ ہو جائے۔ اس کے بعد ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (۶/۱۶۲) (بیشک میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے) اس سب کو ایمان دیکھے اور تیرے عین سے تیرا غیر حضوری کے شوق کی آگ میں جل جائے۔ اس کے بعد اے بھائی وبذلك امرت وانا اول المسلمین (اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے اول ہوں) تجھے مسلمانی سکھائے گا اس مقام پر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تیرے لیے درست ہوگا اور بسم اللہ کی ابتدا کرنے کے لیے اس کے صفات الرحمن الرحیم کی جو ذات پر رکھے گئے ہیں ضرورت ہوگی۔ پس بھائی الحمد للہ الرحمن الرحیم کی ترتیب پر شکر ہے اس کے بعد دوسری مہر جو اللہ کو زیبا ہے رب العالمین ہے اس کے بعد اے بھائی اللہ اور للہ ایک ہو جاتے ہیں الرحمٰن الرحیم یعنی صفات ذات اللہ۔ اس جگہ تکرار ضروری ہے۔ مالك یوم الدین یعنی دنیا کو دین کے آئینہ میں دیکھتا ہے کیوں کہ آخرت کے لیے دنیا میں جگہ نہیں ہے۔ اور (وہ) سمائے بھی کیسے۔ بھائی سورۂ فاتحہ میں ساقی واسطہ سے شراب کا جویا رہنا چاہیے۔ اور استاذ ڈھونڈھو کہ پا جاؤ اور دیوانے ہو جاؤ اور ساقی واسطہ حضرت رسالت ہیں اور تربیت کے لیے ہیں۔

ساقیا بے گہ رسیدی مے بدہ مردانہ باش ساقی دیوانگانے ہچو من دیوانہ باش
سَر بسَر پُر کن قدح را موئے را کنجے مدہ واں کہ زیں میداں بترسد گو برو در خانہ باش

(ساقی بے وقت آیا۔ مردانہ وار شراب دے۔ تو دیوانوں کا ساقی ہے میری طرح دیوانہ ہو جا اور پیالہ کو لبالب بھر دے ایک بال برابر جگہ بھی خالی نہ چھوڑ۔ جو اس میدان سے ڈرتا ہے اس سے کہو کہ جائے اور گھر بیٹھے۔)

(تشریح) حالت نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے وقت ساقی واسطہ یعنی رسولِ اکرمؐ سے اس کے کیف کے حصول کا متمنی رہنا چاہیے کہ وہی پیر تربیت ہیں۔ اور اس کیف میں مست ہو کر ساقی بے واسطہ تک پہنچ کر ایاک نعبد کہنا چاہیے۔ اور جو اسے شرک سمجھے اس سے کہو کہ گھر بیٹھے یعنی وہ کچھ نہ پائے گا۔)

پس اے بھائی! ساقیِ واسطہ سے ساقیِ بے واسطہ تک پہونچو گے اور امید ہے کہ ضرور پہونچو گے۔ جب مست ہو جاؤ تو ایاك نعبد پر کمرِ خدمت باندھو اور گذرے ہوئے کو یاد کرو ایاك نستعین خود بخود گفتار میں آئے گا اس کے بعد تمہاری کونین کی تمنا پوری ہوگی۔ اس کے بعد اھدنا الصراط المستقیم کو اپنا عین پاؤ گے کہ ساقی بے واسطہ کیسی شراب پلاتا ہے اور وہ کون ہیں وہ صراط الذین انعمت علیھم ہیں۔ پھر محروموں اور مجوبوں کو دیکھو گے کہ حلقہ باندھے دروازوں پر بیٹھے ہیں اور تم گھر کے اندر بیٹھ کر غیر المغضوب کہو گے۔ اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بغیر فاتحہ الکتاب کے نماز نہیں) ہے خواجہ عالم علیہ السلام کا اسی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد تمہارا فاتحہ پڑھنا ٹھیک ہوگا اور فاتحہ یہ ہے جو میں نے پڑھا اور تم نے سنا پس یہ لاف کرنا حرام ہے کہ ہم تم اور اہل ظواہر نماز ادا کرتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ افسوس ساری عمر میں خود ایک نماز نہ ادا کی اور ایک بار فاتحہ وتکبیر ونیت درست ادا نہ کی۔ فاتحہ ونیت وتکبیر وقبلہ وتوجہ وقیام یہ ہے جس کی اس فقیر نے شرح کی۔ تیس سال ہوئے کہ قلم ارادت وقدرت وامر میں چل رہا ہے اور اب بھی رکا نہیں اور یہ نکات نکاتِ اسرار کے انوار کی خوشبو کا ایک شمہ ہیں جو اس فقیر پر دن رات متجلی رہتے ہیں آپ پر آسان کردیے۔ تھوڑا تھوڑا لکھتا ہوں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اسرارِ ایمان کے بعد اسرارِ نماز کا مکتوب اس وجہ سے لکھا گیا کہ کلام اللہ میں حضرت جل وعلا نے ایمان کے بعد صلوٰۃ رکھی ہے۔ صلوٰۃ اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صلوٰۃ مذکور روزی کرے۔ خاطر مبارک میں شک وفتور نہ لائیں۔ مکتوب اول کے بارہ میں آپ نے لکھا تھا کہ کاتب نے کھو دیا لیکن ایسے کلمات کسی غیر کو کتابت کے لیے نہ دیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ کلام مجید اور فرقان حمید کسی ایک گروہ یا ہزار

گروہوں سے خطاب ہے بلکہ یہ تصور کریں کہ ہر آیت اور ہر حرف میں کسی شخص سے خطاب ہے اور وہی اس شخص کا مقصود ہے۔ اس فقیر کے مکتوبات کا ہر حرف و نظم و نثر و قول و حدیث و آیت مختلف ہے اور ہر حرف میں ایک مقصود ہے اور ہر مقصود میں ایک علیحدہ مراد ہے۔ اللھم ارزق لی ولک (اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو عطا فرمائے) چاہیے کہ خود کتابت کریں کیوں کہ وحی الہام کے لیے عثمان وقت چاہیے کہ کتابت کے لائق ہو۔ دوست کو منظور نہیں کہ دوست خطا کرے ۔

در راہِ یگانگی چہ طاعت چہ گناہ
رخسارۂ عاشقاں چہ روشن چہ سیاہ

(یگانگی میں کیا طاعت، کیا گناہ۔ عاشقوں کے رخسار روشن ہوئے تو کیا اور سیاہ ہوئے تو کیا)

(تشریح) یگانگت میں بے دھڑک اور بے باک ہونا چاہیے اور طاعت اور گناہ کے چکر میں نہ پڑنا چاہئے)۔

اس بات سے خاطر مبارک پر گرانی نہ ہو اور مکتوب اول کے بارہ میں جو آپ نے پہلے لکھا تھا کہ لکھوا کر بھیجیں گے باللہ العظیم یہ سواد بھی ہے اور بیاض بھی اور ایسے کو یاد رکھنے کے بارہ میں جو آپ نے ذکر فرمایا اس کا جواب بھی مثنویات مذکور سے سمجھیں کہ وہ حال کیا حال ہے۔ مثنویات میں غور کرنا چاہیے اور خاطر جمع رکھیں۔ امید ہے کہ آپ کا مطلوب حاصل ہوگا۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ مطلوبوں کے مقام میں ہوں گے۔ چند دنوں سے اس فقیر کے وجود ظاہر میں ناسازی ہے اسی حال میں دو دونوں میں یہ مکتوب لکھا گیا لیکن مثنوی اول مردمی باید کہ باشد شہ شناس الخ دوشنبہ کی رات کو حضرت رسالت علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی۔ اس مکتوب کی حفاظت کریں یہی آپ کی سعادت ابدی ہوگی جب تک آپ اس لائق حضرت کے نہ ہو جائیں ایسا معاینہ کس طرح ہوگا۔ ان اسرار پر ہرگز کسی کو مطلع نہ کریں یہ کیا ہے انشاء اللہ ایسی چیز لکھی جائے گی کہ خاص و عام کی سمجھ سے بالاتر ہوگی۔ فقط

تیسرا مکتوب

(زکوٰۃ، روزہ، حج کے بیان میں)

نماز کے بعد رکن زکوٰۃ ہے کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا ہے الزکوٰۃ قنطرة الاسلام (زکوٰۃ اسلام کا پل ہے) یعنی جو لوگ صاحبِ مال ہیں اور ان پر زکوٰۃ واجب ہے کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین (۹/۶۰) صدقات فقراء اور مساکین کے لیے ہے) اس زکوٰۃ سے علمائے ظاہر دوسری مراد لیتے ہیں اور محققانِ باطن کچھ اور سمجھتے ہیں۔ بھائی گو کہ حضرت جل وعلا نے یہ جہان اولیاء کے لیے پیدا کیا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو کسی اور یا دنیا کے حوالے نہیں کرتے کیوں کہ زکوٰۃ سے خدا نے اصل وفرع دونوں کو خود ان کے وجود ظاہری کے لیے ظاہر کیا ہے (یعنی ان کا وجود اللہ کے وجود کی زکوٰۃ ہے جو اصل ہے اور ان کی روزی اللہ کی رزاقیت کی زکوٰۃ ہے جو فرع ہے) لیکن ہر ایک کو اس کا حصہ دینا چاہیے۔ جیسے مال میں سے مال دینا واجب ہے۔ اسی طرح اولیاء پر علمِ معرفت دینا واجب ہے۔ کیونکہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے لا کنز أنفع من علم المعرفة (کوئی خزانہ علم معرفت کے خزانہ سے زائد نفع بخش نہیں ہے) کیوں کہ علم معرفت اولیاء کا خزانہ اور رزق ہے۔ ومن رزقناہ منا رزقا حسنا (۱۶/۷۵) (اور وہ جس نے ہم کو بہترین رزق دیا ہے) اے بھائی رزق حسن یہی علم معرفت ہے کہ العلم لایحل منعه (علم کا روکنا حلال نہیں ہے) خلق کے حوصلہ کے مطابق نثار کرنا چاہیے اور اس آیت کو گرہ میں باندھنا چاہیے کہ ومما رزقناھم ینفقون (۲/۳) (اور وہ خرچ کرتے ہیں جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا) اور اس فقیر کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس خزانہ سے عبارت ہے کہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ اپنے کو پہچنواؤں)

یہ زکوٰۃ اسلام کا بلند پُل ہے یعنی جولوگ مالدار ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے کہ انما الصدقات الخ آپ کے نصیب کے متعلق دوسرے مکتوب میں لکھا جائے گا۔ اس مکتوب میں اس کا محل نہیں ہے۔ ایسی زکوٰۃ سے علمائے ظاہر محروم ہیں لیکن اولیاء پر واجب ہے کہ اس زکوٰۃ میں اپنے بھائیوں کو بھی شریک کریں کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شر الناس من اکل واحده۔ (لوگوں میں بُرا وہ ہے جو تنہا کھائے) چوتھا رکن روزہ ہے اور شرع میں روزہ امساک طعام وشراب وکلام سے عبارت ہے لیکن کون طعام وشراب؟ یعنی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی (میں رات گذارتا ہوں اپنے رب کے پاس وہ مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے) اور کلام کون سا؟ وہ و کلم الله موسیٰ تکلیما (اور اللہ نے موسیٰ سے کلام فرمایا) اس روزہ کو روزۂ معنوی کہتے ہیں اور یہ روزۂ جان ہوتا ہے اس روزہ کو خدائی سمجھو کہ الصوم لی (روزہ میرے لیے ہے) اس لیے کہ اس صورت میں خدائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وانا اجزی بہ (اور میں اس کی جزا دوں گا) یعنی (اس سے مطلب) انا الجزائر (میں خود اس کا بدلہ ہوں) ایک دن قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہ نے انہیں معنوں میں اس فقیر سے فرمایا کہ الصوم الغیبة عن رویة مادون روتیہ الله (روزہ ماسوا اللہ کی دید سے غیبت ہے) اور اس روزہ کو مریمؑ بیان کرتی ہیں کہ انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا (۱۹/۲۶) (میں نے خدا کے لیے روزہ کی منت مانی تو آج میں کسی سے کلام نہیں کروں گی) کہ اس کا افطار سوا لقاء اللہ کے اور کچھ نہیں۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے ان للصیام فرحتان فرحة عند افطارہٖ وفرحة عند لقاء ربہ (روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں ایک افطار کے وقت کی دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت کی) لیکن بھائی اس فقیر کا روزہ یہ ہے صوموا الرویتہ وافطروا الرویتہ (روزہ رکھو اس کے دیدار کے لیے اور افطار کرو اس کے دیدار کے لیے) آپ کو بھی روزۂ مذکور روزی کرے گا اس روزہ کے متعلق سوائے اس چیز اور نشان کے نہیں بتایا جا سکتا کہ اس روزہ کی ابتداء خدا سے ہوتی اور آخر افطار بھی خدا سے ہی ہوتا ہے۔ کہ الصوم جنة (روزہ ڈھال ہے) تدبیر وصلاح روزہ کے لیے لازمی ہوئے کبھی صائم رہ

اور کبھی افطار کر۔ اگر ہمیشہ صائم رہو گے یعنی یکرنگ رہو گے جیسا کہ حضرت علیہ السلام نے فرمایامن صام الابد فلا صیام لہ (جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کے لیے روزہ نہیں ہے) یعنی اگر افطار نہ ہو تو روزے کا نام ہی نہ رہے۔ لیکن ابدی صائم خود ایک ہے کہ الصمد یعنی حضرت اوست جل جلالہٗ کی نعت۔ اور خلق کے لیے فرمایا کہ صوموا ساعة وافطروا ساعة (ایک گھڑی افطار کرو اور ایک گھڑی روزہ رکھو) اس جگہ بیشمار مدارج ومعارج ہیں۔ اہل ظواہر کی وجہ سے جو مثل طفل راہ کے ہیں میں نے چھوڑ دیے ہیں لیکن انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں اشارتاً آپ کو بتائے جائیں گے امید ہے کہ اس مکتوب کو بار بار مطالعہ کرنے سے بھی آپ پر بہت کچھ روشن ہو جائے گا کہ اس فقیر کے نزدیک کلام بے حرف وصوت کیا ہے لیکن بھائی پانچواں رکن حج ہے کہ وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (۳/۹۷) (اور لوگوں پر خدا کا حق ہے (یعنی فرض ہے) کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے) خداوند تعالیٰ کی راہ نہ داہنی سمت ہے نہ بائیں سمت۔ نہ اوپر سے ہے نہ نیچے سے اور نہ دور ہے نہ قریب۔ لیکن حضرت صمدیت جل وعلا کی راہ مومن کے دل میں ہے اور وہ ایک قدم ہے۔ دع نفسك و تعال (اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ) چنانچہ عبداللہؓ ابن عمرؓ نے حضرت رسالت علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ آپؐ نے فرمایا اپنے بندوں کے قلوب میں۔

نباشد عیب پرسیدن تراخانہ کجا باشد   نشانے رہ اگر یابم کہ آں اقبال من باشد
تو خورشید جہاں باشی زچشم ما نہاں باشی   تو خود آں را روا داری وانگہ ایں روا باشد

(یہ پوچھنا تو عیب نہیں ہے کہ تیرا گھر کہاں ہے۔ مجھے پتہ دے اگر مل گیا تو میری خوش نصیبی ہوگی تو سارے جہان کا خورشید ہے مگر میری نظروں سے نہاں ہے اور جب تو خود اسے روا رکھتا ہے تو یہی روا ہے)۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ہے اور ان کے دل اللہ کی دو انگلیوں یعنی جلال وجمال کے درمیان ہیں۔ چنانچہ ہر بندے پر تجلیات جمالی وجلالی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر بندہ کی نظر جمال وجلال کے درمیان ٹھہر جائے تو مشاہدہ ہوگا۔ لیکن

اس کا عام ہونا اللہ نے روا نہ رکھا۔ لہٰذا یہی روا ہے کہ قلب المومن عرش الله (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے)

اے محبوب تو دل کو طلب کر کہ حج دل کا حج ہے اگر تو کہے کہ دل کہاں ہے (تو) ان دو جگہوں میں ڈھونڈھ کہ قلب المومن بین الاصبعین من اصابع الرحمن (مومن کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے) یعنی دو انگلیاں ایک جمال ہے دوسری جلال ہے۔ اس کی تشریح بھی میں نے چھوڑ دی ہے لیکن اگر اس کا کوئی رمز بیان کر دوں تو میرا خون بہا دیں اور ایک نہ ایک دن بہائیں گے۔ اللهم عجل (اے اللہ عجلت فرما) لیکن یہ راز بھی انشاء اللہ اس مکتوب کے بار بار مطالعہ و غور کرنے سے روشن ہوگا۔ المقصود حج ظاہری ہر شخص کا کام ہے لیکن حج معنوی و حقیقی ہر شخص کا کام نہیں ہے اور ظاہری حج کی راہ میں سونا چاندی خرچ کرنا چاہیے اور حج حقیقی کی راہ میں جان و دل نچھاور ہونا چاہئیں کہ حج حقیقی اسی کا درست ہوتا ہے جو جان سے ہاتھ دھولے کہ من استطاع الیہ سبیلا (٣/٩٧) اس فقیر کی تفسیر سے مراد یہ ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین عمرؓ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ حجر لا تضرو لا تنفع لوانی مارأیت رسول الله قبلك ماقبلتك (تو ایک پتھر ہے جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا) یعنی حضرت عمرؓ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت کہتے تھے کہ تیرے چومنے سے نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اگر حضرت رسالت علیہ السلام تجھے نہ چومتے میں بھی نہ چومتا۔ لیکن کیا کروں کہ رسول اللہ ﷺ نے چوما ہے میں ان کی پیروی کرتا ہوں۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اے عمر تم نے ناسمجھی کی بات کی۔ اس سے نقصان و نفع دونوں ہیں۔ یعنی علیؓ نے کہا کہ پتھر کے چومنے سے نفع ہے اور اگر نہ چومو تو نقصان ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے پسر عم رسول اللہ کیا نفع ہے اور کیا نقصان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا من اتخذ عند الرحمن عهدا (١٩/٨٧) یعنی وہ عہد جو ہم نے کیے ہیں وہ اللہ کے حکم سے اس پتھر کے منہ میں ہیں۔ ہمارا چومنا ان عہد ناموں کا ہے نہ اس پتھر کا کہ حضرت رسالت علیہ

السلام نے فرمایا ہے کہ الحجر یمین اللہ تعالیٰ یعنی اس کو اللہ کا ہاتھ کہنا چاہیے اور آپ اس کو پتھر دیکھتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ پر یہ اسرار حضرت علیؑ نے روشن کیے تو حضرت عمرؓ نے کہا لولا علی لھلك عمر (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور کے طالب و مشتاق تھے لیکن ان پتھروں کے نہ تھے بلکہ اس جگہ کے مشتاق تھے جہاں پیغمبر علیہ السلام اور دوست کا کلام سنتے۔ اس کا اشتیاق تھا نہ کہ پتھر کا اشتیاق۔ کہ ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا (۸۲/۱۸) (اور یہ کہ مسجدیں خاص خدا کی ہیں پس تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) بھائی جمال کعبہ پتھر نہیں ہیں جنہیں حاجی دیکھتے ہیں۔ جمال کعبہ تو وہ نور ہے جو اولیاء کی آنکھوں سے ظاہر ہے اور قیامت کے روز وہی نور حسین صورت میں حشر میں اپنے زیارت کرنے والوں کی شفاعت کے لیے حاضر ہوگا۔ کسی نے ایک بار (بھی) اپنی عمر میں روحِ اعظم کا حج نہیں کیا ہے کہ الجمعة حج المساکین جمعہ اسمِ روح ہے کیوں کہ کونین اور جو کچھ اس میں ہے اس کا مصدر ہے کہ الروح جمعة۔ حضرت رسالتؐ نے اشارہ کیا ہے کہ طواف الروح حجة مبرورة (روح کا طواف حج مبرور ہے) اس جگہ سے یہ بھی معلوم کرو کہ اول ماخلق اللہ نوری (اللہ نے جو چیز سب سے پہلے تخلیق کی وہ میرا نور ہے) جو تمام کونین نیز جو کچھ اس میں ہے اس کا مصدر ہے۔ ایک دن حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک شخص کو دیکھا پوچھا کہاں جاتے ہو۔ کہا اللہ کے گھر کی طرف۔ حضرت بایزیدؒ نے پوچھا کچھ درہم رکھتے ہو۔ کہا سات درہم، کہا مجھے دے دو اور سات بار میرا طواف کر لو گویا تم نے ستر حج کیے اور ستر حجوں کا ثواب پایا۔ اس شخص نے یہی کیا لیکن اس کے دل میں ستر حجوں کے ثواب کو دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ ستر حج مبرور کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا گیا کہ طواف الروح حج مبرورة۔ صاحب شرع کا فتویٰ کہ الجمعہ حج المساکین (جمعہ مساکین کا حج ہے) سے یہی مطلب ہے۔ بھائی میں مست ہوں نہیں جانتا کہ قلم کیا لکھ رہا ہے۔ مجھے معذور سمجھو۔

محرابِ جہاں جمالِ رخسارۂ ماست　　سلطان جہاں دردل بیچارۂ ماست
شور و شر و کفر و توحید و یقیں　　درگوشۂ دیدہاء خونخوارۂ ماست

(جہان میں جو کچھ ہے وہ ہمارے رخسار کا جمال ہے۔ اور جہان کا بادشاہ ہمارے دل میں ہے۔ شور، شر، کفر توحید اور یقین ہماری خونخوار آنکھوں کے ایک گوشہ سے ابلتے ہیں)

(تشریح) جب انسان فنافی الذات ہو جاتا ہے تو اگر وہ کسی شخص یا چیز کی جانب ہوتا ہے تو اس شخص یا چیز میں وہ ذات ہی کو دیکھتا ہے۔ اور اس دید کی ظاہری علامت یہ ہے کہ اس وقت اس کی آنکھیں خونخوار (سرخ) نظر آتی ہیں۔ (یعنی یہ اشیا گوشہ ہائے چشم میں نظر آجائیں تو آجائیں ان کی اہمیت باقی نہیں رہتی)

بھائی! ابھی قالبوں اور کعبوں کی صورتیں بھی نہ تھیں کہ ہماری روحِ اعظم کعبۂ اعظم میں سربسجود تھی۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کے اشعار کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

پیش ازاں روز کہ یادِ مے و میخانہ نہ بود　　جانِ ما سوئے خرابات ہمی کرد سجود
عاشقاں را بہ طوافِ حرم کعبہ چہ کار　　شاہدِ ما چو رخ از خانۂ خمار نمود
سرِ وحدت ہمہ روشن شود آں را کہ دمے　　زنگِ ہستی خود از آئینہ دل بزدود
بادہ می نوش کہ معشوقِ حقیقی ہرگز　　ہر کہ او بستۂ زہد است برو در نہ کشود
بس کہ از نعرۂ مستانِ صبوحی تا روز　　دراں میکدہ چشمانِ محمدؐ نہ غنود

(اس دن سے پہلے مے و میخانہ کا وجود بھی نہ تھا۔ میری جان خرابات کی سمت سجدہ ریز تھی۔ عاشقوں کو حرمِ کعبہ کے طواف سے کیا سروکار جب کہ ہمارے شاہد کا چہرہ خانۂ خمار سے نمودار ہوتا ہے۔ جو کوئی اپنی ہستی کے رنگ کو اپنے آئینہ دل سے دور کر دیتا ہے اس پر وحدت کا راز روشن ہو جاتا ہے۔ شراب پیو۔ کیوں کہ معشوق حقیقی زاہدوں پر اپنا دروازہ نہیں کھولتا۔ جب صبوحی کے لیے مستوں کا نعرہ بلند ہوا اس وقت سے اب تک محمدؐ کی آنکھیں میکدہ کے در پر بغیر جھپکے لگی ہیں)

(تشریح) چونکہ انسان کا وجود غیر ذات نہیں ہے لہٰذا وہ ذات میں تخلیق عالم سے قبل موجود تھا اور اپنے ظہور کا متقاضی تھا۔ یہی خرابات کی سمت سجدہ ریز ہونا ہے جیسا کہ حدیث ہے کہ جب آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے میں نبیؐ تھا۔ یہی ظہور کا تقاضہ

فاحببت ان اعرف ہے۔ عاشق کو خدا کے گھر کے طواف سے کیا سروکار جب کہ معشوق کا چہرہ یعنی وجہ اللہ خانہ خمار یعنی خرابات تعین انسانی سے نمودار ہوتا ہے یعنی رسولِ اکرم کا چہرہ وجہ اللہ ہے جو ناسوت میں تعین محمدیؐ اور عالم امر میں تعین احمدی اور ذات میں احد کا چہرہ ہے۔ وحدت کا یہ راز اس پر روشن ہوتا ہے جو اپنی ہستی کو محو کر کے اپنی انا کو انائے کلی میں فنا کر دیتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی مستی حاصل کرے کہ اپنے وجود کو بھول جائے اور ایسی مستی شاہد حقیقی یعنی رسولِ اکرمؐ کی نظر سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنے تعین کی یاد زہد پر کمر بستہ کرتی ہے اور جب تک یہ یاد قائم رہتی ہے حقیقت نہیں کھلتی۔ اپنے ظہور کا متقاضی ہونے کے وقت ہی سے محمد کی آنکھیں بغیر جھپکے ہوئے رسولِ اکرمؐ کی آنکھوں سے لگی ہوتی ہیں یعنی میرے عین ثابت کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ میں اپنے پیرِ تربیت کی نظر سے وہ مستی حاصل کروں جو میری اناء کو انائے ذاتی میں محو کر دے)

بھائی کیا کروں بشریت اور شریعت اجازت نہیں دیتی کہ مطلق کعبۂ ربوبیت کا بیان کروں۔ (لیکن) اشارہ اور کنایہ میں انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں بیان کروں گا۔ حقیقت کی رو سے یہی پانچ ارکان بنائے اسلام ہیں جو میں نے بیان کیے لیکن امید ہے کہ آپ اس کے متواتر مطالعہ سے مستغنی ہو جائیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہنچ جائیں گے۔ اللھم ارزقنا فکرۃ فی ادراك المكتوبات (اے اللہ ہم کو مکتوبات کے ادراک کا تفکر عطا فرما) اور اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑا تھوڑا بیان مکتب خانہ عشق کا آئے گا۔

بیا پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی
بصد دفتر نمی گنجد حدیثِ حال مشتاقی

(یہ دفتر تو ختم ہو گیا مگر بات اسی طرح باقی ہے۔ اشتیاق کی حالت کی گفتگو سیکڑوں دفتروں میں نہیں سماتی)

فقط

چوتھا مکتوب

(معرفت)

غرض صحیفہ اس پر مبنی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) ہر چند چاہتا ہوں کہ مکتوبات کی کتابت ترتیب سے کروں مگر شوریدگی حال کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ معرفت میں ایسا مستغرق ہوں کہ اگر ذرہ بھر بھی بیان کر دوں تو زمین و آسمان نیست ہو جائیں ؎

شما دلہا نگہ دارید من بارے مسلماناں　　چناں آمیختم با اؤ کہ دل با جاں بیامیزد
نخستم چوں از وزادم بآخر دل بدو دادم　　چو میوہ زاید از شاخے بداں شاخ آں بیاویزد

(مسلمانو! تم اپنے قلوب کی حفاظت میں لگے رہو۔ میں اس سے ایسا مل گیا ہوں کہ قلب و روح ایک ہو گئے ہیں چونکہ اسی سے پیدا ہوا لہٰذا آخر اسی کو دل دے بیٹھا۔ جیسے میوہ جس شاخ سے پیدا ہوتا ہے اسی میں لٹکا رہتا ہے)

(تشریح) میرا قلب روح کے رنگ میں رنگ چکا ہے بجز ذات کے صفات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تصرفاتِ صفاتی سے عاجز، ذات میں محو ہوں)

بھائی! مجھے معذور جانو کیوں کہ جب مقام معرفت کی ابتداء پر پہونچو گے تو شراب معرفت سے مست ہو جاؤ گے۔ اور جب کمالِ مستی پر پہونچو گے تو اپنی انتہا کو پہنچ جاؤ گے۔ اس کے بعد اپنے نفس کو پہچان لو گے۔ اس وقت من عرف ربہ تمہارے احوال پر متجلی ہوگا۔ اور اس فقیر کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ من عرف نفسہ یعنی اس جگہ نفسہ میں جو ”ہاء“ ہے وہ حضرت رسالت علیہ السلام پر عاید ہوتی ہے یعنی من عرف نفس محمد کہ لقد جاء کم رسول من انفسکم (۹/۱۲۸) انہیں معنوں میں جلوہ گری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات

کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

گر گذر یابی ز نفس و جسم و جاں   آشنا گردی یقیں با جانِ جاں
جانِ جاں ہم پرتو ست از ذاتِ اوٗ   کس نہ بیند جز بداں مرآتِ اوٗ

(اگر تم جسم، نفس اور جان سے گذر جاؤ تو روح سے آشنا ہو جاؤ گے۔ روح بھی اس کی ذات کا پَرتو ہے اس کو بھی کوئی شخص بغیر آئینہ محمدیؐ کے نہیں دیکھ سکتا)

(شرح) ذات کا دیدار صرف رسول اکرمؐ بلاواسطہ یعنی بغیر اپنے آئینہ کے کرتے ہیں۔ باقی تمام انبیاء واولیاء ذات کا دیدار آئینہ محمدیؐ میں کرتے ہیں)

اور خواجہ عالم علیہ السلام بھی خود فرماتے ہیں کہ طوبیٰ لمن رأنی و آمن بی (مبارک ہے وہ جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا) بھائی کیا معلوم فی الحال سمجھ سکو گے (بھی) یا نہیں۔ لیکن امید ہے کہ سمجھ جاؤ گے اور جب نفس احمدیؐ کی معرفت حاصل ہو جائے گی تب حضرت احدی کی معرفت حاصل کر سکو گے لیکن ٹھیک پاؤ گے۔ جیسے اس فقیر کو حاصل ہوئی۔

اگر موسیٰ نہ ام موسیچہ ہستم   درونِ سینہ موسیقار دارم

(میں اگر موسیٰ نہیں ہوں تو موسیچہ ضرور ہوں کیوں کہ میرے سینہ کے اندر سے راگ نکلتے رہتے ہیں)

(تشریح) حضرت موسیٰؑ صاحبِ شوق پیغمبر تھے اور اسی شوق کے باعث رب ارنی (میرے رب مجھے دکھا) کے متقاضی ہوئے یعنی رب ارنی کا راگ ان کے سینہ سے نکلا۔ میں پیغمبر نہیں لیکن موسیچہ ضرور ہوں۔ موسیچہ وہ پرند ہے جس کی چونچ میں ہزاروں سوراخ ہوتے ہیں اور ان سے مختلف راگ نکلتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میرا سینہ عشق نے ایسا چھلنی کر دیا ہے کہ جس طرح ذات سے بیشمار صفات نکلتے ہیں۔ اسی طرح میرے سینہ سے عشق کے راگ نکلتے رہتے ہیں)۔

المقصود حضرت رسالت علیہ السلام نے اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ من رآنی فقد رآ ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے یقیناً اپنے رب کو دیکھا) یعنی سب کچھ ظاہر

کردیا۔ پس عرف ربہ یہ ہے اس جگہ رآنی اور فقد رآ ربی کے درمیان نکتہ تھا اگر ظاہر کردوں تو یہ مجازی وتقلیدی مسلمان بوجہ اپنی محجوبیت مجھے سنگسار کردیں گے لہٰذا چھوڑ دیا۔ لیکن آپ مطالعہ اور فکر سے بہت کچھ سمجھ لیں گے۔ بھائی آپ ہی کے لیے ہے کیوں کہ آپ ہی مخاطب ہیں۔ اور میرا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہے۔ جو خود شناس نہ ہو وہ محمدؐ شناس کیسے ہوگا۔ پھر عارف کیسے ہوگا۔ اور جب حبیب کی معرفت حاصل ہوجائے تو ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم (۴۸/۱۰) (اے نبی جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) کی بیعت حالاً تم پر جلوہ گر ہوگی۔ اس کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (۵/۳) (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں) کی نعمت سے مکمل ہوجاؤ گے۔ اس کے بعد لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم (۳/۱۶۴) (اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان رکھا کہ ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا) کو پاؤ گے۔ بھائی اس احسان کی وجہ سے تم پر اتنا شکر واجب ولازم ہوگا جو تحریر میں نہیں آسکتا۔ اسی شکر کثیر میں تمہیں حضرت عزت جل وعلا کی ایسی معرفت حاصل ہوگی اور حضرت جل وعلا خود تمہیں ایسی معرفت دے گا کہ اس معرفت میں نہ عارف کو پہچانے گا اور نہ معروف کو۔ اس تحقیق پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس جگہ کہا کہ العجز عن درك الادراك ادراك (ادراک کے درک سے عاجزی ہی ادراک ہے) (یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے) یعنی معرفت وادراک وہ ہے جو پوری طرح عارف کو کھا جاتا ہے یعنی خود معروف ہوجاتا ہے)۔

عشق وعاشق محو گردد زیں مقام
خود ہماں معشوق ماند والسلام

(اس مقام پر عشق اور عاشق دونوں محو ہوجاتے ہیں صرف معشوق ہی معشوق رہ جاتا ہے (لمن الملك الیوم لله الواحد القهار) یہ عجز کمال معرفت میں ہے یعنی جو کوئی کمال معرفت میں مستغرق ہوتا ہے۔ وہ کمال سے عاجز ہوتا ہے۔ یعنی حضرت عزت

جل وعلا کمال غنی ہے اور ہم کمال فقیر ہیں۔ یعنی فقر ہمارا کمال ہے اور غنا اس کا کمال ؎

اگر شاہ را تاج زربر سراست
بجا ہم مئے نیستی خوشتر است

(اگر بادشاہ کے سر پر سونے کا تاج ہے تو میری عزت کے لیے شراب نیستی ہی مناسب ہے)

اس معنی میں حضرت قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ نے اس فقیر سے فرمایا۔ سبحان من لم یجعل الخلق سبیلا الی معرفة الا عن العجزعن معرفته (پاک ہے وہ جس نے خلق کو اپنی معرفت کا راستہ نہیں بتایا مگر یہ کہ وہ عجز کریں اس کی معرفت کا) یعنی بغیر آئینہ محمدیؐ کے حضرت جل وعلا نے انبیاء واولیاء میں سے کسی کو معرفت کا راستہ نہ دکھایا۔ بیروں زسرِ دوزلف شاہد رہ نیست۔ بھائی جب تو اس کی معرفت طلب کرے تو اپنی حقیقت کو آئینہ بنا اور اس آئینہ میں اپنے پیر ومرشد کو دیکھ۔ تو نفسِ محمدؐ کو پہچان لے گا۔ اس کے بعد نفسِ محمد کو آئینہ بنا کر خواجۂ عالم علیہ السلام نے اس مقام سے سب کا سب بتا دیا ہے کہ رایت ربی فی لیلة المعراج فی احسن صورة (میں نے اپنے رب کو شب معراج میں بہترین صورت میں دیکھا) ذاتِ محمد علیہ السلام ہے جیسا علیہ السلام نے فرمایا۔ خلق اللہ تعالیٰ صورتی فی احسن صورة (اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین صورت پر پیدا کیا۔ آئینۂ حسن کا نشان یہی ہے۔ یعنی حضرت رسالت علیہ السلام نے حضرت عزت جل وعلا کو اپنے میں دیکھا۔ اس جگہ بھی باریک نکتہ ہے مسلمانانِ مجازی کی وجہ سے میں نے ظاہر نہیں کیا ہے لیکن آپ غور کرکے سمجھ سکتے ہیں کہ فی احسن صورة سے مراد یہ ہے۔ لیکن نکتۂ مذکور کو دوسرا لباس پہنا کر آپ کے لیے پیش کرتا ہوں کہ خواجہ علیہ السلام نے خود کہا ہے کہ انا من ظهور ذاته ومخلوقه من ظهور ذاتی (میں اس کے ذات کے ظہور سے ہوں اور تمام مخلوق میری ذات کے ظہور سے ہے) اے محبوب وہی ذات تھی جو اس ذات میں محو ہوگی ؎

چوں روح در نظارہ فنا گشت ایں بگفت
نظارۂ جمالِ خدا جز خدا نہ کرد

(جب روح ذات کے نظارہ میں فنا ہوگئی تو اس نے کہا کہ خدا کے جمال کا نظارہ بجز خدا کے کسی نے نہ کیا)

(تشریح) جب تعین کی انا انائے حقیقی کے نظارہ میں فنا ہو جاتی ہے (تو) کہنے اور دیکھنے والا خدا ہی ہوتا ہے)

اسی مقام سے کہا ہے کہ من رآنی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے یقیناً اپنے رب کو دیکھا) افسوس اے محبوب اگر موسیٰ علیہ السلام جو اس کی ذات کے مظہر ہیں آئینہ محمدی علیہ السلام میں رب ارنی چاہتے تو ہرگز لن ترانی کا زخم نہ کھاتے۔ لیکن چونکہ اس آئینہ سے باہر چاہا لامحالہ لن ترانی کا زخم کھایا اور اگر حضرت موسیٰ خواجہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوتے اور ان کا جمال دیکھتے تو گویا حضرت عزت جل وعلا کو دیکھتے اور تسکین پاتے کہ من رآنی فقد رأی ربی، لن ترانی کا زخم کھانے کے بعد زہے وہ بیچارگی (جو) موسیٰ کی ذات میں پیدا ہوئی وہ حضرت احدی کی جانب سے آئینۂ محمدی میں روشن ہوئی۔ اس کے بعد تمنا کی اور کہا اللھم اجعلنی من امة محمد (اے اللہ مجھ کو بنا امت محمدؐ سے) اے محبوب معذور جانو کس سے کہوں افسوس اگر آج بایزید اور ذوالنون قدس اللہ سرہما ہوتے تو ان سے کہتا جو کہتا۔

ہر جا فقیر بینی با اؤ نشست باید — مارا فقیر معنی چوں بایزید باید
مارا نوید بادہ از خم غیب آمد — مارا مقام ومجلس عرش مجید باید

(جہاں کسی صاحب فقر (فقیر) کو دیکھو اس کی صحبت اختیار کرو مجھے بایزید جیسا فقیر حقیقی چاہیے۔ مجھے کیفِ ذاتی کے حصول کی نوید غیب کے خم سے ملی ہے لہٰذا میرا مقام ومجلس عرش مجید ہونا چاہیے)۔

(تشریح) میرے فقر نے مجھے محو کر کے ذات کو باقی رکھا۔ اب جس طرح اللہ کا مقام عرش مجید ہے وہی میرا مقام ہے)

یہ جو کچھ کہا ہے آپ کے حوصلہ کے مطابق کہا ہے لیکن پچاس سال ہوئے کہ حضرت احمدؐ کے جو اسرار حضرتِ احدی کے ساتھ ہیں اور حضرت احدی کے احمدؐ کے ساتھ

ہیں ان پر قلم چل رہا ہے لیکن نارسیدہ اہل ظواہر کے عقلوں کی جن کو افکار نے بانجھ کر رکھا ہے کسی ایک پر بھی ان کا اظہار نہ کیا۔ نہ کرتا ہوں لیکن اس وقت آپ کو شراب خالص کا طالب پایا آپ کے حوصلہ کے مطابق جو ابتدائے حال ہے تھوڑا تھوڑا لکھتا ہوں اور جس وقت آپ حال کی نہایت پر پہنچیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ضرور پہونچیں گے ان نکات سے کامل تر نکتے لکھے جائیں گے۔ المقصود حضرت رسالت علیہ السلام کا وجود آئینہ ہے اور اس آئینہ میں وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (۷۵/۲۳) (اس دن بہت منھ رونق دار ہوں گے اور اپنے رب کے محو دیدار) مشاہدہ کیجئے لیکن ثابت رہیے بدمستی نہ کیجئے۔

نے چو بے مغزاں بیک مے مست شو   نے بیک دُردے ہمی معذور باش
گر مئے وصل محمدؐ درکشی   مست ولایعقل مشو مخمور باش
ہمچو آں حلاج بدمستی مکن   یا خسیسے باش یا منصور باش

(بے عقلوں کی طرح ایک جام سے مست نہ ہو نہ ذرا سے تلچھٹ سے معذور بن۔ اگر رسول اکرمؐ کے وصل کی شراب حاصل ہو جائے تو مست اور بے عقل نہ ہو بلکہ مخمور رہ۔ حلاج کی بدمستی نہ کر۔ یا تو نالائق رہ یا فاتح بن جا۔ (خست کر یعنی واشگاف نعرۂ انا الحق نہ لگا۔ یا پھر منصور کی طرح سردھڑ کی بازی لگا دے)

(تشریح) حلّاج کی انا کی فنا انائے محمدیؐ میں تھی جس کو وہ انائے حقیقی سمجھے۔ اگر انائے حقیقی میں فنا ہوتے تو انا الحق کے بجائے صرف حق کہتے اور اگر بدمستی سے خروش نہ کرتے تو انائے حقیقی کو پالیتے)

بھائی۔ اس راہ میں مرد چاہیے جو خمخانہ نوش کرے اور بالکل خروش نہ کرے اور جو خروش کرتا ہے کامل نہیں ہوتا اور مردانِ راہ کی مجلس کے قابل نہیں ہوتا۔ رباعی

مردان رہش میل بہ مستی نہ کنند   خود بینی وخویشتن پرستی نہ کنند
آں دم کہ شرابِ وصل گیرند بہ کف   خمخانہ تہی کنند ومستی نہ کنند

(اس کے راستہ کے مرد ہستی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور خود بینی وخود پرستی نہیں کرتے۔ جب وصل کی شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہیں تو پورا خمخانہ خالی کر دیتے ہیں۔ اور مست نہیں ہوتے)

(تشریح) راقم سطور کے جداعلیٰ عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر قدس سرۂ فرماتے ہیں:

نہ شد مست کاظم زہے ظرفِ عالی
پئے مدھ کے دن رات بھر بھر پیالے

انا الحق کہنا اور سبحانی اختیار کرنا کمال ہمتوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ جب آئینہ محمدی میں مشاہدہ حاصل ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا تو خروش نہ کیجئے اور اہل ظواہر سے کہیے وما قدروا الله حق قدره (۶/۹۱) وعرف الله حق معرفته (اور انہوں نے اللہ کی قدر جیسی کہ جاننا چاہیے تھی نہ جانی اور نہ اس کی معرفت حاصل کی جیسی کہ اس کا حق تھا)

یعنی جانئے اور دیکھئے اور خلق سے یہ کہئے اور اس جاننے اور دیکھنے میں سے کچھ نہ کہیے سوا اس سے جو مردِ حقیقت ہو۔ ان اسرار سے اہل ظواہر کو ہرگز مطلع نہ کیجئے کہ میں پچاس سال سے نہیں کر رہا ہوں۔ بھائی تحقیق جانئے کہ شجرۂ معرفت کا میوہ لقاء اللہ ہے جسے آج معرفت حاصل ہے کل رویت کے ساتھ ہوگا اور جس نے یہاں معرفت حاصل نہ کی وہاں اندھا ہوگا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیامة اعمیٰ (۲۰/۱۲۴) (جس نے میرے ذکر سے روگردانی کی اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اسے قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے) اور عن ذکری سے مراد عن معرفتی ہے اور دوسری جگہ فرمایا ومن کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ (۱۷/۷۲) (جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا)

ہر کہ امروز عیاں آں رخ چو ماہ نہ دید
طفل راہ است کہ او منتظر فردا شد

(جس نے آج وہ چاند سی صورت نہ دیکھی وہ بھولے لڑکے کی طرح کل کا منتظر ہے)

(تشریح) جس نے دنیا میں دیدارِ ذات نہ کیا وہ آخرت میں بھی نہ کرے گا یعنی جس نے اپنی دنیاوی زندگی میں معرفت حاصل نہ کی وہ آخرت میں بھی رویت سے محروم رہے گا۔

جو یہاں معرفت سے نابینا ہے کل رویت سے بھی نابینا ہوگا جیسا خواجہ علیہ السلام

نے فرمایا یقول العبد فی الجنۃ یارب ارنی فی مقام الاولیاء (بندہ جنت میں کہے گا اے میرے رب مجھے دکھا اولیاء کے مقام میں) ندا آتی ہے کہ اے میرے بندہ مجھے نہ پکار لانک لم تعرفنی فی دار الدنیا (کیوں کہ تو نے مجھے دنیا میں نہیں پہچانا) بھائی! معرفت کی تین قسمیں ہیں۔ معرفت ذات، معرفت صفات، معرفت افعال لیکن اللہ کے افعال اور اس کے احکام کی معرفت اپنے نفس سے حاصل کرو وفی انفسکم افلا تبصرون (۲۱/۵۱) (اور وہ تمہارے نفوس میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے) اور معرفتِ صفات نفس محمد علیہ السلام کی معرفت سے حاصل کرو کہ لقد جاء کم رسول من انفسکم (۹/۱۲۷) (تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آیا) اور اس کی معرفت ذات بیان میں نہیں آسکتی نہ تحریر میں سما سکتی ہے ؎

اسرار کمال ذات پاکش میدانم درمیان نہ گنجد
خاموشی بہ کہ وصف ذاتش اندر خبرو نشاں نہ گنجد

(میں جانتا ہوں کہ ذاتِ پاک کے کمال کے اسرار بیان میں نہیں سما سکتے لہٰذا خاموشی ہی بہتر ہے کیوں کہ بے نشاں ذات کی خبر بھی نہیں دی جا سکتی)

حضرت خواجہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تفکروا فی الآیات ولا تفکروا فی ذاتہ (تفکر کرو اس کی نشانیوں میں اور نہ تفکر کرو اس کی ذات میں)

یہ اوسط ہمت والوں کے لیے بیان کیا ہے۔ بھائی! عالی ہمت سلوک میں اتنی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک اس عز اسمہ کی ذات میں محو نہیں ہو جاتے ان کو قرار نہیں آتا جب محو ہو جاتے ہیں تو قرار پاتے ہیں۔ اس محویت کی حکایت یہ ہے ؎

من من نیم آں کس کہ منم گوئی کیست　　خاموش منم در دہنم گوئی کیست
من پیر ہنے بیش فہم از سرتا پائے　　آں کس کہ منم پیرہنم گوئی کیست

(میں، میں نہیں ہوں پھر جو میں کہتا ہے وہ کون ہے میں خاموش ہوں میرے منہ سے کون بولتا ہے میں سر سے پیر تک بجز لباس کے کچھ نہیں ہوں۔ کون ہے جو مجھے لباس کہتا ہے)۔

(شرح) میں ذات میں ایسا محو ہوں کہ میرا حال بانسری جیسا ہے یعنی میرے منھ سے جتنے راگ نکلتے ہیں وہ میرے نہیں ہوتے بانسری بجانے والے کے ہوتے ہیں)

اے بھائی اس کی ذات عزاسمہٗ کا ذرہ برابر بیان آپ کے لیے لکھ رہا ہوں کہ کام کہاں ہے اور ثمر کہاں ملتا ہے۔ (یار کہاں ہے)

دلا نزدِ کسے بنشیں کہ او از جاں خبر دارد　　بجنباں آں درختے را کہ او گلہائے تیر دارد
نہ ہر کلکے شکر دارد نہ ہر زیرے زبر دارد　　نہ ہر چشمے بصر دارد نہ ہر بحرے گہر دارد

(اے دل ایسے شخص کی صحبت اختیار کر جو جان سے آشنا ہو۔ اس درخت کو ہلا جس میں تازہ پھول ہوں۔ نہ ہر بانس میں شکر ہوتی ہے نہ ہر زیر میں زبر۔ نہ ہر آنکھ بصیرت رکھتی ہے نہ ہر سمندر میں موتی ہوتے ہیں)

(شرح) کسی انسانِ کامل کی صحبت اختیار کر کے اس سے فیض حاصل کرو۔ ہر شخص کا کام فیض پہنچانا نہیں ہے)

لیکن انشاء اللہ تعالیٰ آپ اس راہ میں بینا ہوں گے۔ المقصود وہ جو کہا ہے کہ اللہ کے افعال کی معرفت اپنے نفس سے حاصل کرو گے یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے افعال دو قسم پر ہیں ملکی و ملکوتی یعنی اس جہان اور اس جہان کا تعین اور جو اس جہان میں ہے اسے ملکی کہتے ہیں اور جو اس جہان اور اس جہان کے علاوہ ہے اسے جبروتی کہتے ہیں اور لاہوت خود بیان اور عبارت میں نہیں آتا۔ یعنی ذات کے تمام اسرار تذکرہ سے بلند ہیں۔ بھائی یہ مقام باتوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ جب آپ مکتوبات میں غور کریں گے دن بدن درک ہوگا اور اس راہ میں اصلی بات یہ ہے کہ جو کرو اس کے لیے کرو اور دارین کی خطاؤں کا ذرہ برابر میل دل میں نہ آنے دو سوا کونین (آدمی اور فرشتے) کی خطاؤں کے۔ اور پہونچنے اور نہ پہونچنے سے آنکھ بند کر لو پانے اور نہ پانے سے آنکھیں سی لو اور نفحات نامتناہی کے منتظر رہو۔ اور اعمالِ دینی میں سے جن پر نفس و خلق کی نظر پڑتی رہتی ہے ان سب کو سر مغاں پر ایثار کرو اور اپنے نفس کے نزدیک منکرات میں شمار کرو۔ ان مثنویات اور مکتوبات کا متواتر مطالعہ کرتے رہو تا کہ فتوحات ظاہر ہوں۔

ہرکرا در معرفت محکم قدم   درگذشت از کفر واز اسلام ہم
چوں ترا ایں کفر وایں ایمان نماند   ایں تنِ تو گم شد وایں جاں نماند
مرد میداں بایدت ایں کار را   مرد باشی ایں چنیں اسرار را
پائے درنہ ہمچو مردان ومترس   درگذر از کفر واز ایماں مترس
چند ترسی دست از طفلی بدار   باز شو چوں شیر مرداں سوئے کار

(معرفت میں جس کا قدم مستحکم ہوتا ہے وہ کفر واسلام دونوں سے گذر جاتا ہے۔ جب تیرا یہ کفر اور یہ ایمان باقی نہ رہا تو تیرا جسم کھو گیا اور جان جاتی رہی۔ اس کام کے لیے مردِ میدان درکار ہے ان اسرار کو پانا مرد ہی کا کام ہے مردوں کی طرح بے خوف ہوکر قدم بڑھاؤ۔ کفر کو چھوڑ دو اور ایمان سے نہ ڈرو۔ بچوں کی طرح کب تک ڈرتے رہو گے۔ بچپن چھوڑ دو اور شیروں کی طرح کام میں لگ جاؤ)

(شرح) معرفت ذات حاصل کرنے والے جانتے ہیں کہ کفر واسلام دونوں ذات ہی کی طرف سے ہیں۔ وہ صفات میں حصولِ ذات کے لیے الجھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ذات ہی منبعِ صفات ہے اور جب ذات تک رسائی ہوتی ہے تو سارے صفات نظر انداز ہوجاتے ہیں۔ صفات کے لیے تفکر ہے اور ذات کے لیے محویت۔ لہٰذا ذات میں ایسے محو ہوجاؤ کہ صفات سے بے خبر ہوجاؤ۔ یہی حاصل کار ہے۔ اور یہ محویت بغیر اپنے نفس وقلب وروح سے بے نیاز ہوئے حاصل نہیں ہوتی۔ یہی موتوا قبل ان تموتوا ہے مرو اس سے قبل کہ تم کو موت آئے)

اللہ تم کو روزی کرے۔ اللہ تم کو روزی کرے۔ آمین آمین ؎

اے دل بچہ زہرہ خواستی یارے را   کو چوں تو ہلاک کرد بسیارے را
دل گفت کہ تا شوم زہستی یکتا   ایں خواستن از بہر چنیں کارے را

(اے دل کس برتے پر ایسے معشوق کا طلبگار ہوا جو تیرے جیسے بہتوں کو ہلاک کرچکا دل نے کہا کہ میری یہ طلب حصول یکتائی کے لیے ہے)

(شرح) عاشق معشوق کی طلب عشق کے لیے کرتا ہے اور عشق بغیر غیریت کو فنا کیے حاصل نہیں ہوتا یہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ (۶/۱۰۴) (یہ آگ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی ہے جو دلوں پر جا لپٹے گی) ہے اور غیر کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ نفس و قلب و روح سب غیر ہیں۔ ذات یکتا ہے۔ ذات میں محویت حاصل کرنے کے لیے معشوق عاشق کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے اور محویت حاصل ہونے کے بعد مرکز بھی غائب ہو جاتا ہے صرف ذات باقی رہتی ہے یعنی نہ عاشق نہ معشوق بلکہ عشق صرف، وہ جوہر جس کے اعراض عاشق و معشوق ہیں)

پاؤں پیچھے نہ ہٹاؤ بلکہ میری بارگاہ کے محرم بن جاؤ اس کے بعد دیکھو گے اور سوا میرے کسی کو نہ دیکھو گے اور نہ کہو گے کہ مقام کبریا سے بولتا ہوں لیکن مقام کبریا سے بولا ہوں یعنی بھائی فقد عرف ربہ ختم نہیں ہوتا جب تک کہ پردۂ ربوبیت سے پردۂ جمال الٰہیت اور پردۂ الٰہیت سے پردۂ عزت اور پردۂ عزت سے پردۂ کبریا تک نہ پہنچے۔ جب کبریا کے مقام میں آئے گا تو کلامِ مذکور کو سمجھے گا یعنی قلم چلاتے وقت اس فقیر پر عجیب و غریب تجلی ہوتی ہے اور اس حال میں کلام پیدا ہوتا ہے۔ بھائی! وہ باعظمت کلام اپنی دنیا میں کون سمجھتا ہے سوا ان کے جو انسِ الٰہیت کے محرم ہیں کیوں کہ اوصاف بشریت سے اوصافِ الٰہیت پر پہنچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بیت فرد کا جمال آپ پر تجلی کرے کہ آپ کا مقام یہی ہے ؎

در وصل، حدیث آدم و حوا نیست
اے برکہ از آدم است اوٗ از ما نیست

(حالت وصل میں آدم و حوا کی حدیث نہیں ہوتی (گفتگو نہیں ہوتی) جو کوئی آدم سے ہے وہ ہم سے نہیں ہے)

(شرح) آدمؑ و حوّا بشریت کی ابتداء ہیں اور ان کی ذریت بشر ہے۔ نورِ محمدیؐ کی تخلیق بشریت کی ابتداء سے پہلے ہوئی۔ اور اسی نور سے آدمؑ و حوّا بھی پیدا ہوئے۔ میں اس نورِ محمدیؐ کا طالب ہوں جس سے کائنات پیدا ہوئی۔ اور اپنی بشریت سے گذر چکا ہوں۔ غیریت یا دوئی مجھے گوارا نہیں)

اس شعر کی تشریح دوسرے مکتوب میں کروں گا تب سمجھو گے جو آدم وحوا سے ہیں ہے وہ کون ہے اور کس سے ہے۔ اس سے زیادہ نہ لکھ سکتا ہوں نہ کہہ سکتا ہوں لیکن فقد عرف ربہ کو من عرف نفسہ سے کیا نسبت ہے اور اس کا کیا پھل ہے۔ بتاؤں گا۔ میری زندگی کی دعا کرو اور خود اس راہ پر استقامت رکھو۔ طلب کرو اور آدمی میں پاؤ۔ اور نگاہ رکھو۔ صرف سننے والے نہ بنو جب تک جان نہ جاؤ اور جاننے والے نہ رہو جب تک دیکھ نہ لو۔ وباللہ التوفیق۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی
بصد دفتر نمی گنجد حدیث حال مشتاقی

معلوم ہوا کہ آپ نے جو پوچھا تھا کہ بحرالمعانی کی کتابت کی ترتیب کیسے کروں تو چاہیے کہ ابتداء مکتوب اول سے کیجئے اور اس کے بعد جس طرح مکتوب پہنچتے رہیں۔ اور اس کتاب کا نام بحرالمعانی لکھئے۔ دوسرے معلوم ہو کہ بحرالمعانی غواصی کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ مکتوب عشق کا وعدہ کیا تھا لیکن پہلے معرفت آپڑی لہٰذا اس فقیر کا سارا کلام فقر عشق میں غیر عشق کے متعلق اتنا لکھا اور لکھتا ہوں کہ قیامت تک تمام ہونے والا نہیں ہے۔ فقط۔

پانچواں مکتوب

(روح)

غرض صحیفہ اس پر مبنی ہے کہ ؎

ہر یکے از روح سرے را بگفت   کس نہ گفت از صدر از دہلیز گفت
من بگویم نکتہ وصدرش بداں   تو بہ گوش سر شنو نے گوشِ جاں

(ہر ایک نے روح کا ایک نہ ایک راز بیان کیا ہے لیکن اس کی حقیقت کسی نے بیان نہ کی۔ میں ایک نکتہ اس کی حقیقت کے بارہ میں بیان کرتا ہوں تم اس کو پنے سر سے سن کر اپنی جان میں محفوظ کرلو)۔

آپ کی رائے انور کو معلوم ہو کہ جب بھی خواجہ عالم علیہ السلام سے روح کے متعلق پوچھا گیا ویسئلونک عن الروح (۱۷۰/۸۵) (جب تم سے روح کے متعلق پوچھیں) آپؐ جانتے تھے اور چاہتے تھے کہ بستان معانی میں زبان بلبل سے بیان روح کا نغمہ الاپیں کہ اسی وقت جبرئیل حضرت جلیل قدرتہ کا فرمان قہری کوئے عشق بازی میں بے نیازی کی بابت لائے کہ قل الروح من امری ربی (کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے) لیکن حضرت رسالت علیہ السلام کو روح کی پوری معرفت حاصل تھی چوں کہ وہ مقام بیان کا نہ تھا فرمان ہوا کہ ہمارے حوالہ کرو۔ بھائی جب طالب مقام مطلوب ومحبوب میں آتا ہے تو روح کی معرفت پوری طرح اس پر منکشف ہوتی ہے اور وہ خواجۂ عالم علیہ السلام کے مقام پر پہنچ جاتا ہے جیسا کہ علیہ السلام نے فرمایا انی اعرف رجالا من امتی فی لیلۃ المعراج مقامھم فی مقامی عند اللہ تعالیٰ (میں اپنی امت کے ایسے اشخاص کو جانتا ہوں جو شب معراج میں مجھے نظر آئے۔ ان کا مقام اللہ کے نزدیک وہی

مقام ہے جو میرا مقام ہے۔ اے محبوب روح کا بیان اس فقیر پر پوری طرح منکشف ہوا ہے لیکن آپ کے لیے ایک لباس میں بیان کرتا ہوں اور تشریح کرتا ہوں۔ اس وقت کہ آپ کا نفس علم الیقین سے مقامِ قلب میں آئے اس کے بعد آپ کا قلب بھی علم الیقین سے عین الیقین (کے دریچہ) میں غوطہ خوری کرے گا اور جوہر حق الیقین حاصل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان اشعار کا جمال آپ پر تجلی کرے اور کرے گا۔

انچہ من درکوئے جاناں یافتم   کمترین چیزہا جان یافتم
چوں در افتادم بہ پندارِ بقا   دربقا خود را پریشان یافتم
تا نہ پنداری کہ ایں دریائے ژرف   نیست دشوار ومن آساں یافتم
صد ہزاراں قطرہ خون از دل چکید   تا نشانِ قطرۂ زاں یافتم

(میں نے کوئے جاناں سے جو کچھ حاصل کیا وہ یہ ہے کہ سب سے کمتر چیز جان ہے جب بقا کے پندار میں پھنسا تو خود کو پریشان پایا کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ گہرا دریا پار کرنا مشکل ہے اور میں نے آسانی سے پار کرلیا۔ میرے دل سے خون کے ہزاروں قطرے ٹپکے تب اس کا ذرا سا نشان پاسکا۔)

(شرح) بشریت نفس، روح اور وجود کا مجموعہ ہے۔ ان میں کمترین چیز نفس یعنی انسان کی جان ہے جب وہ جان کے ذریعہ قلب میں پہونچتا ہے تو روح سے آشنا ہوتا ہے اور جب اپنی روح میں پہونچتا ہے تو اپنے وجود سے آشنا ہوتا ہے اور ذات میں رہتا ہے۔ روح میں پہنچ کر فنا کے بعد بقا حاصل ہوجاتی ہے اور وجود باقی رہتا ہے لیکن حقیقت ذات غیب ہی رہتی ہے۔ میں نے ان تینوں کو تج کر سرور ذات حاصل کیا)

جب حق الیقین کا جوہر حاصل کروگے اور ضرور حاصل کروگے تو تمہارا قلب تمہاری روح کے مقام پر آئے گا۔ اور اس کے بعد تمہاری روح امر ربی کے عالم میں استغراق پائے گی یعنی عبودیت اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ اور تم کو ربوبیت حاصل ہوجائے گی۔ حضرت ابوبکر دقاقؒ کہتے ہیں۔ الفرق بيني و بينه العبودية (میرے اور اس کے مابین فرق عبودیت ہے) اس مقام میں من امر ربی کو من امری کہنا پڑے گا۔ بھائی

مجھے معذور رکھو۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ بات اشارے میں کہوں لیکن بن نہیں پڑتا۔ سمجھا جو سمجھا۔ جب تم من امری کے میدان میں جولانی کروگے تو اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ صاف صاف لکھوں گا۔ علمائے نادان نے سمجھا ہے کہ ہم سوائے قالب (جسم) وروح کے جس کی ماہیت وکیفیت معلوم نہیں ہے اور کچھ نہیں ہیں لیکن آپ کے خاطر عاطر میں آئے کہ آپ جب بھی گوہر روح تک پہنچیں گے اس کے بعد ہر لحظہ صفات میں سے ایک صفت آپ ہی پر آپ کے سامنے آجائے گی۔ یعنی روح کی ہزاروں صورتیں ہیں اور ہر صورت کی ایک خاص شکل ہے وہ سب ظاہر ہوں گی۔ جب بھی ان صورتوں کا مشاہدہ کریں گے۔ سمجھیں گے کہ خود وہی ہے لیکن وہ نہ ہوگا بلکہ اس کی تجلی ہوگی۔

پرتوے از عکس رویت برفتد برروئے خاک
گرد داز ہر ذرہ پیدا صد ہزاراں آفتاب

(خاک پر تیرے چہرے کے عکس کا ایک پرتو پڑتا ہے اور ہر ذرہ سے ہزاروں آفتاب پیدا ہو جاتے ہیں)

(شرح) جب تجلی ذات کا پرتو خاک پر پڑتا ہے تو ہر ذرہ سے ذات من کل الوجوہ ظاہر ہوتی ہے اور اس کثرت کے باعث حیرانی ہوتی ہے جس سے کثرت میں وحدت کا راز منکشف ہوتا ہے)

بھائی مذکورہ صورتوں کی مکمل تشریح پر شریعت مانع ہے شریعت کے پردہ اور علم کے حجاب میں ۔ سریست بس بزرگ حکایت اگر کنیم (اگر بیان کروں تو بڑا راز ہے)۔ اے محبوب اس فقیر کے کلمات کو پانے کی جسے حاجت ہو اس کے لیے مدتِ دراز چاہیے کہ کچھ سمجھے لیکن آپ کی سمجھ میں آجائے گا البتہ وہ اطلاع جزئی ہوگی۔ سمجھو کہ جب تم ہی اپنے قلب میں پنہاں ہو تو حقیقت میں وہ لطیفہ جو حاصل قلب ہے اور قلب لطیف ہی ہے جو عالم علوی سے ہے اور تمہارا قلب کثیف ہے جو عالم سفلی سے ہے۔ تو کوئی الفت ومناسبت قلب وقالب کے درمیان نہیں ہے اور نہ ہوتی ہے لیکن اے محبوب قلب وقالب کے درمیان واسطہ اور رابطہ ضروری ہے تاکہ الفت ہو جائے کہ ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ (۸/۲۴)

(بے شک اللہ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے) یہی واسطہ قلب وقالب کا ترجمان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو کچھ دل کے نصیب میں ہوتا ہے لطیفہ کی آپ سے کہتا ہے اور یہ لطیفہ قالب سے کہتا ہے کہ اے محبوب اگر قلب کو براہِ راست قالب میں پنہاں کرتے تو قلب ہرگز قالب سے انس نہ پاتا۔ یعنی قلب کے نور میں پگھل جاتا۔ اور خود کہتا ہے کہ فھو علی نور من ربہ (وہ) اچھی طرح غور کرو یہ لطیفہ آدمیت کی حقیقت ہے اس حقیقت کو قالب وقلب کے درمیان واسطہ اور حائل کیا گیا اس کی مثال یہ ہے کہ قلب جبروتی ہے اور قالب ملکی۔ اور ملکوت جبروت کی زبان کا ترجمان ہوتا ہے یعنی ایسا ہوتا ہے کہ عجمی زبان جاننے والا عربی زبان بغیر ایسے ترجمان کے واسطہ کے جو عربی و عجمی دونوں زبانیں جانتا ہے۔ پس اے بھائی معلوم ہوا کہ ان پانچ حواسِ صوری سے پانچ حواس معنوی و باطنی ہیں جو تمہاری خلقت میں پنہاں رکھے گئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو گے تم قالبی ہو اور یہ خلقت لطیفی جو بیان کی گئی نفسی وقلبی وروحی ہے اور حضرت نبی علیہ السلام طبیب حاذق تھے، مصالح ومفاسد پر نگاہ رکھتے تھے۔ (اس بیان کی) ضرورت نہ تھی کہ فرمان پہونچا قل الروح من امر ربی (کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے) اور حضرت نبی علیہ السلام نے ہر حال میں روح کے اسرار چھپائے اور جانتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہیں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اہل لوگوں سے بیان کر دیں گے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے ایک رمز کو ظاہر کیا ہے ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم (۲/۲۴۸) (تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں سکینہ ہوگا تمہارے رب کے پاس سے) یعنی کہا کہ یہ سکینہ وہ ہے جو تابوت کے درمیان ہوتا ہے اور اس جگہ انبیاء کا دل ہوتا ہے یوم یکون الناس کالفراش المبثوث (۱۰۱/۴) (اس دن لوگ ایسے ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے) اور دوسری جگہ کہا کانھم جراد منتشر (گویا کہ وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں) یعنی یہ پروانے اور ٹڈیاں قیامت کے دن قبروں سے باہر آئیں گی۔ چنانچہ اے محبوب آج صورت ہے کل سیرت بہ رنگِ صورت ہوگی۔ یہ ساری خلقتیں خلق ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ان الروح جند من جنود اللہ ولھم رؤس واید وارجل

(روح اللہ تعالیٰ کی افواج میں سے ایک فوج ہے اور ان کے سر اور ہاتھ اور پیر ہیں) فرمایا کہ آدمی کے جسم میں خلقیت وصورت آدمی کی طرح ہوتی ہے اور وہ آدمی کی صورت رکھتا ہے لیکن آدمی نہیں ہوتا اور قالب اور بشریت کے عالم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ فتبارك اللہ احسن الخالقین (۲۳/۱۴) (اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے) کے عالم سے ہوتا ہے اس جگہ جو کچھ کہنے والا تھا علمائے نادان کی وجہ سے اس سے احتراز کیا لیکن انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے پھر کبھی لکھوں گا۔ اے محبوب علمائے نادان قلب نہیں رکھتے (اگر) وہ قلب والے ہوتے تو جانتے کہ اس فقیر کی بارگاہ کلام میں کیسے قلوب ہیں چونکہ مطلب دل سے ہے لہٰذا دل کی طلب کرنا چاہیے۔ اور دل کو کہاں پاؤ گے۔ اس جگہ بین الاصبعین من اصابع الرحمن (رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان) طلب کرو۔ اگر اصبعین کے معانی سے پردہ اٹھادوں تو سارے قلوب شفا پا جائیں۔ اور یہ فقیر دل کے نور میں رہے اور اہل ظواہر مٹی کے نیچے۔ یہ ذرا سی بات جان لو کہ دل نظر گاہِ الٰہی ہے پس دل (نظر گاہ) نظر کے لائق وذائق ہوا۔ ان اللہ تعالی لاینظر الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واحوالکم (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے قلوب اور احوال کو دیکھتا ہے) جب دل خدا کی نظر گاہ ہوا تو اس کے بعد تیرا قالب بھی دل کے رنگ پر ہو جائے گا اور تیرا قالب بھی منظور الٰہی ہو جائے گا۔ اے محبوب! نہیں جانتا کہ علمائے نادان اس فقیر کے کلمات سے کیا سمجھیں گے اگر پہنچ جائیں گے تو مرد ہیں اور اگر نہیں پہنچیں گے تو پریشان رہیں گے۔ اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ سالکوں کے دل کو ہوائے مواصلت وموانست الٰہی اپنے عوالم میں پھراتی ہے اور ان کے دل عالم میں اور دو انگلیوں کی ولایت میں جولانی کرتے ہیں۔ انگلیوں سے محبوبوں کے دلوں کے مسکن یہی دو مقامات ہیں اور وہ دو انگلیاں ایک جمال اللہ کی جگہ اور دوسری جلال اللہ کی جگہ ہے۔ یہی دو مقام ان کے دلوں کا سکون ہیں۔ حضرت نبی علیہ السلام نے اس ہوا کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ لاتسبوا الریح فانها من نفس الرحمن (ہوا کو برا نہ کہو کیوں کہ وہ نفس رحمٰن سے ہے) یہ وہ ہوا ہے جو محبوبوں کے دلوں کو لیے پھرتی ہے اور وہ

رحمٰن کون ہے؟ وہ الرحمن علی العرش استوی (۵/۲۰) (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) اگر حضرت رحمٰن اپنا جمال خلق کو دکھاتے تو سب پر روشن ہو جاتا کہ قلب المومن عرش الله تعالیٰ (مومن کادن اللہ تعالیٰ کا عرش ہے) کون مقام ہے ؎

ایں خانہ چہ خانہ است دران چنگ وچغان است　　از خواجہ پرسید کہ ایں خانہ چہ خانہ ست
گنجے است دریں خانہ کہ در کون نہ گنجد　　ایں خانہ وایں خواجہ ہمیں فعلِ نہان ست
فی الجملہ ہرآں کس کہ دریں خانہ رہے یافت　　سلطانِ زمین است وسلیمانِ زمان ست

(یہ گھر کیسا گھر ہے جس میں شور بر پا ہے۔ اس گھر کے مالک سے پوچھو کہ یہ کیسا گھر ہے اس گھر میں وہ خزانہ ہے جو کائنات میں نہیں سما سکتا۔ یہ گھر اور اس کا مکین دونوں چھپے ہوئے ہیں۔ غرضکہ جو کوئی اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے وہ زمین کا حاکم اور وقت کا سلیمان ہو جاتا ہے)

(شرح) اللہ کی سمائی صرف قلب مومن میں ہے۔ القلب بین الاصبعین من اصابع الرحمن لایسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن)

مقصود یہ ہے کہ اے محبوب تیرے قلب کا خزانہ قلم میں آ گیا۔ اس جگہ ہمارے شیخ قطب العالم قدس سرہٗ نے ایک راز ظاہر فرمایا ہے کہ القلب ھو العرش و الصدر ھو الکرسی (قلب عرش ہے اور سینہ کرسی ہے) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیۃ بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ (۸۵/۲۲) (یہ قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے) میں کہا ہے کہ لوح محفوظ دل مومن ہے اور حضرت نبی علیہ السلام نے اس ولایت میں ایک راز ظاہر فرمایا ہے کہ ان العرش محیط علی جمیع ما خلق تعالیٰن العرش محیط علی جمیع ما خلق تعالیٰ (بیشک عرش ان تمام چیزوں پر محیط ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے) یعنی عرش مجید جملہ مخلوقات پر محیط ہے لیکن دل عرش کا محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لایسعنی ارضی ولا سمائی ولاعرشی ولکن یسعنی قلب المومن یعنی عرش میرے لائق نہیں اور آسمان مجھے برداشت نہیں کرسکتا اور زمین کو میری تاب نہیں لیکن مومن کا دل مجھے قبول کرتا ہے اور ہم نے بھی اسے قبول کیا۔ جیسا کہ ایک دن حضرت

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو آپؐ نے فرمایافی قلوب عبادہٖ (اپنے بندوں کے دلوں میں) دل کی اتنی شرح اس سبب سے کی تا کہ تم دل کو پالو۔ اوراس کے بعد روح اعظم کو پاؤ جو حق تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ مقصود یہ کہ سنو۔ میں نے چاہا کہ جمالِ عزتِ روح کو دلہن کی طرح تخت پر عام لوگوں کے لیے جلوہ آرا کروں لیکن ان اللہ تعالیٰ غیور (بیشک اللہ تعالیٰ غیور ہے (بہت غیرت دار ہے) کے دریا سے فواحش کے حرام ہونے کی غیرت مانع ہوئی۔ یعنی جان کی شرح کرنے کو غیرت کی وجہ سے حرام کیا آج اگر حضرت بایزید وشبلی قدس سرہما زندہ ہوتے تو روح کی شرح کو بھی اسی مکتوب میں انتہا تک پہنچا دیتا لیکن ایک دن انشاء اللہ تعالیٰ آپ تک پہنچاؤں گا۔ اے محبوب! میری زندگی چاہو۔ جب بھی روح کی شرح میں قلم اٹھتا ہے سلسلۂ دیوانگی حرکت میں آتا ہے۔ میدانِ غیرت کا نقیب۔ سرادقات غیب اور پردہ ہائے لاریب سے اس فقیر سے حالاً گفتگو کرتا ہے ۔

دی بار قیبے گفت رو رو تو محمدؐ را بگو
لافِ معانی کم زند ورنہ کہ بردارش کنم

(کل اس نے رقیب کو بھیجا کہ محمد سے کہو اسرار کو ظاہر نہ کرے ورنہ پھانسی پر لٹکے گا)

بھائی قل الروح من امر ربی پوری شرح ہے۔ چوں کہ روح عالمِ امر سے ہے اور حضرت جل وعلا کا امر ارادت وقدرت ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون (۳۶/۸۲) (اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے)

جب یہ صفت تم میں ظہور کرے گی تب اس کے بعد اس فقیر کے نکتہ کا ادراک کرو گے کہ قل الروح من امر ربی میں من امر کے معنی من نور ہیں اور خواجۂ عالم علیہ السلام نے پوری طرح اس کی تکمیل کر دی کہ انا من نور اللہ والمومنین من نوری (میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں) اس جگہ علمائے ظاہر کیا کہہ سکتے ہیں چنانچہ ایک دن حضرت شبلیؒ نے ان رموز میں سے ایک راز حضرت جنیدؒ سے پوچھا۔

انھوں نے فرمایا کہ شبلی! تمہارے اور اس راہ کے جاننے والوں کے درمیان سو ہزار مقام (راہ میں) ہیں۔ پہلی منزل یہ ہے کہ اپنے حال کی ابتداء سے انتہا تک جو تمھیں حاصل ہے اسے ٹھکرا دو اس کے بعد ان کنایات میں سے ایک کنایہ کے معنی پاؤ گے۔ کیسی نفع پہنچانے والی بات ہے۔

کارے قوی است اے دل اندر رہِ حقیقت
در ہر ہزار سالے یک مردِ راہ بین است

(اے دل راہِ حقیقت میں کام بہت سخت ہے۔ اس راہ کا ایک جاننے والا ہزار سال میں پیدا ہوتا ہے)

اے محبوب! روح کی بات اب بھی باقی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی دوسرے مکتوب میں لکھ بھیجوں گا۔ باللہ العظیم میں نہیں جانتا کہ مکتوب کس بارے مں تھا لکھ لوتا کہ لکھا رہا ہے جو کچھ قلم سے نکلتا ہے نہیں معلوم کہاں جاتا ہے۔

مستم خبرِ خویش چہ پرسی از من
مستاں خبر خویش چہ دانند آخر

(میں مست ہوں مجھ سے میرے متعلق کیا پوچھتے ہو۔ کہیں مستوں کو بھی اپنی خبر ہوتی ہے)

یہ مکتوب لکھا گیا تھا کہ فخر الدین کے ذریعہ دستی بھیجا جائے۔ چونکہ مولانا فخر الدین بیمار تھے اس وجہ سے نہ بھیجا گیا اور جو کچھ عشق کے باب میں مندرج تھا وہ سب مکتوبات عشق ہی کے لیے لکھا جا رہا ہے۔ مکتوبات میں روح کے معنی پورے ہو جانے کے بعد قلم عشق میں جائے گا۔ ابھی قلم نے روح کا آغاز نہیں کیا ہے جب مقام قلب مرتب ہو جائے گا تو دوسرا مکتوب روح کی حقیقت کے بارہ میں لکھا جائے گا۔ مکتوب روح اس کے بعد روانہ ہوگا۔

چھٹا مکتوب

(روح کے بارے میں)

ابوبکر دقاقؒ نے کہا ہے کہ الروح لاتدخل تحت ذل کن یعنی روح کن کے تحت میں نہیں آتی چونکہ روح کن اور کون ومکان سے نہیں ہے تو عالم مخلوق سے بھی نہیں ہے اور آفریدگار یعنی پیدا کرنے والے کے عالم سے ہے (یعنی لامکانی ہے) یعنی قدم ازلیت کی صفت رکھتی ہے جب امر ہوتا ہے تو اشیائے مخلوقات کو نمودار کرنے والا ہوتا ہے اور روح بالکلیہ امر ہوتی ہے پس امر آمر ہوتا ہے نہ کہ مامور فاعل ہوتا ہے نہ کہ مفعول قاہر ہوتا ہے نہ کہ مقہور۔ تو اے محبوب جیسا کہ ایک دن حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت رسالت علیہ السلام سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ملائکہ نے عرض کیا اے خداوند تو نے آدم کے فرزندوں کو دنیا دی اور اسے ان کا مسکن ووطن بنایا کہ اہل دنیا کھائیں اور پئیں۔ جب دنیا کا حظ ان کو نصیب کیا تو بہشت کو ہمارے ٹھہرنے کی جگہ بنا اور بہشت کا حظ ہم کو نصیب فرما۔ فاوحی اللہ تعالیٰ الیھم یا ملائکتی لا افعل ولا اجعل من خلقت بیدی کمن قلت لہ کن فیکون یعنی اے محبوب ملائکہ کو فرمان ہوا کہ اے فرشتو جانو کہ آدم اور فرزندانِ آدمؑ کو میں نے اپنے یدِ قدرت سے ظاہر کیا ہے۔ اس کے برابر کیسے ہوگا جس سے کہا ہوجا اور وہ ہوگیا۔ یعنی اللہ کے فعل اور صنعت کی مخلوقات ایسی نہیں ہوتی جیسی یداللہ کی مخلوقات پس اے محبوب! ثابت ہوا کہ روح عالم امر سے ہے نہ کہ مامور۔ اس جگہ بعض طالب علم اور طالب حکمت ثابت کرتے ہیں کہ روح مخلوق ہے غیر مخلوق کیوں کہتے ہو۔ چنانچہ اس فقیر نے بھی طلب حکمت کے زمانہ میں اپنی عمر کے کئی سال کشف اور تحقیق میں صرف کیے تھے۔ نہ اس سے کشف ہوا نہ تحقیق ہوسکی۔

یعنی ظواہر کی قید اور شرائع کے جس میں بے دلیل دعووں اور ناقص باریکیوں کو اہل حقایق پر ظاہر کردیا اور لامحدود سے ہزاروں کوس دور رہا۔ علم وحلم، طاعات وخیرات، مجاہدات وریاضات، اقوال واحوال اور جو کچھ تقلید کی رسم سے ہے سب اس فقیر کے لیے حجاب راہ تھے۔

بہر نامے کہ در اسلام بودم　　وآں را بر مغاں ایثار کردم
چو از کونین ہر دو دیدہ بستم　　میانِ دیدہ خود دیدار کردم

(میں جتنے ناموں سے اسلام میں تھا سب کو معشوق پر ایثار کردیا۔ جب کائنات سے آنکھیں پھرلیں تو اپنی آنکھوں میں خود دیدار کیا)

(تشریح) معشوق کا دیدار دین وایمان تج دینے کے بعد حاصل ہوتا ہے)

اس کے بعد اپنے پیر قطب عالم قدس سرہٗ کی بدولت ماہیت روح کا مشاہدہ ومعاینہ کیا اور یومنون بالغیب کے ایمان سے گذر کر شاہد ومشہود کے ایمان تک پہنچا۔ اور المومن اخ المومن (مومن مومن کا بھائی ہے) کے علم ابجد سے ملا۔ مجھے معذور رکھو نہیں جانتا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ جو رہ جائے گا بالمشافہ حل کیا جائے گا۔ مقصود یہ کہ اس معاملہ مذکور میں جو علم رکھتا تھا یکبارگی چھوڑ بیٹھا۔ خاطر جمع رکھو کہ جمع الجمع ہوجاؤ گے۔

کز علم خرابات تراہم نفسے　　ایں علم وہنر پیش تو بادا ہوسے
گر طائر غیبی بہ سرت سایہ فگندی　　سیمرغ جہاں درنظرت چوں مگسے

(اگر تجھ کو خرابات کا علم حاصل ہوجائے تو تیرے نزدیک ظاہری علم وہنر کی حیثیت ہوس کی ہوجائے گی۔ اگر طائر غیبی تیرے سر پر سایہ ڈالے تو دنیا کا سیمرغ تیری نظر میں مکھیوں کے مانند ہوگا)

(تشریح) علم درحقیقت علم باطن ہے نہ کہ علم ظاہر۔ اور وہ کسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ طائر غیبی کے سر پر سایہ فگن ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی علم سمعی یا کتابی کی کوئی وقعت نہیں ہے)

اے محبوب! ابھی بات باقی ہے کسی دن لکھی جائے گی۔ اگر خاطرِ عاطر میں یہ خیال آئے کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ خلق الارواح قبل

الاجساد بالفی الف سنة (اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجساد سے ہزاروں ہزار سال قبل پیدا کیا) تو اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ روح کی یہ تخلیق اس کے اظہار وہیولیٰ سے عبارت ہے کیونکہ فطرت وارادت کی صفت اور قدرتِ وخلقت کی صفت میں ہزاروں سال کا بعد ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہر سال کتنا ہوتا ہے اور ایک دن پچاس ہزار سال کا۔ الفی الف سنة کے نکتہ کو کون پہنچے اور کون جانے ان معانی کے لحاظ سے حضرت رسالت علیہ السلام نے روح کو عالم تقدیر وکمیت میں رکھا اور کیفیت دکھادی کہ ان اللہ تعالی خلق الارواح قبل الاجساد بالفی الف سنة وہ وقت جس کا اظہار وعرض عبارت تھا اس وقت نہ آسمان تھا نہ زمین تھی۔ تو دن رات کہاں ہوں گے کہ الفی الف سنة پیدا ہوتے۔ یہ اہل ظواہر کے حوصلہ کے مطابق کیفیت کی تشریح کی ہے۔ اے محبوب اگر سمجھو کہ یہی ہے تو یقین ہوا کہ الروح لا تدخل تحت ذل کن (روح ذل کے تحت نہیں آتی) اللہ تعالیٰ فقیر کی اس غزل کا جمال تم پر بھی تجلی کرے کہ جس میں سب کچھ کھول دیا ہے۔

تو کانِ گوہر کافی وگوہر نونی   چہ کاف ونوں زکاف ونوں تو افزونی
محیطِ گنبد دوّار را توئی مرکز   صفائے صفۂ اسرار را تو استونی
سپہر مطلع انوار آفتاب جلال   بگردِ نقطۂ ذات تو گردو گردونی
ظہور سر کمالات سرمدی از تست   ازاں کہ خازنِ اسرار را تو مخزونی
لوائے عز محمدؐ کہ برتر از عرش است   عزیز در صفِ اہل الصفا نہ اکنونی
دفین مخزنِ لاہوت را کہ کون ومکاں است   نداشت طاقت دیدار آں تو مدفونی

(تو کاف اور نون کے موتیوں کی کان ہے کیسے کاف ونون تو ان سے بڑھ کر ہے تو گردش کرنے والے آسمانوں کے محیط کا مرکز ہے۔ اور اسرار کے چبوترہ کی صفا کا ستون ہے۔ آفتاب جلال کے انوار طلوع ہونے کا آسمان ہے تیرے نقطۂ ذات کے گرد آسمان گردش کرتے ہیں۔ کمالات سرمدی کے رموز کا ظہور تجھ سے ہے کیوں کہ تجھ میں اسرار کا خزانہ پوشیدہ ہے محمد ﷺ کی عزت کا جھنڈا عرش سے برتر ہے۔ لاہوت کا پوشیدہ خزانہ یعنی کون ومکاں تجھ میں دفن ہے۔ جس کے دیدار کی طاقت کسی میں نہیں ہے)

(شرح) روح قدسی کُن کی نون ہے اور تیری ذات اس سے کہیں برتر ہے یعنی فاحببت ان اعرف کا حب روح قدسی ہے جو اپنی صمدیت سے آسمانوں کو محیط ہے اور اس کا مرکز تیری ذات ہے (جو) تمام اسرارِ کمال کا ستون ہے تیرے جلال کے انوار اسی سے طلوع ہوتے ہیں اور تیرے نقطہ ذات کے گرد گردش کرتے ہیں۔ کمالات سرمدی کا ظہور تجھ سے ہے کیوں کہ سارے اسرار کمال تجھ سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہی تیرے محبوب محمد ﷺ کی عزت کا جھنڈا ہے جو ان کے فیض سے اہل صفا میں کمیاب نہیں ہے یعنی ان کی امت کے اہل صفا بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مستفیض ہوتے ہیں۔ یہ خزانہ لاہوت میں ایسا مدفون ہے کہ جسے دیکھنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ اس خزانہ کا ظہور کون ومکان ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا حُب ظہور روح قدسی ہے اور اس کے محبوب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے۔ یہی روح من حیث رحمٰن عرش پر مستوی ہے)

اے محبوب! ان ارواح کو جو عرش سے برتر ہیں اور کون ومکاں ان کے تحت ہے روح قدسی کہتے ہیں اور دوسری روحیں کہ ایک کو اطبا اور حکماء حیوانی محرک کہتے ہیں اور دوسری کو علماء روحانی کہتے ہیں اور قالب کے ساتھ اس کی اضافت کرتے ہیں۔ اس روح روحانی کی قالب کے ساتھ دو طرح کی نسبت ہوتی ہے۔ ایک یہ ہے کہ یقین جانو کہ آدمی کی جان آدمی کی حقیقت ہوتی ہے لیکن اس کے دو حال ہوتے ہیں، ایک حال میں وہ متصرف ہوتی ہے اور دوسرے حال میں متصرف نہیں ہوتی۔ جان کے قالب میں ہونے کو حیات کہتے ہیں اور تن میں تصرف کے انقطاع سے قالب کو موت کہتے ہیں اور ان تصرفات کے دوبارہ جاری ہونے کو احیاء اور بعث کہتے ہیں۔ اور اگر انقطاع کلی ہو تو مرگ کہلاتا ہے اور روح کا واپس ہونا بھی اسی طرح ہے۔ اگر روح کی واپسی جزوی ہو تو ہوشیاری و بیداری کا اثبات کرتے ہیں اور اگر کلی ہو تو بعث وقیامت کہتے ہیں وھو الذی یتوفکم باللیل والنھار (۶/۶۰) (اور وہ تم کو وفات دیتا ہے رات اور دن کو) کو انقطاع جزوی سمجھو اور ثم یبعثکم فیہ (پھر اسی میں تم کو اٹھاتا ہے) کو جزوی کا آنا سمجھو اور اے محبوب اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا (۳۹/۴۲) (اللہ تعالیٰ

لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ہیں (ان کی روحیں) سوتے میں قبض کر لیتا ہے) یعنی اگر قالب میں رہنے کی مدت ختم ہوگئی تو جان کا تصرف خود یکبارگی منقطع ہو جاتا ہے اور وہ دوبارہ تصرف نہیں کرتی۔ اور وہ خواب سے بیدار نہیں ہوتا فیمسك التی قضی علیها الموت (۳۹/۴۲) (پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے) اور اگر اجل مسمیٰ کچھ باقی ہے تو خواب سے دوبارہ زیر تصرف آجاتی ہے۔ ویرسل الاخری الی اجل مسمی (۳۹/۴۲) (اور باقی روحوں کو ایک وقتِ مقرر تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے) اور اگر چاہتے ہو کہ یلقی الروح من امره علی من یشاء من عباده (۴۰/۱۵) (روح ملاقات کرتی ہے اس کے حکم سے اس کے بندوں سے جس کو وہ چاہتا ہے) کے جمال کی تجلی کا پرتو ہو تو کون و مکان سے گذر جاؤ تا کہ روح کو عرش پر مستوی دیکھو کہ الرحمن علی العرش استوی (۲۰/۵) (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔ اس کے بعد جب عرش سے بھی گذر جاؤ گے تو رفیع الدرجات ذو العرش کا مشاہدہ کرو گے اس وقت تمہارا دل روح سے نور میں کہ قل الروح من امر ربی یعنی من نور ربی میں غوطہ کھائے گا اور تم نور کا تجلی نور ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد جو بات کہنے کی ہوگی تمہارا دل خود بخود کہے گا تم اس وقت اپنے دل کے مرید و خادم ہو گے اور دل بھی تمہارا مخدوم یعنی آمر ہوگا اور تم مامور۔ اے محبوب! اس کے بعد دل تمہیں قبول کرے گا اور تربیت دے گا کہ تمہارا کام جان تک پہنچ سکے۔ اس کے بعد جانو گے کہ روح کو قالب کے ساتھ اندرونی نسبت سے یا بیرونی اور خداوند تعالیٰ کو عالم کے ساتھ اندرونی نسبت ہے یا بیرونی۔ روح داخل بھی ہے اور خارج بھی۔ اور وہ (ذات) بھی داخل بھی ہے اور خارج بھی۔ روح نہ داخل ہے نہ خارج۔ اور وہ (ذات) بھی عالم کے ساتھ نہ داخل ہے نہ خارج روح قلب کے ساتھ متصل و منفصل نہیں ہے۔ اور حضرت جل وعلا عالم کے ساتھ نہ متعین ہے نہ متصل (یعنی الآن کما کان اور تصرف جزوی کل یوم ھو فی شان) ان دو اشعار پر غور کرو۔

حق بہ جاں اندر نہان و جان بہ دل اندر نہاں   اے نہاں اندر نہاں اندر نہاں اندر نہاں
آنچنیں رمزے عیاں خود بانشان است و بیاں   اے جہاں اندر جہان اندر جہاں اندر جہاں

(حق جان میں پوشیدہ اور جان دل میں پوشیدہ ہے۔ ایسی پوشیدگی در پوشیدگی کے باوجود یہ رمز نشان و بیان کے ساتھ ان جہانوں میں عیاں ہے)

(شرح) حق روح میں پوشیدہ اور روح قلب میں پوشیدہ ہے۔ اور ان دونوں پوشیدہ جہانوں کا بیان و نشان جہان نفس سے ملتا ہے)

ایک وجہ سن لی اب دوسری وجہ سنو وہ یہ ہے کہ روح کا قالب کے ساتھ اضافت کرنا ایسا ہے جیسے لفظِ انسان کی اضافت و اطلاق۔ جب آدمی پر لفظِ انسان کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیکن علمائے ظاہر سمجھتے ہیں کہ لفظِ انسان کا مفہوم سوائے قالب کے کچھ نہیں لیکن جس نے خمخانہ خصوصیت سے قدح جام نوش کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اس خطاب و اطلاق سے مقصد سوائے جان کے جو آدمی کی حقیقت ہے کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے کہ کہتے ہیں کہ فلاں عالم یا جاہل قادر یا عاجز۔ سخی یا بخیل، مومن یا کافر۔ اے محبوب یہ سب جان کے اوصاف ہیں اور ان کی تعریف اس لائق نہیں کہ مذکورہ صفات میں سے کسی حال میں کسی ایک صفت سے قالب موصوف ہو۔ لیکن قالب پر بھی مجازی اطلاق کیا جاتا ہے۔ اب میں آدمی اور انسان پر اطلاق کرتا ہوں۔ جیسے کہ کہتے ہیں کہ زید قصیر یا طویل بصیر یا ضریر۔ سمیع یا اصم یا کافری و مسلمانی۔ سخاوت و بخل، علم و جہل یہ سب جان کے ساتھ مخصوص ہیں بغیر قالب کے نصیب کے لیکن کوتاہی و درازی کوری و کری اور ان سب کے مانند صفات قالب کا نصیب ہیں جان کا ان میں سے کچھ حصہ نہیں۔ پس اطلاقِ حقیقی کے درمیان جگہ اور دل کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں خلائق کے تین گروہ ہیں۔ علمائے ظاہر یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی سوائے قالب کے نہیں ہے اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه (۷۶/۲) (بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے تاکہ اسے آزمائیں) دوسری دلیل انا خلقناهم من طين لازب (۳۷/۱۱) (ہم نے ان کو پیدا کیا چمکتے ہوئے گارے سے) اور دوسرا گروہ علمائے ظاہر اور باطن کو ڈھونڈنے والوں کا ہے وہ قالب بھی سمجھتے ہیں اور جان بھی۔ اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صورکم فاحسن صورکم (۶۴/۳) (اس نے تمہاری بہترین صورت بنائی) یعنی

صور کم بالقلب فاحسن صور کم بالروح (تمہاری صورت بنائی قلب سے (کے ساتھ) اور بہترین صورت بنائی روح سے) لیکن اے محبوب! تیسرا گروہ اخص کا ہے جو علم سے بہرہ ور ہیں۔ وہ انسان اور آدمی کا اطلاق سوائے جان کے کسی پر نہیں کرتے۔ اور نہ سوائے جان کے کسی کو جانتے ہیں اور قالب کو کسی وجہ سے بھی انسان کی ذات میں شمار نہیں کرتے جیسا کہ حضرت خواجہ علیہ السلام نے فرمایا الانسان هو الروح (انسان روح ہے) تو قالب کو مرکب جانو اور انسان کو جو جان ہے راکب کہو اور سوار ہرگز مرکب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی گھوڑے پر بیٹھے تو راکب دوسرا ہوگا اور مرکوب دوسرا۔ یعنی قفس دوسرا ہوتا ہے اور چڑیا دوسری۔ اندھا جب قفس کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے چڑیا ہے لیکن آنکھوں والا دیکھتا ہے اور چڑیا کو قفس میں دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ پنجرہ چڑیا کے لیے ہے یعنی پنجرہ چڑیا کا محتاج ہے اور چڑیا ہی کے لیے بنایا جاتا ہے اے محبوب جو کچھ صفاتِ بشریت اور قالب سے تعلق رکھتا ہے جیسے کھانا پینا۔ سونا، جماع، طائفۂ خواص اپنے آپ پر ان صفات کے اطلاق کی نفی کرتے ہیں۔ یعنی وہ ہم نے کھایا اور ہم سوئے نہیں کہتے ہیں بلکہ کھاتا پیتا سوتا، بھوکا، پیاسا ہے کہتے ہیں۔ کیونکہ ارباب بصائر کو جان و قالب کے احوال، مشاہدہ کے طریق پر معلوم ہوئے ہیں اور انہوں نے دیکھا ہے کہ روح راکب ہے اور قالب مرکوب۔ کوئی گھوڑے کو چارہ دیتا ہے اور گھوڑا چارا کھاتا ہے۔ راکب کھانے اور سونے کی اضافت اپنی طرف نہیں کرتا۔ اسی طرح خواص نے چونکہ دیدۂ باطن سے دیکھا ہے وہ کھانے اور سونے کی اضافت اپنی جانب نہیں کرتے۔ پھر یہ کہ ذات انسان کی حقیقت دوسری چیز ہے اور جو کھاتا اور سوتا ہے دوسری چیز ہے۔ جو کوئی کہتا ہے کہ آدمی صرف قالب ہے اور قبر میں سڑ گل جاتا ہے یہ اعتقاد اہل ظواہر کا ہے جو حقیقت و مشاہدہ سے محجوب ہیں تو اے محبوب یقین جانو کہ اگر آدمی موت سے فنا ہو جاتا تو خواجۂ عالم علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ انا رفیق الاعلی والعیش الاصفی مع الذین انعمت علیهم میں رفیق اعلی ہوں اور عیش اصفی ہوں ان کے ساتھ جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل فرمائیں اور یہ بھی نہ فرماتے کہ القبر روضة مّن ریاض الجنة (قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے) حضرت جل وعلا نے

فرمایا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عندربھم یرزقون (۳۱/۱۶۹) (جولوگ راہِ خدا میں مارے گئے تم ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا او من کان میتا فاحییناہ (۶/۱۲۲) (ایسا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا) خواجہ علیہ السلام نے فرمایا کہ المومن حی فی الدارین (مومن دونوں جہانوں میں زندہ ہے) اور دوسری جگہ فرمایا اولیاء اللہ لایموتون (اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں) یہ سب کچھ اسی میں ہے۔ سمجھا جو سمجھا۔ اس جگہ اہل ظواہر کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس علم سے خود کو بہرہ ور جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس علم سے بہرہ ور کرے۔ قالب وروح کے درمیانی نکتہ کو جاننا چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ کہیں انما انا بشر مثلکم (۱۸/۱۱۰) (میں تمہاری طرح بشر ہوں) اور وہ جو کہا ہے ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملك (۶/۵۰) (میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) اور دوسرے الف کے ساتھ کہ الست کاحدکم (کیا میں تمہاری طرح نہیں ہوں) اے محبوب یہ سب حضرت رسالت علیہ السلام کے قالب مبارک کی طرف اشارہ ہے اور وہ جو فرمایا انا سید ولد آدم (میں اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں) اور دوسرے بغیر الف کہا کہ انا اعز علی اللہ من ان یسکننی فی التراب اکثر من ثلاث لیال (میں اللہ کے نزدیک اس بات سے معزز ہوں کہ وہ مجھے تر مٹی میں تین راتوں سے زیادہ رکھے) نیز یہ بھی فرمایا کنت نبیا و آدم بین الماء والطین (میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے) اے محبوب! یہ سب حضرت علیہ السلام کی جان کی طرف اشارہ ہے۔ اے محبوب میں نہیں جانتا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ مجھے معذور رکھو۔ جب بشریت کے اوصاف حقیقت سے پیوندر ہیں گے اس کے بعد عناصر کی حقیقت اور چار طبیعتوں کے ارکان تم پر جلوہ گر ہوں گے اور ان چاروں ارکان اور چاروں طبایع مثل آب وخاک وآتش وباد۔ تو اپنی حقیقت سے ان چاروں کا الگ الگ مشاہدہ کرو گے۔ اس وقت میری بات کو

سمجھو گے اور ضرور سمجھو گے اور خود کو حیاتِ طیبہ کے ساتھ بغیر فنا کے دیکھو گے کہ فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ (آیۃ ۹۷ سورۃ ۱۶) (ہم اس کو پاک زندگی سے زندہ رکھیں گے) یہ نہ سمجھو کہ علم الیقین سے لکھ رہا ہوں بلکہ یقین جانو کہ جو کچھ لکھتا ہوں عین الیقین سے ہے اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ پھر حق الیقین کو لکھا جائے گا میری زندگی کی دعا کرو۔ حضرت اویس قرنیؓ نے بھی اسی مقام سے مکمل اشارہ کیا ہے اذاتمت عبودیۃ العبد فعیشہ کعیش اللہ (عبودیت جب مکمل ہوگئی تو اس کا عیش اللہ کے عیش کی طرح ہے) محبوب عیش کی حقیقت اور عیشِ حقیقی تمہیں حاصل ہوگا اور یہ آیت تمہاری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہوگی اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن۔ لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما (۶۵/۱۲) (وہ اللہ جس نے سات آسمان اور ویسی ہی زمینیں پیدا کیں۔ تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے) یعنی تم ہی سات آسمان اور سات زمینیں خلق کر کے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرو گے اور تمہارا علم ہر شے پر محیط ہوگا۔ اور اس مقام سے ان الی ربک المنتھی (۵۳/۴۲) (یہ کہ تمہارے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے) پر جو کہ نہایت ہے پہنچو گے۔ وہاں تم پر ظاہر ہوگا کہ چار طبیعتیں جن کی ترکیب سے تمہارا قالب بنا ہے وہ نہ اس آگ سے ہے نہ اس ہوا سے نہ اس خاک سے نہ اس پانی سے۔ کہ اس پانی کے علاوہ دوسرا پانی ہے، اس ہوا کے علاوہ دوسری ہوا ہے، اس آگ کے علاوہ دوسری آگ ہے اور اس خاک کے علاوہ دوسری خاک ہے۔ اب یقین سے سنو کہ جو پانی تمہارے قالب کا مرکب ہے وہ اس دریا کا پانی ہے جس کی قسم حضرت جل وعلا نے کھائی ہے والبحر المسجور (۵۲/۶) (ابلتے ہوئے سمندر کی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ بحر مسجور بالائے عرش ہے جو شش جہت سے باہر ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیء حی (۲۱/۳۰) (اور ہم نے تمام جاندار چیزیں پانی سے بنائیں) بھی اسی دریا سے مراد ہے جو ہوا تمہارے قالب (سے) مرکب ہے اس ہوا سے نہیں ہے اس کی طرف حضرت رسالت علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ لاتسبو الریح فانھا من نفس الرحمن (ہوا کو برا نہ

کہو کیونکہ وہ رحمٰن کے نفس سے ہے) یہ بھی شش جہت کے باہر ہے اور جو آگ قالب کا مرکب ہے وہ نار اللہ الموقدۃ التی (۶/۱۰۴) (وہ آگ اللہ کی بھڑکائی ہوئی ہے) کی آگ سے ہے اور یہ آگ جہت سے ہے اور جو آگ قالب کی مرکب ہے وہ ارض اللہ واسعۃ (۴/۱۰۹) (اللہ کی زمین وسیع ہے) سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت خواجہ علیہ السلام سے سنا کہ ارض اللہ واسعۃ بالائے عرش ہے اور کل قیامت میں اس زمین کو اس زمین سے بدل دیں گے۔ یوم تبدل الارض غیر الارض (۱۴/۴۸) (اس دن یہ زمین اس زمین سے تبدیل کر دی جائے گی) اور حشر اس زمین پر ہوگا۔ اور جنت بھی اس زمین کے اوپر ہوگی۔ واللہ اگر اس نکتہ کو تحریر میں لاؤں تو آج جو طلسم تم جہان میں دیکھتے ہو طلسم ہی کی طرح زیر و زبر ہو جائے۔

چگو نہ شرح ایں گویم کہ جانم زعشق ایں سخن مست وخراب است
اگر پرسی زسرِّ ایں سوائے چگویم من کہ خاموشی صواب است
برائے جست وجوئے ایں حقیقت ہزاراں خلق ہر دم در طناب است
بہ غول ایں راہ کم رو کاندریں راہ جہانِ عقل چوں خر در خلاب است

(اس رمز کی شرح کیسے کروں کیونکہ اس کے عشق میں مست وخراب ہوں۔ اگر اس کا راز پوچھتے ہو تو کیا بتاؤں کہ خاموشی ہی بہتر ہے۔ اس حقیقت کی تلاش کے لیے ہزاروں لوگ کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اس راستہ پر بغیر رہنما کے نہ چلنا چاہیے کیوں کہ عقل کی مثال کیچڑ میں پھنسے ہوئے گدھے کی طرح ہے)

(شرح) جہانِ نفس کی حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے بغیر پیر تربیت کے نہ چلنا چاہیے کیوں کہ یہ مشاہدہ عقل سے نہیں بلکہ روح سے کیا جاتا ہے۔ عقل اس جہان کے لیے ناکارہ شے ہے جو صرف گمراہ کر سکتی ہے حقیقت تک اس کی رسائی نہیں)

مقصود یہ کہ اے محبوب! آپ کا قالب شش جہت سے باہر کی چار طبیعتوں سے مرکب ہے اور شش جہت کے ماوراء موت اور فنا نہیں ہوتی۔ اس لیے طبائع بقا کے لیے موت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن آپ جس وقت اس ولایت میں جو تحریر کی جا رہی ہے

نزول کریں گے تو میں نے جو کہا ہے اس کا مشاہدہ کریں گے اور جان جائیں گے میں نے جو لکھا وہ جب تک مشاہدہ نہیں کیا نہیں لکھا کہ یہ ایسا ہی ہے لیکن اہل ظواہر بغیر دیکھے کیا جانیں اور کیا کہیں۔ محبوب جاننے کا شکر دوسرا ہے اور دیکھنے کا دوسرا۔ جاننے والے کو چکھنے کا ذوق نہیں ہوتا۔ اے محبوب ارواح کے بیان کے دو رخ مشاہدہ کی رؤ سے تحریر کیے ہیں اور تیسرا رخ جو روحِ قدسی ہے اس کی راہ میں بشریت و شریعت حائل ہے ورنہ شرح و بیان کر دیتا لیکن روحِ قدسی کی ولایت میں چند دوسرے مقامات ہیں قطب عالم قدس اللہ سرہٗ کی عنایت سے میں نے ان کا مکمل مشاہدہ کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی لکھوں گا۔ اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر تفکر کیجئے کہ میں نے روح و قالب و قلب کے علم سے مشاہدہ عین الیقین کے ذریعہ کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے لیکن حق الیقین اور حقیقت المبین باقی ہے پھر کبھی آپ کے لیے لکھوں گا مگر حضرت جل وعلا سے یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ کو متواتر مطالعہ اور بیحد تفکر سے بتدریج عین الیقین کا مشاہدہ ہوگا۔ اور پھر حق الیقین کا پھر حق الیقین اور حقیقت مبین بھی انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوں گے۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی
بصد دفتر نمی گنجد حدیثِ حال مشتاقی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فلا تزکوا انفسکم (۵۳/۳۲) بل اللہ یزکی من یشاء (۴/۴۹) (تم اپنے نفوس کو صاف نہیں کر سکتے بلکہ اللہ پاک صاف کرے گا) دوسرے معلوم ہو کہ بعض مواقع پر تزکیہ کی بابت لکھا گیا ہے یہ نہ سمجھئے کہ تزکیہ نفسانی کی بابت لکھا گیا ہے واما بنعمة ربك فحدث (۹۳/۱۱) اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔ فقط

ساتواں مکتوب

(عشق کے بیان میں)

عشق اندر فضل و علم و دفتر و اوراق نیست　　ہر چہ گفت و گوئے باشد آں رہ عشاق نیست
شاخِ عشق اندر ازل واں بیخ عشق اندر ابد　　کیں شجر را تکیہ بر عرش و ثریٰ و ساق نیست

(عشق علم و فضل اور کتابوں میں نہیں ہے۔ باتیں بنانا عاشقوں کا شیوہ نہیں ہے۔ عشق ایسا درخت ہے جس کی جڑیں ابد میں اور شاخیں ازل میں ہیں۔ اس درخت کا دار و مدار کائنات کی کسی شے پر نہیں ہے)

(تشریح) عشق ذاتِ باری تعالیٰ سے متعلق ہے اور کائنات کی تخلیق اسی سے ہے۔ عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اور یہ کسبی شے نہیں ہے ہر انسان کی فطرت میں عشق موجود ہے لیکن اس کا نفس اس کو عشق کی حقیقت یعنی ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا اور مادی اشیاء کی جانب منہمک کر دیتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اس کے نفس کو اس کی فطرت یعنی عشق سے ایسا مغلوب کر دیتا ہے کہ اس کا نفس قلب کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور قلب روح کے رنگ میں رنگ جاتا ہے تب اس کی غیریت ایسی مٹتی ہے کہ اس کو بجز ذات باری تعالیٰ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ ہر شے میں ذات ہی دیکھتا ہے۔ یہ کیفیت کوشش سے حاصل نہیں ہوتی۔ فضل محض اور وہبی ہے)

اے محبوب میں مست ہوں۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ عشق سے احتراز کروں لیکن عشق مجھے پریشان اور سرگرداں رکھتا ہے اور حضرت خواجہ علیہ السلام نے فرمایا کہ

من عشق و کنم وعف و مات مات شہیدا (جس نے عشق کیا اور اسے چھپایا اور پاکباز رہا اور مرگیا وہ شہید مرا) زہے برخورداری کی دولت وعفت۔

کارم اندر عشق مشکل می شود   نام وننگم در سر دل می شود
من ہمی خواہم کہ بگریزم زعشق   عشق پیش از من بہ منزل می شود

(میرا کام عشق میں اس لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ نام وننگ کا خیال دل سے نہیں نکلتا۔ چاہتا ہوں کہ عشق سے بھاگوں لیکن عشق مجھ سے پہلے منزل پر پہونچتا ہے)۔

(تشریح) عشق اختیاری شے نہیں ہے جب یہ کیفیت اندر سے جوش مارتی ہے تو دین ودنیا دونوں اس کی نذر ہو جاتے ہیں اور طلب ذات کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ انسان اپنا وجود اس پر قربان کر دیتا ہے)

محبوب! عشق کے لیے آدمی معنوی چاہیے نہ کہ صوری۔ اگر خالق کا عشق نہیں رکھتے مخلوق کا عشق حاصل کرو تا کہ بحر المعانی سے ایک حرف ہی پا جاؤ عشق میں قدم رکھنا اسی کو سزاوار ہے کہ خود نہ رہا ہو۔ اپنے آپ کو چھوڑ دو کونین کے اندیشہ سے (جدا کر کے) عشق پر فدا کر دو۔

تا چشم برنداری از ہر چہ در جہان است   در چشم دل نیاید چیزے کہ مغز جان است
تا چند جوئی از جاں آخر نشانِ جاناں   درباز جان ودل راکیں شان بے نشان است

(جب تک کائنات کی ہر چیز سے آنکھیں نہ پھیر لو گے دل کی آنکھوں سے اپنی جان کے مغز کو نہ دیکھ سکو گے۔ معشوق کا نشان اپنی جان سے کب تک ڈھونڈو گے۔ اپنا دل اور اپنی جان دونوں کو نثار کر دو کیوں کہ یہ بے نشانی کی شان ہے)

(تشریح) ذاتِ باری تعالیٰ بے نشان ہے اس کی طلب میں خود کو بے نشان بناؤ۔ یعنی اپنا سب کچھ میٹ دو۔ جب دِل وجان تمہارے نہ رہیں گے تو تمہارا وجود اس کے وجود میں فنا ہو جائے گا۔ اور تم یہ نہ کہہ سکو گے کہ یہ وجود کس کا ہے یہی بے نشانی کی شان ہے)

خدا تعالیٰ تک پہنچنا فرض عین ہے۔ لامحالہ ہر واسطہ جس سے اس تک پہنچا جائے فرض عین ہوگا پس عشق بندہ کو خدائے تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ سوائے عشق کے واسطہ کے دوسرا واسطہ نہیں۔ جب تک مجنوں صفت نہ ہو جاؤ۔ یعنی جب لیلیٰ کا نام سنو جان ودل کو لیلیٰ کے نام پر نثار کر دو یعنی فراغت سے بیزار ہو جاؤ۔ کیوں کہ فارغ دل کو عشق لیلیٰ کی کیا خبر اور وہ کہ لیلیٰ کا عاشق نہ رہے تو وہ جو اس راہ میں مجنوں پر فرض تھا تمہارے لیے فرض نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ تم کو عشق میں پہنچائے کہ دوست کا نام سنتے ہی دوست کے عشق میں گرفتار ہو جائے۔ اور صرف معشوق کا نام سنتے ہی عاشق ہو جانا بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ پس اے محبوب طالب کا کام یہ ہے کہ اپنے میں سوائے عشق کے اور کچھ طلب نہ کرے کیوں کہ عاشق کا وجود عشق سے ہوتا ہے۔ عاشق کے لیے بغیر عشق زندگی ہرگز نہیں ہوتی اس کی موت بھی عشق ہی کی زمین میں ہوتی ہے کہ ماتدری نفس بای ارض تموت (۳۱/۳۴) (کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا)

روزے دو کہ اندریں جہانم زندہ　　　شرمم بادا اگر بہ جانم زندہ
آں لحظہ شوم زندہ کہ پیشت میرم　　　واں دم میرم کہ بے تو مانم زندہ

(اس جہان کی دو روزہ زندگی اگر جان کی بدولت ہے تو باعث شرم ہے۔ میں زندہ اس وقت ہوں گا جب تیرے سامنے مرجاؤں اور اس وقت مرجاؤں گا اس لیے کہ تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا)

(تشریح) عاشق کی زندگی اس کی جان سے نہیں بلکہ عشق سے ہوتی ہے اس کے لیے یہ بات باعثِ شرم ہے کہ وہ اپنی جان سے زندہ ہو پس عشق عاشق کو زندگی کے تقاضوں سے مبرّا کر دیتا ہے۔ یکتائی اس کی زندگی ہے اور غیریت اس کی موت)

پس اے محبوب! عشق کا سودا مختصر نہیں ہے اور جو کچھ شش جہت میں ہے عشق کے سامنے معتبر نہیں ہے اس کے حقوق تمام عقول سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

در عشق اگر نیست شوی ہست شوی　　　واز عقل اگر ہست شوی پست شوی
ویں بوالعجبی بہ بیں کہ از بادۂ عشق　　　ہشیار گہے شوی کہ سرمست شوی

(اگر عشق میں نیست ہوگے تو ہست ہو جاؤ گے اور اگر عقل سے ہست ہوگے تو پست ہو جاؤ گے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عشق کی شراب سے اس وقت ہوشیار ہوگے جب سرمست ہو جاؤ گے)

(تشریح) ذاتِ باری تعالیٰ میں ہست ہو جاؤ گے۔ عشق کی شراب کا کرشمہ یہ

ہے کہ تم کو سرمست کر کے صحیح معنوں میں ہوشیار کر دیتی ہے یعنی شعور و بے شعوری سے بے نیاز کر کے ذات سے ملا دیتی ہے)

محیط عشق میں عقل کو مچھر برابر بھی دخل نہیں ہے کیونکہ عقل محیط عشق کا ایک قطرہ ہے جو اہل صحو کے دلوں پر نازل ہوا ہے۔

عقل کجا پے برد شیوۂ سودائے عشق   باز نیابی بہ عقل سرِ معمائے عشق
عقل تو چوں قطرہ ایست ماندہ ز دریا جدا   چند کند قطرۂ فہم ز دریائے عشق
خاطر خیاط عقل گرچہ بسے بخیہ زد   ہیچ قبائے نہ دوخت لایق بالائے عشق

(عشق کے سودے کا شیوہ عقل نہیں پا سکتی اور نہ عقل سے رازِ عشق کا معمہ حل ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ تمہاری عقل کی مثال اس قطرہ کی ہے جو دریا سے الگ ہو گیا ہو۔ ایسا قطرہ دریا کو کیسے سمجھے گا۔ عقل کے درزی نے طرح طرح کے کپڑے سیئے لیکن عشق کی قامت کے لائق کوئی قبا نہ سی سکا)

(تشریح) عشق خلوص کا متقاضی ہے اور عقل نفع و نقصان دیکھتی ہے گو کہ عقل بھی عشق ہی سے ہے مگر دریائے عشق سے جدائی کے باعث اور اپنا وجود الگ قائم کرنے کے سبب سے اس قابل بھی نہ رہی کہ عشق کی تعریف ہی متعین کر سکے)

پروانہ عشق کی آگ سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے اور بغیر آگ کے اس کو چین نہیں ملتا اور آگ میں بھی وجود نہیں رکھتا کہ آگ کا عشق پروانہ کو ایسا کر دیتا ہے کہ پروانہ سارے جہان کو آگ دیکھتا ہے اور جب آگ کو دیکھتا ہے تو خود کو اس میں ڈال کر جل جاتا ہے یعنی آگ ہو جاتا ہے۔ یعنی جب تک باخود تھا آگ کو دیکھتا تھا۔ عشق زبردست طاقت رکھتا ہے کہ جب عشق سرایت کرتا ہے تو معشوق تک پہنچ جاتا ہے اور معشوق عاشق کو پوری طرح کھا لیتا ہے اے محبوب یہ نوع بیچارے منصور حلاج پر پڑی کہ نور سے محروم رہا اور آگ میں اپنے کو ڈالا لیکن ہم کو یہ پسند نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو (جلا کر) فنا کر دے۔ مگر منصور کیا کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا جسم العاشق نوعان جسم کالحطب وجسم کالنار (عاشق کا جسم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک جسم ایندھن کی طرح ہے اور دوسرا

آگ کی طرح) منصور کا وجود جلانے کی لکڑی جیسا تھا لامحالہ حرقت پائی اور نور سے محروم رہا۔ لیکن عاشق کا وجود جو آگ کی طرح ہے اور وہ سمندل کی طرح ہے کہ آگ میں زندگی رکھتا ہے اور نور کے چاروں طرف پھرتا رہتا ہے یعنی نور سے بھی زندگی رکھتا ہے اور وہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جسم کالنار سے مراد کالنور ہونا ہے۔ جو وجود نور کی طرح ہوتا ہے اس کو آگ کے نور سے بھی قوت پہونچتی ہے پس وہ کیسے جلے گا۔ اچھی طرح سمجھو۔

نیم پروانۂ آتش کہ پروبال خود سوزم　　منم پروانۂ سلطاں بگرد انوارمی گردم
چہ لب رامی گزی پنہاں کہ خاموش باش کمتر گو　　وگرنہ فعل تست ایں ہم کہ بر گفتارمی گردم

(میں آگ کا پروانہ نہیں ہوں کہ اپنے پروبال جلالوں۔ میں سلطان کا پروانہ ہوں اور اس کے انوار پر صدقہ ہوتا ہوں۔ خاموش رہنے یا کم بولنے کے لیے اشارہ کیوں کر رہے ہو کیونکہ میرا باتوں پر آنا بھی تیرا ہی فعل ہے۔

(تشریح) نور وہ ہے جو اسرار کو ظاہر کردے۔ نورِ جلال آفتاب کے نور کے مثل ہے جس میں حدت اور روشنی دونوں ہیں اور نور جمال چاند کے نور کے مثل ہے جس میں خنکی اور روشنی ہے۔ خنکی درحقیقت حدت ہی کا پرتو ہے اس لیے نور علی نور ہے میں نور کی حدت میں اپنے پروبال کیوں جلاؤں میں تو شمع جمال کا پروانہ ہوں۔ سچ پوچھو تو فاعل حقیقی اللہ ہے میرا بولنا یا خاموشی کی کوشش کرنا دونوں اسی کے فعل ہیں)

نور علی نور یہ ہوتا ہے اور ہم نے نار کے معنی نور پائے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں ختم کروں گا ناتمام لوگوں کی ناتمامی کی وجہ سے قلم کو بشریت اور شریعت کے حوصلہ کے مطابق چلا رہا ہوں۔ جب آپ کی بشریت کا مغز شریعت مبارک کے لباس میں ہوجائے گا تو آپ میرے کلام عرش پر پرواز کریں گے کیوں کہ کلام العاشق عرش (عاشق کا کلام عرش ہے) اس کے بعد کچھ لکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مغز بشریت کو شریعت کے لباس میں پاکی دے اور پختگی تک پہونچائے اس کے بعد لباس شریعت کو چاک کرے۔

چو مغز خام بود در درونِ پوست نکوست　　چو پختہ گشت ازاں پس بداں کہ پوست بدوست
درونِ پردۂ بیضہ چو مرغ بال گرفت　　بہ بیضۂ کہ ازاں پس حجاب اوست بدوست

(گودا جب تک کچا رہتا ہے اس کا چھلکے کے اندر ہی رہنا بہتر ہے۔ جب گودا پک جاتا ہے تو چھلکا اسی کا کہلاتا ہے جس طرح انڈے کے پردہ میں جب چوزہ کے پر و بال نکل آتے ہیں تو انڈے کا چھلکا اسی چوزہ کا حجاب کہلاتا ہے)

(تشریح) بشریت کا مغز شریعت کے چھلکے میں رہ کر پختہ ہوتا ہے اس کے بعد حصولِ مغز کے لیے چھلکے کو پھاڑنا پڑتا ہے)

مقصود یہ کہ اے محبوب بحرالمعانی میں اس فقیر کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ سوائے نبیؐ و علی علیہ السلام کے آدمؑ سے عیسیٰ مریمؑ تک کسی پر روشن نہ ہوا کہ ہر ایک نے کمالِ عشق کو وصال معشوق کہا ہے اور یہ فقیر کہتا ہے کہ عاشق کا کمال عشق یہ ہے کہ معشوق کو فراموش کر دے کیوں کہ عاشق کی حیات عشق سے ہے نہ کہ معشوق سے۔ واللہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معنی کشف ہوتے تو ہرگز رب ارنی نہ کہتے۔ اور یہ کشف سوائے نبی و علی علیہما السلام والتحیات اور بعضے ان حضرات کے جرعہ نوشوں کے کسی دوسرے کو نہیں ہوا کہ خواجہ علیہ السلام نے اشارہ ظاہر فرمایا ہے۔ لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل (اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ایسا ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی) اور پھر یہ بھی فرمایا کہ انی اعرف رجالا من امتی فی لیلة المعراج منزلتهم بمنزلتی عند الله تعالی (میں شب معراج میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کا مقام اللہ کے نزدیک میرے مقام کی طرح ہے) اس طرح سب کھول دیا ہے۔ یہ بات سوائے اس فقیر کے کوئی نہیں جانتا اور جو جانتا اور پہچانتا ہے اس کے لیے اضافہ ہوا ان اشعار میں غور و فکر کرو۔

من از تو بجز عشق نہ خواہم بہ جہاں   ہجران و وصال تو شد مرا یکساں
بے عشق تو بودیم نہ دارم ساماں   خواہی تو وصال بخش خواہی ہجراں

(میں تجھ سے اس جہان میں بجز عشق کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ میرے لیے تیرا ہجر و وصال یکساں ہے جب تک تیرے عشق کے بغیر تھا گویا بے سامان تھا تو خواہ وصال بخشے خواہ ہجر عطا فرمائے)۔

(تشریح) عشق کی پختگی یہ ہے کہ عاشق ہجر و وصال کو یکساں جانے)

اے محبوب تامل شافی اور فکر وافی کرو جو باقی رہے ملاقات پر حل ہوگا۔ (یعنی خوب غور و فکر کرلو بروقت ملاقات مشاہدہ کرادوں گا) لیکن جب میرے حرم سے خلوص وخصوص حاصل کروگے تو جو ہوگا حل ہوجائے گا میں مستغرق ہوں نہیں جانتا کہ عشقِ خالق کی بات کررہا ہوں یا عشقِ مخلوق کی۔ یعنی اس فقیر نے مصر میں انجیل میں پڑھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ الاطال شوق الابرار الی لقائی وانا الی لقائھم لاشد شوقا منھم (زہے میری لقاء کے لیے ابرار کا شوق واشتیاق (یعنی ان کا اشتیاق اور بڑھتا رہے) اور میں بھی ان کی ملاقات کا مشتاق ہوں میرا اشتیاق ان سے بہت زائد ہے) عشق کی تین قسمیں ہیں عشق اکبر، عشق اوسط، عشق اصغر۔ لیکن خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہمارا عشق اصغر ہے اور خدائے تعالیٰ کا عشق بندوں کے ساتھ عشق اکبر ہے عشق اوسط کو بیان نہیں کرسکتا کہ اہل ظواہر (ناسمجھ ہیں) انکار کریں گے پس مختصر لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ کے لیے لکھنا چاہتا ہوں۔ جب آپ کوالم کے ہمزہ کے غمزہ سے آگاہی ہوجائے گی تو اس کے بعد عشق اوسط کے متعلق لکھوں گا اگر آفتاب اپنے کمالِ اشراق پر (یعنی بوقتِ طلوع) جلوہ دکھاتا ہے تو عاشق کو اس سے قوت یا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ جب آفتاب ابرِ رقیق میں جلوہ دکھاتا ہے تو عاشق کو اس سے قوت پہنچتی ہے جیسا فرمایا ہے ان للّٰہ تعالیٰ سبعین الف حجاب من نور وظلمة لو کشفھا لاحرقت سبحات وجھه کل ما ادرکه بصره (بیشک اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار حجابات نور و ظلمت کے ہیں اگر ان میں سے ایک کو بھی وہ کھول دے تو اس کے روئے زیبا کے انوار حدِ نگاہ تک (ہر شے کو) خاکستر کردیں) یہ حجابات نور و ظلمت ہیں لیکن اہل خواص کے لیے خدائے تعالیٰ کے صفات حجاب ہیں اور عوام کے لیے ان حجابات کے علاوہ لاکھوں حجابات ہیں بعض ظلمانی اور بعض نورانی۔ شہوت وغضب، حسد وبخل اور تمام اخلاقِ ذمیمہ ظلمانی ہیں۔ اور نماز وروزہ، صدقہ وتسبیح۔ اذکار واوراد وتلاوت اور تمام افعالِ حمیدہ نورانی حجابات ہیں۔ اس جگہ کیا کہوں اور کس سے کہوں۔ یقین جانو کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض (۲۴/۳۵) (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور (ہے)) کے آفتاب کو

بغیر آئینۂ محمدیؐ کے دیکھنے سے پتلیاں جل جاتی ہیں۔ جمال احدی آئینہ احمدیؐ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یعنی معشوق کا جمال بغیر آئینہ کے دیکھنا محال ہے۔ پردہ کے اندر دیکھنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات کا جمال تم پر تجلی فرمائے۔

گر کسے را تاب بودے یکِ زماں   شاہ روئے خویش بنمودے عیاں
لیک چوں کس تاب دیدارش نہ داشت   در خورِ خود دیدۂ بینا نہ داشت
با جمالش عشق نہ توانست باخت   درکمالِ لطفِ خود آئینہ ساخت
بادشاہِ خویش را در خود بہ بیں   عرش را در ذرۂ حاصل بہ بیں
ہرچہ نقاشی بہ انساں آمدہ است   سایۂ خورشید پنہاں آمدہ است
گر ترا در سایہ بنماید جمال   عین تو خورشید بینی در کمال
چوں محمد راشدہ است ایں فتح یاب   ہم درونِ سایہ دیدہ است آفتاب

(اگر کسی کو ایک لحظہ کے لیے بھی نظارۂ جمال کی تاب ہوتی تو بادشاہ اپنا چہرہ ضرور دکھاتا لیکن چونکہ تاب دیدار کسی کو نہ تھی اور کوئی حقیقت کو دیکھنے والی آنکھیں نہ رکھتا تھا۔ جمالِ حقیقی کے ساتھ عشق نہیں ہوسکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی عنایت سے آئینہ بنادیا اس کا چہرہ آئینہ سے چمکتا ہے اور ہر شخص کو اس سے اس کا نشان مل جاتا ہے۔ اپنے بادشاہ کو اپنے آپ میں دیکھو۔ عرش کو ایک ذرہ میں دیکھو۔ انسان میں جو نقاشی پائی جاتی ہے وہ اسی نظر نہ آنے والے آفتاب کا سایہ ہے۔ اگر تجھ کو سایہ میں اپنا جمال دکھاتا ہے تو تیری بصیرت آفتاب کو حالتِ کمال میں دیکھتی ہے۔ جب میرے لیے یہ دروازہ کھل گیا تو میں سایہ میں بھی آفتاب ہی دیکھتا ہوں)

(تشریح) جمالِ حقیقی لاتدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار (۶/۱۰۳) ہے اس لیے اس سے عشق بھی نہیں ہوسکتا لہٰذا اس نے اپنے کرم سے اپنے جمال کا آئینہ انسان کو بنادیا۔ جمال انسانی سے اس کا چہرہ جھانکتا ہے لہٰذا اپنے میں وجہ اللہ دیکھو۔ تمہاری شکل میں جو آنکھ، کان، ناک، منہ وغیرہ ہیں یہ سب وجہ حقیقی کا سایہ ہیں کیوں کہ ان سب کے توازن سے جو جمال پیدا ہوتا ہے دیکھا نہیں جاسکتا محسوس کیا جاسکتا ہے۔ تمہارا کام یہ

ہے کہ اپنے جمال کے احساس کو وجہ حقیقی کے جمال کا عکس جانو جب سے میرے لیے یہ در کھلا ہے میں اپنے آپ میں وجہ حقیقی کو دیکھتا ہوں)

مقصود یہ کہ اے محبوب! جو کچھ کہا ہے عاشق مبتدی کے لیے (کہا) ہے لیکن جب عاشق مبتدی وان الی ربك المنتھی (۵۳/۴۲) کی نہایت پر نزول کرتا ہے تو منتہی کے لیے سوائے پردۂ کبریا اور عظمت خدائے تعالیٰ کے کوئی دوسرا پردہ وآئینہ نہیں ہوتا جیسا نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ما بینھم و بین ان ینظروا الیٰ ربھم فی جنة الله الارداء الکبریاء علی وجھه (ان کے اور ان کے رب کے درمیان اللہ کی جنت میں کچھ بھی نہیں سوا اس کے کہ اس کے چہرہ پر ردائے کبریائی ہے) اور شب سبحان الذی اسریٰ بعبدہ میں رسالت علیہ السلام کے لیے ردائے عشق اور آئینہ کیا تھا یہ تھا لقد رای من آیات ربه الکبریٰ (۵۳/۱۸) (انہوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں) بعض صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ آیت کبریٰ کیا ہے اور کیا تھی آپ نے فرمایا لیس بینه وبینی الا حجاب من یاقوت بیضاء فی روضة خضراء (میرے اور اس کے درمیان صرف سفید یاقوت کا ایک حجاب ہے (روضۂ خضراء میں) اور اے محبوب! اس آیت وقدمناہ (ہم نے ان کو مقدم کیا) میں امامِ مجاہدہ فرماتے ہیں کہ عرش کے اوپر نور وظلمت کے ستر حجابات ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو سلوک شروع کیا۔ ندا سنی کہ اے موسیٰ یہ مقام ومنزل محمد علیہ السلام اور ان کی امت کے لیے مخصوص ہے حضرت رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا غیور (میں بہت غیرت دار ہوں) اور آپؐ کے کمالِ غیرت کی وجہ سے ہی حضرت ذوالجلال کا جو کلام موسیٰ اور غیر موسیٰ سے ہوا وہ بھی آپؐ ہی کے واسطہ سے ہوا۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشاھدین، یعنی من الحاضرین (۲۸/۴۴) (اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کی) غرب کی طرف نہیں تھے اور نہ اس واقعہ کے دیکھنے والوں میں تھے (یعنی موجود لوگوں میں سے) یعنی اے محبوب! فرمان ہوا کہ اے حبیب تیرا قالب مبارک تو حاضر نہ تھا لیکن

تیری روح جو شجرۂ وحدت ہے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین (میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے) کے بیان سے حاضر تھی۔ یعنی من الشجرۃ ان یاموسیٰ (اے موسیٰ درخت سے) پر اچھی طرح غور کرو (یعنی وہ شجر روحِ احمدی شجرۂ وحدت تھا یعنی موسیٰ نے جو آواز سنی وہ اس کی تھی) گروہِ انبیاء میں سے کسی ایک سے بھی بغیر ان کے کلام نہیں ہے۔ لیکن اے محبوب! بحر المعانی میں جو آپ کی کتاب ہے معانی کے اسرار کو پوری طرح سمجھنا چاہیے تا کہ کچھ حاصل ہو۔ دوسرا نکتہ جسے میں نے جانا اور مشاہدہ کیا اگر بیان کروں تو اہل زمین و آسمان کی عقلیں ادراک نہ کر سکیں گی۔ لیکن آپ پر پھر کبھی انشاء اللہ تعالیٰ اشاروں سے واضح کروں گا۔

اللہ تعالیٰ ان چند اشعار کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

آں سبز قبائے کہ چومہ پارہ برآمد   امسال دریں خرقۂ زنگار برآمد
آں ترک کہ آں سال بہ یغماش بدیدی   این است کہ ایں سال عرب دار برآمد
آں یار ہمان است اگر جامہ دگر کرد   بنگر کہ چہ خوش برسرِ خمار برآمد
ایں نیست تناسخ سخنِ وحدت محض است   کز جوششِ ایں قلزمِ زخار برآمد
گفتار رہا کن بنگر آئینۂ غیب   کیں شبہ واشکال زگفتار برآمد

(وہ سبز قبا چاند کی طرح پھر برآمد ہوئی اس سال زنگار کے لباس میں نکلی (سبز لباس میں) وہ معشوق جو تو نے اس سال شہر حسن خیز میں دیکھا تھا اس سال عرب میں برآمد ہوا۔ لباس بدل لینے کے باوجود وہ یار وہی ہے۔ دیکھو کہ کیسی اچھی شراب بنانے والا اور بیچنے والا برآمد ہوا۔ یہ تناسخ نہیں وحدتِ محض ہے جو اس موجزن سمندر سے نکلی ہے۔ باتیں چھوڑو۔ غیب کے آئینہ کو دیکھو کہ یہ ساری شکلیں اور شبیہین کلام سے نکلی ہیں)

(تشریح) ازل میں حقیقت محمدیؐ چاند کی طرح ذاتِ باری تعالیٰ سے نکلی اور تم نے اس کو عالم امر میں ذات ہی میں دیکھا جو حسن کا ملجاء وماویٰ ہے۔ وہی حقیقت عالمِ ناسوت میں عرب میں ظاہر ہوئی۔ لباس بدل جانے کے باوجود وہ یار وہی ہے دیکھو کہ وہ عشاق کو کیسی اچھی شراب سے فیضیاب کر رہا ہے۔ یہ تناسخ نہیں وحدتِ محض ہے جو ذاتِ

باری تعالیٰ سے برآمد ہوتی ہے۔ باتیں چھوڑو۔ اس غیب کے آئینہ میں جو شکلیں اور شبیہیں نظر آتی ہیں وہ کُن محمداً کے امر سے پیدا ہوئی ہیں۔

اے محبوب! حجابات قائم کرنے میں کیا راز ہے۔ راز یہ ہے کہ دن بدن عاشقوں کی بینائی پختہ تر ہوتی رہے اور اس کے بعد لقاء اللہ کی رویت سے محرم ہوں۔ اگر الست بربکم کے جمال نے تم پر جلوہ گری کی اور وان احد من المشرکین استجارك فاجره حتی یسمع کلام اللہ (٦/٩) (اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سننے لگے) سنا تو واللہ تم نے پار دیکھا اور بے حرف وصوت کلام سنا۔ امید ہے کہ دیکھو اور سنو گے۔ الست بربکم کے جمال پر پردے ڈالے تا کہ پردوں کے واسطہ سے بعض کو فراموش کرے اور بعض کو کوئی راستہ نہ دے اور بعض کا کام اس پر موقوف ہو کہ قیامت میں کچھ جانیں اور سمجھیں۔ اور بعض جنہوں نے عشق سے بزرگی پائی دیکھتے ہیں اور کلام بے واسطہ سنتے ہیں۔ میں ساٹھ سال علم ظاہر میں (مشغول رہا) اور کمالات کے لیے کوشاں رہا اور محبوب ازل اور مقصود ابد سے غافل رہا اور اب تینتیس سال سے جو کچھ بینائی دکھاتی ہے دیکھتا ہوں اور جو سنواتا ہے سنتا ہوں۔ چنانچہ ایک درویش کہتے تھے کہ تیس اور کچھ سال سے لوگ سمجھتے ہیں کہ مجھے دیکھتے ہیں لیکن میں سوائے اس کے غیر کو نہیں دیکھتا اور اسی مذکورہ مدت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے گفتگو کرتا ہوں اور میں اس کے غیر سے گفتگو نہیں کرتا۔

گرچہ دررہ پیر بودم شصت سال　　می نہ دانم درچنیں راہ ایں قدر
ہر کرا از عشق چوں دل چاک شد　　تا ابد پیوند نہ پزیرد دگر

(گو کہ میں اس راہ میں ساٹھ سال کا بوڑھا ہو گیا لیکن اس راہ کو اچھی طرح سمجھ نہ سکا۔ جس کا دل عشق سے چاک ہو جاتا وہ ابد تک دوئی کو قبول نہیں کرتا)

(تشریح) میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال علم ظاہر کی نذر کیے اور کچھ نہ پایا جب عشق نے میرے دل میں گھر کیا تو میں وحدت کو پا گیا اور اب ابد تک دوئی میری نظروں میں نہ سمائے گی)

مقصود یہ کہ اے محبوب اہل ظواہر کے خطرات اور اہل شرائع کی بانجھ عقلیں جاہل ہیں ورنہ عشق لم یزل کی ارزانی کو صحرائے ابد پر مارتا (یعنی تفصیل کی انتہا کر دیتا) اگر شتمہ برابر بھی کہوں تو اس کا سننے والا کوئی نہیں ہے۔ یعنی میں جو کچھ عندہ ام الکتاب کے بے حرف وصوت کو حرف وصوت میں کہتا ہوں لوگ نہیں سمجھتے اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں میں اس سے تیس سال ہوئے کہ توبہ کر چکا ہوں اور میں نے جو کچھ کہا اس سے کوئی غرض حاصل نہ ہوئی۔ عشق کے نااہلوں کو حجاب غفلت نے اور بعض کو طاعات وعبادات اور بانجھ عقل کے ساتھ علم ظاہر اور سقیم ادراکات نے حجابات میں رکھا ہے وہ غفلت کی دوری سے بغیر زیبائش کے رہ گئے اور آنحضرت کے لائق محرم نہ ہوئے کیوں کہ عشق کی نظر سے گر گئے کہ لقد کنت فی غفلة من هذا (۵۰/۲۲) (اس سے تو غافل رہا تھا) اور دوسری جگہ فرمایا کہ یعلمون ظاهرا من الحیوة الدنیا وهم عن الآخرة هم غافلون (۳۰/۷) (وہ دنیاوی زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں) عشق کا سارا کام معنی ہے غافلوں کو ان معانی سے کیا واسطہ۔ جو غفلت سعادت سے پیدا ہوتی ہے اس کو سہو کہتے ہیں۔ اور وہ سہو اس کی راہ میں نہیں آتا کہ وہ دوسری قسم کا ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا کہ انی لاسهو ولکنی اسهی یعنی خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو سہو نہیں ہوتا لیکن میرے راستہ میں سہو رکھا جاتا ہے اس جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یالیتنی کنت ترابا السهو کہ کاش میں محمد رسول اللہ کا سہو ہوتا گو کہ سہو کہلاتا کیوں کہ حضرت رسالت علیہ السلام کا سہو دوسرے انبیاء کا تعین ہے اور حضرت رسالت علیہ السلام نے بھی اس سہو کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وقرة عینی فی الصلوٰة (تمہاری دنیا سے میرے لیے تین چیزیں محبوب کی گئیں۔ ایک خوشبو دوسرے عورت تیسری نماز کی ٹھنڈک) محمد رسول اللہ ﷺ کا سہو یہی تھا کہ بعثت کے بعد تیئس سال واسطہ رہا۔ کلام ربانی کا فیض یگانوں اور بیگانوں کو پہنچاتے رہے۔ یہی سہو اللہ کی محبت تھی۔ ورنہ دنیا کہاں سے اور دین کس سے اور لوگ کہاں سے اور محمد کی ہستی کہاں سے (محمد کی امت کہاں سے) مالی وللدنیا وما للدنیا ولی (مجھ کو دنیا سے اور اُسے مجھ

سے کیا واسطہ!) اے محبوب! میرے عشق کے محیط کی انتہا نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ مکتب الرحمٰن علم الفرقان سے پایا ہے اس سے بھی کچھ لکھتا ہوں لیکن سننے والوں کے حوصلہ وہمت کے مطابق کرتا ہوں۔

گرچہ بود از عشق جانم برسخن   یک نفس نامد زبانم کارگر

(اگر میں عشق کے سلسلہ میں گفتگو کروں بھی تو ایک گھڑی بھی میری زبان کارگر نہ ہوگی)

انچہ من در کوئے جاناں یافتم   کمترین چیز ہا جاں یافتم
چوں فرورفتم بہ دریائے فنا   در فنا در فراواں یافتم
چوں بدیدم آشکارا روئے دوست   صد ہزاراں راز پنہاں یافتم
صد ہزاراں قطرہ خوں از دل چکید   تانشانِ قطرۂ زاں یافتم
تانہ پنداری کہ آں دریائے ژرف   ہست دشوار و من آساں یافتم

کوچہ جانان میں جو کچھ پایا وہ یہ ہے کہ سب سے کمترین چیز جان ہے جب دریائے فنا میں گیا تو اس میں بے شمار موتی پائے محبوب کا چہرہ جوں ہی آشکارا دیکھا تو لاکھوں پوشیدہ راز پالیے۔ دل سے خون کے لاکھوں قطرے ٹپکے تب اس کے قطرہ کا ایک نشان ملا۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ دریائے ژرف جو دشوار تھا میں نے بڑی آسانی سے پالیا۔

جو معانی باقی ہیں وہ انشاء اللہ دوسرے مکتوبات میں لکھے جائیں گے۔ چاہیے کہ ایک حرف بھی چھوٹنے نہ پائے ساری تقریروں کی کتابت خود کیجیے برسوں سے دل میں تھیں اور جو کچھ دل میں ہوتا ہے بے حرف وصوت ہوتا ہے اور میں اسی میں تھا کہ ایک محبوب ظاہر ہوتا کہ اس بے حرف و بے صوت کو حرف وصوت میں لاؤں تاکہ بحر المعانی جمع ہو جائے اس واسطے آپ محبوب ہوئے ہیں۔ اُس کے بعد لکھا جاتا ہے۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی
بصد دفتر نمی گنجد حدیثِ حال مشتاقی

آٹھواں مکتوب

(عشق کے بیان میں)

بازازاں کوہِ قاف آمدہ عنقائے عشق　　باز بر آمد ز جاں نعرۂ غوغائے عشق
باز بر آورد عشق سر بہ مثال نہنگ　　تاشکند زورقِ عقل بہ دریائے عشق
سینہ کشاداست فقر جانب دلہائے پاک　　درشکم طور بیں سینۂ سینائے عشق
عشق ندائے بلند کرد بہ آواز پست　　گفت کہ بالائے عرش بنگر بالائے عشق

(عنقائے عشق کوہ قاف سے دوبارہ آیا اور جان سے نعرہ ہائے عشق کا شور بلند ہوا۔ عشق نے پھر گھڑیال کی طرح سر نکالا تاکہ عقل کی کشتی عشق کے دریا میں توڑ دے۔ فقر سینہ کو پاک قلوب کی جانب متوجہ کر کے انشراح پیدا کرتا ہے۔ کوہِ طور کے پیٹ میں سینائے عشق کا میدان دیکھو۔ عشق نے ہلکی آواز سے ندا کی۔ حکم ہوا کہ عشق کے قامت کو عرش سے پرے دیکھو)

(تشریح) جب عشق دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو جان سے شور بلند ہوتا ہے جو بظاہر سنائی نہیں دیتا یعنی عشق وہ قلبی کیفیت ہے جو جان کو بے قرار کر دیتی ہے اور اس بے قراری کو دوسرے محسوس نہیں کر سکتے۔ اور یہ بیقراری فقر یعنی فنائے کل پیدا کر کے عاشق کو معشوق میں محو کر دیتی ہے اور اس محویت میں عاشق سرورِ ذات کا مزہ چکھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ نے بیہوشی سے اٹھ کر انا اول المومنین کہا (میں سب سے پہلا مومن ہوں) اس بے ہوشی میں انھوں نے اپنا راز اپنے معشوق سے عرض کیا تو عرش کے پرے حقیقت محمدی کو دیکھا جو قامت عشق ہے)

بھائی! علمائے ظاہر کم سمجھ ہوتے ہیں اس وجہ سے عقول کو سمجھنے کے لیے قلم کی ضرورت ہے۔ مجھے معذور رکھو۔ مبتدی کے لیے دنیا یا دین اس کا حجاب ہو گیا ہے اور عشق ازل اس میں چھپ گیا ہے۔ جب اس جہان اور اس جہان میں محجوب ہوئے ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمیٰ (۱۷/۷۲) (جو اس جہان میں اندھا ہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا) پس وہ (عشقِ ازل) اسرارِ عشق کے ذریعہ راستہ دکھاتا ہے۔ بھائی جب عشق ازل تجھ کو شیفتہ اور مدہوش کر دیتا ہے اس کے بعد تو دینی اور دنیاوی لذتوں سے ابا (انکار) کرتا ہے۔ یعنی دارین کا غرور تجھ سے الگ ہو جاتا ہے اور جس کسی کو باطن میں ریزہ بھر لذتوں کا حجاب باقی ہے وہ میرا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ بھائی ایک دس سالہ نادان بچہ عورتوں کو دوست رکھتا ہے مگر ابھی بلوغ کے وقت تک بھول چوک کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اور جب بالغ ہوتا ہے حصولِ مراد کا ارادہ کرتا ہے اگر یہ مراد پاتا ہے تو وہی مراد ہے اور اگر نہیں پاتا ہے تو وہ حب اور شہوتِ بلوغ اقتضاء اندر سے باہر سر نکالتا ہے اور اپنے مقصود کی طلب میں رہتا ہے۔ جمالِ لیلیٰ مجنوں کے عشق سے کہتا ہے کہ اے مجنوں کے عشق اگر میں ایک غمزہ دکھاؤں تو ایک لاکھ مجنوں صفت ہو جائیں گے اور سب کے قدم اکھڑ جائیں گے اور میرے غمزہ کا شکار ہو کر گر جائیں گے اور عشق مجنوں بھی کہتا ہے کہ اے جمال لیلیٰ اندیشہ نہ کر کہ اگر تیرا غمزہ مجنوں کو فنا کر دیتا ہے تو تیرا وصال اور تیرا لطف بھی ہر لحظہ و ہر لمحہ مقام اعلیٰ میں بقا پر پہنچاتا ہے۔

وصل تو گنجیست پنہاں ہم زخود ہر کہ گوید یافتم دیوانہ ایست
وصل آں کس یافت کز خود شد فنا ہر کہ فانی شد زخود مردانہ ایست
گر مرادر عشق خود فانی کنی باقیت بر جان من شکرانہ ایست

(وصل وہ خزانہ ہے جو اپنے آپ سے پوشیدہ رہتا ہے۔ جو یہ کہے کہ میں واصل ہوا وہ دیوانہ ہے۔ واصل وہ ہوتا ہے جو اپنی خودی سے فنا ہو جائے اور جو فنا ہو جائے وہی مراد ہے۔ اگر مجھ کو اپنے عشق میں فانی کرتا ہے تو میری جان پر صرف شکرانہ باقی رہتا ہے)۔

(تشریح) تعینِ انسانی نفس و قلب و روح کا مجموعہ ہے اور اس کا وجود و

جو ذات سے ہے۔ اس کے تعین کے تینوں اجزاء کی فنا یہ ہے کہ نفس قلب کے رنگ میں رنگ جائے اور قلب روح کا رنگ اختیار کرے اور روح روح کلی میں فنا ہو جائے۔ ایسی حالت میں اس کی اناء انائے ذاتی میں فنا ہو جاتی ہے اور اس کے وجود پر صرف شکرانہ باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ معراج میں جب رسول اکرمؐ نے پوچھا کہ تیری نماز کیا ہے تو جواب ملا۔ ثنائے ذاتی)

بھائی! حضرت عشق کے محرم رہو۔ کیوں کہ عشق ذات کے محرم جانتے ہیں کہ عشق کی کیا حالت ہے اور نا اہلوں کو عشق سے سوائے نشان و ملامت کے کچھ نہیں ملتا۔ عشق ذات کی خلعت ہر کسی کو نہیں پہناتے۔ نامردوں اور مخنثوں کو عشق سے کیا واسطہ۔

تا نہ باشد ہمچو موسیٰ عاشقے   ہر عصا در دست ثعباں کے شود
از کفِ گل چوں وجود آدمی است   آں چناں خورشید پنہاں کے شود

(جب تک موسیٰ جیسا عاشق نہ ہو اس کے ہاتھ میں ہر عصا اژدہا کیسے ہوگا۔ آدمی کا وجود مٹی سے ہے اس میں آفتابِ ذات کیسے پنہاں ہوگا)

(شرح) عاشق جب تک اپنے وجود سے بھی تبرا نہ کرے آفتاب ذات سے واصل نہیں ہوتا اور واصل ہو جانے پر وصل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

جو کوئی عشق کے لائق ہے وہ حضرت جل و علا کے لائق ہے اور جو عشق کا اہل نہیں وہ حضرت جل و علا کے بھی لایق نہیں جیسا کہ اشارہ فرمایا ہے علیکم بدین العجایز (تم پر بڑھیوں کا دین واجب ہے) بہت اچھی بات کہی ہے۔ یعنی اے عاجز اگر تو عشق کا سودا نہیں رکھتا تو بھولا بنا رہ۔ کہ اکثر اھل الجنة بله (بیشتر اہل جنت بھولے ہیں) پس طالب جنت کو خواجہ علیہ السلام نے بھولا فرمایا ہے۔ بھولے پن کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اس کو موتیوں اور جواہرات کے لیے (جنت میں) لائے ہیں اور وہ تھوڑے مہرہ پر قناعت کرتا ہے۔ شاباش بھولے نادان۔

حضرتِ حق است دریائے قدیم   قطرۂ خود نیست جنات النعیم
چوں بہ دریا می توانی راہ یافت   سوئے یک شبنم چرا باید شتافت

ہر کہ داند گفت باخورشید راز   کے تواند ماند بایک ذرہ باز
ہر کہ کل شد جزورا با اوٗ چہ کار   چوں کہ جاں شد عضورا با اوٗ چہ کار

(حضرت حق قدیم دریا ہے۔ خود قطرہ جنت نعیم نہیں ہے۔ جب دریا تک پہنچ سکتے ہو تو قطرہ کے لیے کیوں دوڑتے ہو جس کو آفتاب سے اپنا راز کہنا آتا ہے وہ ایک ذرہ پر کیسے قناعت کرے گا۔ جو کل ہو گیا اسے جزو سے کیا سروکار۔ جب جان ہو گیا تو اعضاء سے کیا واسطہ)

(تشریح) طالب ذات ہونا چاہئے۔ طالب جنت ہونا عبث ہے اور عاشق ہی طالب ذات ہوتا ہے)

بھائی! ایک جہاں طالبِ بہشت ہے۔ ایک بھی عشق کا طالب نہیں اس لیے کہ بہشت نفس و دل کا نصیب ہے اور عشق جان کا نصیب ہے۔ ہزاروں لوگ کوڑیوں کے طالب ہیں ایک بھی گوہر کا طالب نہیں۔ کیوں کہ عشق وصال جاناں کا واسطہ ہے اور ہر کم ہمت کے لیے نہیں۔

عشقِ جمالِ جاناں دریائے آتشیں است   گر عاشقی بسوزی زیرا کہ روئے این است
تو مرد رہ چہ دانی زیرا کہ مردِ رَہ را   اول قدم دریں رہ بر چرخِ ہفتمین است
کارے قوی است عالی اندر رہِ حقیقت   در ہر ہزار سالے یک مردِ راہ بین است

(معشوق کے جمال کا عشق آگ کا دریا ہے اگر عاشق ہو تو جل جاؤ کہ یہی رویت ہے تم اس راہ کے مرد کو کیا جانو۔ اس کا پہلا قدم ساتویں آسمان پر ہوتا ہے۔ حقیقت کا راستہ اختیار کرنا بہت بڑا اور مشکل کام ہے۔ ہر ہزار سال بعد ایک مردِ میدان پیدا ہوتا ہے)

(تشریح) دنیا میں سب ہی اللہ اور رسولؐ کی محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن درحقیقت ذات کے طالب بہت کم ہیں۔ جنت کے طالب سب ہیں)

مقصود یہ کہ اے بھائی۔ جان کے جوہر کا عرض عشق ہے کیوں کہ کوئی جوہر ایسا نہیں جو عرض سے خالی ہو اور جوہر بغیر عرض ہو نہیں سکتا چنانچہ حضرت رسالت علیہ السلام نے اشارہ فرمایا اذا احب اللہ عبداً عشقہ عشق علیہ فیقول اللہ تعالیٰ عبدی

انت عاشقی و محبی وانا عاشق لانت محب لك اردت ام لم تردی ۔ یعنی حضرت خواجہ علیہ السلام نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندہ کو خود اپنا عاشق کراتا ہے اور اس وقت بندہ پر خود عاشق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے بندے تو میرا عاشق ومحبّ ہے اور میں تیرا عاشق ومحبّ ہوں خواہ تو چاہے یا نہ چاہے) پس جب حق تعالیٰ بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس سے عشق کرتا ہے اور عشق کو اس پر غلبہ دیتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے تو میرا عاشق ومحبّ ہے اور میں تجھ پر عاشق ہوں اور تیرا محبّ ہوں۔ میں تجھے چاہتا ہوں تو مجھے کیوں نہیں چاہتا۔ اے بھائی۔ ذاتِ یگانہ کے جوہر کا عرض سوائے عشق کے نہیں اور خدائے تعالیٰ کا عشق ہماری جان کا جوہر ہے اور ہمارا عشق اس کا عرض ہے یعنی ہمارا عشق اس کا عرض اور اس کا عشق ہماری جان کا جوہر۔ اگر عرض بغیر جوہر کے اور جوہر بغیر عرض کے ممکن ہوتا تو عشق بغیر معشوق کے اور معشوق بغیر عشق کے بھی ممکن ہوتا اور یہ ہرگز ممکن اور جائز نہیں ہے کیوں کہ عشق و عاشق و معشوق جان میں ایک دوسرے کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ ان تینوں کے درمیان ہرگز غیریت نہیں ہوتی۔ چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ نے ان اشعار میں ظاہر کیا ہے۔

چوں آب وگل وہر دو مصور کردند　　جانم عرض و عشق تو جوہر کردند
تقدیر و قضا چوں کہ قلم تر کردند　　عشق تو و جانِ ما برابر کردند

(جب مٹی اور پانی سے صورتیں بنائی گئیں تو تیرے عشق کے جوہر کا عرض میری جان قرار پائی۔ پھر جب اس صورت کی تقدیر اور قضا مقرر ہوئی تو تیرا عشق اور میری جان برابر کر دیئے گئے)

(تشریح) جب تشبیہ اور تنزیہ کے ملاپ سے صورت کا ظہور ہوا تو تنزیہہ جوہر اور تشبیہ عرض قرار پائی۔ تیری ذات جوہر حقیقی ہے اس کا عرض عشق قرار پایا جیسا فاحببتُ ان اُعرفَ سے ظاہر ہے اور تیرے عشق کا عرض میری جان قرار پائی۔ پھر جب اس جان پر تقدیر و قضا جاری ہوئے تو تیرے عشق اور میری جان کو برابر کر دیا گیا۔ کیوں کہ محبت میں یکتائی ہے دوئی نہیں لہٰذا یہ جوہر و عرض ایک ہو گئے)

ان اشعار کو الست بربکم کے طریق پر سننے کے لیے مطرب شاہد (یعنی جو مشاہدہ سے آواز پیدا کر سکے یعنی اس کے بصارت و کلام ایک ہو چکے ہوں) چاہیئے (مشاہدہ میں) یہ فقیر اور آپ حاضر تھے اس کے بعد اس سماع سے معلوم ہوا کہ عشق کیا ہے اور شاہد بازی کس طرح پر ہے۔ جب میرے اس سماع میں مشاہدہ کرو گے تب بت پرستی تمہیں قبول کرے گی۔ اور تم سے مستی اور بدمستی ظاہر ہوگی اور کون و مکان تمہارے خادم ہوں گے (یعنی تم با اختیار ہو گے) اس وقت بسم اللہ کا دروازہ تم پر کھول دیا جائے گا اور تم بسم اللہ کی با کا نقطہ ہو جاؤ گے (یعنی تمہارا سریان تمام مخلوق میں ہوگا) جیسا کہ حضرت شبلیؒ نے بھی اس مقام کو کھولا ہے اور کہا ہے کہ انا نقطة باء بسم الله، یعنی شبلی سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو۔ کہا ''میں باءِ بسم اللہ کا نقطہ ہوں۔ بھائی! بسم اللہ کی باء کا نقطہ نہ اصل بسم اللہ ہے اور نہ غیر بسم اللہ۔ اصل بسم اللہ کو نقطۂ باء کی حاجت ہے کیوں کہ اس سے بسم اللہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنوی کا جمال آپ پر تجلی کرے ۔

حرفِ خود بے نقطہ کے باشد پدید   نقطہ را در حرف ہر کس خود نہ دید
نقطہ از تعداد گر آری بروں   کاملے باشی و مردِ ذو فنوں
ایں سخن والاتر است از کفر و دیں   نیست مشکل ہر کرا باشد یقیں

(حرف بغیر نقطہ کے کیسے ظاہر ہوگا۔ ہر شخص حرف میں نقطہ کو نہیں دیکھتا۔ اگر نقطوں کو تعداد سے مبرا کر دو تو کامل اور عارف ہو جاؤ گے۔ یہ بات کفر اور دین سے بالاتر ہے اور جس کو یقین حاصل ہو اس کے لیے آسان ہے)

(تشریح) ہر حرف کا پورا جسم نقطوں سے مرکب ہوتا ہے۔ وہ نقطے ہر شخص کو نظر نہیں آتے۔ ان نقطوں میں وحدت کا مشاہدہ کرنے کے لیے حروف کو نقطوں کی تعداد سے مبرا کرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ ہر نقطہ نقطہ ہے اور حرف نقطوں کی کثرت سے ظاہر ہوا ہے۔ اس طرح وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کفر و دین سے بالاتر ہے۔ اور یہ مشاہدہ صاحب یقین ہی کو ہوتا ہے)

سمجھا جو سمجھا۔ ابھی تک پوشیدہ اسرار لکھ رہا ہوں اور جو کچھ مکتب من لدنی سے

قطب عالم حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس اللہ سرہ العزیز کی بدولت اس فقیر کو حاصل اور کشف ہوا ہے انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی آپ کو لکھوں گا۔ لیکن آج جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو علمائے ظاہر جو سمجھیں اور جو کہیں۔ اِس فقیر کے کلام کو سمجھنے کے لیے طویل مدت درکار ہے جیسے کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی اور سلطان ابوسعید قدس سرہما شیخ محی الدین ابن عربیؒ صاحب فصوص کی ملاقات کے لیے دمشق گئے جب شیخ الشیوخ شیخ محی الدین سے مل کر واپس آئے تو شیخ محی الدین ابن عربی کے بیٹے نے باپ سے پوچھا کہ شیخ الشیوخ کو آپ نے کیسا پایا۔ شیخ محی الدین نے فرمایا کہ مولانا شہاب الدین سہروردی عالم ہیں اور ایسے مقام میں ہیں کہ میری فصوص سے تھوڑا بہت سمجھتے ہیں اس گروہ کے مراتبِ کلام اس طرح کے ہیں۔ بیچارے اہل ظواہر کہاں اور میرا یہ کلام کہاں العلم علمان علم البر و علم البحر، (علم دو ہیں ایک خشکی کا علم اور دوسرا سمندر کا علم) علم البر خلق کا آموختہ ہے اور علم البحر حق کا آموختہ ہے۔ اور اہل ظواہر علم حق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ واللہ اگر یہ فقیر علم بحر سے معنی بیان کرے یا لکھے تو کونین عدم میں نیست ہو جائیں۔

بھائی! ہمارا شاہد کون ہے اور ہم کس کے شاہد ہیں۔ پہلے مکتوب میں شرح کی ہے کہ عشق تین طرح پر ہے لیکن عشق کبیر اور عشق اوسط کو بھی اسی شاہد و مشہود یعنی دو شاہدوں میں ظاہر کیا ہے۔ ابتدائے عشق میں شاہد و مشہود کے درمیان فرق ہے اور جب عشق کا بیان ہوتا ہے تو فرق فرق نہیں رہتا۔ یعنی جب عشق و مشہود ایک ہو جاتے ہیں تو شاہد مشہود ہو جاتا ہے اور مشہود شاہد۔ اور اتحاد و یگانگی کا کمال پیدا ہو جاتا ہے۔

آں را کہ حیاتش زبُت و شاہد نیست   در مذہب کفر زاہد و عابد نیست
کفر آں باشد کہ شاہد خود باشی   چوں کفر چنین است دو کس واحد نیست

(جس کی حیات بُت اور شاہد سے نہ ہو وہ مذہب کفر میں زاہد و عابد نہیں ہوتا۔ جب خود کا شاہد ہونا کفر ہے تو شاہد و مشہود واحد نہیں ہو سکتے)

(تشریح) شاہد گواہ کو کہتے ہیں اور بت مشہود کو اور بغیر مشہود کے شاہد پہچانا نہیں جاتا۔ بہ الفاظ دیگر جوہر اپنے عرض سے پہچانا جاتا ہے۔ یہاں شاہد جوہر ہے اور بت

مشہود۔ ذات باری تعالیٰ اصل جوہر ہے اور حقیقت محمدیؐ اس کا عرض ہے۔ یہی بت ہے اور چوں کہ اس بت کے اعراض ساری کائنات ہے لہٰذا یہ بت شاہد حقیقی ہے اور ساری کائنات کی جان روح کلی بت ہے۔ اپنی انا کا شاہد ہونا کفر ہے کیوں کہ دوسروں کی انائیں اس کے علاوہ ہوتی ہیں۔ اور شاہد و مشہود کا ایک ہونا توحید حقیقی ہے یعنی حقیقت محمدیؐ نورِ ذات کے سوا کچھ نہیں۔ اور نورِ ذات ذات سے جدا نہیں۔ یہ شاہد کا مشہود اور مشہود کا شاہد ہو جانا کمالِ عشق ہے۔ اور جسے مشہود کا عشق حاصل نہیں وہ مذہب کفر میں زاہد و عابد نہیں ہوسکتا۔ یہ کفر ایمان حقیقی ہے۔ یعنی مجاز حقیقت ہے کیوں کہ حقیقت بغیر مجاز کے نہیں کھلتی)

بھائی! شاہد و مشہود کے پورے بیان کی اس مکتوب میں گنجائش نہیں۔ دوسرے مکتوب میں مکمل بیان کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ کے عاشقوں کا مذہب وملت کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ یعنی حضرت جل وعلا کے عشاق بوحنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہما کے مذہب وملت پر نہیں ہوتے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے عشق کے مذہب وملت پر ہوتے ہیں۔ یعنی جب خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں تو حضرت صمدیت جل وعلا کی بقاء ان کا دین و مذہب ہو جاتا ہے۔ جب محمد علیہ السلام کو دیکھتے ہیں تو حضرت رسالت علیہ السلام کی ملاقات انکا ایمان ہوتی ہے اور جب ابلیس کو دیکھتے ہیں تو ان کا کفر ہوتا ہے۔ محققوں کا دین وایمان وکفران ہی مشاہدات پر ہے اور تقلید پر نہیں ہے ان سے وہ گزر چکے ہیں اور اسے چھوڑ چکے ہیں۔ چاہئے کہ اس فقیر کے کلمات دین وایمان وکفر کا مقصود آپ پر روشن کریں۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کے کلمات کو آپ پر تجلی کرے۔

دین ماروے وجمال آں بت شاہانہ است   کفر ما از زلف وابروئے سیہ ترکانہ است
از جمال خدوخالش عقل ما دیوانہ است   واز شراب عشق او ہر دو جہاں میخانہ است
روح ما خود آزر است وقلب ما بتخانہ است   ہر کرا ملت نہ این است او ز ما بیگانہ است

(اس بُتِ شاہانہ کا چہرہ اور جمال ہمارا دین ہے اور اسی کے زلف وابرو کی سیاہی سے ہمارا کفر ہے۔ اس کے خدوخال کی سیاہی نے ہماری عقل کو دیوانہ کردیا ہے اور اس کے

عشق کی شراب نے دونوں جہانوں کو میخانہ بنادیا ہے۔ ہماری ہی روح آزرؔ ہے اور ہمارا ہی قلب بت خانہ ہے جو اس ملت میں داخل نہ ہو وہ ہمارے لیے بیگانہ ہے)

(تشریح) ہمارا مذہب عشق ہے جو اللہ کا مذہب ہے۔ ہم کافر و دین دار دونوں ہیں۔ کیونکہ جمال بت محمدیؐ میں خدوخال کی سیاہی کی آمیزش نے ہماری عقل کو دیوانہ کردیا ہے اور ہم ساری کائنات سے عشق کرکے شرابِ عشق سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ہماری روح بُت بنانے والی ہے اور ہمارا قلب بتخانہ ہے ہمارے قلب میں جو کچھ آتا ہے خواہ وہ کفر ہو یا دیں ہماری روح کا بنایا ہوا بت ہوتا ہے اور جو کفر و دین کو اپنے سے الگ دیکھے وہ ہم سے بیگانہ ہے)

میں اس سے زیادہ روشن شرح کرتا ہوں کہ خدوخال و زلف و ابروئے معشوق عاشق کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ تاوقتیکہ ان تک پہنچ نہ جاؤ۔ ہرگز نہ جانو گے۔ اول ماخلق اللہ تعالیٰ نوری (اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا) وہ محمد رسول اللہ کا نور ہے اور جمالِ نورِ احد پر احمد کا رخسار خال ہو گیا ہے (یعنی اللہ کے جمال پر ایک نقطہ رخسارِ احمدی بن گیا ہے) اور دلیل تلاش کرو تو کلمہ کے جمال کا مشاہدہ کرو کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ۔ کیونکہ اگر کوئی کافر ہزار سال بغیر خال کے (بغیر محمد رسول اللہ کے) کلمہ پڑھے واللہ ہرگز مسلمان نہ ہوگا۔ جونہی خدوخال کہنے میں آتا ہے جمال کا حسن کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اس جگہ اس فقیر کا ایک نکتہ ہے۔ جب آپ اس کو قبول کرنے کے اہل ہوں گے انشاءاللہ تعالیٰ لکھا جائے گا۔ اور امید ہے کہ بغیر لکھے مشاہدہ و معاینہ ہوگا۔

خال کہ افتادہ ترا بر لب است	ہندو کے ملک سلیمان گرفت
ملک ابد گشت مسلم ورا	لعل تو آں کس کہ بدنداں گرفت
اے سخن آں کس چو محمد بشوق	زیر لبِ لعل بدخشاں گرفت

(تیرے ہونٹ پر جو تل ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندو بچہ نے سلیمان کا ملک حاصل کر لیا۔ ملک ابد اس کے لیے مسلم ہے جس نے تیرے لعل کو دانتوں سے پکڑا۔ اس شخص کے نصیب کا کیا کہنا جس نے از دیاد شوق میں تیرے لعل بدخشاں کو پکڑا)

(تشریح) معشوق کے خدوخال سے جو لطافت اس کے جمال میں پیدا ہوتی ہے اور اس کا احساس عاشق اپنے عشق سے کرتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ کفر دین پر چھا گیا۔ لعل سے مراد سرخ رنگ ہے جو در حقیقت روح کا رنگ ہے۔ جس نے تیرے روحانی فیض کو مضبوط پکڑا اس کے لیے ملک ابد مسلم ہے۔ میرے نصیب کا کیا کہنا کہ میں نے از دیاد شوق میں اسی لعل بدخشاں کو پکڑا)

اگر خدوخال و زلف میں میرا دل گم نہ ہوتا تو بتاتا کہ یہ معشوق کے خدوخال عاشق کے ساتھ کیا اسرار رکھتے ہیں لیکن جب میرا دل ایسا ہوا کہ انک لفی ضلالک القدیم (۱۲/۹۵) (بیشک تو یقیناً اپنی پرانی گمراہی میں ہے) میں آیا تو خدوخال میں چھپ گیا۔ بھائی! اس دل کو کیسے واپس لاؤں اور اگر واپس لا سکا تو آپ کو کچھ لکھوں گا۔ لیکن آپ پر فرض ہو گیا ہے کہ میری زندگی کے لیے دعا کریں ؎

دل گم کردم میان زلف و خالش　　آں بت کہ مراد او بہ ہجراں نالش
آں دل کہ مرا نیست چہ دانم حالش　　پرسند رفیقان من از حال دلم

(جس بت کا ہجر مجھ سے نالے کراتا ہے اسی کے زلف و خال میں میرا دل گم ہو گیا۔ میرے ہمدرد میرے دل کا حال پوچھتے ہیں تو جب دل ہی گم ہو گیا تو میں اس کا حال کیا جانوں)

(تشریح) انسان کو ہر خبر پہنچانے والا اس کا دل ہوتا ہے وہ معشوق کے زلف و خال میں ایسا گُم ہوا کہ ہر شے سے بے خبر ہو گیا اب وہ صرف معشوق کے ہجر میں نالہ کناں ہے اور خود نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے)

جب اس مقام پر پہنچو گے تو کافری کو جان کے بدلے خریدو گے کیوں کہ خدوخال و زلف معشوق سوائے کفر اور زنار کے اور کس فائدہ کے ہیں۔ جب پہنچو گے اس وقت اس فقیر کو معشوق اور عاشق دیکھو گے۔ معذور رکھو اور ان کلمات کے کہنے اور لکھنے میں ہمیشہ مسلمان کو کافر دیکھو گے۔ کیوں کہ محمد رسول اللہؐ کے حسن و جمال سے سارے مومن کافر ہو گئے اور کسی کو علم اور خبر نہیں ہے اور جب ایمان کی حد پر پہنچتے ہیں تو بت پرستی کو درگاہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر نقش کیا ہوا دیکھتے ہیں اور کامل ایمان ظاہر ہوتا ہے اور ناقص اہل ظواہر اسی شمار میں پھنس کے رہ جاتے ہیں۔ اور دین وملت و مذہب کا کمال جو شش جہت کے ماوراء ہے مشاہدہ ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہو کہ چشم و ابرو اور شاہد کون ہیں۔ میں نے قطب عالمؒ کی بدولت نورِ سیاہ کا جو بالائے عرش ہے مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی مشاہدہ ہوگا۔ اس وقت جانئے گا اور وہ سیاہ نور چشم وابروئے احمدی کی سیاہی ہے۔ ابلیس کی اختیار کردہ خلعت ہے جس کو انوار الٰہی کی نسبت سے ظلمت کہتے ہیں۔ نور کے ظہور کے لیے، جیسے رات نور کا ظہور ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن قدس اللہ سرہٗ نے اس کی شرح فرمائی ہے۔

دیدیم نہاں کیست دراصل جہان وزعلت و عار برگذشتیم آساں
آں نور سیہ را زعرش برترداں زاں نیز گذشتیم نہ ایں ماند نہ آں

(جب ہم نے دیکھ لیا کہ ساری کائنات میں کون نہاں ہے تو علت وعار سے ہمارا پیچھا چھوٹ گیا۔ وہ سیاہ نور جو عرش کے اوپر ہے اس سے بھی گذر گئے نہ وہ رہا نہ یہ)

(تشریح) ذات باری تعالیٰ انوار جمال و جلال کے بین بین ہے۔ انوار جمال رنگین ہیں جن سے عرش مرکب ہے اور عرش کے اوپر انوار جلال کا رنگ سیاہ ہے۔ یہی زلف وخدوخال کی سیاہی ہے جو معشوق کے جلال کی مظہر ہے۔ ان دونوں انوار سے گزرنے کے بعد ذات باری تعالیٰ ہے جہاں این وآن کا گذر نہیں۔ انوار جمال کی تفصیل مذاہب ہیں اور انوار جلال کی تفصیل کفر ہے جس کا حامل شیطان ہے۔ اور ان دونوں میں ذات باری تعالیٰ نہاں ہے۔ یہی دونوں شیون جلال و جمال مظہر خداوندی رسول اکرمؐ صفات قہر ولطف کی شکل میں آئے۔ آپؐ کی صفت قہر کا حامل شیطان مع اپنی امت کے ہے اور صفت لطف کے حامل انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے مومنین ہیں)

بھائی یہ نور و کان من الکافرین ابلیس کی خلعت ہے کہ فبعزتك لا غو ینهم اجمعین (۳۸/۸۲) (تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا) کی تلوار کھینچے ہوئے ہے اور فی ظلمات البر والبحر (۲۷/۶۳) (خشکی اور سمندر کے

اندھیروں میں) کی ظلمتوں میں فضولی اور خودرائی اختیار کیے ہوئے۔ بھائی! جو کوئی شاہد کو خدو خال وابرو وچشم کے ساتھ دیکھتا ہے اسے لازم ہوتا ہے کہ منصورؒ کی طرح انا الحق کہے اور حضرت بایزیدؒ کی طرح سبحانی کہے۔ سمجھا جو سمجھا۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ بدمستی کی بات نہ کہوں لیکن بیخودی کی جہت سے بات نکل جاتی ہے۔ مجھے معذور رکھو۔ دیکھو کہ میرے شیخ قدس اللہ روحہ کیا فرماتے ہیں۔

آں را کہ حیاتش زبت و دلبر نیست　　از خال و خدو زلب چوں شکر نیست
جان و دل او در ابروے زلفش نیست　　در ہر دو جہاں مشرک جز کافر نیست
از کفر بہ کفر رفتنش باور نیست　　زیرا کہ از وجز و دگر در خور نیست

(جس کی حیات بت دلبر سے نہ ہو اس کے خال و خد اور میٹھے لبوں سے نہ ہو اور اس کے جان و دل اس کی زلف و ابرو کے اسیر نہ ہوں تو دونوں جہانوں میں صرف کافر ہی مشترک ہے۔ اس کا ایک کفر سے دوسرے کفر میں جانا باور نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ذات کے لیے اجزاء سزاوار نہیں ہیں)

(تشریح) بُت دلبر سے حقیقت محمدیؐ مراد ہے جو ذات بے نشان کا نشان ہونے کے باعث بت ہے۔ عالم امر میں یہ بت احمدؐ ہے اور عالم ناسوت میں محمدؐ ہے جو اپنے خال و خد و لب سے پہچانا جاتا ہے اور بت کو پہچاننے والا بت پرست یا کافر ہے۔ اس طرح عالم ناسوت اور عالم امر دونوں جہانوں کی سیر کرنے والے کافر ہی ہیں اور ان کا ایک کفر سے دوسرے کفر میں جانا اس لیے باور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ دونوں جہان ذات بے نشان ہی میں ہیں ذاتِ بے نشان کے اجزاء نہیں ہو سکتے یعنی بغیر محمد کو پہچانے ذات بے نشاں کا نشان نہیں مل سکتا۔ اور محمد کو پہچاننا کفر ہے اور بغیر کفر کے ذات تک رسائی ممکن نہیں۔ اور محمدؐ کی پہچان یہ ہے کہ وہ ذاتِ بے نشان کا بت ہیں۔ خال و خد و لب جمال کے حجابات ہونے کی وجہ سے کفر ہیں اور زلف و ابرو جلال کا حجاب ہونے کی وجہ سے کفر ہیں اور کبریائی جلال و جمال کا مبدا ہے ذات بے نشان بین الجلال والجمال ہے۔ اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب ربوبیت پر فائز ہیں اور وہی ساری کائنات کی حیات ہیں)

ایک قوم کو ہر لحظہ خرابات خانہ فألهَمهافجورها (۹۱/۸) سے شربت قہر و کفر دیتے ہیں اور ایک قوم کو کعبہ میں وتقوى ها وانا مدينة العلم وعلى بابها کا شربت لطف دیتے ہیں اور یہ مشروبات متواتر اور پے در پے اپنے اپنے کام میں لگے ہیں اور دونوں گروہ ہل من مزید کے نعرے مارتے ہیں اور کعبہ کا عند مليك مقتدر (۵۴/۵۵) (قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں) وسقاهم ربهم شراباً طهوراً (۷۶/۲۱) (اور ان کے رب نے ان کو پلائی شراب طہور) کے شربت سے مستیاں کرتے ہیں اور دوسرے گروہ والے فالهمها ها فجورها بے عقلی کرتے ہیں کہ يوسوس فی صدور الناس (۱۱۴/۵) (وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے) میں غرق رہتے ہیں۔ اے بھائی! لوگوں نے بلیس کا نام سنا ہے اور نہیں جانتے کہ محمد رسول اللہ علیہ السلام کی ذات کے دو صفات ہیں صفات قہر اور صفات لطف۔ اگر اہل ظواہر کو مشکل پیش آئے تو کلام مجید سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ يضل به كثيرا و يهدى به كثيراً (۲/۲۶) (اس سے (خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے) یعنی ایک قوم کو ان کی زلف کی سیاہی سدّ راہ ہوئی کہ والليل اذا يغشى (۹۲/۱) (رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے) اور ایک قوم کے لیے ان کے نور نے حجاب ظلمت کو پارہ پارہ کر دیا والضحى اور دوسرے والشمس۔ اہل ظواہر نے ابلیس کا نام ہی سنا ہے اور کیا جانیں ؎

ہر کہ زلفش دید کافر شد بہ حکم — ہر کہ رویش دید ایماں بازیافت
آفتاب ہر دو عالم آشکار — زیر زلف دوست پنہاں بازیافت
طالب دردت دلم شد ایں زماں — کز میان درد درماں بازیافت

(جس نے اس کی زلف دیکھی وہ حکما کافر ہوا اور جس نے اس کا چہرہ دیکھا دوبارہ ایماں حاصل کیا۔ دونوں عالموں کے آفتاب کو دوست کی زلفوں کے پیچھے چھپایا ہوا پایا۔ اس حال میں میرا دل درد کا طالب ہوا کیوں کہ اس نے درد کا علاج درد ہی میں پوشیدہ پایا)

(تشریح) نور بغیر ظلمت کے پہچانا نہیں جا سکتا۔ نور ذات سیاہ ہے اور وہ نور روشن میں پوشیدہ ہے۔ خفا و ظہور کی یکتائی نے مجھے درد کا طالب بنایا)

بھائی! آج بایزید ہوتے تو اس فقیر کے کلمات کا ادراک کر سکتے اور منصور ہوتے تو ان کی جان انھیں کلمات میں مشرف ہوتی اویس قرنی کا اشارہ سمجھو کہ کیا کہتے ہیں کہ دونوں مقامات کی جلوہ گری کرتے ہیں اس حالت کے متعلق جس پر اس فقیر نے گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں ان الکفر و الایمان مقامان وراء العرش حجابان بین اللہ و بین العبد (بیشک کفر اور ایمان دو مقام ہیں عرش کے پیچھے اللہ اور بندہ کے درمیان) یعنی کہا کہ ایمان اور کفر دونوں بندے اور خداوند کے درمیان حجاب ہو گئے ہیں۔ پس اے بھائی! مرد کو چاہئے کہ نہ کافر ہو نہ مسلمان جب تک کفر اور ایمان میں رہو گے ان دو حجابات میں رہو گے۔ عاشق ہو جاؤ جب عاشق ہو جاؤ گے تو کفر و ایمان دونوں تمہاری تلاش میں سرگرداں ہوں گے۔ ڈھونڈیں گے مگر کہیں نہ پائیں گے۔ ان مثنویات میں خوب غور کرو تا کہ مشاہدہ ہو۔

گر تراگویند کز ایماں برآ   ور خطاب آید ترا کز جاں برآ
تو بماں ایں را وآں را برفشاں   ترک ایماں گیر وجاں را برفشاں
منکرے گوید کہ بس ایں منکر است   عشق کو کز کفر و ایماں برتر است
عشق را با کفر و با ایماں چہ کار   عاشقاں را لحظۂ باجاں چہ کار
عاشقان آتش دریں خرمن زنند   ارّہ بر فرقش نہند وتن زنند
ہر کرا در عشق محکم شد قدم   درگذشت از کفر واز اسلام ہم
چوں ترا ایں کفر وایں ایماں نماند   ایں تنِ تو گم شدہ وایں جاں نماند
مرد میداں می شوی ایں کار را   مرد باید اینچنیں اسرار را
پائے درنہ ہمچو مردان و مترس   درگذر از کفر و از ایماں مترس
چند ترسی دست از طفلی بدار   باز شو چوں شیر مرداں سوئے کار

(اگر کہا جائے کہ ایماں سے نکل آ۔ یا خطاب ہو کہ جان سے نکل آ تو دونوں کو نثار کر دے اور باقی رہ جا۔ ایماں چھوڑ دے اور جاں نثار کر دے۔ منکر تجھے منکر کہے گا۔ عشق وہ ہے جو کفر و ایماں سے برتر ہے۔ عشق کو کفر و ایماں سے کیا کام اور عاشقوں کو ایک لمحہ بھی جان سے کیا واسطہ۔ عشاق اپنے جسم و جان و ایماں کو آگ میں پھونک دیتے ہیں اپنے سر پر آرہ چلا کر جسم کو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ جو کوئی عشق میں ثابت قدم ہوتا ہے وہ کفر و

اسلام دونوں سے گزر جاتا ہے۔ جب تیرے لیے یہ کفر اور وہ ایمان باقی نہیں رہتا تو تیرا جسم گم ہو جاتا ہے اور جان نہیں رہتی۔ اس کام کے لیے مرد میداں چاہئے جو ان اسرار کو سمجھے۔ مردوں کی طرح قدم بڑھا اور خوف نہ کر۔ کفر چھوڑ اور ایمان سے نہ ڈر۔ بچپن چھوڑ دے۔ کب تک ڈرے گا۔ پھر شیر مردوں کی طرح کام میں لگ جا)

(تشریح) عشاق کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود سے ہے جو لافانی ہے۔ تیرے وجود کا ظہور جسم و جان سے ہوا ہے اور تو کفر و ایماں میں شناخت کے لیے مبتلا کیا گیا ہے۔ ورنہ تیری حقیقت بے نشان ہے۔ عشق تیرے وجود کو جسم و جان اور کفر و ایمان کی بندشوں سے چھٹکارا دے کر وجود باری تعالیٰ میں گُم کر دیتا ہے۔ اپنی حقیقت کی طرف رجوع کرنے کے لیے ان ساری بندشوں کو توڑنا ضروری ہے۔ اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اس میدان کا مرد ہو۔)

کیسی نفع بخش بات ہے اس کے بعد عاشق منتہی سوائے حجاب ذاتی کبریاء اللہ کے اور کسی حجاب میں نہیں ہوتا۔ کیوں کہ خواجہ علیہ السلام نے اس گروہ کے لیے اشارہ فرمایا ہے کہ لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل) میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی) یہ وہ مقام ہے جس کی اطلاع ملک مقرب اور نبی مرسل کو نہیں ہے لیکن لاوتی نہ کہا۔ کیونکہ اولیائے امت کے لیے خواجہ علیہ السلام کا مقام ہے کہ انی لاعرف اقواماً من امتی فی لیلة المعراج منزلتهم بمنزلتی عند الله تعالیٰ (میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو (قوموں کو) جانتا ہوں شب معراج میں جن کا مقام میرے مقام کے برابر ہے) سمجھا جو سمجھا۔

از عشق نشان جان و دل باختن است   ویں کون و مکاں ہر دو برانداختن است
گہ کافر و مومن شدن اے جان جہاں   با ایں دو مقام تا ابد ساختن است

(عشق کی پہچان دل و جان کا ہارنا اور کائنات سے چھٹکارا پانا ہے۔ اے جان جہان کبھی کافر اور کبھی مومن رہنا دو ایسے مقامات ہیں جن سے ابد تک نباہنا ہے)

(تشریح) انسان کائنات کی جان ہے۔ جب تک کائنات ختم نہ ہو اس کی جان کو چھٹکارا نہیں۔ لہٰذا ابد تک انسان کو کافر یا مومن کی حیثیت میں باقی رہنا ہے۔ عشق کی پہچان یہ ہے کہ عاشق اپنی ان دونوں حیثیتوں میں نہ صرف کائنات بلکہ اپنے جسم و جان دونوں سے بے نیاز رہے)

بھائی! اللہ کے عشق کا جو عشقِ اکبر ہے کوئی نشان نہیں دیا جا سکتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی آپ کے لیے نشاندہی کروں گا لیکن میری زندگی کی دعا کرتے رہئے ؎

اے عشق تو بے نشاں جمالے داری　　دراصل وجود خود کمالے داری
ہر لحظہ بہ مثلِ خود خیالے داری　　ایں عشق دریغا کہ چہ حالے داری

(اے عشق تیرا جمال بے نشان ہے۔ تیرے اصل وجود میں کمال ہے۔ ہر لمحہ تجھے اپنی طرح کا خیال رہتا ہے۔ ہائے افسوس اس عشق کا کیا حال ہے) (شاعر کہتا ہے کہ اے بے نشاں تیرے عشق میں ایک جمال پوشیدہ ہے۔ فی الحقیقت وجود خود کمال کا حامل ہے اور یہ عشق اپنے مثل یعنی ذات بے نشان کے خیال میں محو رہتا ہے۔ خود عشق کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے واللہ اعلم)

(تشریح) عشق دیکھنے یا کہنے سننے کی چیز نہیں ہے مگر ہے۔ اور عشاق کے دل اس کے شاہد ہیں۔ اس کی بے نشانی اس کا کمال ہے کہ لیس کمثلہ شیء اور ہر شے کو تج دنیا کُل من علیہا فان اس کا حال ہے۔

بھائی! عاشقوں کے مقامات اور حالات کی انتہا نہیں ہے۔ دوسرے مکتوب میں شرح کی جائے گی۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی　　بصد دفتر نمی گنجد حدیث حال مشتاق

(یہ دفتر ختم ہو گیا مگر بات پھر بھی باقی ہے کیوں کہ مشتاق (عاشق) کی بات سیکڑوں دفتروں میں نہیں سما سکتی)

نواں مکتوب

(عشق کے بارے میں)

عشق اندر فضل و علم و دفتر و اوراق نیست   ہر چہ گفت و گوئے باشد آں رہِ عشاق نیست
شاخِ عشق اندر ازل واں بیخ عشق اندر ابد   کیں شجر را تکیہ بر عرش و ثری و ساق نیست
عقل را معزول کردیم و ہوا را حد زدیم   کیں جلالت لائق ایں عقل و ایں اخلاق نیست
تا تو مشتاقی بداں ایں اشتیاق تو بت است   چوں بہ معشوق آمدی پس ہستی عشاق نیست

(عشق فضل و کمال، علم، کتابوں اور اوراق کا نام نہیں مخلوق کی ساری قیل و قال عاشقوں کی رہبر نہیں ہے۔ عشق ایسا درخت ہے جس کی شاخیں ازل میں اور جڑیں ابد میں پیوست سمجھو، یہ درخت نہ عرش پر تکیہ کیے ہے نہ زمین پر اس کا کوئی تنہ ہے۔ ہم نے عقل کو معزول کر دیا اور خواہشات نفسانی پر قدغن لگا دی اس لیے کہ عشق کی عظمت و جلالت اس عقل اور اس کی عادات و اطوار کے لایق نہیں (بالاتر ہے) اگر تم عاشق ہو تو یہ عشق تمہارا بت ہے جب تم خود معشوق ہو گئے تو عاشق کی ہستی فنا ہو گئی)۔

مقصود یہ کہ اے بھائی! عشق تمثل کی صورت رکھتا ہے (یعنی تنزیہہ و تشبیہہ کا جامع ہے) اگر تمثل نہ رکھتا تو اس راہ پر چلنے والے سب کافر ہو جاتے۔ اس جہت سے کہ ہر چیز کو مختلف اوقات میں ایک ہی شکل اور ایک ہی حال میں دیکھنے سے ملال پیدا ہو جاتا ہے اور جب ہر لحظہ اور ہر لحہ جمال میں زیادتی اور شکل کا حسن بڑھتا ہوا پاتے ہیں تو عشق زیادہ ہوتا ہے اور دیکھنے کا اشتیاق بڑھتا رہتا ہے۔ کیا خوب بات ہے۔ یحبہم ہر لحظہ یحبونہ

کا تمثل رکھتا ہے اور یحبونہ بھی اسی طرح یحبہم کا تمثل اختیار کرتا رہتا ہے (یعنی معشوق عاشق اور عاشق معشوق ہوتا رہتا ہے) پس اس مقام پر کمال تر عشق اور تمام تر شوق سے محبوب کو نئے جمال کے ساتھ دیکھتا ہے۔

ہر روز بہ عشقِ تو بہ حالِ دگرم   وز حسنِ تو در بندِ جمالِ دگرم
تو آیتِ حسن را جمالے دگری   من آیتِ عشق را کمال دگرم

(تیرے عشق میں ہر روز میرا حال بدلتا رہتا ہے۔ اور تیرا حسن ایک نئے جمال میں مجھے گرفتار کر لیتا ہے۔ تو حسن کو نَو بہ نَو جمالوں سے آراستہ کرتا ہے اور میں ہر جمال کے لیے ایک نیا کمالِ عشق بن جاتا ہوں)

(تشریح) کُلَّ یومٍ ھُوَ فِی شَان ہر روز میرا حال بدلتا رہتا ہے اور میں ہر شان پر ایک نئے جذبہ سے فدا ہوتا رہتا ہوں جس طرح ترے حسن کے جمال کی حد نہیں اسی طرح میرے عشق کے کمال کی بھی حد نہیں)

معشوق کی غذا اور حظ کاہے سے ہے اور عاشق اپنا نصیب کاہے سے پاتا ہے اور خود عشق کاہے سے زندہ ہے لیکن عشق کے بارے میں کیا کہا جائے اس کو سوائے اشارے اور مثال کے بیان و عیاں نہیں کر سکتے۔ ورنہ عشق کے متعلق کیا کہیں اور کیا کہنا چاہئے اور اگر عشق عبارت میں آ سکتا اور اشاروں میں سما سکتا تو روزگار سے فارغ لوگ بیٹھے نہ رہتے۔ اور جمالِ عشق سے محروم نہ رہتے اور مجوب نہ مرتے۔

اے عشق! دریغا کہ بیاں از تو محال است   حظے ز تو خود باشد و حظِ تو محال است
اُنس تو نہ ابروست نہ با زلفِ سیاہ است   قوت تو ز خداست و حیاتِ تو ز خال است
اسمِ تو ز شرع است و نہالِ تو کتاب است   جان و دل ما با تو دگر قال و بال است

(اے عشق۔ افسوس کہ تیرا بیان محال ہے۔ تیری کیفیت کا خط تجھ ہی سے ہے اور اس حظ کا بیان بھی محال ہے۔ تیرے ساتھ اُنس تیرے ابرو اور زلف سیہ کی وجہ سے نہیں پیدا ہوتا۔ تیری غذا تیرا خد اور تیری حیات تیرا خال ہے۔ تیرا نام شرع سے ہے اور تیرا قد کتاب ہے۔ ہمارے جان و دل تیرے ساتھ ہیں اور سب کچھ وبال ہے)

(تشریح) عشق کی کیفیت ناقابل بیان ہے جو اسے چکھتا ہے جانتا ہے کہ یہ کیفیت ابرو اور زلف سیہ کا کرشمہ نہیں بلکہ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ اسی معشوق کی غذا اس کا خدا اور اس کی حیات اس کے خال سے ہے۔ یعنی اجزائے حسن صرف ظہورِ حسن کے لیے ہیں ورنہ حسن اپنی لطافت میں اجزاء کا محتاج نہیں اور حسن حقیقی کا حظ سرور محض ہے جس کا نشان انھیں اجزائے حسن سے ملتا ہے نیز حسن حقیقی تک رسائی صرف عشق کی ہے۔ گویا حسن کے خرام ناز نے عروج و نزول کے قوسین بنائے اور حسن کی یہ صمدیت عشق ہے۔ العشق ہو اللہ، وہ اسم ہے جو قرآن ہے اور جس کی تفصیل فرقان ہے۔ ہمارے جان و دل بھی اسی سے ہیں۔ گویائی وبال ہے)۔

مقصود یہ کہ اے بھائی! جب معشوق قسم کھاتا ہے یعنی جب معشوق عاشق کو غمزہ دکھاتا ہے اور قسم کھاتا ہے تو کہتا ہے "بموئے تو" اور "بروئے تو"۔ یعنی واللیل اذا یغشیٰ والشمس وضحٰھا۔ اہل ظواہر اور علماءِ جہل اس شمس کو ستارہ جانتے ہیں۔ لیکن یہ والشمس وہ آفتاب ہے جسے نورِ محمدؐ کہتے ہیں۔ کہ اول ماخلق اللہ تعالیٰ نوری (سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ نور ہے) جو مشرقِ ازل سے طلوع ہوا ہے اور یہ 'لیل' زلف نور محمدؐ کے سیاہ نور کو کہتے ہیں کہ جس میں عزازیل نے غروب ہو کر غوطہ کھایا۔ چشم و ابرو کا اشارہ اور تکبر پایا کہ استکبرو کان من الکافرین (۲/۳۴) (اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا) اسی طرح والتین، والضحیٰ، واللیل یہ سب جمال رو، زلف و قامت حضرت رسالت علیہ السلام کی قسمیں ہیں (یعنی ذات باری تعالیٰ نے اپنے معشوق کے جمال رخ و زلف و قامت کو الگ الگ یاد کیا ہے اور اپنے عہد عشق کی قسمیں کھائی ہیں) تو بھائی! یحبونہٗ اور یحبونھم کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ یحبھم تمہارے اندر ایک مقام پر پہنچتا ہے جیسے آفتاب سارے جہان میں پہنچتا ہے کیونکہ آفتاب کا چہرہ کشادہ ہے، جب تک تمہارا دل پوری طرح آفتاب کی طرف متوجہ نہ ہوگا آفتاب کی کوئی شعاع تمہیں نصیب نہ ہوگی۔ یحبھم اتنی وسعت رکھتا ہے کہ کونین میں نہیں سماتا اور سب کے لیے ہے لیکن یحبونہٗ جب تک پوری طرح اس کے لیے نہ ہو اس سے ایک شعاع بھی نہیں پاتا۔

(یعنی اللہ اپنے ہر بندہ سے محبت کرتا ہے لیکن اس کے نور سے جس کی سمائی ہر مومن کے دل میں ہے بندہ اس وقت تک مستفیض نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل پوری طرح اس کی طرف راغب نہ ہو یعنی بے خطرہ ہو کر یادِ دوام پر فائز نہ ہوا ہو) اگر کھیعص کا خلوت خانہ پورا پورا فاوحیٰ اِلیٰ عبدہٖ مَا اوحی '(۱۰/۵۳) (پھر اللہ نے اپنے بندہ کی طرف جو بھیجا سو بھیجا) یعنی قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کیا وحی کیا گیا۔ اس وحی کا راز حروفِ مقطعات (کھیعص) میں ہے اس وقت جان جاؤ گے)۔

دوش آں بت من دست در آغوشم کرد　　بگرفت بقہر و حلقہ در گوشم کرد
گفتم صنما ز عشقِ تو بخروشم　　لب برلب من نہاد و خاموشم کرد

(کل اس بت نے مجھ پر ہاتھ ڈال کر مجھے ایسی گرفت میں لیا کہ مجھ پر چھا گیا اور مجھے اپنا بندۂ بے دام بنا لیا۔ میں نے کہا کہ اے صنم میں تیرے عشق میں نالہ کناں ہوں۔ اس نے میرے لبوں پر اپنے لب رکھ کر مجھے خاموش کر دیا)

(تشریح) ازل ہی میں تجلیات جلال و جمال نے مجھے عاشقِ ذات بنایا۔ پہلے میں تجلی جلال میں محو ہو کر اس کا بندۂ بے دام بنا اور جب عشق نے خروش کرنا چاہا تو تجلی جمال نے مجھے محو کر دیا اس طرح وہ آگ پیدا کی گئی جسے نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ (۶/۱۰۴) کہتے ہیں اور یہ قدرت کے اس جاذبہ نے یکتائی پیدا کر دی)

اس جگہ جو کہنے کی بات ہے کہتا مگر آپ سے انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی کہوں گا۔ جب آپ کا دل روح کے مقام پر آ جائے گا اور یہ کلمات وہی کہتا اور سنتا ہے جس کا دل مقامِ روح میں آ گیا ہو اور اس کی روح عالم قدیم میں قدیم کے ساتھ خانۂ یا حی و یا قیوم میں حقیقت بن چکی ہو۔ مقصود یہ کہ اے بھائی۔ تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاؤ) خانہ یا حی و یا قیوم میں حاصل ہوتا ہے مگر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی مقام سے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ مااوحیٰ کی شرح کی ہے اور کہا ہے کہ اذاتمت عبودیۃ العبد یکون عیشہ کعیش اللہ۔ جب بندہ کی بندگی تمام ہو جائے تو بندہ کا عیش معبود کے عیش کی طرح ہوتا ہے اور عبودیت کا ختم ہونا یہ ہے کہ کمی اور زیادتی

برابر ہو جائیں۔ معاملت کے اعتبار سے یہ معنی لکھے ہیں۔ لیکن حقیقت کی رو سے راز وہ ہے کہ جو کچھ اس کے لیے ہوتا ہے جو خداوند ہے بندہ کے لیے بھی وہی ہوتا ہے یعنی اس کے صفات مثل سمع و بصر قدرت و ارادت حیات و بقا و کلام بے جہت جیسے اوصاف کو انشاء اللہ تعالیٰ اپنے آپ میں دیکھو گے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی اس مقام پر کیا فرماتے ہیں انا اقل من ربی بسنتین (میں اپنے رب سے دو سال کم ہوں (یعنی کہتے ہیں کہ وہ (خدائے تعالیٰ) مجھ سے دو سال سبقت رکھتا ہے اور دو سال پہلے سے ہے یعنی میں اس سے دو سال کم ہوں۔ اور وہ اللہ کے ایام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے سالوں میں ہر ساعت (یوم) کی مدت ہزار سال ہے۔ وان یوماً عند ربك كالف سنة مما تعدون (۲۲/۴۷) (اور بیشک تمھارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رو سے ہزار برس کے برابر ہے) بھائی! علمائے نادان سمجھتے ہیں کہ (یہ قول) لائق کفر ہے۔ اس کی شرح کرتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے تاکہ میرے سارے کلمات پر اسی کو منطبق کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں میں نے خلق کو پیدا کیا) ظہور مخفی سے فخلقت الخلق (ظہور ظاہر) تک یعنی خلقت روح تک سات سو بیس ہزار (دنیا کے) سال تھے جو پروردگار کے دو سال تھے اور پروردگار کے دو سال دنیا کے سات لاکھ بیس ہزار سال ہوتے ہیں۔ یعنی پروردگاری (ربوبیت) کا اظہار کرنے کے بعد سات لاکھ بیس ہزار سال گزرے تھے جو پروردگار کے دو سال ہیں کہ روح کی خلقت کی۔ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا قول درست ہے کہ ''مجھ سے دو سال سبقت رکھتا ہے۔ چونکہ علماء سمجھ نہیں سکتے نادان ہیں جب تک نہ کہو کہ علمائے ظاہر کو نادان اس لیے کہتے ہیں کہ حقیقت کے قضیہ سے جاہل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو ہمارے گھر میں نہیں ہے وہ بادشاہ کے گھر میں بھی نہیں ہے یہ بڑی جہالت ہے۔ پس میرے اور ان مقامات کے اہل لوگوں کے سارے کلمات کو انھیں معانی پر منطبق کرو جن معانی مذکور کی میں نے شرح کی ہے۔ چنانچہ وہ مشہور عاشق حسین منصور بھی کہتا ہے۔

نہ انتظارِ لقایش کند حسین گہے کہ در مقابلہ چشمش ہمیشہ صورتِ اوست

(حسن اس کی ملاقات کا انتظار کبھی نہیں کرتا (اس کے دیدار کا انتظار نہیں کرتا کیوں کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی موہنی صورت ہمیشہ جلوہ آرا رہتی ہے۔)

لافرق بینی و بین ربی الا بصفتان ،صفة الذاتية و صفة القائمة فقيامنا به و ذاتنا منه ۔ (میرے اور میرے رب کے درمیان کوئی فرق نہیں سوا دو صفتوں کے۔ صفتِ ذاتیہ اور صفتِ قائمہ۔ پس ہمارا قیام اس کے ساتھ ہے اور ہماری ذات اسی سے ہے)۔

حضرت ابوبکر دقاقؒ نے بھی کہا ہے۔ اسی مقام سے حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ الفقير هو الذى لا يفتقر الىٰ نفسه و لا الىٰ ربه ۔ کہ فقیر وہ ہے جو اپنا محتاج ہو نہ اپنے مالک کا۔ کیونکہ احتیاج ضعف و نقص ہوتا ہے اور فقیر جب اس کمال پر پہنچتا ہے تو اس مقام پر ہوتا ہے کہ الفقر اذا تم فهو الله و تخلقوا باخلاق الله (فقر جب کامل ہو گیا تو وہی اللہ ہے اور اللہ کے اخلاق کے ساتھ آراستہ ہو) عاشق کے لیے اس سے زیادہ بلند کوئی مرتبہ و مقام نہیں ہے۔ اللّٰهم ارزق لك (اللہ تم کو عطا فرمائے) مقصود یہ کہ اے بھائی! قصہ یوسف احسن القصص قرار پایا اس کا کیا سبب ہے۔ اس جہت سے کہ یہی يحبهم اور يحبونه کا نشان ہے کہ یہ آیت تجھ پر جلوہ گر ہو وما كان لبشران يكلمه الله إلّا وحياً او من وراى حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه مايشاء (۴۲/۵۱) (اور کسی آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا اس سے بات کرے مگر (الہام کے) ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے القا کرے) اور نقطہ طٰہ میں تم کو پورا مشاہدہ ہوگا اور تم دیکھو گے تب جانو گے يحبهمو يحبونه کیا ہے۔ کیوں کہ انگبین و شکر کہنا دوسری بات ہے اور دیکھنا دوسری اور چکھنا دوسری یعنی لیلیٰ کا عاشق ہونا دوسری بات ہے اور لیلیٰ کا نام لینا دوسری اور لیلیٰ ہو جانا دوسری۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہو جائیں گے۔ یعنی جب عاشق کمال پر پہنچتا ہے تو معشوق ہو جاتا ہے اور طالب مطلوب ہو جاتا ہے اور جب مجنوں عشق میں کمال پر پہنچا تو اس سے کہا گیا کہ لیلیٰ آتی ہے، مجنوں اپنے آپ میں غرق تھا اپنے آپ کو لیلیٰ دیکھا اور کہا ''میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ مجھ میں ہے۔

عشق و عاشق محو گردد زیں مقام   خود ہماں معشوق باشد والسلام

(اس مقام پر عشق اور عاشق دونوں محو ہو جاتے ہیں صرف معشوق باقی رہ جاتا ہے (کُل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربك ذو الجلال و الاکرام ۲۷/۵۵)

(تشریح) اس مقام پر عاشق معہ اپنے عشق کے محو ہو جاتا ہے یہ یحبهم و یحبونه کا مقام ہے جس میں عاشق اپنے آپ کو معشوق دیکھتا ہے)

بھائی! یحبونه، یحبهم کے ساتھ خلوتخانہ میں ہم راز اور ہم مشاہدہ ہے۔ یحبهم اور یحبونه اپنے اپنے سودے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں کہ لا یطلع علینا ملك مقرب و لا نبی مرسل (ہم پر مطلع نہیں ہوتا نہ ملکِ مقرب اور نہ نبی مرسل)۔

رافضی انگشت درِ دنداں بماند ہم علیؓ وہم عمرؓ آمیختند
بر یکے تخت اند ایں دم ہر دو شاہ ملک خود با یک دگر آمیختند
روز و شب را از میاں برداشتند آفتابے با قمر آمیختند

(علیؓ اور عمرؓ ایک ہو گئے۔ رافضی حیرت سے انگشت بدنداں ہے۔ دونوں اس وقت ایک ہی تخت پر بیٹھ کر شاہی کر رہے ہیں اور ان کے ملک ایک دوسرے میں مدغم ہیں۔ وہاں تو نہ دن ہے نہ رات۔ انھوں نے سورج اور چاند کو ایک کر دیا ہے)۔

(تشریح) عشق کی بدولت توحیدِ وجودی حال ہو کر یکتائی حاصل ہو گئی)

اللہ تعالیٰ تم کو بینا کرے کہ میرے کلمات کا مشاہدہ کرو لیکن تم اپنی قدر کیا جانو کہ تمہاری ہیکل کیا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت تمہاری کیا قدر و قیمت ہے۔ حضرت رسالت علیہ السلام ہی سے سنو کہ جابرؓ بن عبداللہ انصاری کے حق میں کیا شرف بیان فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں اے جابر، موتہ کے دن جنگ میں جب تیرا باپ عبداللہ بن رواحہ مارا گیا اور شہید ہوا تو خدائے تعالیٰ نے تیرے باپ یعنی عبداللہ بن رواحہ کو زندہ کیا اور اس کو عرش مجید پر لے گیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یکجا رکھا اور عرش مجید کو اس کا مقام بنایا۔ حبیب اللہ کی امت کے عاشقوں کی کتنی اچھی دولت مستی ہے کہ کلیم اللہ حیران و سرگردان ہیں جب موسیٰ کلیم اللہ نے چند مشتاقان امت حبیب اللہ سے حضرت عز و جل کی دوستی دیکھی اور مشاہدہ کی تو مناجات کی اور کہا الٰہی میں حبیب اللہ کی امت کے

مشتاقوں کو دیکھوں۔ حضرت جل وعلا نے نون والقلم کے خانہ سے ایک سو چودہ بار خلوت خانہ کھیعص میں (یعنی اللہ نے اپنے علم ذاتی کو ایک سو چودہ سورتوں میں یعنی پورا قرآن ذات احمدیؐ یعنی کھیعص میں ڈالا) اور فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کی ندا کی کہ اے میرے حبیبو تم امتِ احمدیؐ میں ہو۔ ہم سب نے سراپردۂ غیب سے کہا کہ لبيك اللهم لاشريك لك لبّيك۔ نداء کے سننے کی لذت اور جواب لبیک کی حلاوت سے موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔ کہ فخر موسیٰ صعقا (۷/۱۴۳) (پس موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) اور جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ و کلّم الله موسیٰ تکلیماً (۴/۱۶۴) (اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا) میں وہ لذت وحلاوت نہ تھی جو محبوبان حبیب اللہ کو اس ندا سے حاصل ہوئی۔ اپنی نامرادی پر فریاد کرتے ہوئے ہماری تمنا کی اور کہا اللهم ا جعلنی من امة محمد (اے اللہ مجھ کو محمدؐ کی امت سے بنا)۔

میرے اور تمہارے لیے کتنی بڑی دولت ہے بھائی کلام ہر ایک سے ہوتا ہے لیکن راز سوائے امت حبیب اللہ کے محبوبوں کے کسی کو نہیں بتایا جاتا۔ ہماری وحی کے راز سے کلام کے بہت مراتب و درجات ہیں۔ چنانچہ مقام اعلیٰ اور شب اسریٰ میں محمدؐ کو فرمان ہوا کہ اے میرے حبیب اب تک میں کہنے والا اور تو سننے والا تھا دکھانے والا میں تھا اور دیکھنے والا تو تھا لیکن آج کی رات کہنے والا تو ہو اور سننے والا میں ہوں۔ دکھانے والا تو ہو اور دیکھنے والا میں ہوں (یعنی ظلمت ذات میں دوئی لاپتہ ہو کر وهو السميع البصير جلوہ گر ہو) بھائی!

تو یوسفِ معنیٰ را در چاہِ بلا دیدی   اُو را بہ شہنشاہی در مصر کجا دیدی
اُو طرفہ بغداد است گر پردہ براندازد   آں جات شود معلوم ایں جات کجا دیدی
در شیشہ تو می بینی آمیختہ بایک رنگ   گوئی کہ دو رنگ است ایں پس تو چہ صفا دیدی
ایں عالم فانی را چوں عشق کمیں آمد   در خلوتِ روح اللہ عیسیٰ ز کجا دیدی
اے چشم اگر دیدی تو صورت حال خود   تو صورتِ حالِ خود در صورت ما دیدی

(تو نے یوسف معنیٰ کو چاہ بلا میں دیکھا ہے اس کو مصر میں شہنشاہی کرتے نہیں

دیکھا۔ وہ معشوقہ بغداد ہے اگر پردہ گرادے تو تجھے پتہ چلے کہ تو نے کسے دیکھا۔ تو شیشہ میں ملا جلا ایک رنگ دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دو رنگ ہیں۔ یعنی ایک رنگ شیشہ کا اور دوسرا شراب کا۔ تیری نظر پر کدورت ہے۔ جب اس عالم فانی کا مکیں عشق ہے تو اللہ کی روح ہے۔ اس کی خلوت میں عیسیٰ کو کیسے دیکھو گے (اس میں عیسیٰ کی گنجائش کہاں رہی، یعنی دوئی نہیں رہ سکی) اے آنکھ اگر تو نے اپنے حاصل کی صورت دیکھی ہے تو میری صورت میں دیکھ (اپنی صورت حال میری شکل میں دیکھی)

(تشریح) ہر شے کا وجود تنزیہہ و تشبیہہ کی آمیزش سے ہے جس کی نظر تنزیہہ و تشبیہہ کی جامعیت پر قائم ہو جائے وہی حقیقت کو دیکھ سکتا ہے۔ یہی ما زاغ البصر و ماطغی' (۵۳/۱۷) ہے۔ ہر شے میں عشق اپنی تنزیہی شکل میں موجود ہے)

بھائی! اس مقام میں مصطفیٰؐ کا مکر میرا معشوق تھا اور وہ عاشق۔ کیوں کہ عاشق کلام معشوق کو دوست رکھتا ہے جیسے جب زلیخا نے یوسفؑ سے کلام سنا بے ہوش اور از خود رفتہ ہوئی اور یہ عاشقوں کے لیے بہت بلند مقام ہے اسی مقام سے مصطفیٰ علیہ السلام نے خبر دی لی مع اللہ وقت لا یفی فیه ملك مقرب و لا نبی مرسل۔ لیکن ولی نہیں کہا جیسا کہ اس سے قبل کے مکتوب میں شرح کر چکا ہوں۔ ویسا ہی سمجھو۔ ان کے طفیل سے مجھے اور تمہیں بھی یہ مقام نصیب ہو تمہارے دل میں یہ خیال نہ آنا چاہئے جیسا کہ جاہل فقہا کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو عاشقی و معشوقی سے منسوب نہ کرو۔ اس سے پہلے کے مکتوب میں ایک حدیث کی شرح کر چکا ہوں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے اذا احب اللہ عبداً عشقه و عشق، فیقول اللہ یا عبدی انت عاشقی و محبی و انا عاشق لك و محب لك اردت ام لم تردت، (جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنا عاشق کراتا ہے تو خود اس پر عاشق ہو جاتا ہے پھر فرماتا ہے اے میرے بندے تو میرا عاشق اور محبّ ہے اور میں تیرا عاشق و محبّ ہوں خواہ تو چاہے یا نہ چاہے) لیکن معنی انھیں الفاظ سے لیے جائیں۔ انشاء اللہ میں عاشقی اور معشوقی کے معانی کی شرح ''دقائق المعانی'' میں کروں گا کہ ان کا اطلاق حق تعالیٰ اور مخلوقات پر کس طرح کرنا چاہئے۔ لیکن اس کے بعد جب تم اس مقام میں غیب کا سلام

پوری طرح سنو گے تو اس حدیث کی حقیقت کا بھی مشاہدہ کرو گے اور یہ تمنا پوری ہوگی۔ بھائی احمدیوں (احمدؐ روحانی نام ہے اور محمدؐ ظاہری) اور محمدیوں کا سلسلہ بہت دراز ہے اور ہر سرشتہ میں لاکھوں کروروں ناز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اشعار کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

شہا یک دم رعیت شو مرا شہ داں و سالارے   وگر مہہ را خفا گویم بجنباں سر بگو آرے
مرا بر تخت خود بنشاں دوزانو پیش من بنشیں   مرا سلطان کن و میر و بیشم چو صلح دارے
شہا شیرے تو من روبہ تو من شو یک زمان من تو   چو روبہ شیر گیر آید جہاں گوید خوش آن کارے
زبس احساں کہ فرمودی چنینم آرزو آمد   کہ موسیٰؑ چون سخن بشنید درمیخواست دیدارے

(اے شاہ تھوڑی دیر کے لیے تو رعیت ہو جا اور مجھے بادشاہ اور سالار سمجھ۔ اگر میں کہوں کہ چاند تاریک ہے تو تو سر ہلا کر کہہ دے ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے اپنے تخت پر بٹھا اور خود میرے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ۔ مجھے سلطان بنا اور میرے سامنے سپاہی بن۔ اے بادشاہ! تو شیر ہے اور میں لومڑی ہوں۔ ذرا دیر کے لیے تو میں ہو جا اور میں تو ہو جاؤں۔ جب لومڑی شیر پر غالب ہوگی تو سارا جہان کہہ اٹھے گا کہ کیا اچھا شکار ہے۔ یہ آرزوئیں تیرے احسان کی بدولت پیدا ہوئیں۔ جیسے موسیٰؑ نے بات سن کر تو دیدار کی تمنا کے اظہار کی جرأت کی تھی)۔

(تشریح) عاشقوں کی دو قسمیں ہیں۔ ۱- عاشق محب ۲- عاشق محبوب۔ محبوب ہونے کا شرف صرف رسول اکرم کو حاصل ہے اور ان کے طفیل ان کی امت کے بعض اولیاء اللہ کو جیسے حضرت غوث پاکؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ یہ یکتائی کی معاملت (صرف) محبوبین کے ساتھ ہے)

بھائی! اس فقیر پر اس مقام سے ایک وقت آتا ہے کہ کہتا ہوں میں تیرا عاشق ہوں اور دوسرے حال میں کہتا ہوں تو میرا معشوق ہے اور کہتا ہوں میرے خدا تجھے ایک درد پیدا ہوا اور تجھ ہی سے درد مجھے ملا کہ جب تک تیری خداوندی اپنی جگہ پر ہے میرا یہ درد بھی اپنی جگہ رہے گا۔ یعنی تیری خداوندی ہمیشہ رہے گی اور اس مقام سے جنت مراد ہے مگر یہ جنت نہیں کہ الجنة جنتا ن جنة العوام و جنة الخواص و فی جنة العوام حور

و قصور و جنة الخواص ليس فيها حور و قصور (جنت دو ہیں عوام کی جنت اور خواص کی جنت۔ عوام کی جنت میں حور و قصور ہیں اور خواص کی جنت میں نہ حوریں ہیں اور نہ محلات) اور عاشقوں کے لیے بہشت قید خانہ ہے کہ الجنة سجن العاشقين كما ان الدنيا سجن المومنين (جنت عاشقوں کے لیے قید خانہ ہے جس طرح دنیا مومنوں کے لیے قید خانہ ہے) یعنی عاشق خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کیا کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ بہشت میں رہتا ہے لیکن اپنی بہشت میں رہتا ہے اس بہشت میں جس کی خبر شبلی نے دی ہے کہ مافي الجنة سوى الله۔ جنت میں سوائے خدائے تعالیٰ کے نہ حور ہے نہ قصور۔ نہ دودھ ہے نہ شہد۔ عاشق عوام کی بہشت میں نہیں جاتے یہ کہ ہمت عالی فرعون کی بیوی سے کم نہ ہونا چاہئے کہ کیا چاہتی ہے اور کہتی ہے رب ابن لی عندك بيتا في الجنة (۶۶/۱۱) (اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں بنا) اس فی الجنتة سے خواص کی بہشت مراد ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا وادخلی جنتی (۸۹/۳۰)۔ (اور میری جنت میں داخل ہو جا) یہ یاء تقرب ہے یعنی میری جنت کیوں کہ ان للّٰه تعالیٰ جنة، (اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے) جب تم سبحان الذی اسریٰ بعبده (۱/۱۷) (پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو) کے نقطہ میں اپنی عبودیت درست کر لوگے تو اس خطاب سے مخاطب کیے جاؤ گے کہ ارجعی اِلیٰ ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (۸۹/۳۰)، (لوٹ چل اپنے پروردگار کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا) بھائی! سنو ۷۵۳ھ میں ایک روز اپنے پیر حضرت قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ سے میں نے پوچھا ما فعل الله بك (اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا) فرمایا ادخلنی الیٰ جنة القدس الفردوس يخاطبني بذاته ويكاشفني بصفاته (اس نے مجھے جنت القدس الفردوس میں داخل فرمایا۔ وہ خود مجھ سے مخاطب ہوتا ہے اور مجھے اپنی صفات کا مکاشفہ کراتا ہے) کبھی اس کی ذات کا مخاطب رہتا ہوں اور کبھی اس کے صفات کا مکاشفہ کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو بھی یہ مقام عطا فرمائے

گا اور تیرہ سال بعد یہ فقیر اس مقام پر پہنچا۔ الحمد للہ رب العلمین۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی یہ عطا فرمائے گا۔ فی عیشۃ راضیۃ فی جنۃ عالیۃ (۲۱/۶۹) (دل پسند عیش میں جنت عالیہ میں) یہ مقام تھا۔ اور قطوفھا دانیۃ (ان کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے) اس مقام کا رزق ہے اور روزیوں میں فرق کیا گیا ہے۔ واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (۷۱/۱۶) (اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے سلسلہ میں فضیلت دی) یعنی قالب کا رزق عوام کی جنت میں عوام کے لیے ہے اور خواص کی بہشت میں قلب (کا رزق) خواص کے لیے ہے۔ لیکن اے بھائی! روح کا رزق ہر کسی کو نہیں دیتے۔ یہ اخص بہشت میں اخص عاشقوں کو دیا جاتا ہے۔ ومن رزقناہ منا رزقاً حسناً (۷۵/۱۶) (اور وہ جس کو ہم نے بہترین رزق عطا فرمایا) اس مقام سے حضرت رسالت علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ لا یطلع النبیون والمرسلون برویۃ اللہ تعالیٰ فی مقام اولیاء امتی، (نبی اور مرسلین باخبر نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کی رویت کے سلسلہ میں میری امت کے اولیا کے مقام میں) بھائی جتنا قلم چلاتا ہوں نہایت کو قبول نہیں کرتا کیوں کہ عشق کا سلسلہ اور اہل عشق کا غلغلہ ابدالآباد تک ہے۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔ (جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی زیادہ کرتا ہے) اپنا کام کر رہا ہے۔ والذین آمنو اشد حباللہ (۱۶۵/۲) (وہ لوگ جو ایمان لائے وہ اللہ کے سب سے زیادہ دوست دار ہیں) امان (ایمان) ہے اپنے ساتھ بہت سی کسوٹیاں رکھتا ہے۔ مقصود یہ کہ بھائی! کسوٹیاں یہی ہیں کہ دوسرے محبوبات سے جدا ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا کہ حُبِّبَ اِلَی من دنیا کم ثلث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ (تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب کی گئیں ایک خوشبو، دوسرے عورت اور تیسرے نماز کی ٹھنڈک) لیکن خواجہ عالمؐ نے جو کچھ فرمایا بصیغۂ مجہول ''حُبِّبَ'' فرمایا۔ یہی صیغہ مجہول اس پر دلالت کرتا ہے کہ محبت اصلی نہ تھی اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ حبكِ فی قلبی عوام کالعقدۃ علی الحبل (تمہاری محبت میرے دل میں ایسی ہے جیسے پہاڑ پر ریت کا تودہ) اور دوسری جگہ فرمایا اولادنا اکبادنا (ہماری اولاد ہمارے جگر کے ٹکڑے ہیں)

تو معلوم ہوا کہ یہ محبت اصلی نہ تھی بلکہ مصلحتی تھی دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ہر چیز کو اتباع کی نیت سے دوست رکھنا کمال عشق و محبت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس وجہ سے کہ جو کچھ ہے حضرت جل و علا کا فعل و صنعت ہے اور جس سے بھی عشق و محبت کرو گے گویا کہ اس (خدائے تعالیٰ) کے فعل و صنعت سے کرو گے۔ مقام عشق اور عاشق کا کمال یہ ہے کہ ساری محبتیں خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ مجاز کچھ بھی نہیں جیسے کہ جس گھر میں لیلیٰ تھی مجنوں آیا اور اس گھر کا طواف کیا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا۔

امر علیٰ الدیار دیار لیلیٰ　　اقبل ذالدیار و ذالجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیارا
علیٰ ربع العامریة وقفة　　لیملی علیّ الشوق والدمع کاتب
ومن مذهبی حب الدیار لاهلها　　وللناس فیما یعشقون مذاهب

(میں لیلیٰ کے کوچہ کی دیواروں سے ہو کر گزرتا ہوں تو در و دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔ دیار کی محبت نے میرے دل کو وارفتہ نہیں کیا بلکہ صاحب دیار کی محبت نے بیتاب کر دیا۔ بنو عامر کے گھروں پر میں ٹھہرا تا کہ شوق مجھے اِملا کرائے اور آنسو کاتب ہوں اور گھر والے کی محبت میرا مذہب ہے اور لوگوں کے لیے عشق کے متعدد مذہب ہیں)

تو گھر لیلیٰ کے لیے ہے نہ کہ غیر لیلیٰ کے لیے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ولله ملك السمٰوات والارض وما بینهما (۱۸/۵)، (جو کچھ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان میں ہے سب خدائے عزوجل کا ہے) اور جب عاشق معشوق کے فعل و صنعت کو دوست رکھتا ہے تو بھائی یہ دوستی غیر معشوق کی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ وہی فعل و صنع کے ساتھ ساری موجودات و مخلوقات ہے۔ لہٰذا اتباع کی نیت سے دوست رکھنا شرکت نہیں اور حجاب کے ساتھ محبتِ اصلی محبوب سے نہیں ہوتی اچھی طرح غور کرو کہ ہر چیز میں اور ہر چیز کے ساتھ کوئی چیز سوائے اس کے نہیں ہے۔

مردمی باید کہ باشد شہ شناس　　گرچہ بیند شاہ را در صد لباس
دایم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال　　می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

درزیادِروے تست کہ مستم بہ بوئے گل   باگل مراکہ دوستی است ہم بہ بوئے تست
مباش احول مسمیٰ جز یکے نیست   اگرچہ ما ہمہ اسما نہادیم

(مردکو عارف ذات ہونا چاہئے خواہ بادشاہ کوصدہا لباس میں ملبوس دیکھے۔ جہاں بھی ہو جس کسی کے ساتھ ہو اور جس حال میں ہو دل کی جانب نگاہ رکھ۔ اگر پھول کی خوشبو سے مست ہو جاتا ہوں تو تیرے چہرے کی یاد آ کر اور اگر پھول مجھے پسند ہیں تو صرف اس لیے کہ ان سے تیری جیسی خوشبو آتی ہے۔ بھینگا نہ ہو (دو دیکھنے والا) کیوں کہ مسمیٰ سوائے ایک کے کوئی نہیں۔ گو کہ ہم نے مختلف نام رکھ لیے ہیں)

(تشریح) ہر وقت ذات کی جانب متوجہ رہ کر ہر شے میں ذات کا جلوہ دیکھنا چاہئے۔ غیریت کو پاس نہ پھٹکنے دینا چاہئے)

بھائی! منھ دیکھنا اور منھ دکھانا۔ کم اور زیادہ معلوم ہونا اور جاننا اور اس کے غیر کو دیکھنا۔ عوام کا مغالطہ ہے۔ عشق کا کام اور عاشقوں کا بوجھ ہلکا نہیں ہے۔ کسی مکتوب میں بھی لکھوں گا۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی   بصد دفتر نمی گنجد حدیث حال مشتاق

دسواں مکتوب

(عشق کے بیان میں)

اے بھائی! اذ یغشی السدرۃ ما یغشی' (۵۳/۱۶) (جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا) یہ سدرہ درخت ربوبیت ہے کہ اس کا پھل عشق ازلی ہے جو عبودیت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ اس فقیر کے ان کلمات کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس نے عشق نعیم کے مکتب میں وَعلّمناہ من لدنا علماً (۱۸/۶۵) (اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم بخشا) کی شاگردی کی ہو خمخانہ ربوبیت سے نفخت فیہ من روحی (۳۸/۷۲) (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کی شراب پی ہو اور عبودیت کی قبا احدیت کے توشہ خانہ سے پہنی ہو کہ وَحملھا الانسان (۳۳/۷۲) (اور انسان نے اسے اٹھالیا) کیونکہ بھائی! اس عالم میں عبودیت سے بالاتر اور رفیع الشان کچھ نہیں ہے۔ یعنی عبودیت ایک خال ہے جو جمال ربوبیت کے چہرے پر موخر ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے کہ لیس بینی و بینہ فرق الا انی تقدمت بالعبودیۃ، (میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں سوا اس کے کہ میں نے عبودیت کے ساتھ پیش قدمی کی) کتنی اچھی بات ہے تو بھائی! ربوبیت کے چہرے کا جمال بغیر تل کے الفت نہیں رکھتا اور عبودیت کا تل بغیر جمال ربوبیت کے چہرے کے خود وجود نہیں رکھتا و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۵۱/۵۶) (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) دونوں باتوں کی گواہی دیتا ہے۔ عبودیت کی بھی کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں) میں ربوبیت کا بیان کیا

ہے اور فخلقت الخلق (پس میں نے خلق کو پیدا کیا) اتصال عبودیت کی گواہی دیتا ہے۔

بھائی! یہ عاشقی اور عشقبازی ہے۔

بے عاشق و عشق حسن معشوق ہبا است   تا عاشق نیست نازِ معشوق کجا است
در فتویِ عشق اگرچہ ایں قول خطا است   مشاطۂ حسن یار بے صبری ما است

(عاشق اور عشق کے بغیر معشوق کا حسن غبار کے مانند ہے یعنی اس کے حسن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے) جب عاشق ہی نہ ہو تو معشوق کا ناز کہاں ہوگا۔ گوکہ عشق کی شرع میں یہ قول غلط ہے۔ مگر حسن یار کو سنوارنے والی ہماری بے صبری ہے)

(تشریح) اگر عاشق و عشق نہ ہوں تو حسن معشوق کو کون دیکھے اور معشوق کے ناز جو حسن کو سنوارتے ہیں اور دوبالا کرتے ہیں کون اٹھائے۔ جنھیں دیکھ کر عشاق کے دلوں کا صبر و قرار رخصت ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا عذر بھی پیش کیا ہے کہ العبودیة بغیر الربوبیة نقصان و زوال والربوبیة بغیر العبودیة محال (عبودیت بغیر ربوبیت کے نقصان اور زوال ہے اور ربوبیت بغیر عبودیت کے محال ہے) ہوتی ہے والزمهم کلمة التقوی و کانوا احق بها و اهلها (۲۶/۴۸) (اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل تھے) یعنی عاشق و معشوق، معشوق و عاشق لائق و مناسب ٹھہرے ان میں پوری پوری نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

تو بداں کانگہ کہ خورشید از نقاب   آشکارا کرد رخ چوں آفتاب
صد ہزاراں سایہ بر خاک اوفگند   پس نظر بر سایۂ پاک او فگند
سایۂ خورشید برذرہ نثار   گشت چندیں ذرہ ہردم آشکار
صورت مصنوع عالم سر بسر   سایۂ خورشید ہست اے بے خبر
چوں کہ دانستی ازاں رازِ نہفت   سوئے آنحضرت نسب کردی درست

(سمجھو کہ جب خورشید اپنی نقاب ہٹا کر آفتاب کی شکل میں اپنا چہرہ دکھاتا ہے تو اس سے زمین پر لاکھوں سائے پیدا ہوتے ہیں۔ تو تم اس کے پاک سایہ پر نظر رکھو کہ اس کا

سایہ ہر ذرہ پر نثار ہوتا ہے اور ہر لحظہ کتنے ذرے نمودار ہوتے رہتے ہیں پس سارے عالم کی صورت بجز آفتاب کے سایہ کے کچھ نہیں گو تم کو اس کی خبر نہیں۔ مگر جب یہ پوشیدہ راز سمجھ لوگے تو تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ ذات باری تعالیٰ سے تمھاری کیا نسبت ہے)

(تشریح) الم تر الی ربك کیف مد الظل (۲۵/۴۵) (کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کیسے اس نے سایہ کو پھیلایا) جب آفتاب کی کرن کسی ذرہ پر پڑتی ہے تو کرن کی روشنی ذرے میں جذب ہو جانے سے اس کا سایہ نمودار ہوتا ہے یہ آفتاب کی کرن کا ذرہ پر نثار ہو جانا ہے اور ذرہ کی نمود کا باعث یہی کرن کا انجذاب ہے۔ یعنی کرن خود ذرہ میں غائب ہو کر اس ذرہ کو ظہور عطا کرتی ہے لیکن حقیقت میں وہ کرن ہی باعث ظہور ہے۔ ذرہ کچھ نہیں۔ اسی طرح عالم کی ہر شے پر ربوبیت حق طاری و ساری ہے اور وہ شے ربوبیت کو قبول کرنے کی وجہ سے عبودیت کے مقام پر ہے یعنی اس کا ظہور ہی عبودیت ہے انسان میں وہ ذرہ اس کا دل ہے جس میں نور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم ہے۔ اسی لیے مومن کے دل میں اللہ کی سمائی ہے)

جب اس فقیر کی مثنویات کے معانی سے نسب آپ پر تجلی کرے گا اور نسب آنحضرتؐ میں فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کے حکم کے مطابق آپ کو حاصل ہوگا تو جانئے گا کہ عبودیت کو ربوبیت کے ساتھ کیا اشارہ ہے اور ربوبیت کو عبودیت سے کیا بشارت ہے۔ اشارت بشارت کے ساتھ اور بشارت اشارت کے ساتھ عاشق معشوق کے ساتھ اور معشوق عاشق کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ ہمزۂ الم کے غمزہ میں مشاہدہ کیجئے گا۔ اور اس غمزۂ ہمزہ کی جانب اس آیت میں اشارہ کرتا ہوں کہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنة (۹/۱۱۱) (یعنی مومنوں کے نفوس اور اموال اللہ تعالیٰ نے بہشت کے بدلے خرید لیے ہیں)۔ لیکن خود دل کا تعلق حق تعالیٰ و تقدس میں ہے۔ اس کے خریدنے کی ضرورت نہیں کہ بیع ہونے والی چیز نہیں۔ بھائی! چوں کہ ربوبیت کا بدل ممکن نہیں اور عبودیت بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ آپ نے فقہ میں یہ مسئلہ پڑھا ہوگا کہ ہر بیع جس کے مقابل قیمت نہ ہو وہ بیع غبن اور ظلم ہوتا ہے۔ اگر دل آئینۂ الٰہی کے مقابل نہ ہوتا

ماللتراب ورب الارباب (کہاں مٹی اور کہاں رب الارباب) ظلوماً جھولاً (ظالم اور جاہل) نے راستہ گم کر دیا ہے لیکن دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ارادت نے نقطۂ عبودیت کو محبت کے بدلے بیچا۔ جب بیع ہوگئی عبودیت ربوبیت سے واصل ہوگئی۔ جب ربوبیت کا نور عبودیت کے نور کو نوازتا ہے اور قربت دیتا ہے یعنی کبھی معشوق کا نور عاشق کے نور پر غلبہ کرتا ہے تو عاشق کا نور مغلوب ہو جاتا ہے اور کبھی معشوق کا نور عاشق کے ہر نور کو قرب اور وصل عطا کرتا ہے۔

عاشق اسیر خستہ و مظلوم و ناتواں معشوق تند و شوخ و توانا و دل شکار
دل خود شکستہ بود کہ داند چگونہ شد جان و دل اندراں خمِ زلفین تابدار
در آرزو نہ بود محمدؔ دریں نفس روزے کہ بود چہرہ نماید جمال یار

(عاشق اسیر خستہ و مظلوم و ناتواں اور معشوق تند و شوخ و توانا اور دل کا شکار کرنے والا ہوتا ہے۔ عاشق کا دل خود ٹوٹا ہوا تھا اسے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ محبوب کی تابدار زلفوں کے خم میں وہ کیسے گیا اور پھنس گیا اور اس حالت میں اسکے دل میں کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی جمالِ یار نظر آ جائے)

(تشریح) یہ عبودیت اور ربوبیت کی معاملت ہے۔ عبودیت عاشق ہے اور ربوبیت معشوق، معشوق عاشق پر ایسا چھایا کہ اس کی کوئی آرزو باقی نہ رہی اور اس حالت میں رویت کا امکان ہے)

مقصود یہ ہے کہ اے بھائی! حضرت رسالت علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ شب معراج میں میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ سکا کہ اس حضرت کے نور نے غلبہ کیا فرأیت فراشامن الذھب حال بینہ و بینی۔ (میں نے دیکھا سونے کا ایک بستر جو میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گیا) یعنی رویت میں کیا حائل تھا، انسانیت تھی لیکن یہ بات چھپی نہیں ہے کہ الہیت کی شمع کا پروانہ انسان کا دل ہے۔ دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ، (۵۳/۹) (پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف بھیجا سو بھیجا) عاشق معشوق کو

آغوش میں لے لیتا ہے کہ بے ہوش نہ ہو کیوں کہ خرّ موسیٰ صعقا (۷/۱۴۳) (موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) جب حضرت رسالت علیہ السلام فکان قاب قوسین کے قریب پر پہنچے فاوحیٰ اِلیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ، خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا ید قدرت میرے کندھوں پر تھا جب اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں پر رکھا۔ فعرفت مابین السماء والارض (پس میں نے جان لیا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے فاوحیٰ اِلیٰ عبدہٖ، اس پر صاف صاف دلالت کرتی ہے کہ عشقِ الٰہی جان مقدس کو حاصل ہے اور ظاہر بیں اور ڈھونڈنے والے سمجھ نہیں رکھتے۔ اللّٰھم اھدھم (اے اللہ ان کو ہدایت دے) اے بھائی! اس واسطے فاوحیٰ اِلیٰ عبدہ ما اوحیٰ، حبیب اور حبیبوں کی جان کے ساتھ اپنے عشق کی بیان کی تخصیص ہے۔ اور الیٰ عبدہٖ نے کیا نشان دیا ہے۔ بھائی! اگر جان قدسی آنحضرتؐ کے لائق و سزاوار نہ ہوتی تو اس قوم میں چیخ پکار نہ پڑ جاتی۔

درانجمنے نشستہ دیدم دوشش نتوانستم گرفت در آغوشش
صد بوسہ زدم بہ زلفِ عنبر بوئش یعنی کہ حدیث می کنم در گوشش

(کل میں نے اسے محفل میں بیٹھے دیکھا اس کو گود میں بٹھانے کی جرأت نہ کر سکا۔ زلف عنبریں کے سیکڑوں بوسے لے ڈالے یعنی اس کے کان میں باتیں کیں)

(تشریح) عاشق راز کی باتیں اپنے معشوق سے کسی دوسرے کی موجودگی میں نہیں کرتا اور راز اس کے کان میں کہہ دیتا ہے۔ اس پردہ پوشی کا اظہار آیۂ شریفہ لقد رأیٰ من آیاتِ ربہ الکبریٰ (۵۳/۱۸) (انھوں نے اپنے پروردگار کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں) سے ہوتا ہے کیوں کہ رسول کو باری تعالیٰ نے اپنے لیے اپنے پاس بلایا تھا لیکن شہرت یہ دی کہ اپنی نشانیاں دکھانے کو بلایا تھا۔ اور جو بات کان میں کہی وہ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کہہ کر گول کر دی۔ چوں کہ معراج میں رسولؐ نے وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کا بیک نظر معائنہ فرمایا لہٰذا انجمن میں بیٹھے دیکھا)

جب عاشق چاہتا ہے کہ معشوق کو بوسہ دے یا اس سے کوئی راز کہے اگر ذرا بھی کوئی موجود ہوتا ہے تو راہ بھول جاتا ہے۔ یعنی جو بات اس کے کان میں کہی گئی ہے وہ یہ

ہے۔ پس شبِ معراج میں اس کو اپنے لیے لے گیا کہ اسریٰ بعبدہ لیلاً۔ اور غیروں سے پکار کے یہ کہا کہ اس کو اس لیے لایا ہوں کہ ہمارے آسمانِ حقیقت کے عجائب وغرائب اور ہماری زمین کی وسعت دیکھے۔ لقد رأیٰ من آیات ربہ الکبریٰ ۔ الفاظ قرآن کو نہیں سمجھتے ، ربہ الکبری ، بہت بزرگ نشان ہے جو اللہ کے علاوہ ہے وہ صغریٰ ہے اور کبریٰ اور کبریا بھی) اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے کہ سلطان محمود ، ایاز کو دوست رکھتا تھا اس کو اپنے تخت مملکت پر بٹھاتا تھا اور دوسروں کو اس سے کم درجہ پر رکھتا تھا کہ تم اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ میری مملکت کے لائق و فائق ہو۔ بھائی! اس فقیر کے کلمات ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتے کیوں کہ یہ فقیر جان کے علاوہ نہ دل رکھتا ہے اور نہ دین۔ لیکن دل اور جان ایک دین میں رکھتا ہوں کہ خواجہ شبلیؒ نے بھی فرمایا کہ انا فی دین اللہ (میں اللہ کے دین میں ہوں) اور خلق کا گمان ہے کہ اعمالِ آخرت خدائے تعالیٰ کا دین ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کا دین عشق ازلی ہے جو ابدی معشوق کے ساتھ ہے۔

دلم برخاست دینم رفت از دست   کنوں من بیدل و بیدیں نشستم
چو آتش شیشۂ مے پیشم آورد   بہ شیشہ توبۂ سنگیں شکستم
چو یک دردے بہ حلق من فروریخت   من از رد و قبول خلق رستم
زمستی خرقہ بر آتش نہادم   میانِ گبرگان زنار بستم
چو مغز زہد کردن کفر دیدم   بہ صد چستی ز کفر و زہد رستم
چہ پرسی تو محمد را کہ چونی   ہمیں ہستم چناں کز عشق ہستم
چہ گویم چوں نہ فانی ام نہ باقی   چہ گویم چوں نہ ہشیارم نہ مستم

(دل اور دین ہاتھ سے جاتے رہے اب میں بیدل اور بے دین بیٹھا ہوں۔ میرے سامنے آگ جیسا شراب کا شیشہ لایا گیا۔ میں نے اسی شیشہ سے اپنی توبہ توڑ دی اور ایک ذرا سی تلچھٹ حلق سے اترتے ہی میں خلق کے رد و قبول سے بے نیاز ہو گیا۔ اس مستی میں میں نے اپنا خرقہ جلا ڈالا اور کافروں میں شامل ہو کر زنار باندھ لی۔ جب مجھے زہد کی حقیقت کفر میں نظر آئی تو میں نے نہایت تیزی سے زہد اور کفر سے اپنے آپ کو آزاد

کرلیا۔ اب میرا (محمدؐ کا) حال کیا پوچھتے ہو۔ میں ویسا ہی ہوں جیسا عشق نے بنادیا میں کیا بتاؤں کیونکہ نہ فانی ہوں نہ باقی نہ ہشیار نہ مست)

(تشریح) ذاتِ باری تعالیٰ کو اپنے آپ سے عشق ہے یعنی عشق ہی نورِ الٰہی ہے اور اسی نور سے نورِ محمدیؐ کی تخلیق ہے اور نورِ محمدیؐ سے روح کلی کی تخلیق ہے اور روح کلی سے ارواح کا ظہور ہوتا ہے۔ روح کلی تمام عالموں پر جاری وساری ہے۔ ہر فرد کی روح، روح مقیم کہلاتی ہے۔ جو فرد اپنی روح کا مشاہدہ کرتا ہے وہ روح مقیم کا مشاہدہ ہوتا ہے اس کے بعد روح کلی کے مشاہدے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ روح کلی کا مشاہدہ کر لیتا ہے تب نورِ محمدیؐ کے مشاہدہ کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور جسے نورِ محمدیؐ کا مشاہدہ ہو جائے اس کی روح مقیم روح قدسی کہلاتی ہے۔ اس روح قدسی پر نورِ الٰہی عاشق ہے اور عشق ذات باری کا دین ہے۔ دین اسلام کو علمائے ظاہر نے آخرت کے لیے اعمال کرنے پر منحصر (مختص) کر رکھا ہے۔ یہ انحصار (اختصاص) کفر ہے گویا زہد کا مغز کفر ہے۔ جس نے نورِ محمدیؐ کا مشاہدہ کیا اور نورِ الٰہی کا معشوق بنا وہ نہ فانی ہے نہ باقی۔ نہ ہشیار نہ مست۔ کیوں کہ وہ صفات سے گزر کر ذات تک پہنچا اور اس کا تعین علم ذات میں باقی رہا اور تشخص فنا ہو گیا۔ کیونکہ وہ بشریت سے گزر کر عشق میں مدغم ہو گیا)

بھائی! عشق سلطان ہے جہاں چاہتا ہے نزول فرماتا ہے عشق لایزالی نے جان قدسی سے عقد سرّی باندھ رکھا ہے کہ سوائے عشق کے کسی کو خبر نہیں۔ کیونکہ عشق ایک ایسا مقام ہے کہ عاشق و معشوق دونوں کو اس کی خبر نہیں اور عشق معشوق سے ہے نہ کہ عاشق سے۔ پس عشق الٰہی جان قدسی سے ہے اور جان قدسی کا عشق نورِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ اچھی طرح غور وفکر کرو کہ کیا لکھتا ہوں۔ بھائی جب وہ مجھے اپنی قربت عطا فرماتا ہے تو اس کے نور میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ رأی قلبی ربی (میرے قلب نے میرے رب کو دیکھا (اور حضرت سرور اولیا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس طرح اس حال سے خبر دی ہے کہ مانظرت فی شیء الا ورأیت اللہ فیہ (میں نے نہیں دیکھا کسی چیز میں مگر اس میں اللہ کو دیکھا) ان معنوں کی گواہی کلام مجید دیتا ہے کہ الم تر الی ربك کیف مدالظل

(۲۵/۴۵) (کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسا پھیلایا) اور جب حضرت صمدیت جل وعلا اپنے کو ہمارے آئینۂ دل میں دیکھتا ہے تو یہ عبارت ہوتی ہے الم یعلم بان اللہ یری (۹۶/۱۴) (کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا دیکھ رہا ہے) اے بھائی! اگر چہ یہ کلمات آپ کی جان کے لائق نہ تھے لیکن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بینا کرے کہ میرے یہ کلمات دونوں جہانوں میں نہیں سماتے کیوں کہ دونوں جہاں مختصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

کرد شاگردے سوال از اوستاد　　کز بہشت آدمؑ چرا بیروں فتاد
گفت آدمؑ بود بس عالی گہر　　چوں بہ فردوسے فرود آورد سر
ہر کہ جز جاناں بہ چیزے زندہ شد　　گر ہمہ آدمؑ بود افگندہ شد

(ایک شاگرد نے استاد سے سوال کیا کہ آدمؑ بہشت سے باہر کیوں نکالے گئے استاد نے کہا کہ آدمؑ بلند ہمت تھے۔ جب جنت میں آئے تو جنت کے تنعمات میں گرفتار ہوئے۔ جانتے تھے کہ جس کی زندگی نورِ الٰہی کے سوا کسی اور چیز کی رہین منت ہوئی وہ انتہائی حقیر ہے اور اسے لامحالہ اپنی علویت سے قعر ذلت میں گرنا پڑے گا اور یہی آدمؑ کے ساتھ ہوا۔ لہٰذا جنت سے باہر آ کر سلوک کر کے نورِ محمدیؐ کا مشاہدہ حاصل کیا جو ان کی پیشانی میں امانت تھا)

جس کی عالی ہمتی کل کے لیے ہو وہ جزو پر قناعت کرے تو اس کو وعصیٰ آدم ربہ فغوی (۲۰/۱۲۱) (اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو وہ گمراہ ہو گئے) سے شہرت دیتے ہیں۔ پس میرے یہ کلمات کل ہیں جزویات میں کیسے سمائیں۔ لیکن بہشت میں تمہارا قلب نہیں سماتا کیوں کہ بے انتہا وسیع ہے۔ لا یسعنی سمائی ولا ارضی ولکن لیسعنی قلب عبدی المومن، (میری سمائی نہ آسمان میں ہے اور نہ زمین میں لیکن میرے مومن بندہ کے قلب میں ہے) بھائی! آفتاب کی قدر آفتاب ہی جانتا ہے۔ انما یعرف الفضل (وہی فضیلت جانتا ہے) سلطان کا سامان سوائے سلطان کے گھوڑوں کے کوئی نہیں اٹھاتا۔ جیسے اگر آفتاب کے کمال میں کوئی دوسری چیز آفتابی

دکھائے تو آفتاب آفتاب ہی رہے گا اور وہ جس کو میرے ان کلمات سے ذوق پیدا ہو وہ اذا تم الفقر فھو اللہ (فقر جب مکمل ہو گیا تو وہی اللہ ہے) کے مقام پر پہنچے گا۔ ایک دن قطب عالم قدس سرہٗ نے اس فقیر سے فرمایا کہ لاشیٔ ابلغ من العشق (عشق سے زائد کچھ بلیغ نہیں) بھائی! آفتاب کو چراغ کے ذریعہ نہیں پہچانا جا سکتا۔ آفتاب کو اسی سے پہچاننا چاہئے جیسا فقیر کا قول ہے کہ لا یعرف الحق الا الحق، (حق کو حق ہی پہچانتا ہے) چنانچہ سرور اولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا عرفت ربی بربی (میں نے اپنے رب کو اپنے رب سے پہچانا) لیکن میں کہتا ہوں کہ مبتدی کے لیے خدائے تعالیٰ کی معرفت کی دلیل عشق ہے۔ جو کوئی عشق کی راہ پر نہ ہو وہ ہمارے راستہ پر چلنے والا نہیں۔ عاشق معشوق کے ساتھ عشق تک پہنچ سکے گا اور معشوق کو اپنے عشق کی قدر کے مطابق دیکھے گا۔ عاشق کا عشق جتنے کمال پر ہوگا معشوق کا جمال حسن زیادہ تر ہوگا۔ اسی وجہ سے (عشق) چھپ کر آتا ہے اور چھپ کر چلا جاتا ہے اور عاشق و معشوق کو خبر نہیں ہوتی۔ اب سنو کہ عشق الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم حضرت رسالت علیہ السلام کو دی گئی اور دوسری قسم ابلیس کو دی گئی اور حضرت رسالت علیہ السلام نے اپنی قسم مومنوں پر تقسیم کردی۔ جمال کا شور و غوغا ان میں پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا جمال بے مثال ان کو عطا فرمایا۔ اور ابلیس نے اپنی قسم ملحدوں پر تقسیم کی جسے مغاں و جہود و ترسا نے پایا۔ اس جگہ ایک راز تھا جسے میں نے چھوڑ دیا۔ اگر لکھ دیتا تو کونین زیر و زبر ہو جاتے۔ مقصود یہ کہ عشق الٰہی منقسم ہو گیا لیکن عشق عبودیت کو اس نے پوری طرح محفوظ رکھا کہ واللہ علی کل شیءٍ قدیر (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) سمجھا جو سمجھا جانو گے اور پاؤ گے بس میری زندگی چاہو۔ عشق الٰہی جو منقسم ہوا اس میں سے کچھ بیان کرتا ہوں۔ عشق جمال نے جمالیوں میں شور برپا کردیا اور عشق جلال ان کو گداز میں لے آیا۔ اذا رأیتم الجمال طابوا و اذا رأیتم الجلال ذابوا۔ یعنی جمال دیکھنے والے خوشیاں مناتے ہیں اور جلال دیکھنے والے سوز و گداز میں رہتے ہیں لیکن یہ دو مقام دو قسموں میں بیان ہوئے ہیں اوسط ہمتوں کے لیے مذہب و دین و ملت عشق ہوتا ہے۔ نہ جلال نہ جمال۔ یعنی جو اس کا عاشق ہوتا ہے یا معشوق اس کا سوائے لقا کے کوئی مذہب و ملت نہیں ہوتا۔ وہ کافر حقیقی ہوتا ہے کہ یہی ایمان حقیقی ہے۔

آں کس کہ نہ عاشق شریعت باشد   کافر باشد کہ دریں طبیعت باشد
آں کس کہ شریعت و حقیقت دارد   شاہد بازے دریں طریقت باشد

(جو شریعت کا عاشق نہ ہو وہ کافر ہے، کیوں کہ اپنی طبیعت میں پھنسا ہوا ہے اور وہ جو شریعت و حقیقت رکھتا ہے، شاہد باز ہے اور اس کا دین طریقت ہے)

(تشریح) شریعت کا عاشق ہونا بالطبع شریعت کی پابندی کرنا ہے جس کی طبیعت شریعت کے خلاف ہے وہ کافر ہے اور جس کی طبیعت شریعت کے موافق ہے وہ حقیقت کو دیکھ کر شاہد بازی کرتا ہے اور اس کا دین طریقت ہوتا ہے کیوں کہ طریقت میں ہر عمل کے لیے خلوص شرط ہے) اللہ تعالیٰ کے راستے آسمانوں میں نہیں ہیں بلکہ عرش و بہشت میں بھی نہیں ہیں لیکن تجھ میں ہے وفی انفسکم افلا تبصرون (۵۱/۲۱) (وہ تمہارے نفوس میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے)۔

تو نہ کردی ہیچ گم چیزے مجوئے   واں کہ جوئی نیست آں چیزے مگوئے
آں کہ گوئی وانچہ جوئی ہم توئی   خویش را بشناس صد چنداں توئی

(تو نے کوئی چیز کھوئی نہیں لہٰذا کچھ نہ ڈھونڈھ اور تو جو کچھ ڈھونڈتا ہے وہ نیست یا حادث ہے اسے چیز نہ کہہ جو کہتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ تو خود ہے۔ اپنے آپ کو پہچان تو تو ہی مخزن ہے)

(تشریح) روح مقیم کے مشاہدہ سے سلوک شروع کر کے نورِ محمدی کا مشاہدہ کر۔

وفی انفسکم افلا تبصرون۔

یعنی بھائی! جو کچھ عرش و فرش میں ہے سب تم سے پیدا ہوا ہے کیوں کہ ظاہر و باطن کا نسخہ تم ہی ہو جب تم حقیقت کے دیکھنے والے ہو گے تب جانو گے کہ تم کیسا کارخانہ اور کیسا نگارخانہ ہو۔

گنجیست دریں خانہ کہ در کون نہ گنجد   ایں خانہ وایں خواجہ ہمیں فعل شہان است
فی الجملہ ہر آں کس کہ دریں خانہ رہے یافت   سلطانِ زمین است و سلیمان زمان است

(اس گھر میں وہ خزانہ ہے جو کون و مکان میں نہیں سماتا۔ یہ گھر اور اس کا مالک

بادشاہوں کا بنایا ہوا ہے۔ جس کسی کو اس گھر کی راہ ملی وہ زمین کا سلطان اور زمانہ کا سلیمان ہے)

(تشریح) تو اور تیرا قلب یہ قدرت کے بنائے ہوئے ہیں تیرے قلب میں ذات باری تعالیٰ کی سمائی ہے)

بھائی! دنیا اور عقبیٰ تمثل کے مقامات ہیں اور تمثل کے عالم پر مطلع ہونا معمولی کام نہیں جب تک حضرت ابو بکرؓ جیسی موت نصیب نہ ہو کہ زندہ تھے اور کہا گیا من اراد ان ینظر الی میت یمشی علیٰ وجه الارض فلینظر الیٰ ابی بکر ابن ابی قحافه (جو کسی مردہ کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے تو وہ ابوبکر بن ابی قحافہ کو دیکھے) اس موت کا بیان موتِ حقیقی نہیں ہے بلکہ اس موت سے مراد فنا ہے اور ہمارے نزدیک جب بغیر معشوق کے رہو گے مردہ رہو گے اور وہی قبر ہے۔ حضرت رسالت علیہ السلام ہر وقت فرماتے رہتے تھے اعوذ بك من عذاب القبر (میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے)

عالم بشریت تمہاری قبر ہے کہ خواجہ علیہ السلام عالم بشریت سے پناہ چاہتے تھے اور خلائق دوسری جگہ ہیں۔ بیچارے، ہمارے حضرت الوہیت سے نامحرم ہیں۔ کیا کریں ان کو راستہ نہیں دیا جاتا۔

گوہر وصلت ازاں در پردہ ماند
در جہاں شائستۂ آں کس نہ دید

(وصل کے لعل اس لیے ظاہر نہ ہوئے کہ جہان میں کوئی اس کے لائق نہیں پایا گیا)

(تشریح) وصل بغیر بشریت سے ابا کیے حاصل نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں سب بشریت میں مبتلا ہیں جب کہ وصل کے لیے موتوا قبل ان تموتوا (مرو قبل اس کے کہ تم مارے جاؤ) لازمی ہے۔

بھائی! برسوں یہ کتابخانۂ باطن یہ فقیر جس نے وعلمناه من لدنا علماً (۱۸/۳۵) (اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا) کے مکتب خانہ میں تعلیم پائی تھی اس وقت تک خاموش رہا کہ میرے عشق کے نور سے آپ کی جان سے عقد سرّی نہ تھا۔ الحمد للّٰہ علی ذلك۔ اگر آپ کی ذات عالی صفات نہ ہوتی میرا کتابخانہ جہان سے ضرور چلا

جاتا نہ کسی کو پاتا نہ کہتا اور جب برسوں باطن سے حریف کے نہ ملنے پر جس سے راز کہا جا سکے گرم وسرد آہیں نکلتی رہیں اور کسی کو نہ پایا تو ڈرتا تھا کہ آسمان سے آگ نہ برسنے لگے۔

محمدؐ آہِ گرمت بر فلک رفت عجب کز آسماں آتش نہ بارد

(میری آہِ گرم فلک پر پہنچی۔ آسمان سے آگ نہ برسنے پر تعجب ہوگا)

(تشریح) چوں کہ آہِ گرم دل سے نکلی تھی لہٰذا آسمان سے آگ برسنا چاہئے۔ عاشق کی آہ بے اثر نہیں ہوتی)

آپ کو جو بحرالمعانی کی کتابت کر رہے ہیں چاہئے کہ جو کچھ مکتوب میں مندرج ہے اسی طرح پورا پورا لکھیں کوئی چیز نہ چھوڑیں تاریخیں بھی لکھیں اور ہر مکتوب کو علیحدہ لکھیں۔ فقط

گیارہواں مکتوب

(انسان کے اسرار کے بارے میں)

ہرآں نقشے کہ بر صحرا نہادیم		تو زیبا بیں کہ ما زیبا نہادیم
سرِ موئے ز زلف خود نمودیم		جہاں را در پس صحرا نہادیم

اس میدان میں جہاں کوئی نقش نہ تھا اس میں جو نقش بھی ہم نے بنایا وہ اس کی آرائش کے لیے بنایا لہٰذا تو اسے آرائش ہی سمجھ۔ ہم نے اس طرح اپنی زلف کے بالوں کی نوکیں دکھا کر جہان کو شورش میں مبتلا کیا ہے)

(تشریح) یعنی ساری خلق ہماری زلف سے پیدا ہوئی اور زلف کے ہر بال کی نوک یعنی نقطہ نے ایسا دلکش وزیبا نقش بنایا کہ عالم میں عشق کا شور برپا ہوا)

اللہ تعالیٰ سے حکایت ہے کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا) یعنی حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ غیب الغیب میں پردہ نشین تھا اس نے اپنے جمال کے سامنے سے جلال کا پردہ نہ اٹھایا تھا۔ پہلا نور محبت کہ وہ نورِ احمد ہے اس کے اپنے نور احدیت سے ظاہر ہوا۔ چنانچہ حضرت رسالت علیہ السلام نے صاف صاف عبارت میں فصاحت کے ساتھ اپنی مخصوص خلقت، عام وخاص پر ظاہر فرمائی کہ انا من نور اللہ والمؤمنون من نوری (میں (خود) اللہ کے نور سے ہوں اور (تمام) مومنین میرے نور سے ہیں) اور دوسرے حضرت قدیم میں تقدیم کے مقام میں اپنے مبدأ اور منشاء کا بیان فرمایا کہ اول ما خلق اللہ تعالیٰ نوری (سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) بھائی! میں

نے خلقت کو عربی زبان میں تین انواع پر پایا ہے۔ ایک پیدا کرنے کے معنی میں جیسا کہ فرمایا خلق لکم ما فی السمٰوات و الارض (اس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) اور دوسرے تقدیر کے معنی میں جیسا کہ فرمایا و اللہ علیٰ کل شیء قدیر (۶/۵۹) (اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور تیسرے ظہور کے معنی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حکایت کی ان اللہ خلق آدم و ذریتہ علیٰ صورۃ (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی اولاد کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اس دلیل سے مراد میرا ظہور و وجود ہے۔ چوں کہ نور احد سے نور احمدؐ نے خلقت پائی لیکن شیخ محی الدین صاحب فصوص اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ نور احمدؐ نے عدم سے خلقت پائی ہے واللہ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو جو کہنے کی بات ہے ان سے کہی جاتی کہ نورِ احمد کو عدم سے کیا نسبت اور مومنوں کے نور کو بھی عدم سے کیا تعلق کہ حضرت خواجہ علیہ السلام نے فرمایا انا من نور اللہ و المئومنون من نوری (میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں۔ پس حضرت عزت جل وعلا کے نور کو تم عدم میں نہ لے جانا چاہئے کیوں کہ اس کا نور محض وجود ہے پس وجود قدیم کو عدم سے نسبت نہ دینا چاہئے۔ احمدؐ کے نور کو اور میرے اور تمہارے نور کو عدم سے تعلق نہیں ہے اور ہر شخص کا نور جو میرے کلمات کا ادراک کرے گا بجز اہل عدم کے جو عدم سے وجود میں آئے ہیں میرے کلمات ان کی سمجھ کے نصیب میں نہیں ہیں۔ افسوس ہے ان محروموں اور مجوبوں پہ۔

خوئے باما کن و با بے خبراں خوئے مکن　　دم بر مادہ خرے ہمچو خراں بوئے مکن
اول و آخر تو عاشق ما خواہی بود　　چوں زنِ فاحشہ ہر لحظہ دگر شوئے مکن

(ہمارے ایسے بصیرت والوں کا طریقہ اختیار کرو۔ جو بے خبر ہیں ان کی عادتیں نہ اختیار کرو۔ (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے گدھا گدھی کی دُم کے پیچھے لگا رہے (یہ بڑی معیوب بات ہے) تیرا اول و آخر ہمارا عاشق ہوگا۔ فاحشہ عورت کی طرح ہر گھڑی دوسرا شوہر نہ کر ہرجائی پن نہ کر، بھائی! لفظ کے گرد نہ پھر و معنی حاصل کرو۔ معنی ہی مراد ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ اور ذات مراد ہے نہ کہ لباس۔

ہر آں لفظے کہ پوشیدہ است معنی   زلوحِ عارض خوباں است مفہوم

(ہر حرف جو معنی کو چھپائے ہوئے ہے وہ معنی معشوق کے رخسار کی لوح سے تفہیم کیے جاتے ہیں)

(شرح) ہر نقش یا حرف کی ظاہری شکل میں الجھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ اس سے وہ معنی اخذ کرو جو معشوق کے رخسار سے اخذ ہوتے ہیں۔ یعنی ہر نقش کی حقیقت کو سمجھو)

بھائی! ۹ر جمادی الاول ۷۵۸ھ میں خضر علیہ السلام کے ساتھ دریائے ذات میں کشتی میں ہم سفر تھا اور خضر علیہ السلام سے نور کی بابت گفتگو ہو رہی تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ:

خلق اللہ تعالیٰ نور محمدؐ من نورہٖ وصورہٖ وصدرہٖ علیٰ یدہٖ و یبقی ذلك النور بین یداللہ مائة الف عام و کان ملاحظه فی کل یوم و لیلة سبعین الف لحظة و نظرة و یکسوه فی نظره نوراً جدیداً و کرامة جدیدة ثم خلق منها الموجودات کلها۔

(یعنی اللہ تعالیٰ نے نور محمدؐ کو اپنے نور سے ظاہر کیا اور اس کے بعد اس نور کو ایک لاکھ سال تک اپنے ید قدرت میں رکھا۔ ہر شب و روز کہ دنیا کے ہزار سال ہوتے ہیں اس نور کو دیکھتا رہا۔ ہر نظر نوری سے ایک جدید کرامت اس نور پر چھاتی رہی بلکہ روزانہ اس نور میں ستر ہزار نظریں ڈالیں اور اُس نور کو ہر نظر سے ستر ہزار دوسرے نور ملے۔ اس کے بعد احمدؐ کے نور سے جملہ مخلوقات اور موجودات کو وجود میں لایا یعنی ظاہر کیا) جب اس نے چاہا کہ وہ باطن کا نور ظاہر کی تجلی سے متجلی ہو جائے تو نور احدی سے نور احمدیؐ کو ظہور کی نداء ہوئی کہ لولاك لما اظهرت ربوبية (اگر تم نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) علمائے نادان اور متکلمان کہتے ہیں کہ حضرت صمدیت جلت قدرت کو نور نہ کہنا چاہئے کیونکہ النورة عبارة عمالا یبقی زمانین (نور کا مطلب یہ ہے کہ جو دو زمانوں میں زمانہ باقی نہ رہے) بھائی! ان معنوں میں نور نئی عبارت ہوتا ہے لیکن یہ بات سچ ہے۔ مگر جو کہتا ہے کہ اس کا نور (یعنی نورِ احدی اور نورِ احمدیؐ) یہی نور ہے اور اسی صفت پر ہے اور ہرگز اس کا نور اس صفت پر نہیں ہوتا آپ کو معلوم ہو کہ حضرت عزت جل وعلا کے اسماء میں ایک اسم نور

ہے اور یہ نور سارے نوروں کو منور کرنے والا ہے اور سارے نور متنوع ہیں۔ جیسے چاند کا نور، سیارے کا نور، آگ کا نور اور جواہرات کا نور وغیرہ۔ ان آنکھوں کا ہلکا پن جو نور آفتاب سے محروم ہیں اور اس نور پر قانع ہیں ان کے سامنے اگر نور آفتاب کا بیان اور شرح کی جائے تو ان کی آنکھوں کا ہلکا پن ہرگز قبول نہ کرے گا۔ اور منکر ہوگا۔ سمجھا جو سمجھا۔ لیکن اماموں کے رئیس شیخ محمد غزالی نے پوری بات کہہ دی کہ النور عبارة عماً تظهر به الاشياء (نور سے مطلب یہ ہے کہ اس سے اشیاء ظاہر ہوں) یعنی پوری شرح کردی۔ یعنی نور وہ ہے جس کو صرف نور ہی سے دیکھ سکتے ہیں اور کسی ذریعہ سے نہیں۔ عظمت نور نے ظاہر کردی اور نور کے یہی معنی ہیں۔ نور حقیقی کا اطلاق سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی پر نہیں ہوتا اور دوسرے نوروں پر اسکا مجازی اطلاق ہوتا ہے۔ نادان گروہ کہتا ہے کہ موجودات ومخلوقات عدم سے موجود ہوئے ہیں۔ یہ معنی ہرگز درست نہیں کیوں کہ معدوم کو ہم نے پہچان لیا ہے۔ معدوم اس چیز کو کہتے ہیں کہ ممکن الوجود نہ ہو اور ممکن الوجود کو معدوم نہ کہنا چاہئے۔ جو کچھ ممکن الوجود تھا خلقت کے تحت آ گیا تو پھر کیا رہ گیا جیسے تمام ذرات جو نور آفتاب کی شعاع سے ظاہر اور دکھائی دیتے ہیں کیا کہو گے کہ رات کے اندھیرے میں لاممکن الوجود ہے یہ کہنا ہرگز روا نہ ہوگا یعنی ان کے وجود موجود نہیں ہیں لیکن رات کے اندھیرے میں ظاہر اور دکھائی نہیں دیتے۔ اس کے بعد جب آفتاب اپنے نور کے ساتھ ظہور کرتا ہے تو سارے ذرّے جو اندھیرے میں تھے جوش وخروش کرتے ہیں پس عدم کچھ نہیں ہے اس جگہ اچھی طرح سوچو اور ان دو اشعار میں بھی غور کرو۔

گم شدم در خود نمی دانم کجا پیدا شدم شبنمی بودم ز دریا غرقۂ دریا شدم

سایۂ بودم ز اول برز میں افتادہ خوار راست کاں خورشید پیدا گشت ناپیدا شدم

(میں اپنے آپ میں گم ہوگیا۔ نہ معلوم کہاں پیدا ہوا گویا دریا سے حاصل کی ہوئی شبنم کا قطرہ تھا جو دریا ہی میں غرق ہوگیا۔ میں ایسا سایہ تھا جو شروع سے زمین پر پڑا ہوا تھا جب آفتاب پیدا ہوا تو میں غائب ہوگیا)

(شرح) یعنی میری ذات خفا و ظہور کی جامع ہے۔ حالتِ خفا میں اس کا ظہور گم ہو جاتا ہے)

افسوس پرانے اسرار جاننے والوں اور اسرار بیان کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے کہ ان سے بھی کہتا۔ مجھے معذور رکھو۔

نوبتِ کہنہ فروشاں در گذشت　　نو فروشانیم و ایں بازارِ ماست
نوبہارِ کو جہاں را نو کند　　جانِ گلزار است اما زانِ ماست
عقل اگر سلطان دیں اقلیم شد　　ہمچو دزد آویختہ بر دارِ ماست

(پرانے بیچنے والوں کا زمانہ گزر گیا ہم نئے بیچنے والے ہیں یہ بازار ہمارا ہے۔ ہماری مثال تازہ بہار کی ہے جو جانِ گلزار ہے اور سارے جہان کو تازگی عطا کرتی ہے۔ ہم سے پہلے اس ملک پر عقل کی سلطنت تھی مگر ہم نے اس کو چور کی مانند پھانسی پر لٹکا دیا)

(شرح) جن لوگوں نے حقیقت کو سمجھنے کے لیے عقل استعمال کی اور دلائل کو ثبوت جانا ان کا زمانہ ختم ہوا۔ رسول اکرمؐ کی بعثت سے ہمارا زمانہ شروع ہوا۔ ہم حقیقت کو علم لدنی اور مشاہدے سے سمجھتے ہیں اور اب اس باغ کی بہار ہم سے ہے)

بھائی! بیچاری عقل کہاں اور اہل عقل میں یہ دَم کہاں کہ اس فقیر کے سامنے دَم ماریں۔

بہ عقل ایں راہ کم رَو کاندریں راہ　　جہانِ عقل چوں خر در خلاب است
دگر پرسی ز سِر ایں سوالے　　چہ گویم من کہ خاموشی صواب است

(اس راہ پر عقل کی مدد سے نہ چلو کیوں کہ عقل کی مثال کیچڑ میں پھنسے گدھے کی ہے۔ اگر اس سوال کا راز پوچھتے ہو تو میں کیا بتاؤں کہ خاموشی بہتر ہے)

(تشریح) حقیقت عقل سے بالاتر ہے۔ اللہ کو اللہ ہی پہچانتا ہے۔ عقل کے چکر میں وقت برباد نہ کرو)

بھائی! بانوے (۹۲) سال سے خاموش تھا قدرت کے توشہ خانہ سے قرآن کے معانی کی قبا دراز قامت مرد کے لیے سوئی سے سیتا رہا۔ سوائے آپ کی قامت کے کوئی قامت اس قبا کے لائق نہ ملی۔ تو ضروری ہوا کہ وہ قبائے زیبا آپ کے قد رعنا پر چست اور

درست آئے۔ کیا خوب آپ کی دولتِ ابدی اور سعادت سرمدی ہے للّٰلھم عمرہ و کبرہ۔

پیکِ دلِ عاشقاں رفتہ بسر چوں قلم مژدۂ ہمچوں شکر در دلِ کاغذ رسید
طبلِ قیامت زدند صورِ حشر می دمید وقت شد اے مُردگان نورِ محمدؐ رسید

(عاشقوں کے دلوں کا قاصد قلم کی طرح چل پڑا۔ (جب) یہ شیریں خوشخبری کاغذ کے دل پر لکھی گئی (پہنچی) قیامت کا طبل (ڈنکا بجایا گیا اور حشر کا صور پھونک دیا گیا۔ اے مُردو! وہ وقت آ گیا کہ نورِ محمدؐ پہنچا)

سارے موجودات خلقت قدیم سے ظلمت میں وجود رکھتے تھے۔ جب حضرت صمدیت جل جلالہٗ کا نور ازل کے مشرق سے طلوع ہوا تو آسمان و زمین کے موجودات کا وجود ظاہر ہو گیا۔ بھائی! اس جگہ علمائے ظاہر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ یہ معنی قدم پر دلالت کرتے ہیں اور یہ روا نہیں کیوں کہ موجودات حادث ہیں۔ ان کے جواب میں اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ روزِ ازل سے حادث ہیں لیکن روزِ ازل سے پہلے سارے موجودات موجود تھے۔ جیسا خواجہ علیہ السلام نے فرمایا حاکیا عن اللہ تعالیٰ موجوداتی قبل الازل موجود بالوجود و بعد الازل اظھرت بالحدوث، (حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے۔ میرے موجودات ازل سے قبل وجود کے ساتھ موجود تھے اور ازل کے بعد وہ حدوث کے ساتھ ظاہر ہوئے۔

پیش ازاں روز کہ یادِ مے و میخانہ نہ بود جانِ ما سوئے خرابات ہمی کرد سجود

(اس سے پہلے جب مے و میخانہ کا ذکر بھی نہ تھا میری جان خرابات کی جانب سر بسجود تھی)

(تشریح) موجودات ازل سے پہلے ذات میں بالوجود موجود تھے اور ازل کے بعد وہ حدوث کے ساتھ ظاہر ہوئے اور ذات ان موجودات کے تقاضوں سے واقف تھی۔ گویا یہ تقاضے موجودات کی دعائیں تھیں جو وہ سر بسجود ہو کر مانگتے تھے)

یعنی ہماری جان ازل سے پہلے سجود میں تھی۔ اللہ تعالیٰ اس شعر کا جمال آپ پر تجلی کرے۔ بھائی! اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور نہ ہوتا تو ذرات کائنات کا وجود

ظاہر نہ ہوتا اور حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے بیان کیا ہے اور کسی کو ادراک نہیں ہے واذاخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم (۱۷۲/۷) (اور جب تمہارے رب نے بنی آدمؑ سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی) اور حضرت رسالت علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق (اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا) نعتِ ظلمت سے موصوف تھا۔ اس کو نور الٰہیت سے نزدیک کیا گیا (یعنی قربت عطا کی گئی) کہ ان کا وجود نور ہو جائے اور وہ ظہور میں آئیں۔ نور کے بیان کی بحر المعانی میں گنجائش نہیں ہے اور جتنی تھی اتنا ہی لکھا جاتا ہے۔ باللہ العظیم اگر نور کا پورا بیان لکھا جاتا تو جہان اور جہان کا معاملہ زیر وزبر ہو جاتا لیکن انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی بحر المعانی کے علاوہ آپ کو لکھوں گا۔

بھائی! اللہ نور السموات والارض، (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) یعنی اہل آسمان و زمین اس کا نور ہیں اور اللہ موجودات کا مصدر ہے یعنی اس کی ذات جملہ موجودات کے مادے کی مصدر ہے۔ یعنی اللہ اور اس کا نور انوار کا مصدر ہے۔ الله نور السموات والارض، اللہ اس کی ذات کا وجود تھا کہ عزت کا جوہر ہوتا ہے اور نور ذات الٰہی کی صفت ہے عرض ہوتی ہے لیکن آپ کو جاننا ہوگا کہ جوہر وہ ہوتا ہے کہ اس کا قیام بغیر عرض کے نہیں ہوتا۔ جوہر اصل وجود سے عبارت ہوتا ہے (جوہر سے مراد اصل وجود ہے) عرض قائم گوہر کے معنی رکھتا ہے، لیکن میں قیوم کے معنی عرض جوہر حقیقی کہتا ہوں شاید کوئی تقسیم چاہے لیکن آپ سمجھ جائیں گے خدائے تعالیٰ موجود ہے پس جوہر ہوا اور جوہر بے عرض ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ راز جو میں نے لکھا ہے اسے تھوڑا نہ جانیے کہ ان جوہروں اور عرضوں کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں لیکن سرورِ اولیاء حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے قول میں اچھی طرح غور کیجئے کہ سب کھول دیا ہے۔ کہ لفظ الله عبارة من بيان وجوده و نور السموات والارض عبارة عن نور وجود لوازمه، (لفظ اللہ سے مراد اس کے وجود کا بیان ہے اور نور السمٰوات والارض سے مطلب اس کے نور وجود کے لوازم ہیں) اس بات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جوہر ہے اور اس کا نور عرض۔ پس اس السموات والارض کو میں نے اپنے پر چسپاں کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بحر المعانی سے الگ صاف صاف لکھوں گا۔ جوہر عرض کے درخت کا پھل

دو نور ہوئے۔ ایک نور سمٰوات، دوسرا نور ارض، نہ یہ آسمان، نہ یہ ارض۔ اہل ظواہر نے بغیر جواہر کے سمجھا ہے اور اللہ نور السمٰوات والارض (۲٤/۳۵) سے یہ آسمان و زمین مراد لیے ہیں۔ ازلی اور ابدی محروموں پر افسوس ہے۔ پس اے بھائی! یہ دو نور آسمان و زمین جنھیں میں نے بیان کیا ذات کی حقیقت اور ایک ذات کا نور ہے اور وہ احمدؐ ہے اور دوسرا نور ولایت ہے کہ وہ علیؑ ہے۔

آں گوہر اصل را عرض خود دل ماست واں دل کہ بروں ز کون و مکاں منزل ماست
ایں طرفہ تر است کیں سخن مشکل ماست پیش از کن فکاں چہ بود آں حاصل ماست

(اس حقیقت کا عرض خود ہمارا دل ہے۔ وہ دل جو کون و مکان کے باہر ہے ہماری منزل ہے۔ یہ عجیب تر ہے کہ یہ بات ہمارے لیے مشکل ہے کہ ہونے سے پہلے کیا تھا وہ ہمارا حاصل ہے)

(تشریح) اللہ نور السمٰوات والارض سے یہ آسمان و زمین مراد نہیں ہیں بلکہ ان دونوں نوروں میں ایک نور نبوت ہے جو احمدؐ ہے اور دوسرا نورِ ولایت ہے جو علیؑ ہے اور یہ دونوں نور ہمارے اس دل میں ہیں جو کون و مکان کے باہر ہے جہاں بشریت کا گزر نہیں۔ یعنی تخلیق عالم سے قبل یہ دونوں نور حقیقت محمدیؐ تھے پھر حقیقت محمدیؐ آدمؑ کی پیشانی میں امانت رکھی گئی۔ اور ان سے ان کی ذریت میں منتقل ہوتی رہی۔ پھر عبدالمطلب سے حقیقت محمدیؐ دو نوروں میں تقسیم ہو کر عبداللہ اور ابوطالب کے صلب میں اماناً آ گئی)

شیخ احمد حمویہ قدس اللہ سرہٗ کی اس شرح پر جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ مقصود یہ کہ اے بھائی!!! اس بیان کے اظہار میں کہا ہے کہ اس محبت کا منشاء فاحببت تھا۔ چاہا کہ باطنی صفت کو ظہور کے بعد بیان کریں تا کہ آخر و اول مل جائیں۔ اور باطن و ظاہر مل جائیں۔ تا کہ کان اللہ ولم یکن معہ شیء (اللہ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا) کا راز اہل قلوب پر روشن ہو جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ ظہور اور ظاہر وہی ہے اور باطن کا بطون وہی ہے۔ وہی فاحببت کی محبت جو نور کے ظہور کے بعد سبب ہوئی تھی وہی بطون کا سبب ہے۔ کہ الظاہر مظہرہ اسم الباطن (ظاہر اسم باطن کا مظہر ہے) اگر صفت کے ظاہر کی

تعریف نہ ہوتو باطن کا نام ہی نہ ہوگا۔ بھائی ! (اللہ تعالیٰ نے) خود اپنے کلام میں محمدؐ کو شجرہ فرمایا کہ من الشجرۃ ان یاموسی (درخت سے کہ اے موسیٰؑ) اس شجرہ سے ذات اور نور احمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے کہ الظاہر پر الباطن کا لباس ہے اور یہ کہ میں احمد علیہ السلام کو ثمرہ کہتا ہوں اس ثمرہ بحر المعانی کے بیان کی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے شرح کروں گا لیکن اپنے رموز میں سے ایک رمز بھی اس جگہ بیان کرتا ہوں کیوں کہ آپ نے پوچھا تھا کہ انا الحق، سبحانی کہاں اور کس جگہ سے ہیں۔

آں ترک کہ آں سال بہ یغماش بدیدی   این است کہ امسال عرب دار برآمد
ایں نیست تناسخ سخن وحدت محض است   کز جوشش ایں قلزم زخار برآمد
گر شمس فروشد بہ غروب اوُ نہ فنا شد   از بُرج دگر آں مہ انوار برآمد

(وہ معشوق جو تو نے اُس سال شہر حسن خیز میں دیکھا تھا اس سال عرب میں برآمد ہوا۔ یہ تناسخ نہیں وحدتِ محض ہے جو اس موجزن سمندر سے نکلی ہے۔ اگر آفتاب غروب ہو کر گم ہوگیا تو وہ فنا نہیں ہوا بلکہ وہی آفتاب دوسرے برج سے نمودار ہوا)

(تشریح) یہ تناسخ نہ ہونے اور وحدت محض کا ثبوت ہے)

بھائی! انا الحق اور سبحانی کی شرح ہر مکتوب میں اشارتاً لکھی جا چکی ہے لیکن اس مکتوب میں اول سے آخر تک انھیں معانی کا بیان ہے اس پر اچھی طرح غور وفکر کیجیے لیکن ایک اشارے کی اس سے زیادہ روشن شرح کرتا ہوں تا کہ سمجھ میں آجائے لیکن امیدوار ہوں کہ یہ صفت آپ کی ذات میں ظہور کرے گی اور غیب کے رازوں سے اس کا راز حضرت بے ریب سے آپ حاصل کرلیں گے جانئے کہ جب حضرت الوہیت کو اس مشتِ خاک سے محبت ہوئی تو ضروری ہوا کہ پہلے صورت کا نقش تختۂ خاک پر رونما ہو (تنزیہہ کو تشبیہہ پر مارا) کہ ان اللہ تعالیٰ خلق آدم و ذریتہ علی صورتہ (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی ذریت کو اپنی صورت پر پیدا کیا)۔

چو آدمؑ را فرستادیم بیروں   جمالِ خویش در صحرا نہادیم
وگر چشمت نباشد آنچناں داں   کہ گوہر پیش نا بینا نہادیم

(جب ہم نے آدمؑ کو باہر بھیجا تو گویا اپنا جمال صحرا میں رکھ دیا۔ اگر تمہارے آنکھیں نہیں ہیں تو یہ سمجھو کہ ہم نے اندھے کے سامنے گوہر رکھ دیا)

(تشریح) اللہ کے جمال کو انسان میں دیکھو اور اگر نہ دیکھ سکو تو اپنے آپ کو اندھا جانو)

ہویت کے نقش کا صورت میں آنا یہ تھا اس صورت میں کلام شامل ہے۔ اسی باعث۔ بعض آشنا بھی کہہ اٹھے یعنی کلام میں دَر آئے اور سبحانی کہہ دیا اور دوسرے نے انا الحق کہہ دیا۔ اگر ذات کا پیراہن کلام کرے تو نادان سمجھتے ہیں کہ پیراہن بول رہا ہے اور اس پیراہن کو ماخوذ کرتے ہیں اور جلا دیتے ہیں اور یہ خود اس شخص کا جہل ہے۔

فاش کردم فاش کردم سرِ ہارا بعد ازیں　　گر ترا گوشے است بشنو ور بود چشمے بہ بیں
گر نہاں کردند مرداں پیش ازیں اسرار را　　اینک آوردم نشانے از ورائے کفر و دیں
خالق بیچوں برائے طالباں اندر صور　　می نماید خویشتن را درمیان آب و طیں

(اس کے بعد میں نے اسرار فاش کر دیے۔ اگر کان ہیں تو سنو اور آنکھ ہے تو دیکھو۔ اس سے قبل اگر جاننے والوں نے اسرار چھپائے تو اب میں کفر و دین سے الگ ایک نشان بناتا ہوں۔ خالق بیچوں اپنے طالبوں کی خاطر اپنے آپ کو مٹی اور پانی کے درمیان صورت میں دکھاتا ہے)

(تشریح) بعثتِ نبویؐ کے بعد اللہ محمدؐ کے روپ میں آیا اور پھر انسان کامل کے روپ میں آتا رہا اور آتا رہے گا)

بھائی! اچھی طرح غور و فکر کیجیے کہ پورا مکتوب آپ کے لیے دُرِ مقصود ہے یعنی کنت کنزاً مخفیا (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) اظہار محبت کے صحرا میں تھا کہ فاحببت ان اعرف (پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں) میں نے اظہار کو لباسوں سے روشن کیا اور کرتا ہوں لیکن آنکھ چاہیے کہ دیکھے اور کلام سبحانی اور انا الحق کے لیے کان چاہئیں کہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آنکھیں اور کان ضرور دے گا آپ دیکھیں گے اور سنیں گے بلکہ ہوں گے اور کہیں گے۔

مردمی باید کہ باشد شہ شناس　　گرچہ بیند شاہ را در صد لباس
(آدمی کو شہ شناس ہونا چاہیے اگرچہ بادشاہ کو سیکڑوں لباسوں میں دیکھے)

جب تمام اشیائے موجودات اور معلومات پر تجلی ہوئی تو سارے موجودات خارجی وداخلی موجود ہوگئے ۔ آپ کے لیے پھر کبھی لکھوں گا ۔ عالم غیب سے عالم عین پر چسپاں ہوئے ۔ فخلقت الخلق (پس میں نے خلق کو پیدا کیا) پس گو کہ اسم وجود کا اطلاق اس پر کرنا چاہئے ۔ حقیقت کے اعتبار سے میں ہوتا ہوں کہ لیس فی الدار غیرنا دیّار (گھر میں ہمارے علاوہ کوئی گھر والا نہیں ہے) اور سب راہِ راست پر قائم اور صراط مستقیم پر ہیں کہ مامن دابة الا ھو آخذ بنا صیتها ان ربی علیٰ صراطٍ مستقیم (۱۱/۵۶) (زمین پر جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے) اللہ تعالیٰ فقیر کی اس رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے کہ سب کھول دیا ہے ۔

من من نیم آں کس کہ منم گوئی کیست　　خاموش منم در دہنم گوئی کیست
من پیرہنے بیش نیم از سر تا پائے　　آں کس کہ منش پیرہنے گوئی کیست

(میں میں نہیں ہوں پھر جس کو تو میں کہتا ہے وہ کون ہے ۔ میں خاموش ہوں ۔ میرے منہ سے کون بولتا ہے ۔ میں سر سے پیر تک بجز لباس کے کچھ نہیں ہوں کون ہے جو مجھے لباس کہتا ہے)

(تشریح) میں ذات میں ایسا محو ہوں کہ میرا حال بانسری جیسا ہے یعنی مجھ سے جتنے راگ نکلتے ہیں وہ میرے نہیں ہوتے ۔ بانسری بجانیوالے کے ہوتے ہیں)

بیچارے منصور پر کیا افتاد پڑی گویا راستہ سے سانپ نکل گیا اور نادان لوگ لکیر پیٹتے رہے اور جلاتے رہے افسوس جہل خالص ۔ ایک دن اس فقیر سے بھی یہی چاہیں گے لیکن یہ فقیر بدمست نہیں ہے ۔

مردانِ رہت میل بہ ہستی نہ کنند　　خودبینی و خویشتن پرستی نہ کنند
آں دم کہ شراب شوق گیرند بہ کف　　خمخانہ تہی کنند ومستی نہ کنند

(اس کے راستے کے مرد ہستی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور خود بینی وخود پرستی نہیں کرتے ۔ جب وصل کی شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہیں تو پورا خم خانہ خالی کر دیتے ہیں اور مست نہیں ہوتے)

بھائی! اگر لباس ذاتی کوئی ایسی بات کہے تو اس کو ذات جانیں نہ کہ لباس جیسے کئی مواقع پر سکندر خود اپنا پیامبر بنا۔ اور رسالت پر گیا لیکن خود ہی لباس رسالت پہنا۔ کیا کہتے ہو، کیا سکندر لباس رسالت سے رسول ہو گیا۔ واللہ ہرگز رسول نہ ہوا وہی سکندر تھا اور جو کچھ کہا خود کہا اور کہا کہ سکندر ایسا کہتا ہے اور کہا گیا ہے۔

دیدہ می باید کہ بیند در نظر سر وحدت ہر صفات بر بشر

وحدت کا راز ہر بشر کے صفات میں دیکھنے کے لیے آنکھ ہونا چاہئے جو کوئی شخص ایسا استغراق روحی حاصل کر لیتا ہے کہ اپنی روح کو بھی بھول جاتا ہے تو اللہ اسمیں جلوہ گر ہوتا ہے اور اس سے جو حرکات سرزد ہوتے ہیں وہ اس کے نہیں ہوتے اللہ ہی کے ہوتے ہیں جیسے بایزید نے سبحانی اور منصور نے انا الحق کہا۔ یہ انائے کلی منصورؒ کی انا نہ تھی)

پس بینائی سے محجوب لوگ سکندر کو رسول دیکھتے تھے لیکن ایک عورت سے کمتر نہ ہو جانا چاہئے کہ نوشابہ طالبِ ذات تھی لباس رسالت میں بھی اس کی عین ذات کو دیکھا۔ مقصود یہ کہ رسالت میں سکندر کی حرکت دیکھنے کے لیے نوشابہ کی بینائی درکار ہے تاکہ ذات کا مشاہدہ کرے۔ پس سبحانی اور انا الحق کہنا ان سے نہیں تھا اور ان سے کیسے ہو سکتا ہے مگر وہ جب استغراق روحی کے محیط میں غوطہ کھاتے ہیں جو اسرار میں ہے اور ذات کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں جو کہتے ہیں وہ کہتا ہے یہاں تک کہ وہ ہو کر کہتے ہیں۔ یہ بات وہی جانتا ہے جو وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ کر دے لیکن وہ کیسے ہوں گے اور کیسے ہوتے ہیں مگر اس کے جاذبہ میں در آتے ہیں۔

آخر تو برگ کاہی ما کہربائے دولت از کاہِ وے برہ بیں تا کہربا چہ باشد

سمجھا جو سمجھا۔ اسی طرح حضرت رسالت علیہ السلام نے صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ من رانی فقد رای ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) یعنی جملہ صفات سے موصوف ہو کر صورت میں آنا ان اللہ خلق آدم و ذریتہ علیٰ صورۃ (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی ذریت کو اپنی صورت پر پیدا کیا) مذکور صفات میں ایک صفت کلام ہے اور حضرت رسالت علیہ السلام نے کلام کی جانب بھی پورا پورا اشارہ فرمایا

ہے کہ ان الحق لینطق علیٰ لسان عمر (حق عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے)۔ درست ہوگا کہ اپنے آشناؤں میں بھی وہی کلام کرتا ہے۔ اچھی طرح غور کیجئے کہ قلم دیوانہ وار چل رہا ہے اور مستی کی حالت میں تاب انتہا کو پہنچتی ہے لیکن مست پر مواخذہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اور مشکل نہیں ہے کہ خواب کی حالت میں خطا کا حکم ساقط ہے اور چونکہ مستی خواب ہے مجھے معذور رکھیے کہ العشاق لایوا خذون بما یقولون ویفعلون (یعنی عشاق کے قول وفعل پر مواخذہ نہیں ہوتا) جو کچھ کہا ہے اس کے معنی سمجھیے الفاظ کے گرد نہ پھریئے کہ مثال مصابیح الاقوال کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات کا جمال آپ پر تجلّی کرے کہ سب کھول دیا ہے اور صراحت سے دوبارہ ظاہر کیا ہے۔

ہاتفے گفت اے حریم خاص خاص
ہر کہ او از بندگی خواہد خلاص
محو گردد عقل و تکلیفش بہم
ترک ایں ہر دو پس در نہ قدم
گفت یارب من ترا خواہم مدام
عقل و تکلیفش نباید والسلام
بے صفت گشتیم و گشتم بے جہت
عارفم اما نہ دارم معرفت
گر تو می بینی کسے را آں زماں
نیستم من ہست آں شاہِ جہاں
می نہ دانم تو منی یا من توئی
محو گشتم در تو د گم شد دوئی
گفتم اکنوں من نہ دانم کیستم
بندہ بارے نیستم من چیستم

(ہاتف غیب نے گروہ خواص کو ندا دی کہ جو کوئی بندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے وہ عقل اور تکلیف دونوں کو چھوڑے تب قدم آگے بڑھائے۔ میں نے کہا یا رب میں تیرا دائمی خواستگار ہوں مجھے عقل و تکلیف نہیں چاہئے۔ میں بے صفت اور بے جہت ہو گیا ہوں۔ اب میں عارف ہو گیا لیکن معرفت نہیں رکھتا۔ اگر تو اس وقت کسی کو دیکھتا ہے تو وہ میں نہیں ہوتا بلکہ شاہجہاں ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ''تو'' ''میں'' ہے یا ''میں'' ''تو'' ہوں میں تجھ میں محو ہو گیا اور دوئی غائب ہو گئی۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ البتہ بندہ نہیں ہوں۔ پھر کیا ہوں)

(شرح) یہ جبروت کا مشاہدہ ہے جو اسماء کا عالم ہے جس میں ہر اسم اسم جامع

ہے، چوں کہ عارف اسم ہے لہٰذا میں عارف ہوں لیکن معرفت جو صفت ہے اور نزول میں مجھ سے ظاہر ہوگی وہ نہیں رکھتا۔ جبروت کے تمام اسماء ارباب ہیں لہٰذا میں رب ہوں بندہ نہیں رہا اور ارباب معبود نہیں ہیں۔ پھر میں کیا ہوں بجز اس کے کیا کہوں کہ میں محو ہوگیا اور دوئی ختم ہوگئی۔ اسی مشاہدہ میں جس کی زبان سے چاہتا ہے انا الحق اور سبحانی کہتا ہے)

اللہ تعالیٰ آپ کو جو میری جان کے محبوب ہیں۔ مثنویات کا مطلوب بنائے۔ آمین۔ آمین۔ آمین، وصلی الله علی خیر خلقه محمد و آله اجمعین٥

بارہواں مکتوب

(مشاہدات کے بیان میں)

الایا ایہا العشاق کاں زیبانگار آمد میاں بر بند عشرت را کہ یار اندر کنار آمد
بشارت مے پرستاں را کہ کار افتاد مستاں را کہ بزم روح گستردند بادہ بے خمار آمد
چوں او آب حیات آمد چرا آتش برانگیزد چوں او آمد قرار جاں چرا جاں بیقرار آمد
درآ ساقی دگر بارہ بکن عشاق را چارہ کہ آہو چشم خونخوارہ چو شیر اندر شکار آمد
چو کار جان بہ جاں آمد ندائے لامکاں آمد کہ لشکر ہائے عشق او ز ہر سو در حصار آمد
نہ اول ماند و نہ آخر مرا در عشق آں فاخر تنم چوں باد شد آخر حدیث او چو نار آمد
ببر جاں را میندیش بہ شمشیر و کفن پیشش کہ ہر کز عشق برگردد بہ آخر شرمسار آمد

(اے عشاق مژدہ ہو کہ وہ زیبا معشوق آیا۔ اب عشرت پر کمر باندھو کہ یار تمہارے آغوش میں آ گیا ہے۔ مے پرستوں کو بشارت ہو کہ مستوں کے لیے یہ کام کا وقت ہے کیوں کہ روح کی مجلس قائم ہے اور وہ کیف بٹ رہا ہے جس کے بعد خمار نہیں ہوتا۔ جب یار خود آب حیات ہے تو آگ کیوں لگ رہی ہے۔ جب وہ معشوق جان کا قرار ہے تو جان بے قرار کیوں ہے۔ اے ساقی، پھر آ اور عشاق کا علاج کر کیونکہ وہ آہو جیسی آنکھوں والا شیر (خونخوار آنکھوں کے ساتھ شیر کی طرح مجھے) شکار کرنے کے لیے آ گیا۔ جب جان کا کام تمام ہوا تو لامکاں سے ندا آئی کہ عشق کے سارے لشکر ہر طرف سے گھر گئے ہیں۔ اوّل رہا نہ آخر اور اس فاخر کے عشق میں میرا جسم ہوائی ہو گیا اور اس کا کلام شعلہ بن کر لپکا۔ بے کھٹکے جان کو تلوار کی دھار پر لے جاؤ اور کفن آگے کر دو کیوں کہ جو کوئی عشق میں ہچکچاتا ہے وہ آخر کار شرمسار ہوتا ہے)

(تشریح) یہ جنت ذات کا مشاہدہ ہے جو شاہدین کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ذکر یا ایتھا النفس المطمنة ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ،(۸۹/۳۰)(اے نفس مطمئنہ! لوٹ اپنے رب کی طرف۔ وہ تجھ سے راضی تو اس سے راضی۔ داخل ہو جا میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو) میں ہے۔ اس جنت میں حور و قصور نہیں ہیں۔ سرور محض ہے جو شاہدین اس میں داخل ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کا آئینہ ہوتے ہیں۔ یعنی آپس میں شاہدین کی شکلوں میں امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ہر شاہد میں تمام شاہدوں کی شکلیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہی بہشت ذات حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں مقام لاہوت کہلاتی ہے۔ اس جنت میں داخل ہوتے ہی عشاق کو معشوق کی آمد کا مژدہ سنایا جاتا ہے اور فیض روحانی سے وہ مستی عطا ہوتی ہے جس کے بعد خمار نہیں ہوتا۔ اس مستی میں آدابِ حیات روشن ہو جاتے ہیں یعنی قامتِ احدی کا دیدار ہوتا ہے جو یا حی یا علیم یا قدیر یا مرید یا بصیر یا سمیع یا کلیم پر مشتمل ہے۔ اور اس کا ادب یہ ہے کہ روح خالص اس کا آئینہ بن جائے تاکہ ذات اپنے آپ کو آئینہ روح میں اپنے بے چونی میں ملاحظہ فرمائے روح جب تک جان کے ساتھ ملوث ہے ایسا آئینہ نہیں بن سکتی لہٰذا حی القیوم کا دیدار شاہدین کی جانوں یعنی ان کے تعینات کو بیقرار کر دیتا ہے اور وہ ذات سے اس بیقراری کے علاج کے خواہاں ہوتے ہیں۔

باز خواہم کہ روم بر در میخانہ ذات
وارہم زیں کہ مقید بہ شیونم کردند

(میں پھر چاہتا ہوں کہ میخانہ ذات کے دروازہ پر پہنچوں اور ان تعینات سے چھٹکارہ پاؤں جن میں مجھے قید کر دیا گیا ہے)

تب ذات باری تعالیٰ اپنی نظر عشق سے ان کے تعینات کا شکار کرتی ہے اور جب وہ شاہدین لاتعین ہو جاتے ہیں تو لامکاں سے ندا آتی ہے کہ میرے عشق کے لشکر ہر طرف سے گھیر لیے گئے۔ اب نہ اول باقی رہا نہ آخر۔ یعنی یہ سب ایک ہو گئے۔ اس نظر کے اثر سے شاہدین کے اجسام ہوائی ہو کر ندائے لامکانی کے شعلہ کو قبول کر لیتے ہیں اور سرورِ محض

میں لاتعین بن کر رہتے ہیں جو کوئی جان دینے سے ہچکچاتا ہے اس کا وہاں گذر نہیں اس کے لیے تنعّمات کی جنتیں ہیں جن میں وقتی عام دیدار ہے سرور محض نہیں ہے۔

جس طرح مشہود یعنی ذات باری تعالیٰ واحد یکتا ہے اسی طرح شاہد یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی واحد یکتا ہیں کیوں کہ سارے تعینات انھیں کے لاتعین سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان تعینات میں انبیاء و اولیاء و مومن و کافر سب شامل ہیں۔ شاہدین کی اصطلاح حضرت مصنفؒ (بحرالمعانی) نے ان حضرات کے لیے استعمال فرمائی ہے جن کو رسول اکرمؐ نے معراج میں اپنے مقام پر دیکھا تھا وہی حضرات جنت ذات میں داخلہ کے مستحق ہیں۔ اور ان ہی کے متعلق حدیث شریف اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری (میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا ہے) یعنی یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں لیکن کوئی غیر جو تعین کی قید سے رہا نہیں ہوا ان کو نہیں پہچانتا)۔

بھائی۔ محبوب حضرت لایزالی کے شاہد احمدؐ حبیب ہیں اور ان کے چند جرعہ نوش جو حضرت کے شاہد ہیں اور وہ کون ہیں کہ یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی، پس اے محبوب! یہ شاہد اور شاہدین کہ طبل کی آواز سے ارجعی مرضية ہیں۔ حضرت عزت جل وعلا کی جنت میں رہتے ہیں یہ جنتی کی یا یائے تقرب ہے اور نسبت ہے یعنی حضرت جل جلالہٗ فرماتا ہے کہ یہ شاہد اور شاہدین میری جنت میں رہتے ہیں یعنی میرے ساتھ رہتے ہیں کیوں کہ حضرت رسالتؐ جو حضرت جلال کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ ان للّٰه تعالیٰ جنة لیس فیها حور ولا قصور ولا لبن ولا عسل وهذه جنة الشاهدین (اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ حوریں ہیں اور نہ محلات، نہ دودھ اور نہ شہد اور یہی شاہدین کی جنت ہے) یہ شاہدیت کا مقام اس کے لیے مسلم ہے جس کو مقام اخوانیت حاصل ہو جائے۔ المومن اخو المومن (مومن مومن کا بھائی ہے) السلام، المومن، خدائے تعالیٰ کے نام ہیں۔ جب وہ مومن مصطفیؐ مومن اور شاہدین مومن ہوں تو سب آپس میں ایک دوسرے کا آئینہ ہوں گے اور مومنین کنفسٍ واحدة (ایک نفس (جان) کی طرح) ہیں۔ اچھی طرح غور کرو۔

چنانچہ ایک دن قطب عالم حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس اللہ سرہٗ مناجات میں تھے اور کہتے تھے کہ الٰہی ما الحکمة فی خلقتی کہ میرے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے) ان کے سر نے ندا کی کہ الحکمة فی خلقك رؤیتی فی مرآة روحك و محبتی فی قلبك (تیری خلقت میں میری حکمت یہ ہے کہ اپنے جمال کو تیری روح کے آئینہ میں دیکھوں اور اپنی محبت کو تیرے دل میں ڈالوں۔ اے محبوب! جب وہ جل وعلا چاہتا ہے تیری روح کے آئینہ میں دیکھتا ہے خود کو بیچوں ہو کر دیکھتا ہے۔ اس مقام میں خواجۂ شاہداں حبیب سبحان علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ المؤمنون کنفس واحدة ، (مومنین نفس واحد کی طرح ہیں) اس حالت اور اس ولایت میں تو اس کا شاہد رہتا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ فی کل یوم و لیلة ثلاث مائة و ستین نظرة الیٰ قلب المؤمن (حضرت عزت جلت قدرت روزانہ تین سو ساٹھ بار اپنے (قلب مومن) آئینہ کو دیکھتا ہے) یہاں تک کہ اپنی بیچونی کا مقصد پالیتا ہے کہ ان اللہ لا ینظر الیٰ صور کم و اعمالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم و احوالکم (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور احوال کو دیکھتا ہے) اشارتاً بیان کیا ہے اور حضرت عزت جلت قدرتہ نے بھی فرمایا ہے کہ الم یعلم بان اللہ یری (۹۶/۱۴) (کیا وہ نہیں جانتا اس بات کو کہ اللہ دیکھ رہا ہے) اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ کان اللہ بکل شی محیطا (۴/۱۲۶) (اور اللہ ہر چیز کو محیط ہے) یعنی سارے قلوب کا احاطہ کیا ہے۔ یعنی یہ وہ مقام ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہماری روح میں دیکھتا ہے۔ لیکن جب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس کے نور میں دیکھیں تو اس کا نور ہماری جانوں کی مملکت پر حملہ آور ہوتا ہے کہ ان الملوك اذا دخلوا قریة افسدوھا (۲۷/۳۴) (بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں) اور بیچاری میری اور تیری جان بے نوائی سے اپنے تختہ وجود پر جا پڑتی ہے کہ اولم یکف بربك انهٗ علیٰ کُل شیءٍ شهید، الا انهم فی مریة من لقاءِ ربهم الا انه بکل شیءٍ محیط (۴۱/۵۴)، (کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔ دیکھو یہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے سے شک میں ہیں۔ سن رکھو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کیے

ہوئے ہے) اے محبوب اس کے نور کی احاطت سارے عالم بشریت کو پوری طرح عالم احدیت میں ڈال دیتی ہے کہ لا تدرکہ الابصار و ھو یدرك الابصار (۶/۱۰۳) (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے) یعنی ابصار کی جزویت۔ اس مقام میں اپنے آپ کو نور صمدی کے آئینہ میں دیکھنا کیسے ہوا اور کس طرح ہوتا ہے اگر بغیر دیکھے لکھتا ہوں تو کافر ہوں کہ رأی قلبی ربی (میرے قلب نے میرے رب کو دیکھا) اور حضرت جلت قدرتہٗ نے بھی فرمایا کہ الم تر الی ربك کیف مدالظل (۲۵/۴۵) (کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اسنے سایہ کو کیسا پھیلایا) پوری طرح پر ہمارا آئینہ ہے۔ اس فقیر کی مثنویات جو اس مقام کے مشاہدے اور مناظرے سے متعلق ہیں اللہ تعالیٰ ان کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

از شرابِ شوق گشتم مست او   ہستِ ما گم گشت اندر ہست او
بودِ مادر بودِ او نابود شد   ہر چہ غیرش بود آں مردود شد
چوں مجرد گشتم از ہستی تمام   نے وجودم ماندو آں جا و نہ نام
زاں شدم پرواز سوئے لامکاں   دیدم آں جا عیشہائے بس عیاں
خویش را دیدم ہمہ نابود خویش   یافتم سر رشتۂ مقصودِ خویش
چوں شدہ فانی محمد از وجود   غیر اوٗ دیدہ کہ دیگر کس نبود

(شوق کی شراب نے مجھے اس کا مست بنا دیا۔ میری ہستی اس کی ہستی میں گم ہوگئی۔ میرا ہونا اس کے ہونے میں فنا ہوگیا اور مجھ میں جو غیریت تھی وہ نکل گئی یعنی میری بشریت فنا ہوگئی۔ جب ساری ہستی سے مجرد ہوگیا (مکمل طور پر خالی ہوگیا) تو نہ میرا وجود رہا نہ نام۔ اس کے بعد لامکاں کی طرف پرواز ہوئی اور وہاں بجز عیش کے کچھ نہ پایا یعنی سرورِ محض میں رہا۔ اپنے آپ کو اپنے آپ میں گم پایا اور اپنا مقصود حاصل کیا۔ جب محمد اپنے وجود سے بھی فنا ہوگیا تو دوسروں کی نظروں سے بھی پوشیدہ ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب محمد نے اپنی ذات کو فنا کر دیا تو پھر جدھر بھی دیکھتا تھا ذاتِ مطلق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یعنی وحدت الوجود کی تفسیر سامنے آ گئی)

(تشریح) جاں، روح، انا۔ ان تینوں کو قربان کر کے انائے حقیقی تک پہنچا اور لا تدرکہ الابصار و ھو یدرك الابصار میرا مقام ہوگیا۔ اب بھی ایسے بزرگ موجود ہیں جو بعض اوقات سامنے بیٹھے ہوتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔ اسی مقام کو اصطلاحاتِ تصوف میں ہاہوت کہا جاتا ہے)

پس اے محبوب! تم کو بھی پیر تربیت کی بدولت مشاہدہ مذکور ہوگا۔ اور اس حال سے حضرت حبیب ذوالجلال نے اشارہ فرمایا ہے کہ من رآنی فقد رأی الحق (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا) پس اس حدیث اور اس آیت کے معنی اور بیان میں کوئی فرق نہیں ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ(۸۰/۴۰)(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) حضرت عزت جلت قدرتہٗ کے شاہدین اس گروہ میں ہیں کہ واشوقاہ الیٰ لقاءِ اخوانی (مجھے اپنے بھائیوں سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے) ہیں۔ المومن اخ المومن (مومن مومن کا بھائی ہے) یعنی ہم اپنے آپ کو اس کے نور میں دیکھتے ہیں اور مومن مومن کا آئینہ ہے اور وہ جل وعلا خود کو ہمارے درمیان دیکھتا ہے۔ وہ مومن ہے ہماری عبودیت کے ساتھ اور ہم مومن ہیں اس کی ربوبیت کے ساتھ۔ پس ہم اور وہ جل وعلا دونوں مومن ہیں۔ اگر چاہو تو اس فقیر کی پلٹنے والی طلسماتی زبان کو سمجھو اور اسی جگہ پہنچو کہ نہ کافر رہو نہ مسلمان اور حوصلہ رکھو کہ مجھ سے موافقت کرو پس سلامتی کی راہ اور اہلِ سلامت کو چھوڑ دو اور خانۂ ملامت لی مع اللہ میں قرار پکڑو اور اہلِ سلامت سے یہ کہو کہ جو ان کے لیے ہے۔

در آئی یار بہ کارم اگر مرا یاری وگرنہ رو بہ سلامت نہ مرد ایں کاری
نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو ترا سلامت بادا مرا نگونساری
مرا بہ خانۂ خمار بربدو بسپار وگر مرا بہ غم روزگار نسپاری

(اگر تو میرا یار ہے تو آ۔ میرے کام میں میری مدد کر۔ ورنہ سلامتی کے ساتھ چلا جا۔ تو اس راہ کا مرد نہیں ہے۔ تو میرا ساتھی نہیں ہے اپنا راستہ لے اور جا تجھے سلامتی

چاہئے اور مجھے نگونساری۔ مجھے شراب پلانے والے کے پاس لے جا اور اس کے حوالہ کردے اور دنیا کے غم میں نہ پھنسا)

(تشریح) چونکہ اہلِ ظاہر عشق سے محروم ہیں لہٰذا ان سے کہہ دو کہ اپنا راستہ اختیار کریں۔ وہ تمہارے ساتھی نہیں ہیں تم اپنی راہ پر لگے رہو)

اے محبوب! تم سے کہتا ہوں کہ تمہیں مخاطب ہو یعنی تمھیں شاہد ہو لیکن مقصود مخاطب غائب کو بھی نصیب ہوا کہ الشاھد یری مالا یری الغائب (شاہد وہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا) اس حالت اور اس ولایت میں جب تک غائب نہ ہو جاؤ گے حاضر نہ ہوگے۔ اور حاضر نہ ہوگے جب تک غائب نہ ہوگے۔ دیکھو شیخ ابوبکر دقاق اس مقام کی طرف پورا اشارہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو خلق کے نزدیک محمدؐ ہے وہ ہمارے نزدیک خدا ہے اور جو خلق کے نزدیک خدا ہے وہ ہمارے نزدیک محمد ہے۔ ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (۳۳/۴) (اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے) کلام ربانی کے معنی سوائے اس فقیر کے دوسرے کا بیان کرنا حرام ہے کہ وہ کہے یا لکھے۔ کیا کہے گا اور کیا لکھے گا اور کیا سمجھے گا۔ اور کہاں پہونچے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسان کردے اور غور کریں تاکہ میرے کلمات کا ادراک کریں۔ اس فقیر نے ادب، خانۂ ن والقلم وما یسطرون (۱/۶۸) (ن۔ قلم کی اور جو اہل قلم لکھتے ہیں اس کی قسم) سے علم حاصل کیا ہے۔ اور جو کچھ بے حرف و بے صوت تھا اس کو باحرف و باصوت کرکے آپ کے لیے لکھتا ہے۔ میرے کلمات کی شراب چھپ کر پیجئے اور مطلق خروش نہ کیجئے اور محروموں و محجوبوں سے پوری طرح چھپایئے۔ اور اہل ظواہر کو کہ وہ حقیقت سے محجوب ہیں میرے کلمات سے مطلع نہ کیجئے کیونکہ ان کے معدے ہضم نہ کرسکیں گے اور بے انتہا تشویش میں پڑ جائیں گے اور آپ کے لیے تشویش کا باعث ہوں گے آپ ہر وقت تفکر میں رہئے کہ حضرت رسالت علیہ السلام کی خاص خصلت فکر تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم الفکر طویل الاحزان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تفکر کرنے والے طویل رنج رکھنے والے تھے) یہ دونوں خواجۂ عالم علیہ

السلام کے مقامات ہیں۔ اور اے محبوب! اپنے آپ پر ان کو لازم کر لیجئے کہ یہ شاہد بازی کا مقام ہے مگر آپ کو بھی ابھی شاہدی حاصل نہیں ہوئی ہے اور جب وہ حاصل ہوگی تو آپ کا جگر، دردِ عشق اور اس شاہد کی غیرت سے پارہ پارہ ہو جائے گا۔ اس مقام میں شاہد ایک ہوتا ہے اور زندہ اور مشہود بے عدد (انتہا) آپ سے ایسا نہ کہنا چاہئے کیونکہ آپ خود ایک دن یہ دریافت کرلیں گے کہ کثرت وحدت میں ایک ہوگئی ہے جیسا کہ یہ فقیر کہتا ہے افراد الاعداد فی الواحدۃ واحدۃ، کہ دس کے عقد (لڑی) کو ایک سے چاہا۔ اور ایک اس مجموعہ میں داخل ہے۔ اس بات کو ہر کسی سے کہنے کی تاب نہیں۔ اس فقیر کے نزدیک درحقیقت شاہد و مشہود ایک ہوتا ہے لیکن عبارت و اشارت عدد سے ظاہر کی جاتی ہے۔ لیکن شاہد و مشہود قسم کا مقام ہے اچھی طرح غور کیجئے کہ کبھی ہم اس کے شاہد ہیں اور کبھی وہ ہمارا شاہد ہے۔ لیکن ایک حالت میں اور دوسری ولایت میں ہم ہی شاہد و مشہود ہوتے ہیں یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں جاتے وقت تفکر کیجئے تو یہ عقدہ حل ہوگا۔ حضرت رسالت علیہ السلام نے ہر ایک کے ساتھ عالم تمثل کے انواع بیان فرمائے ہیں اور ایک خاص حالت اور ایک خاص ولایت میں فرمایا کہ رایت ربی فی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (میں نے اپنے رب کو شب معراج میں حسین ترین شکل میں دیکھا) یہ احسن صورت تمثل ہے اور اگر تمثل نہیں ہے تو کیا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ خلق آدم و اولادہٖ علی صورۃ الرحمن (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی اولاد کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا) اس کے ناموں میں سے ایک نام مصور۔ ہے جو صورت بنانے والا ہے لیکن یہ فقیر کہتا ہے کہ وہ مصور ہے یعنی وہ جل وعلا صورت دکھانے والا ہے یہ صورتیں کہاں دکھاتا ہے اور کس بازار میں تجلی کرتا ہے کہ شاہد لایزالی محمد عربی علیہ السلام نے اشارہ ظاہر فرمایا اور کہا ان فی الجنۃ سوقا تباع فیھا الصور (جنت میں ایک بازار ہے جس میں صورتیں فروخت کی جاتی ہیں) یعنی فرمایا کہ بہشت اخص میں ایک بازار ہے کہ اس بازار میں صورتیں بکتی ہیں۔ فی احسن صورۃ یہ ہے کہ اشارتاً ظاہر کیا ہے لیکن جیسا کہ شیخ عبدالقادر گیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ رایت رب العزۃ فی المنام علی صورۃ امی (میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا امی کی صورت پر) یہ امی

کون ہے۔ اللھم صل علیٰ محمدالنبی الامی، کیونکہ حضرت رسالت علیہ السلام نے خود بیان فرمایا ہے کہ من رانی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا تحقیق اس نے اپنے رب کو دیکھا) اور بات پوری کردی ہے۔ بیچارے اہل ظواہر ان معنی سے محروم رہے کہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ کے شاہد حضرت رسالتؐ ہیں لیکن شہود کے مقام سے کون خبر دے سکتا ہے دریافت کرلیا ہوتا کہ شاہد کس محبوب کے لیے ہوتا ہے اس سبب سے کہ دلوں کو شاہد بازی نصیب ہونا ایک حقیقت ہے۔ اس شاہد مجازی میں کہ اس کے چہرے پر شاہد حقیقی کی صنعت ہے۔ یہ بھی تمثل ہے۔ اے محبوب! میری جان آپ پر نثار اگر شاہد مجازی کے پرستار ہیں۔ درحقیقت دونوں حقیقی ہیں جیسا کہ میں نے مکتوب میں لکھا ہے۔ اس سے زیادہ علم ہوگا اور اس شعر سے آپ پر روشن ہو جائے گا۔

در یادِ روئے تست کہ مستم بہ بوئے گل　　　باگل مرا کہ دوستی است ہم بہ بوئے تست

(تیرے رخ زیبا کی یاد میں بوئے گل کی طرح مست و سرشار ہوگیا اور میرا پھول سے اس لیے یارانہ ہے کہ اس میں بھی تیری ہی ایسی خوشبو ہے ع اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری) جب اس مقام تمثل میں پہنچو گے۔ ستر ہزار صورتیں پیش کی جائیں گی۔ اس کے بعد ہر صورت کو خود اپنی شکل و صورت پر دیکھو گے اس وقت نہ کہنا کہ میں خود ان صورتوں میں کہاں ہوں۔ ایک صورت سے ستر ہزار صورتیں کیسے ممکن ہو سکتی ہیں لیکن یہ نورؒ ایسی ہی ہے کہ ہر موصوف میں ستر ہزار صفات اور ایک ذات درج ہے اور ممزوج ہے اور ملن ہے۔ ہر خاصیت اور صفت جو تمثل کرتی ہے ایک صورت اور ایک شخص ہو جاتی ہے۔ جب ان سب صفات کو دیکھو گے اور ضرور دیکھو گے تو سمجھو گے کہ تم خود وہ ہو "وہ" نہیں ہے۔ اس مقام میں فرق کرنا محال ہے کہ یہ وہ ہے یا تو۔

از عشق شرم آید اگر گویمش بشر　　　می ترسم از خدائے کہ گویم ایں خداست
ابروم می جہید و دل من ہمی طپید　　　ایں میمنو درو کہ چنیں بخت در قفا است
رقاص تر درخت دریں باغہا منم　　　زیرا درخت بختم و اندر سرم صفا است
درظل آفتاب تو چرخے ہمی زنیم　　　کورے است آں کہ گوید ظل از شجر جداست

(مجھے عشق سے شرم آتی ہے کہ اسے بشر کہوں اور خدا سے ڈرتا ہوں کہ اسے خدا کہوں۔ میرے ابرو کی بے قراری اور میرے دل کی تپش سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرا جاگنے والا نصیب میرے اس حال کے پیچھے ہے۔ ان باغات میں سب سے زیادہ ناچنے والا درخت میں ہی ہوں کیوں کہ درخت میرا نصیب ہے اور میرے سر میں صفا ہے۔ تیرے آفتاب کے سایہ میں گھومتا رہتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ سایہ درخت سے جدا ہے وہ اندھا ہے)

(تشریح) یہ مشاہدۂ صفات ہے۔ جب صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ صفات مشاہدہ کرنے والے کے ہیں یا خدا کے ہیں۔ درخت سے مراد قامت ہے۔ مشاہدۂ صفات میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ قامتِ انسانی ہے یا قامتِ احدی کیونکہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ، بہرصورت صفات کو ذات سے جدا نہ سمجھنا چاہئے۔ قامتِ احدی کا مشاہدہ اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کا دل عشق کی آگ میں تپے اور اسکے سر کو کندن بنادے)

اے محبوب! حضرت رسالت کو خواب میں اکثر دیکھا تھا لیکن مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے آپ کو دیکھا ہے اور یہ حدیث شریف بھی اسی کی گواہی دیتی ہے کہ کانی انظر الیٰ عرش ربی بارزاً (گویا میں دیکھ رہا ہوں اپنے رب کے عرش کی جانب آشکار) اور اس کلام میں یہ معنی بھی پائے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۳/۲۱) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے پیار کرتے (کرنا چاہتے) ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے پیار کرنے لگے گا) اے محبوب کہتا ہوں لیکن بشریت اور شریعت نہیں چھوڑتی کہ ربوبیت کے اسرار صورت کے صحرا میں ڈالوں، اور عارفوں کے سلطان بھی اپنے آپ سے شکایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں البشریة ضد الربوبیة (بشریت ربوبیت کی ضد ہے) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کا یہ حال ابتدا میں تھا جو ایسا فرمایا ورنہ نہایت حال میں یہی بشریت مقام ربوبیت ہے۔ لیکن اگر بایزیدؒ کا نہایت حال یہی تھا فمن احتجب بالبشریة فاتته الربوبیة (جس کی بشریت محجوب ہوگئی ربوبیت آگئی) لیکن

اس فقیر پر اور اس مقام کے اہل کے لیے یہ ابتدائی حال ہے تو ان کے نہایت حال میں کیا عروج ہوگا۔ آپ پر روشن ہو جائے گا۔ لوگوں کے لیے کلمۂ طٰہٰ شاہد لم یزل و لا یزال سے حجاب ہے۔ یعنی خطاب ہے کہ اے مرد چودھویں کے چاند وہ رات کے لوگوں کے نزدیک منور اور عزیز ہے۔ جب مشاہدہ ہوگا تو معلوم ہوگا کہ اس عالم میں طٰہٰ کا نور عرش سے فرش تک کو چھپانے والا ہے اور اگر پانا چاہو تو اچھی طرح فکر کرو کہ اس فقیر کے کلمات کیسی تجلی رکھتے ہیں اور جانو کہ خدائے تعالیٰ سے سب عاشقوں نے یہ توفیق پائی ہے کہ خود خدا تک پہنچ جائیں لیکن وہ شاہد حبیب اللہ علیہ السلام خدا سے خلق کی طرف آئے کہ یا ایھا المزم ل لیکن شاہد اور شاہدوں کے حالات متفاوت ہیں اور تم ہر حالت کو سمجھ سکتے ہو۔ شاہد کے تمام حالات کو یکساں جاننا غلط ہے۔ ایک حالت میں حضرت رسالت کو فرد کہتے ہیں اور یہ حالت ایک عالم میں ہوتی ہے کہ اس حالت اور اس ولایت میں سوائے خدا اور محمدؐ کے دوسرا نہیں ہوتا اور جب چاہتا ہے کہ ان کو اس عالم میں شرف عطا کرے تو ان کو یتیم کہتا ہے کہ الم یجدك یتیما فآوی (۹۳/۷) (کیا اس نے تم کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی) جانو کہ اس عالم کو جنت قدس کہتے ہیں اور عبارت یہ ہے انا و کا فل الیتیم کھاتین فی الجنة (میں اور یتیم کا پرورش کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے)

پس جب محمدؐ یتیم ہوتا ہے تو وہ جل وعلا یتیم کا پالنے والا ہوتا ہے پس وہ دونوں ساتھ ساتھ جنت میں ہوتے ہیں۔

دراں مقام کہ خورشید و ماہ جمع شوند   نہ ذرہ را محل است و نہ سایہ را یارا

(جس مقام پر سورج اور چاند جمع ہو جائیں وہاں نہ ذرہ کا وجود باقی رہتا ہے نہ سایہ کا)

(تشریح) اس سے مراد اللہ اور محمدؐ کی یکجائی و یکتائی ہے اور اللہ کا تمثل محمدؐ میں یا محمدؐ کا تمثل اللہ میں عشق کی کارفرمائی ہے)

تو معلوم ہوا کہ وہؐ خدائے تعالیٰ سے خلق کی طرف آیا ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد جاءَ کم من الله نور و کتا ب مبین (۵/۱۵) (آیا تمھارے پاس اللہ کی طرف

سے نور اور کتاب مبین) اور دوسرے موقع پر فرمایا و ما ارسلناك الا رحمة للعلمین (۲۱/۱۰۷) (اور ہم نے تم کو عالم والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا) دوسری حالت میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے تمثل کی صورت پر دیکھا۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے دیکھا۔ پس اس کا راز کیا ہے؟ اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ عورت مرد کی صفت ہے اور مرد حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ تلذذ حاصل کرنا اور خبر پانا اور کیفیت و ادراک و احاطہ کرنا صفات کے لیے آسان ہے لیکن صفات کی صفات کے لیے ناممکن ہے۔ شاہد کے ان متفاوت حالات کا راز یہ ہے۔ لیکن اے محبوب! اس کی ذات کی تجلی شاہد کو بندگی سے محو کر دیتی ہے جب دیکھنے والا نہیں رہتا کہ دیکھے۔ لیکن تم جو کچھ صفات میں دیکھتے ہو وہ اس کا نشان ہوتا ہے۔ پس جب وہ جل جلالہٗ جلوہ گری کرتا ہے تو جس صورت میں کہ دیکھنے والا چاہتا ہے اسی صورت میں اس کو تمثل دکھایا جاتا ہے۔ اسی مقام میں ایک دن اے محبوب یہ فقیر حضرت قطب عالم بختیار اوشیؒ کے عرش میں ان کے روضۂ مبارک میں سماع سن رہا تھا کہ حالت تواجد میں دیکھا کہ ایک نور حضرت جلت قدرتہٗ سے میری جانب آیا اور میں مشاہدہ میں تھا جوں ہی میرے سر پر پہنچا دیکھا کہ مجھ سے بھی ایک نور نکل کر الگ ہوا اور ہوا میں دونوں نور آپس میں مل گئے۔ ان دونوروں سے صورت آراستہ ہو کر جلوہ گر ہوئی۔ ایک مدت تک ہر سماع میں یہ حالت مشاہدہ ہوتی رہی یہاں تک کہ اس سے ترقی کی اور ترقی کے مقام کو بحرالمعانی میں گنجائش نہیں پھر کبھی لکھوں گا۔ البتہ اس مقام کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ سارے انبیاء و اولیاء کی انتہاء اور اتصال حضرت رسالت علیہ السلام کے نور تک ہے لیکن مصطفیٰ علیہ السلام کی انتہا اور اتصال کی بحرالمعانی میں گنجائش نہ تھی اس وجہ سے اس کو چھوڑ دیا لیکن آپ سے بتاؤں گا۔ اور جب آپ کو من رآنی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) مشاہدہ حقیقۃ العین کے ساتھ ہوگا تو یہ دیکھ لیں گے۔ یہ بڑا عظیم مسئلہ ہے۔ اچھی طرح غور و فکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات اس کی ذات کے عین نہیں ہیں کیونکہ اگر اس کے تمام صفات اس کی ذات کے عین ہوتے تو اتحاد ہوتا اور

اس کی ذات کا غیر بھی نہیں ہے کیونکہ غیریت الہیت کے شمار کے مطابق ہوتی ہے۔ صفات کو قائمات بذاتہٖ کہنا چاہئے۔ (یعنی صفات اس کی ذات سے قائم ہیں) افسوس میرا جگر اس سبب سے ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے کہ جہان میں کوئی نہیں جس سے بحر المعانی کے علاوہ کہوں لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن آپ کو لکھوں گا۔ اس جگہ ایک نکتہ بیان کرتا ہوں۔ امام ابوبکر باقلانیؒ نے کیا خوب کہا ہے جہاں کہا ہے الباری عزو علا باق بالبقاءِ واحد بالوحدانیة موجود بالوجود، یعنی باری عزوعلا اپنی بقا سے باقی وحدانیت سے واحد اور اپنے وجود سے موجود ہے باقی دوسرا ہے اور بقا دوسری۔ موجود دوسرا ہے اور وجود دوسرا۔ واحد دوسرا ہے اور وحدت دوسری۔ اگرچہ اے محبوب! یہ معانی اس کے نفس کے ساتھ قائم ہیں لیکن صفات کو ذات سے جدا نہیں کر سکتے۔ یہ معانی اس پر جلوہ گری کرتے ہیں جس نے اس فقیر کی طرح اکہتر مذہبوں کو دیکھا ہو اور ان کے اختلافات کو پیچھے چھوڑ چکا ہو۔ مخالف کیا کہتے ہیں یعنی یہودی ونصاریٰ کہ الھین اثنین۔ دو معبود ایک یزداں دوسرے اہرمن، ایک نور سے دوسرا ظلمت سے۔ اور اہل طبایع کہتے ہیں کہ عالم بنانے والے افلاک ہیں اور عناصر کو قدیم کہتے ہیں اور ان شبہات کی ضرورت نے ان کو حقیقت سے محروم کر دیا ہے اور ایک عالم اپنے آپ سے حجاب میں ہے اور ساری عمر کے کسی لحظہ میں بھی شناخت سے قاصر رہتے ہیں۔ ان سے کیا توقع کی جائے لیکن سرورِ اولیاء علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو دیکھئے کہ حقیقت کو پہچان کر کیا فرماتے ہیں کہ عرفت ربی بربی (میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار سے پہچانا) محبوب! خدائے تعالیٰ کو خدا ہی سے پہچان سکتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو خدا ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں وہ کہ غیرت سے لن ترانی کہا کہ اے موسیٰ تو جہد و کوشش سے نہیں دیکھتا یعنی تو اپنی خودی کے ساتھ مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن مجھ کو میرے ساتھ دیکھ سکتا ہے یہ حضرت ذوالنون مصریؒ بھی اس مقام کے بیان میں کہتے ہیں کہ رأیت ربی بربی ولولا ربی لما قدرت علیٰ رویة ربی، (میں نے دیکھا اپنے رب کو اپنے رب سے اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ دیکھ سکتا) اور شیخ ابوالحسن نوریؒ کے کلام میں بھی یہی اشارت ہے کہ ماراٰی ربی احد سوی ربی (کسی نے نہیں دیکھا

میرے رب کو میرے رب کے علاوہ) اللہ تعالیٰ ان دو اشعار کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

ایں چشم و آں چراغ دو نور اند ہر یکے　　چوں باہم اند ہیچ کس ایشاں جدا نہ کرد
چوں روح در نظارہ فنا گشت ایں بگفت　　نظارۂ جمالِ خدا جز خدا نہ کرد

(یہ آنکھ اور وہ چراغ ایک ایک نور ہیں چونکہ باہم ممزوج ہیں لہٰذا ان کو کوئی جدا کر ہی نہیں سکتا، جب روح نظارہ میں فنا ہوگئی تو اس نے کہا کہ خدا کے جمال کا نظارہ سوائے خدا کے کوئی نہیں کرتا)

(تشریح) مشاہدہ یا شہود عین یکتائی میں حاصل ہوتا ہے۔ مُدرِک اور مُدرَک ایک ہو جاتے ہیں)

اور اس مقام شہود کی بات باقی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں بھی لکھی جائے گی۔ چاہئے کہ آپ پست ہمتوں میں سے کسی کو بحر المعانی پر مطلع نہ کریں۔ جس حالت میں قلم چل رہا ہے یہ سیاہی ہے اگر دیکھنے کے بعد قلم زد ہو جائے عیب نہ نکالیں۔

(مکتوبہ جمعرات ۴ر شوال ۸۲۴ھ)

تیرھواں مکتوب

(مشاہدات کے سلسلہ میں)

محبوبم اعز محترم ملک محمود شیخن دام عزہ۔ محمد حسینی کی جانب سے سلام و دعا قبول فرمائیں۔ دینی اعمال اور مقام یقین کے احوال کا حصول موجب شکر ہے خط کا نفس مضمون یہ ہے۔

آہ دراں شمع منور چہ بود　　کاتشے زد در دل و در شش حدود
اے زدہ اندر دل من آتشے　　سوختم اے دوست بیازود زود
صورتِ دل صورت مخلوق نیست　　کز رخِ دل حسنِ خدا بر فزود
جانِ من اول کہ بدیدم ترا　　جان من از جان تو چیزے شنود
جز شکرش نیست مراچارۂ　　جز لب او نیست مرا ہیچ سود

(آہ اس روشن شمع میں کیا تھا جس نے دل اور شش جہت میں آگ لگادی۔ اے دوست تو نے میرے دل میں آگ لگادی۔ اب میں جل رہا ہوں جلد آ دل کی صورت مخلوق کی صورت نہیں ہے۔ کیوں کہ دل کے چہرہ سے خدا کا حسن دوبالا ہوا ہے۔ جان من جب میں نے تجھے ازل میں دیکھا تو میری جان نے تیری جان سے کچھ سنا۔ میرے لیے سوائے اس کے شکر کے چارہ نہیں اور سوائے اسکے لب کے مجھے کسی سے کچھ حاصل نہیں ہے)

(تشریح) معشوقِ حقیقی نے عشق کی کارفرمائی سے عاشق کو وجود بخشا اور الست بربکم کے نفحہ سے اس کے دل اور شش جہت میں آگ لگادی۔ عاشق کا دل مخلوق نہیں ہے کیوں کہ وہ معشوق ہی کے اجزائے حسن کا مرکز ہے (اجزائے حسن میں ہے) جب عاشق نے وجود پا کر وجود دینے والے کو دیکھا تو اس کا عارضی وجود وجود حقیقی سے فیضیاب ہوا اور

یہ فیض کلام کے واسطہ سے پہنچا۔ لہٰذا عاشق اس کے لبوں کا دیوانہ ہوگیا۔ اس طرح عشق کا فیض معشوق سے عاشق کو پہنچا اور وہ بندۂ بے دام بنا)

اے محبوب! میں نے مصر میں کتاب انجیل میں پڑھا ہے کہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ فرماتا ہے کہ اے شاہدان حضرت غناکم فلم تطربوا وزمرناکم فلم ترقصوا، (ہم نے راگ الاپا تم نے اظہار شوق نہ کیا اور مزامیر بجائے تم نے رقص نہ کیا) کتاب زبور میں پڑھا ہے کہ حضرت جل وعلا فرماتا ہے الا طال شوق الابرار الیٰ لقائی وانا الیٰ لقائهم لاشد شوقاً (واہ ابرار کو میری ملاقات کا کتنا شوق ہے اور مجھے ان سے ملاقات کا کتنی شدت سے اشتیاق ہے) جانتے ہو کہ تم سے اور مجھ سے حضرت جل وعلا کی یہ کیا معاملت ہے یعنی اس مشت خاک پر کیا آ پڑا ہے کہ فلک وملک کے تمام موجودات حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبائے غیرت سے کٹے جارہے ہیں کہ یہ کیا ہے اور کہاں سے ہے۔ اور ازل سے ابد تک ان کے لیے سرزنش ہے کہ انی اعلم مالا تعلمون (۲/۳۰) (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔

رافضی انگشت در دنداں بماند ہم علیؓ و ہم عمرؓ آمیختند
رنگِ معشوقاں و رنگِ عاشقاں ہمچو زر بایک دگر آمیختند

(رافضی حیران ہیں کہ علیؓ اور عمرؓ مل کر ایک ہوگئے۔ معشوقوں اور عاشقوں کے رنگ یکساں ہوتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ع کہ زرزر کشد در جہاں گنج گنج۔

(تشریح) یہاں علیؓ معشوق ذات اور عمرؓ عاشق ذات ہیں اور حقیقت میں ان سے مراد روح اور نفس ہیں۔ روح کا رنگ سرخ ہے اور نفس کا زرد اور پھولوں کے زیرہ میں یہ دونوں رنگ سنہرے ہوکر مل جاتے ہیں یہ نفس وروح کی یک رنگی رنگ عشق کی مشعر ہے)

حضرت لایزالی کے شاہدوں کی پونجی ہمت ہے کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ قیمة المرء علی قدر همته (انسان کی قدر وقیمت اس کی ہمت کے مطابق ہے) فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست۔ جب شاہدین کا کام ہمت کے اندازہ پر منحصر ہوا (تو) تلك الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض (۲/۲۵۳) (وہ رسول ہم نے ان میں

سے بعض کو بعض پر فضیلت دی) درست ٹھہرا۔ اے محبوب! کچھ جانتے ہو کہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے تین شاہدوں کو بزرگی بخشی۔ ابراہیم خلیلؑ کو خلت سے اس واسطے زینت دی کہ کسی شاہد میں اتنی جود وسخا نہ دیکھی گئی اور کہا کہ جود وسخا میری آن سے ہے لہٰذا میں نے ان کو خلعت کا لباس پہنایا کہ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً (۴/۱۲۵) (اور ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا) اور دوسرے میں میں نے موسیٰؑ کو دیکھا کہ کوئی ان سے زیادہ متواضع اور تسلیم والا نہیں ہے۔ پس اس وجہ سے اس کو اپنے کلام سے مخصوص کیا کہ و کلم اللہ موسیٰ تکلیماً (۴/۱۶۴) (اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے گفتگو کی اور تیسرے اپنے حبیبؐ پر نظر ڈالی دیکھا کہ ان سے زیادہ مشتاق اور محبت کرنیوالا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ تو ان کو اپنی رویت سے بزرگی دی کہ الم تر الی ربك کیف مد الظل (۲۵/۴۵) (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کو کیسے پھیلایا) اور ان کے نام پر اظہار ربوبیت کا سکہ ڈھالا کہ لولاك لما اظهرت ربوبيتي (اگر تم نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) اے محبوب! اسی طرح میں نے بھی ترانوے سال تک دوستوں اور چاہنے والوں پر نظر رکھی اور کسی لائق و فائق اور اپنے کلمات کا ذائقہ چکھنے والے کو ڈھونڈھتا رہا سوائے آپ کی ذات کے کسی کو زیادہ محبّ، زیادہ محبوب اور زیادہ مطلوب نہ پایا۔ پس ضروری ہوا کہ بحر المعانی کے اظہار کا سکہ آپ کے نام پر ڈھالوں۔ رب یسر و تمم بالخیر، (اے میرے رب آسان فرما اور بخیر وخوبی اختتام کو پہنچا) محبوب! میں اس بحر المعانی میں کئی ہزار مقامات عشق و عاشقان اور مکان و لامکاں سے گزرا اور گزر گیا اور ہر مقام کے خلاصہ کی دن کے وقت کتابت کرتا رہا اور عالم بے حرف وصوت سے عالم با حرف وصوت میں کیا لا سکا انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ادراک ہوگا اور آپ سے مطلق دریغ نہ کروں گا۔ آخر آپ نے سنا ہوگا کہ شر الناس من اکل وحدہٗ (لوگوں میں برا وہ ہے جو تنہا کھائے) ابراہیمؑ صاحب ذوق تھے۔ موسیٰ صاحب لذت تھے اور حضرت حبیب اللہؐ صاحب حلاوت تھے۔ اے محبوب! نہیں جانتے کہ کیا کہتا ہوں۔ شہد دیکھنا دوسری بات ہے اور شہد کھانا دوسری بات۔ اور شہد ہو جانا دوسری بات۔

اے دوست شکر بہتر یا آں کہ شکر باشی   خوبی قمر بہتر یا آں کہ قمر باشی

(دوست شکر بہتر ہے یا شکر ہو جانا (صفت حلاوت) چاند کی خوبی اچھی ہے یا چاند ہو جانا)

(تشریح) عاشق یا معشوق ہونے سے عشق ہو جانا بہتر ہے اور یہ مرتبہ رسول اکرم کا ہے جو صاحب حلاوت اور انبیاء ہیں مشتاق تر ہیں)

اور اے محبوب! سید کونین علیہ السلام نے اشارہ ظاہر کیا اور فرمایا المسافرون علی ثلاثة اصناف صنف يسافر الدنيا راس ماله الدنيا المعصية والندامة وربحه النار وصنف يسافر فی الآخرة راس ماله الطاعة والعبادة وربحه الجنة وصنف يسافر فی الله رأس ماله المعرفة وربحه لقاء الله (مسافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم اس کی ہے جو دینوی سفر کرتا ہے اس کا راس المال معصیت اور ندامت ہے اور اس کا فائدہ آگ (دوزخ) ہے اور دوسری قسم اس کی ہے جو اخروی سفر کرتا ہے اس کا سرمایہ طاعت اور عبادت ہے اور اس کا فائدہ جنت ہے اور تیسری قسم اس کی ہے جس کا سفر فی اللہ ہے (جو صرف اللہ کے لیے سفر کرتا ہے) اس کا رأس المال معرفت ہے اور اس کی خوشبو اللہ تعالیٰ کی لقاء ہے) ان تیسرے مسافروں کے لیے کیسی نفع بخش بات ہے۔ اے محبوب شاہد حقیقی کو اچھی طرح پالو کہ اعلم الموجودات تنقسم الیٰ ثلثة اقسام الیٰ واجب الوجود والیٰ جايز الوجود والیٰ مستحيل الوجود ای العدم، اما المعنی بواجب الوجود فهو القائم بنفسه لا لقائم بغيرهٖ وهو ذات الباری تعالیٰ الابتداء بوجوده والانتهاء لثبوتهٖ (لهويتهٖ) و هذا هوا القديم الحقيقی القديمی ابداً واما جايز الوجود فهو الذی يجوزان لايكون فاذا كان عدمها غير جايزهی الانوار والارواح المعنوية وما علی ذلك فهو ما يجوز ان يكون ويجوزان لايكون وما لا يدخل فی الوجود فهوا لعدم، (جان لو کہ موجودات تین حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک قسم واجب الوجود، دوسری جایز الوجود، تیسری مستحیل الوجود یعنی عدم۔ واجب الوجود کے معنی ہیں قائم بنفسہٖ نہ کہ قائم بغیرہٖ۔ اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے وہی وجود کی ابتداء اور ثبوت

(ہویت) کی انتہا ہے اور وہی قدیم حقیقی ابدی ہے۔ جہاں تک جائز الوجود کا تعلق ہے ممکن ہے کہ اس کا وجود جائز نہ ہو (اعتباری ہو) اس لیے کہ اس کا معدوم ہونا جائز نہیں۔ وہ انوار اور ارواح معنویہ ہیں۔ اور تیسری قسم (مستحیل الوجود) وہ ہے جس کا ممکن ہونا کسی طرح جائز نہیں۔ وہ وجود کے تحت داخل نہیں ہوسکتا بلکہ وہ عدم محض ہے۔

بہتر مذاہب ایک دوسرے سے خصومت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے مخالفت و عداوت کرتے رہے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی ضد اور نامعقول حجتوں کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ اگر وہ سب اکٹھا ہو کر اس فقیر کے کلمات سنتے تو ان کو حقیقت کی تحقیق ہوتی کہ سب ایک دین اور ایک ملت پر ہیں۔ پس غلط مثالوں نے خلق کو حقیقت سے دور کر رکھا ہے۔ وما یتبع اکثرھم الاظناً ان الظن لایغنی من الحق شیئاً (۳۶/۱۰) (اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ کارآمد نہیں ہوسکتا) اے محبوب! اسماء بہت ہیں لیکن (ان اسماء کا) عین اور مسمّیٰ ایک ہے۔ جیسے آپ ہی کا نام محمود ہے اور ملک بھی ہے۔ عارف و عاشق و محبوب بھی آپ ہی کے نام ہیں۔ ان ناموں سے آپ کی حقیقت کیا بنتی ہے۔ یہی ایک محمود یعنی اللہ۔ آپ کا نام ایک نہیں ہے لیکن مسمّیٰ ایک ہے لکم دینکم ولی دین (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین) خود فرمایا ہے اور ایک عالم گمراہ ہے اور نہیں پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

اے ذات تو در صفات پنہاں   کلی تو کردہ اسم انساں
مقصود ز آفرینش ما   اسم است ولے توئی مسما
جملہ یک ذات است اما متصف   جملہ یک حرف و عبارت مختلف
مردی باید کہ باشد شہ شناس   گرچہ بیند شاہ را در صد لباس

(اے وہ کہ تیری ذات صفات میں پوشیدہ ہے اور تیرے کل کا نام انسان ہے۔ ہماری تخلیق سے مقصود اسماء کا اظہار ہے جس کا مسمّیٰ تو ہی ہے۔ ذات صرف ایک ہے جو

مختلف صفات سے متصف ہے گویا ایک حرف ہے جس کی عبارتیں مختلف ہیں۔ شاہ کو پہچاننے والا چاہئے جو اسے سیکڑوں مختلف لباسوں میں پہچان لے)

(تشریح) غیریت کی نفی ہے۔ نہ خود کو غیر جانو نہ کسی دوسرے کو۔ کیوں کہ کل صفات انسان میں ہیں۔ انسان کے علاوہ دوسری مخلوق صفات جزوی کی حامل ہے۔ لہٰذا عشق سے محروم ہے)

حضرت رسالت علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ کل مجتهد هذا مصيبه ہر مجتہد راہ راست پر ہے پس ہر ملت نے ایک اجتہاد پر بھروسہ کرلیا ہے۔ اے محبوب! اس فقیر کے عربی کلام جو میں نے کہے آپ نے سنے اور اس بیچارے کے کلمات کونین کی شرح ہیں کہ سارے موجودات تین اقسام پر ہیں ایک قسم واجب الوجود ہے اور واجب الوجود وہ ہے کہ نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے یعنی نہ زیادتی قبول کرتا ہے نہ نقصان اور وہ خداوند عزوجل کی ذات ہے۔ دوسری قسم نقصان قبول کرنے والی ہے لیکن نقصان سے دور رہتی ہے زیادہ نہیں ہوتی اور نقصان کے تحت نہیں آتی اور یہ صفت انوار، ارواح اور علم آخرت کی ہے اور تیسری قسم جو نقصان بھی قبول کرتی ہے اور زیادتی بھی۔ یہ عالم جسمانی اور دنیاوی قالب ہے۔ اور وہ جو وجود میں داخل نہیں ہے عدم ہے۔ قطرہ خود کو دریا میں پاتا ہے جیسا کہ منصور نے انا الحق کہا اس کو معذور سمجھنا چاہئے۔ نیز ایک دوسرا انا ربکم فاعبدونی (میں تمہارا رب ہوں پس میری عبادت کرو) کہتا ہے۔ اس کو بھی معذور سمجھنا چاہئے۔ اگر اس مقام میں جہاں فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ (۵۳/۱۰) (اس نے اپنے بندہ کی طرف بھیجا سو بھیجا) میں کیا ہوا میں اور تم حاضر نہ ہوتے تو کیا میں اور کیا تم اور کیا ابولہب اور کیا ابوجہل۔ یہ سب قیاس آرائی کے لیے کہا گیا کیوں کہ آپ اہل معنی ہیں نہ کہ اہل صورت (یعنی فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ میں یکتائی ظاہر کی گئی۔ عاشق ومعشوق کی درمیانی دوئی کا ازالہ ہوا)

براہل صورت شد سخن اجمالہا تفصیلہا بر اہلِ معنی شد سخن تفصیلها اجمالہا

(اہل صورت پر بات کی تفصیل کا بوجھ رہتا ہے لیکن اہل معنی اجمال سے تفصیل حاصل کرتے ہیں)

(تشریح) اہل ظاہر بات سن کر مطالب اخذ کرنے میں گمان سے کام لیتے ہیں اور اہل معنی اجمال سے تفصیل حاصل کرتے ہیں یعنی اجمال کی بلاغت سے حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں)

اے محبوب! اگر ستر برس مدرسہ وخانقاہ میں رہے تو اس حضرت کی بو بھی نہ پائے۔ جب تک ایک لحظہ خرابات میں نہ ہو گے کوئی اثر نہ پاؤ گے۔ دیکھو کہ مقام شاہدی میں لکھنے والا کیا کہتا ہے فلولا کان وجودی فی الخرابات مرۃ فروحی فداك (اگر میرا وجود خرابات میں ایک بار بھی نہ ہوتا۔ میری روح تجھ پر فدا ہو) خرابات کہاں ہے فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحی 'خرابات ہے۔ دنیٰ 'فتدلی سیاست کلی ہے۔ پیران خرابات وکلیسا کو فرمان نہیں دیتے۔ کسی کا یہ جگر نہیں کہ خرابات خانہ کی دولہن کو جو شاہد ازلی ہے قل الروح من امر ربی (۸۵/۱۷) (کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے) کو دیکھ سکے۔ شاہد ومشہود کو خرابات خانۂ کفر میں رکھا گیا ہے۔ جب تک اس کفر قل الروح من امر ربی کو پیچھے نہ چھوڑو گے شاہد ومشہود، احد، احمدی کے ایمان کے مومن نہ ہو گے۔

اندر رہِ عشق سرسری نتواں رفت   بے دیدہ رہ قلندری نتواں رفت
خواہی کہ پس از کفر بیابی ایماں   تا جاں نہ دہی بہ کافری نتواں رفت

(عشق کے راستہ پر سرسری طور سے نہ گزرنا چاہئے۔ قلندری کی راہ پر بغیر دیکھے نہ چلنا چاہئے۔ اگر چاہتے ہو کہ کفر کے بعد ایمان حاصل کرو تو جب تک جان نہ دو گے کافری تک نہ پہنچو گے)

(تشریح) اسم اول اور اسم آخر کا ایک ہو جانا قلندری ہے۔ شاہد ازل اسم اول ہے اور بشر اسم آخر ہے۔ تاوقتیکہ ان دونوں کی یکتائی کا مشاہدہ نہ ہو اس راستہ کو اختیار نہ کرنا چاہئے۔ بشر وہ مشہود ہے جو شاہد ازل کا حجاب ہے اور حقیقت میں شاہد ومشہود ایک ہیں۔

اصل شہود و شاہد ومشہود ایک ہیں   حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

یہ بشر روحانیت میں احمد ہے اور شاہد ازل احد ہے۔ احمد اور احد بھی در حقیقت ایک ہیں لیکن احمد احد کا حجاب بن گیا ہے اسی طرح قل الروح من امر ربی میں روح امر کا حجاب

ہے اور امر رب کا حجاب ہے اور ہر حجاب کفر ہے۔ لہٰذا جب تک روح کو قربان نہ کرو گے امر تک نہ پہنچو گے۔ امر بشریت ہے جسے حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں خرابات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا خرابات میں داخل ہو کر بشریت جو آخری حجاب ہے اس کو بھی قربان کر کے احد ہو جاؤ تا کہ مومن و کافر کا فرق مٹ جائے۔ یہ ایمان حقیقی یعنی شاہد و مشہود کی یکتائی ہے اور یہی عشق ہے یعنی یکتائی وجود میں ہے اور وجود تک رسائی جان دے کر حاصل ہوتی ہے)
محبوب! دیکھا نہیں کہ بلبل پھول کی عاشق ہے۔ جب پھول کے پاس پہنچتی ہے تو شاہد کے جمال کے مشاہدے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لیے کانٹے کو دیکھتی ہے اور خود کو فوراً اس کے جمال کی نذر کر کے بے جان ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لاکھوں کروروں عاشق اور سالک اس مقام میں زاری کرتے ہوئے بیجان ہوئے اور ہوتے ہیں یعنی محو ہو جاتے ہیں جیسے پروانہ شمع پر گر کر شمع کا رنگ حاصل کرتا ہے۔

آفتاب است او و ما خود ذرّہ ایم　　ذرہ ساں گشتیم زاں سرگشتہ ایم
ذرّہ در خورشید اگر گردد نہاں　　خود ہمہ معشوق باشد در عیاں

(وہ آفتاب ہے اور ہم خود ذرہ ہیں۔ چوں کہ ذرہ ہونا پسند کیا اس لیے اب ذرہ بن کر پریشان ہیں اگر ذرہ آفتاب میں چھپ جائے تو وہی آفتاب بن کر عیاں ہوگا)

(تشریح) ذرات کا وجود آفتاب سے ہے اور اس عارضی وجود کا دعویٰ باعث سرگشتگی ہے۔ اگر ذرات آفتاب میں واپس چلے جائیں تو ان کا وجود باقی نہ رہے گا۔ آفتاب ہی عیاں ہوگا۔ کیوں کہ نور میں مادّے کو جذب کرنے اور مادہ میں نور کو جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ طاقت مادہ میں اور مادہ طاقت میں بدلتا رہتا ہے)

اگر پھول میں کانٹا نہ ہوتا تو سب بلبلیں عاشق ہو جاتیں لیکن کانٹے کی وجہ سے سو بلبلوں میں سے ایک عشق کا دعویٰ نہیں کرتی۔ اے محبوب! ترسا ہو جاؤ پھر ان اشعار کو پڑھو

ترسم کہ من از عشق تو شیدا گردم　　وز زلف چلیپائے تو رسوا گردم
وانگہ بخرابات زناگہ روزے　　در دامنت آویزم و ترسا گردم

(ڈرتا ہوں کہ میں تیرے عشق میں مدہوش ہو کر تیری زلف میں پھنس کر رسوا نہ ہو جاؤں اچانک ایک روز خرابات سے گزرا اور یکا یک بشریت سے تیرا دامن پکڑ کر آتش سر پرست بن گیا)

(تشریح) قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله (کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا) عاشق ہونے کا حکم بھی ہے اور ترغیب بھی۔ اور عشق نار الله الموقدة التی تطلع علی الافئدة (وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر طلوع ہوتی ہے) ہے۔ یہ آگ جب بشر کے دل میں یکا یک سلگتی ہے تو وہ آتش پرست ہو جاتا ہے۔ گویا معشوق کا دامن اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے)

من تشبه بقوم فهو منهم (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھیں میں سے ہے) حاصل کرو تا کہ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله کو سمجھو۔ جانتے ہو کہ فاتبعونی یحببکم الله میں کیا غمزے ہیں۔ کیا خوب شاہد اور کیا خوب مشہود حضرت رسالت علیہ السلام نے شاہدان معنوی کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ کیسا پیارا شاہد۔ شاہد و مشہود کے نہایت کمال کا مقام فاتبعونی میں بیان کر کے ظاہر فرمایا جیسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یعنی ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ میں تنہا چلتے دیکھا:

فقال علیه السلام یا اباذر تمشی وحدك فالله تعالیٰ فرد وانت فی الارض فرد فکن فرد الفرد ثم قال یا ابا ذر ان الله جمیل ویحب الجمال، ثم قال یا اباذر اتدری ماغمی و فکری والیٰ ای شیءٍ اشتیاقی ، فقال اخبرنی یارسول الله صلی الله علیه وسلم بغمّك و فکرك و اشتیاقك، ثم قال اَخ اَخ واشوقاه الیٰ لقاءِ اخوانی یکونون من بعدی، وهم کالانبیاء وهم عندالله بمنزلة الشهداء و بمنزلتی، وهم یفرّون من الآباء والامّهات والاخوة والاخوات ابتغاء مرضات الله تعالیٰ وهم یترکون المال ویترکون انفسهم بالتواضع ولایرغبون فی الشهوات وهم یجلسون فی بیت من بیوت الله مغمومین محزونین من حبّ الله قلوبهم

الی اللہ و ارواحھم مع اللہ وعلمھم من اللّٰہ وازا امرض احد منھم ھوافضل من عبادۃ سنۃ وان شئت ازیدك یا اباذر، قال نعم، یا رسول اللہ ،فقال یا اباذر الواحد منھم یموت فھو کمن مات فی السماء لکرامتھم عند اللہ وان شئت ازیدك یا اباذر قال نعم یا رسول اللہ فقال الواحد منھم فی مرۃ یقول اللہ فلہٗ عند اللہ اجر سبعین حجّۃ وغزوۃ وکان لہٗ اجر عتق اربعین رقبۃ من ولد اسماعیل علیہ السّلام کل واحد منھم باثنی عشر الفاً وان شئت ازیدك یا اباذر قال نعم یا رسول اللہ، قال الواحد منھم یصلّی رکعتین افضل عنداللہ من رجل یعبد اللہ فی جبل لبنان مثل عمر نوح عیلہ السلام الف سنۃ وان شئت ازیدك یا اباذر قال نعم یا رسول اللہ قال الواحد منھم یسبّح تسبیحہ خیراً لّہٗ یوم القیامۃ من ان تسیّر معہٗ الجبال ذھباً ،وان شئت از یدك یااباذر، قال نعم یارسول اللہ قال نظرك الیٰ احدھم احب الی اللہ تعالیٰ من نظرك الی بیت اللہ تعالیٰ ومن نظر الیہ فکانّما ینظر الی اللہ تعالیٰ ومن سترہ فکانّما ستر اللہ تعالیٰ ومن اطعمہٗ فکانما اطعم اللّٰہ تعالیٰ وان شئت ازیدك یااباذر قال نعم یا رسول اللہ قال یجلس الیھم قوم منقّلین من الذنوب ما یقومون من عندھم حتیٰ ینظر اللہ الیھم ویغفرلھم ذنوبھم لکرامتھم عند اللہ تعالیٰ ویااباذر ضحکھم عبادۃ ومزاحھم تسبیح ونومھم صدقۃ ینظر اللہ الیھم فی کل یوم سبعین مرۃ قال اباذر انی الیھم مشتاق فقال واشوقاہ الیٰ لقائھم وقال صلی اللہ علیہ وسلم، اللھم احفظھم وانصرھم علیٰ من خالفھم واقر عینی بھم یوم القیامۃ ثم قرأ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہ ولاھم یحزنون۔

(تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ابوذر تم اکیلے جا رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ (بھی) فرد ہے اور تم زمین پر فرد (یعنی اکیلے) ہو (لہٰذا تم اس) فرد کے فرد ہو جاؤ پھر فرمایا کہ اے ابوذر! اللہ حسین ہے اور حسن کو دوست رکھتا ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ مجھے کیا غم اور فکر ہے اور کس چیز کا اشتیاق ہے۔ غرض کیا کہ حضور اپنا غم اور فکر و اشتیاق بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ اَخ، اَخ یعنی بھائی بھائی۔ بڑا شوق مجھے اپنے ان بھائیوں سے ملنے کا ہے جو میرے

بعد ہوں گے اور وہ مثل انبیاء کے ہوں گے اور وہ اللہ کے نزدیک اہل شہود کے مرتبہ پر ہوں گے اور میرے مرتبہ پر اور وہ اللہ کی خوشی پوری کرنے کو ماں، باپ، بھائی اور بہن سب سے بے تعلقی اختیار کریں گے۔ مال کو ترک کریں گے اور اپنے نفسوں کو پاکیزہ بنائیں گے اور خواہشوں کی طرف متوجہ نہ ہوں گے وہ اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر میں اللہ کی محبت سے مغموم ومحزون بیٹھے ہوں گے۔ ان کے دل اللہ کی طرف ہوں گے ان کی روح اللہ کے ساتھ ہوگی اور ان کا علم اللہ سے ہوگا۔ اور جب ان میں سے کوئی بیمار ہوگا تو اس کی یہ بیماری ایک سال کی عبادت سے افضل ہوگی۔ اور اگر کہو تو اور بیان کروں عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ ان میں سے کوئی مرے گا تو ایسا ہوگا کہ گویا آسمان پر کوئی مر گیا اللہ کے نزدیک ان کی ایسی بزرگی ہوگی اور کہو تو اور بیان کروں۔ عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک بار اللہ کہے گا تو اس کو ستر حج اور غزوے کا ثواب ملے گا اور چالیس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا (اور غلام بھی وہ کہ) جو اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے ہوں۔ جن میں سے ایک بمنزلہ بارہ ہزار کے ہے۔ اور کہو تو اور بیان کروں۔ عرض کیا ہاں رسول اللہ۔ فرمایا کہ ان میں سے کوئی دو رکعت نماز پڑھے گا تو وہ اللہ کے نزدیک اس شخص سے افضل ہوگا جس نے کوہ لبنان میں حضرت نوحؑ کی عمر کے مثل ہزار سال عبادت کی ہو۔ اور کہو تو اور بیان کروں، عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا کہ ان میں سے کوئی تسبیح کرے گا تو اس کی تسبیح اس کے لیے قیامت کے دن اس سے بہتر ہے کہ اس کے ساتھ سونے کا پہاڑ چلے اور کہو تو اور بیان کروں۔ عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا ان میں سے کسی کو تمھارا دیکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت کعبہ کو دیکھنے کے۔ اور جس نے ان کو دیکھا اس نے گویا اللہ کو دیکھا اور جس نے ان کو کپڑا پہنایا اس نے گویا اللہ کو پہنایا اور جس نے ان کو کھانا کھلایا اس نے گویا اللہ کو کھلایا۔ کہو تو اور بیان کروں۔ عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا کہ ان کے پاس لوگ گناہوں سے لدے ہوئے جا کر بیٹھیں گے اور قبل اس کے کہ وہاں سے اٹھیں اللہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور ان کے گناہ بخش دے گا۔ بوجہ (ان حضرات) کی بزرگی کے جو اللہ کے نزدیک ہے ان کی ہنسی عبادت ہوگی ان کا مزاح تسبیح ہوگی اور ان کی نیند صدقہ

ہوگی۔ اللہ ان کی طرف ہر دن میں ستر مرتبہ نظر کرے گا۔ ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا کہ حضور میں (بھی) ان کا مشتاق ہوں۔ فرمایا کہ بڑا شوق ان سے ملنے کا ہے اور فرمایا کہ خداوندا ان کی حفاظت فرمانا اور ان کو ان کے مخالفین پر نصرت دینا اور قیامت کے دن میری آنکھیں ان سے ٹھنڈی کرنا۔ پھر یہ آیت پڑھی (یعنی) اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم۔

اے محبوب! ان کی اس شاہد بازی کو حضرت رسالت علیہ السلام نے ابوذر غفاریؓ سے کم ہمتوں کے حوصلہ کے مطابق بیان فرمایا ہے لیکن جو میں نے تین سو بیاسی اولیاء و اقطاب و محبوباں و معشوقاں حضرت وہاب جلت قدرتہٗ کا مشاہدہ کر کے جانا ہے۔ وہ اس مکتوب کے بعد دوسرے مکتوب میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے لکھوں گا تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ خواجہ کونین علیہ السلام نے ابوذر غفاری سے کم ہمتوں کے حوصلہ کے مطابق بیان فرمایا اے محبوب دلی و مقصود جانی یہ حدیث شاہد بازان حضرت لایزالی تم سے بیان کر دی۔ اور اس کی شرح اور ان کے مراتب دوسرے مکتوب میں پوری طرح واضح کروں گا۔ اس فقیر کے کلمات معنوی سمجھنے کے لیے اہل ظواہر کو صبر کامل سے کام لینا ہوگا۔ قالب کی بصیرت پر قلب مامور ہے اور قلب کی بصیرت پر روح مامور ہے۔ اہل ظواہر صبر کو اپنے میں دیکھتے ہیں جب تک مومن نہ ہو جائیں ہرگز نہ پائیں گے۔ کیوں کہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے خود شرح فرمائی ہے یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا (۳/۲۰۰) (اے ایمان والو۔ صبر کرو (ثابت قدم رہو) اور استقامت رکھو اور جمے رہو) فقیر کی تفسیر یہ ہے کہ اصبروا بالجسد علی طاعة الله تعالیٰ وصابروا بقلوبكم على البلاء فى الله ورابطوا باسراركم على الشوق الیٰ لقاء الله (اللہ تعالیٰ کی طاعت پر جسم کے ساتھ ثابت قدم رہو اور اس کے سلسلہ میں اپنے قلوب کے ساتھ بلاؤں پر استقامت رکھو۔ اور اس کی لقاء کے لیے شدت شوق کے ساتھ جمے رہو) اے محبوب! شاہدوں کی یہ حالت اور ولایت ان (مذکور خواص کے ساتھ) اس میں پاؤ گے۔ جو ھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) (کا مورد ہو) مجوبوں کا گروہ شاہد کو اپنے ساتھ ڈھونڈھتا ہے ناچار اپنے کو پاتا ہے اور اس کو اسی سے دیکھا جاتا

ہے جیسا کہ اس فقیر کا قول ہے رأیت ربی بربی (میں نے اپنے رب کو اپنے رب سے دیکھا) الحمد للہ علیٰ ذلك پس اے محبوب انجیل کا قول ہے کہ لا یدخل فی ملکوت السماءِ من لم یولد مرّتین (آسمان کے ملکوت میں کوئی اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک دوبارہ نہ پیدا ہو یعنی کہا کہ جب تک دوبارہ پیدا نہ ہو کہیں نہ پہنچو گے۔ یعنی جب ماں سے پیدا ہوئے تو خود کو اور اس جہان کو دیکھا اور یہ کہ دوبارہ خود سے پیدا ہو تو اس جہان اور خدائے عزوجل کو دیکھو۔ حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے بیان کیا ہے اور کس طرح اطلاع اور اشارہ دیتا ہے کہ قالوا ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین (۱۱/۴۰) (وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار۔ تم نے ہم کو دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندہ کیا) ایک موت کو قالب کی موت کے علاوہ جانو اور دوسری زندگی کو قالب کی زندگی کے سوا پہچانو اور اگر پوری طرح جاننا چاہو کہ معنوی موت و حیات کیا ہے تو حضرت نبی علیہ السلام سے سنو کہ اپنی دعا میں کیا فرماتے ہیں اللّٰھم بك احیی وبك اموت کہ خداوندا تیرے ساتھ زندہ ہوں اور تیرے ساتھ مرتا ہوں) اس کے ساتھ مرنا کس طرح ہے اور اس کے ساتھ زندہ رہنا کس طرح ہوگا۔ ان حالات کو شاہد بازوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ شاہد کے ساتھ زندگی کیسے ہے اور شاہد کے بغیر موت کیسے ہوتی ہے۔ یہ جو کچھ بیان کیا ہے شاہد و مشہود کا مقام بیان کیا ہے اور اس مقام کی پوری تفصیل بیان کرنے کی بشریت و شریعت یعنی قالب وقلب اجازت نہیں دیتے۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائیست　　ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر وایماں زلف وروئے آں شہ زیبائی است　　کفر وایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

(افسوس کہ یہ شریعت اندھوں کی ملت ہے۔ ہماری ملت کافری و ترسائی ہے اس شاہ کی زیبائی اس کے چہرے اور زلف سے ہے اور یہی دونوں ایمان و کفر ہیں۔ ان کی یکتائی پر ہمارا ایمان ہے)

(تشریح) ذاتِ باری تعالیٰ اس کے جلال و جمال کے بین بین ہے۔ جلال

کا مظہر کفر اور جمال کا مظہر ایمان ہے۔ ان دونوں شانوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا ذات کو ناقص قرار دینا ہے۔ لہٰذا ایمان حقیقی ان کی یکتائی کا محتاج ہے)

اے محبوب! جانو۔ کہ خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا رأیت ربی لیلۃ المعراج علی صورۃ شاب امرد (میں نے دیکھا اپنے رب کو شب معراج میں نوجوان امرد کی صورت میں) یہاں بات پوری ہوگئی۔ شاہد باز اس موت اور زندگی کو جانتے ہیں۔ موت فراق وہجراں ہوتی ہے اور زندگی ملاقات اور وصل ہوتی ہے۔ لیس الخبر کالمعائنہ (شنیدہ کے بود مانند دیدہ، سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہوتی) جو عشق اور شاہد بازی سے فارغ ہیں کیا اطلاع پائیں گے۔ اور وہ جو اس فقیر کے لیے ہے یہ کہ میرے نزدیک موت کفر ہے اور زندگی اسلام اور توحید۔ یعنی جو عبادت شریعت میں ہے وہ عادتی ہے اور ایسی عادت حضرت عزت جلت قدرتہٗ تک نہیں پہنچنے دیتی پس جو اس حضرت سے بعد ہو وہ کفر ہے۔ اور جو اس حضرت سے آشنا کردے اور قربت کا باعث ہو اگرچہ طاعت کے خلاف نظر آتا ہو لیکن عین عبادت ہے۔ میری عبارات کے تقلب کو اچھی طرح سمجھو

آں بتِ شاہد کہ عشقش جان ماست　　ہجر او درد ست وصلش مرہم و درمان ماست
روئے او دین است و قبلہ زلف او کفر است و شرک　　پس خود او ہم کفر و ہم دین من و ایمان ماست

(اس معشوق کا عشق ہماری جان ہے اس کا فراق اس کے وصال کے ہاتھوں ہمارا مرہم اور علاج ہے۔ اسکا چہرہ عین دین وقبلہ ہے اور اس کی زلف کفر اور شرک۔ پس وہ خود کفر و دین اور کفر و دین ہی ہمارا دین و ایمان ہے)

تم بھی برابر یہ دعا مانگتے رہو جو حضرت رسالت علیہ السلام ہمیشہ مانگتے رہے۔ اللهم احیینی ما علمت الحیٰوۃ خیراً لی و توفنی ما علمت الوفاۃ خیرالی (اے اللہ مجھ کو زندہ رکھ اس وقت مقررہ تک جب تک بہتر سمجھتا ہے اور مجھے وفات دے اس وقت جس کو تو میرے لیے بہتر سمجھتا ہے) اے محبوب! ایک رات میں نے خواب میں قیامت دیکھی اور تمام انبیاء اور ان کی امتوں کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر پیغمبر دو نور رکھتا ہے اور اس کا ہر امتی ایک نور رکھتا ہے لیکن جب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر سے پائے مبارک تک نور ہی نور تھے آپ علیہ السلام کا نور ایسا چمکتا

تھا کہ ہر پیغمبر کی جانب دوگنی شعاع نور منسلک ہوتی تھی اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دیکھا کہ ہر امتی ماضی کے انبیاء کی طرح دو نور رکھتا ہے یہ کہ شاہدان حضرت لایزالی یسعیٰ نورھم بین ایدیھم و بایمانھم و شمائلھم (ان کا نور دوڑتا ہے ان کے آگے اور ان کے دائیں بائیں) اور ان دونوروں میں سے جو نور علیٰ نور ہیں ایک نور نبوت نبی علیہ السلام اور دوسرا نور ولایت علی کرم اللہ وجہہ ہے۔ اچھی طرح غور کرو کہ ہر مقدمہ کو (اچھی) پوری طرح تحریر میں لا رہا ہوں۔ ایک دن شہر فلسطین میں ایک یہودی کے ساتھ راستہ چل رہا تھا اور شاہدوں کے نور کی بابت گفتگو ہو رہی تھی۔ اس نے بھی ایک عظیم عقدہ مجھ پر کھولا اور کہا کہ میں نے بھی توریت میں لکھی ہوئی ایک آیت جو انبیاء علیہم السلام کے سلوک اور محمد مصطفیٰؐ اور ان کے امت کے اولیاء کے سلوک اور ان کی امت کی تعریف و توصیف نیز فضیلت کے بارہ میں تھی پڑھی ہے وہ بھی ایسی ہی ہے جیسی تم بیان کرتے ہو۔ پس آپ کو بھی اس دعا کی پابندی کرنا چاہئے۔ اللّٰھم اعطنی نوراً فی وجھی و نوراً فی جسدی و نوراً فی عظامی و نوراً فی قلبی (اے اللہ مجھ کو عطا فرما ایک نور میرے چہرہ میں، میرے جسم میں، میری ہڈیوں میں اور میرے قلب میں) اور جب ان انوار کا مشاہدہ کرو گے تو نور ہی نور ہو جاؤ گے اور حضرت جلت قدرتہٗ کے شاہد ہو جاؤ گے۔

اینک آں مرغاں کہ ایشاں بیضہا زریں کنند
کرۂ تندِ فلک را ہر سحر گہ زیں کنند
جسمہا را جاں کنند و جان جاویداں کنند
سنگہا را کانِ لعل و کفر ہا را دیں کنند

(یہ وہ چڑیاں ہیں جو انڈوں کو سونے کا بنا دیتی ہیں۔ ہر صبح فلک پر زین کس کر سواری کرتی ہیں۔ جسموں کو جان بناتی اور جان کو بقا عنایت کرتی ہیں۔ پتھروں کو لعل اور کفر کو دین بنا دیتی ہیں)

(مطلب) حضرات شاہدین وہ بااختیار بزرگ ہیں جو آسمانوں کی سیر کرتے رہتے ہیں اور اپنے فیضِ نظر سے دوسروں کو مائل بہ تنزیہہ کر کے جان سے آشنا کراتے ہیں اور پھر ان کو فنا کے بعد بقا بخشتے ہیں۔ بے قیمت اشیاء کو قیمتی اور کفر کو دین بنا دیتے ہیں)

چودھواں مکتوب

(مشاہدات کے بارہ میں)

محبوبم اعز محترم ملک محمود شیخن دام عزہ محمد حسینی کی جانب سے سلام ودعا قبول ہو۔ دینی اعمال اور مقام یقین کے احوال کا حصول موجب شکر ہے۔ الحمد للہ علی ذلک۔ خط کا نفس مضمون یہ ہے:

امروز دیدم یار را آں رونق ہر کار را   می شد رواں برآسماں ہمچوں روانِ مصطفاؐ
خورشید از رویش خجل گردوں مشقق ہمچو دل   از تابش آں آب وگل افزوں زبانش در ضیا
گفتم کہ بنما نردباں تا بر روم بر آسماں   گفتا سرِ تو نردباں سر را در آدر زیرِ پا
چوں پائے خود بر سر نہی با بر سرِ اختر نہی   چوں تو ہوا را بشکنی پابر ہوا نہ ہیں بیا
رفتی بہ جانم بر ہوا صدرہ پدید آمد ترا   برآسماں پراں شدی ہر صبحدم ہمچوں دعا

(آج میں نے اس یار کو دیکھا جو ہر کام کی رونق ہے وہ آسمان پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کی طرح رواں ہوا۔ اس کی چمک سے آفتاب کا نور شرمندہ تھا اور آسمان دل کی طرح پاش پاش تھا۔ اور اس کے ہر بن مو کی چمک آسمان کے ذرات کی چمک سے کہیں زیادہ تھی۔ میں نے کہا کہ سیڑھی دکھا تا کہ آسمان پر جاؤں۔ اس نے کہا تیرا سر سیڑھی ہے سر کو پیر کے نیچے لے آ۔ جب اپنے پیر سر پر رکھ لے گا تو تیرے پاؤں ستاروں پر پڑیں گے۔ جب تو خواہشات نفس کو مٹا دے ہوا پر پیر رکھ کر چلا آ۔ میری جان کی قسم جب تو نے اپنی خواہشات پر قابو پا لیا تو سیکڑوں راستے ظاہر ہوں گے اور تو آسمان پر ہر صبح دعاؤں کی طرح اُڑنے لگے گا)

(تشریح) یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ربوبیت کا مشاہدہ ہے کہ کس طرح وہ عالم کے ذرہ ذرہ پر چھائے ہوئے ہیں۔ میں نے اس شان ربوبیت کے حصول کی حکمت پوچھی تو کہا گیا کہ اپنے خواہشات نفس کو مٹا کر پستی سے چھٹکارا حاصل کر اور اپنی جان کی رفعت سے کام لے کر ستاروں پر پیر رکھتا ہوا چلا آ۔ خواہشات نفس مٹ جانے کے بعد تیری جان کے قدم آسمانوں پر جمیں گے اور تو آسمانوں پر اس طرح اڑنے لگے گا جیسے ہر صبح خلق کی دعائیں اُڑ کر اللہ تک پہنچتی ہیں)

پس اے محبوب! سارے مشائخ قدس اللہ اسرارہم متفق ہیں کہ تمام شاہدان نبوت شاہدان ولایت سے درجہ میں افضل ہیں لیکن بعض اولیائے امت حضرت رسالتؐ کی قربت کے مقام میں ہیں۔ حضرت جلت قدرتہٗ کے نزدیک دوسرے انبیاء پر فضل مقید رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت رسالت علیہ السلام نے اپنے ان اولیاء کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انی رأیت رجالا من امتی فی لیلة المعراج یراهم الله تعالیٰ فی مقامی (میں نے دیکھا اپنی امت کے ایسے لوگوں کو شب معراج میں جن کو دیکھے گا اللہ تعالیٰ میرے مقام میں) یہ کہ اولیاء حضرت رسالت علیہ السلام کی قربت کس درجہ کی ہے۔ سوائے خواجہ علیہ السلام کے کسی پیغمبر کے لیے رویت اللہ کا مقام نہیں ہے۔ دنیاوی مشاہدہ کی رویت میں بھی دیکھو کہ کیا اشارہ فرمایا کہا کہ لی مع الله وقت لایسعنی فیه ملك مقرب و لا نبی مرسل (میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی بھی نبی مرسل کی) لیکن لا ولی نہ فرمایا کیونکہ حضرت خداوند کے ساتھ اپنے اس وقت کے کلام اور مشاہدہ کی علامت ظاہر فرمائی۔ اور انھیں معنوں کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ روحہ نے بھی واضح فرمایا ہے اور اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ یراه المومنون فی الآخرة کما یراه الانبیاء فی الدنیا و یراه الانبیاء فی الآخرة کما یراه النبی صلی الله علیه وسلم فی الدنیا وهو المقام المحمود الذی لایشارك فیه من الانبیاء والرسل و اولیاء امته، (مومنین اس کو ایسے دیکھیں گے جس طرح انبیاء اس کو دیکھتے تھے دنیا میں اور انبیاء اس کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح نبی دیکھیں گے دنیا میں

اور وہی مقام محمود ہے۔ جس میں انبیاء ومرسلین اور اولیائے امت میں سے کوئی شریک نہیں ہے) پس اے محبوب۔ جب اپنی قربت کا مشاہدہ اور معائنہ کروگے تب تم کو معلوم ہوگا درجہ اور قربت کی خصوصیت میں کتنا فرق ہے موسیٰ کلیم اللہؑ کی درخواست اور عیسیٰ علیہ السلام کی تمنا معلوم کرو کہ کسی نے معلوم نہیں کی اور وہ جو سلف نے معلوم کیا ہے اور یہ معنی (مذکورۂ صدر) پائے ہیں تو عقیم ذہنوں اور بانجھ عقلوں کا لباس پہنا ہے۔

اعلم ان تلك الولاية مخصوصة بمحمد عليه السلام و بمحمد يين ولهذا قال عيسىٰ يا ليتنى كنت من امة محمد نبيؐ ثم قال فو الله لانها لا تحصل لى الا بمتابعة صلى الله عليه وسلم و اله كما قال ابوبكر صديق رضى الله عنه ينزل عيسىٰ عليه السلام من السماء الرابعة الى الارض لاجل تلك الولاية التى هى معائنة الحق بمتابعة صلى الله عليه وسلم و كما قال موسىٰ عليه السلام اجعلنى من امة محمد،

(جان لو کہ وہ ولایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمدیین کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کاش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوتا پھر فرمایا خدا کی قسم وہ مجھ کو حاصل نہ ہوگی بغیر نبیؐ اور ان کے آل کی متابعت کے۔ جیسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے چوتھے آسمان سے زمین کی جانب اس ولایت کی وجہ سے جس میں حق کا دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وجہ سے ہوگا اور جیسا کہ موسیٰؑ نے فرمایا اے اللہ مجھ کو محمدؐ کی امت میں سے بنا)

پس اے محبوب! موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ مسیح علیہم السلام کی یہ خواہش اور تمنا یہی ولایت حضرت رسالت علیہ السلام ہے کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ الولاية منى۔ (ولایت مجھ سے ہے) یہ گمان نہ کرنا کہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتا ہوں۔ اس مثال کو مصابیح الاقوال کی طرح کان لگا کر سنو۔ اگر تم خلوت کے اندر حضرت معشوق کے ساتھ مشاہدہ کی قربت میں رہو تو وہاں ایک مقام بھائیوں کے لیے مخصوص ہے ان کے لیے

محرمیت نہیں ہے۔ جب حاضر ہوتے ہیں دہلیز میں بیٹھ جاتے ہیں لیکن مطلوبان ومحبوبان محمدیؐ جو اپنی گردنوں میں بندگی کا طوق سلسلۂ محرمیت کے ساتھ رکھتے ہیں خلوت کے اندر محرم ہوتے ہیں اور باہر نامحرم۔ ان کا سا فضل ان بھائیوں پر جو دہلیز میں ہیں کیسے روا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی حضرت رسالتؐ کے بھائی ہیں اور اولیائے آنحضرتؐ مطلوب ومحبوب ہیں۔ لامحالہ خواجہ علیہ السلام کے مقام میں مشاہدہ قربت ہوتا ہے۔ اسی معنی میں حضرت رسالت علیہ السلام نے ان کی قربت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یراهم الله تعالیٰ فی مقامی (اللہ تعالیٰ ان کو دکھائے گا میرے مقام میں) اور فرمایا کہ الولایة منی میں اپنی ولایت کا شہرستان ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ یعنی اس شہرستان میں میرے چچا کا بیٹا علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب، جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے جس کا دروازہ علی ہیں۔ اے محبوب! اگر میں اس شہر کو مشاہدہ کے حکم پر پوری طرح ظاہر کردوں اور علی کے اسرار بیان کردوں تو سارے انبیاء کی نبوت ناقص ہوجائے اور کہیں کی نہ رہے پھر کبھی آپ کے لیے لکھوں گا لیکن امید رکھتا ہوں کہ میری تصنیفات آپ پر روشن ہوں گی۔ آپ حدیث الولایة منی پر فکر بلیغ کریں کہ کیا اشارت اور رموز غمزہ کیے گئے ہیں لیکن ایک رمز کی شرح کرتا ہوں۔ حضرت رسالتؐ کو شب معراج میں فرمان ہوا کہ اے میرے حبیب بجز علیؑ کے اپنے سب اصحاب سے کہو کہ اپنے دروازے بند کرلیں۔ اسی اشارہ پر حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا:

انی امرت بسدّ هذه الابواب غیر علی ای باب الولایة فتکلم فی ذلك فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فحمد الله واثنی علیه ثم قال اما بعد فانی امرت بسد هذه الابواب غیر باب علی فقال فیه قائلکم فوالله ما سددته شیئاً ولا فتحته ولکنی امرت بشیء

(مجھے حکم دیا گیا ان سب دروازوں کے بند کرنے کا سوا علیؓ کے یعنی باب ولایت کا۔ اس سلسلہ میں لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے ان سب دروازوں کے بند کرنے کا

سوا علیؓ کے دروازہ کے۔ جو اس سلسلہ میں معترض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی قسم میں نے خود سے نہ کسی چیز کو بند کیا اور نہ کھولا۔ لیکن جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا) اے محبوب! اچھی طرح غور کرو کہ مقام ولایت کیسا مقام ہے یعنی ایسا مقام ہے کہ مقام نبوت اٹھ گیا اور مقام ولایت ابدالآباد تک رہے گا۔ پس اہل ولایت کے لیے فضل مقید ہے لیکن اے محبوب۔ فضل مطلق نبوت کے لیے ہے۔ مقصود یہ کہ فضیلت نبوت اس وقت ہے کہ ولایت نبوت کو دو شخص اعتبار کرو۔ لیکن جب ولایت و نبوت ایک ذات میں ہو تو سارے مشائخ قدس اللہ اسرارہم متفق ہیں کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ولھذا قال الولایة افضل من النبوة لان الولابة عندھم عبارة عن شھود الحق والنبوة عبارة عن دعوة الخلق الی الحق، (اور اسی لیے فرمایا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت سے مطلب ان کے نزدیک حق کا شہود ہے اور نبوت سے مراد خلق کو حق کی جانب دعوت دینا ہے) پس شہود کی خبر دینے سے اس کا جاری کرنا افضل ہے۔ میرے ان کلمات سے بہت سے لوگ کم فہمی اور ناقص بصیرت رکھنے والے گمراہ ہوئے۔ جیسے کلام مجید اور فرقان حمید میں ایک عالم اور اکثر مذاہب نے ضلالت پائی۔ کہ یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً (۲/۲۶)۔ ((وہ اس سے بہتوں کو ہدایت دیتا اور بہتوں کو گمراہ کرتا ہے)

ہر کہ زلفش دید کافر شد بہ حکم   ہر کہ رویش دید ایماں بازیافت
آفتاب ہر دو عالم آشکار   زیر زلف دوست پنہاں بازیافت
چوں بہ تاریکیٔ زلفش غوطہ خورد   زندہ گشت و آب حیواں بازیافت
طالب دردت دلم چوں شد بہ جاں   کز میانِ درد درماں بازیافت

(جس نے اس کی زلف دیکھی وہ حکماً کافر ہوا اور جس نے اس کا چہرہ دیکھا دوبارہ ایمان حاصل کیا۔ دونوں عالموں کے آفتاب کو دوست کی زلفوں کے پیچھے چھپا ہوا پایا۔ جب زلف کی تاریکی میں غوطہ کھایا تو زندہ ہو کر آب حیات پایا۔ جب میرا دل خلوص کے ساتھ درد کا طالب ہوا تو اسنے درد ہی میں اپنا علاج پایا)

(تشریح) بقا کی شرط فنا ہے خواہ وہ زلف کی تاریکی یعنی ظلمت میں ہو خواہ جمال کے نور میں۔

اے محبوب !اگر عالمانِ عصر اور شیخانِ دہر میرے ان کلمات میں برسوں اور صدیوں غور وفکر کرتے رہیں تو واللہ اس فقیر کا ذرہ بھر مقصود نہ پا سکیں گے۔ اعلم ان الفرق بين آدم و محمد عليه السلام، آدم، كان عالماً بالاسماءِ و محمد كان عالماً بالمسميات فحصل لآدم علم الاسماء ولمحمدؐ حقايق الاسماء و هي المسمات فاطلع آدم على المعارف و محمد على الحقايق فالمحقق افضل من العارف لان المحقق حصل الحقيقة في عين المعرفة فكان العارف في مقام الجمع و المحقق في جمع الجمع ، (حضرت آدمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق کو جانو۔ حضرت آدمؑ اسماء کے عالم تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسمیات کے عالم تھے۔ پس حضرت آدمؑ کو اسماء کا علم حاصل ہوا اور حضور کو اسماء کے حقایق کا اور وہی مسمیات ہیں۔ حضرت آدمؑ کو معارف پر مطلع کیا اور حضور پرنور کو حقایق پر۔ محقق عارف سے افضل ہے کیونکہ اسے عین معرفت میں حقیقت کا حصول ہوتا ہے۔ عارف مقام جمع میں ہوتا ہے اور محقق جمع الجمع میں (یعنی عارف کا مقام جمع اور محقق کا جمع الجمع ہے)۔

یہ وہ شاہد ہے جس سے ربوبیت کا اظہار ہے۔ اے محبوب چونکہ حضرت رسالت علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے چار بیعتیں لیں۔ پہلی بیعت اسلام۔ دوسری بیعت ذکر۔ تیسری بیعت رضوان، چوتھی بیعت خرقہ وخلافت وولایت۔ جب یہ آیت وانذر عشيرتك الاقربين (۲۶/۲۱۴)، (اور ڈراؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو) پہنچی خواجہ عالم علیہ السلام معراج سے تشریف لائے اپنے قبیلہ بنو ہاشم کو جمع کیا ایک روایت کے اعتبار سے تیس مرد تھے اور دوسری روایت سے دس سے کم تھے۔ فقال النبي عليه السلام من يضمن منكم ديني ومواعيدي ويكون خليفتي في ولايتي من بعدي فقال علي كرم الله وجهه ثم قال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انا خليفتك من بعدك في ولايتك (پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون ضمانت لیتا ہے میرے دین اور وعدوں کی اور وہ میرا خلیفہ ہو میری ولایت میں میرے بعد تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کا خلیفہ ہوں آپ کے بعد آپ کی ولایت میں)

اس مقام پر خواجہ علیہ السلام نے فرمایا انا مدینة العلم و علی بابها ای مدینة الولایة ثم قال علیه السلام لعلی انت امام کل مومن و مومنة من بعدی ثم قال انت ولی کل مومن و مومنة من بعدی (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔ مدینۂ علم سے مراد مدینہ ولایت ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا تم ہر مومن اور مومنہ کے امام ہو میرے بعد۔ میرے بعد ہر مومن و مومنہ کے ولی ہو) مقصود یہ کہ اے محبوب! جانو کہ ایثار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور جود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور سخا ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور فتوت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے مقام فتوت جمیع معانی کا جامع ہے یعنی ایثار وجود و سخا اور دوسرے اوصاف جمیلہ اور خصال حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ بھی صاحب فتوت کے وجود میں ہیں۔ درحقیقت فتوت اصلی صفات اور اولیٰ لطافت سے نسبت ظاہر کرتی ہے جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے حضرت جلت قدرتہٗ سے پوچھا کہ یا ربی ماالفتوة قال الله تعالیٰ یا موسیٰ ان ترد نفسك ظاهرة الی کما قبلتها منی ظاهرة (اے میرے رب فتوت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فتوت یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اسی طرح میری طرف لوٹا دو جس طرح تم نے اس کو میری جانب سے قبول کیا ہے) فتوت کی ابتداء مروت ہے اور اس کی دوسری منزل ولایت اور اس کی انتہا نبوت ہے۔ اسی جگہ سے اس فقیر نے کہا ہے من لامروة له ومن لا فتوة لهٗ لا ولایة له ولا نبوة لهٗ کما قال علیه السلام لا فتیٰ الا علی (جس میں مروت اور فتوت نہیں اس کے لیے نہ ولایت ہے اور نہ نبوت۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کوئی جوان نہیں سوا علیؓ کے) تمام شاہدوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دریائے فتوت سے ایک ایک گھونٹ ملا ہے۔ حضرت خواجہ عالم علیہ السلام نے دوسرا اشارہ فرمایا ہے کہ من احب ان یحیی حیوتی و یموت موتی ویدخل الجنة التی وعدنی ربی فلیتوکل علی بن ابی طالب و ذریته الطاهرین ایمة الهدیٰ و مصابیح الدجیٰ فقال من بعده فانهم لن یخرجوکم من باب الهدیٰ الیٰ باب الضلالة الیٰ یوم القیامة (جو یہ چاہے کہ میری زندگی کی طرح وہ زندہ رہے اور میری موت کی طرح اسے موت

آئے تو وہ علی بن ابی طالب اور ان کی پاک ذریت پر جو ہدایت کے امام اور اندھیری رات کے چراغ ہیں پر بھروسہ کرے۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ وہ تم کو ہدایت کے دروازہ سے ہرگز ضلالت (گمراہی) کے دروازہ کی جانب قیامت تک نہ جانے دیں گے محبوب! نہ کہو گے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مناقب میں کوشش بلیغ کرتا ہے جب کہ ہندوستان میں جو کوئی دو مرتبہ علیؑ کا نام لے اس کو رافضی کہتے ہیں۔ واللہ میں نے ان کے جو مناقب مشاہدہ کیے ہیں اگر ان کا ایک ذرہ بھی ظاہر کردوں تو آفتاب کا جمال بالکلیہ محو ہو جائے۔

میں چاہتا تھا کہ اس مکتوب میں ان اولیاء کے مراتب کی شرح کروں جو حضرت عزت کے شاہدوں میں ہیں لیکن جب تک شاہدوں کے سرتاج کا مرتبہ ظاہر نہ کرلوں دوسرے شاہدوں کے بیان پر قلم نہیں اٹھتا۔ اسی سبب سے ولایت اور نبوت کے معنی واضح کیے۔ نیز ایک غزل عالم اصلی سے جو عالم غیب میں ہے اس فقیر کے مشاہدہ میں آئی۔

شہودِ حضرت سبحاں محمدؐ است و علیؑ   خلوصِ جوہر انساں محمدؐ است و علیؑ
مشاہد جبروت و معائن لاہوت   قریب قربت رحماں محمدؐ است و علیؑ
عیونِ عین حیات و بحور بحرِ صفا   زلال چشمۂ حیواں محمدؐ است و علیؑ
بدور ملک طریقت و در حقیقت جاں   محقق است تو ہمداں محمدؐ است و علیؑ
ندیمِ مجلسِ انس دو چشم روشن انس   سرورِ سینۂ احزاں محمدؐ است و علیؑ
شفیع روزِ جزا و سقائے یوم نشور   امینِ غافر غفراں محمدؐ است و علیؑ
ہم آفتاب وفا و مہِ سخائے سما   شفیع امت عصیاں محمدؐ است و علیؑ
ظہور سرِّ الٰہی چو بودہ اند یکے   صفائے صفۂ ایماں محمدؐ است و علیؑ
امید خاطر ابن نصیر عالم جاں   بداں کہ حجت و برہاں محمدؐ است و علیؑ

(حضرت سبحان کا شہود محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ انسان کے جوہر کا خلوص محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ جبروت کے مشاہدہ اور لاہوت کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ اور علیؑ رحمٰن کے قریب ہیں۔ خالص حیات کے چشمے اور بحر صفا کی خوشبو اور زندگی کی شیرینی محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ ملک طریقت کی گردش یعنی خلوص اور جان کی حقیقت یعنی عالم امر سے تحقیق ہوتا ہے کہ ساری

کائنات محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ محبت کی مجلس کے مصاحب اور انسان کی دو روشن آنکھیں جن سے ملی جلی ایک نظر پیدا ہوتی ہے اور غمگین سینوں کا سرور محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ روز جزا میں شفاعت کرنے والا اور قیامت میں زندہ ہونے کے دن سیراب کرنے والے محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ وفا کے آفتاب اور سخاوت کے آسمان کے چاند گناہوں کی شفاعت کرنے والے محمدؐ اور علیؑ ہیں۔ چونکہ محمدؐ اور علیؑ کا نور ایک تھا لہٰذا یہی دونوں اسرار ذاتِ الٰہی کا ظہور اور ایمان حقیقی ہیں۔ جان کے عالم ابن نصیر کی امیدیں محمدؐ اور علیؑ ہی سے وابستہ ہیں کیوں کہ یہی دونوں دلیل غالب ہیں)

(تشریح) محمدؐ اور علیؑ کو ذاتِ باری کا شہود اس لیے کہا گیا کہ پہلی تخلیق حقیقتِ محمدیؐ ہے۔ یہ وہ پیکر نور ہے جس میں ذات باری تعالیٰ نے اپنی معنوی صورت دیکھی یہ پیکر نور نبوت اور نور ولایت کا جامع ہے۔ اسی پیکر سے عالم امر کی تخلیق ہوئی جس میں عوالم لاہوت وملکوت و جبروت شامل ہیں اور پھر ان عوالم سے سب سے پہلے موجودات میں عرش کا ظہور ہوا۔ پھر عرش سے عالم ناسوت کا ظہور ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ میںؐ اور علیؑ ایک نور تھے جو آدم کی پیشانی میں رکھا گیا اور ان کی ذریت میں عبدالمطلب تک ایک صلب سے دوسری صلب میں منتقل ہوتا رہا۔ عبدالمطلب کے صلب سے یہ نور بٹ کر عبداللہ اور ابو طالب کے اصلاب میں منتقل ہوا۔ چنانچہ اس عالم میں عبداللہ کے صلب سے میراؐ ظہور ہوا اور ابو طالب کے صلب سے علیؑ کا ظہور ہوا۔ لہٰذا اس عالم میں یہ دونوں حضرات مل کر حضرت سبحان کا شہود ہیں اور اپنی سادگی اور پاکی میں انسان کا جوہر ہیں۔ جبروت کا مشاہدہ اور لاہوت کا معائنہ اس پر گواہ ہیں)

مقصود یہ کہ شاہدین محبوبوں میں سے ہیں اور جو ان میں افضل ہے قطب حقیقی ہے اس مقام کی شان کی انتہا معشوقی ہے یعنی قطب حقیقی۔ ہر ایک کی موقع پر شرح کروں گا۔ اے محبوب! جس کسی کی امارت محبوبیت ظاہر ہوتی ہے اور اس کے باطن کی محبوبیت کی علامت مکمل ہو جاتی ہے اس کو محبوب کہتے ہیں جیسے آپ کا نام محبوب ہوا اور تمام محبوبین کے صدر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور محبوبیت کے شہر کے دروازہ حضرت علی کرم اللہ

وجہہ ہیں ازلی وابدی اہل جبروت وملکوت ولاہوت کو دعوت دینے والے تھے۔ لیکن دوسرے انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین دنیا میں داعی بن کر آئے۔ پس بیچارے مولانا جلال الدین رومیؒ بھی ان معنوں تک پہنچے تھے دیکھو کیسی اچھی شرح کی ہے۔

ایں جادو نمودند و یکے اند حقیقت عالم شود و عارف مقصود علیؑ بود
ہم آدمؑ وہم شیثؑ ہم ادریسؑ وہم ایوبؑ ہم یوسفؑ وہم یونسؑ وہم ہودؑ علیؑ بود
ہارون ولایت کہ پس از موسیٰؑ عمراں واللہ علیؑ بود علیؑ بود علیؑ بود
ایں کفر نہ باشد سخنِ کفر نہ آن است تا ہست علیؑ باشد و تا بود علیؑ بود

(یہاں دو معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں ایک ہیں عالم اور اس کے پہچاننے والے سے علیؑ مقصود تھے۔ آدمؑ، شیثؑ، ادریسؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، یونسؑ اور ہودؑ علیؑ ہی تھے۔ موسیٰؑ کے بعد پاسبانِ ولایت واللہ علیؑ تھے۔ علیؑ تھے۔ یہ نہ کفر ہے اور نہ کفر کی بات ہے۔ جب تک ہستی ہے علیؑ ہوں گے اور جب تک ہستی تھی علیؑ تھے۔ یعنی کائنات کی ہست و بود علیؑ ہیں)

یہاں علیؑ سے وہ نورِ ولایت مراد ہے جو نورِ نبوت کے ساتھ حقیقت محمدیؐ میں تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام اس سے اپنے اپنے زمانہ میں فیض یاب ہوتے رہے کیونکہ نورِ ولایت علیؑ کے بشریت میں آنے سے پہلے حقیقتِ محمدیؐ کی طرح ہستی کو فیضیاب کررہا تھا اور اس نور کی فضیلت یہ ہے کہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد بھی اس کا فیض تا قیام ہستی جاری رہے گا)

اسی مکتوب میں پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اگر انا مدینۃ العلم (میں علم کا شہر ہوں) اور علیؑ کے وہ اسرار جن کا میں نے حقیقت کی رو سے مشاہدہ کیا ہے بیان کروں تو انبیاء کی نبوت کی سرکار آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک ناقص ہو جائے اور کہیں کی نہ رہے لیکن انشاءاللہ تعالیٰ ایک دن آپ سمجھ لیں گے۔ مقصود یہ کہ شاہدین کا پہلا مقام زہد ہے لیکن میرے نزدیک زاہد خود نیست ہے اور نہیں ہوتا کیوں کہ میرے نزدیک خود دنیا کی کوئی قدر نہیں رہے کہ اس کا چھوڑنے والا زاہد ہو اور اس کو زاہد کہوں۔ کیونکہ حضرت رسالت علیہ السلام نے

دنیا کے درجہ کو حقارت کی کس حد تک پہنچایا۔ جب فرمایا لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ قربۃ لماسقی کافراً شربۃ ماء ، دنیا کو اللہ تعالیٰ سے مچھر کے پر برابر بھی قربت نہیں ہے اگر ہوتی تو کافروں کو پانی تک نصیب نہ ہوتا۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل متاع الدنیا قلیل (۷۷/۴) (کہہ دو کہ دنیا کا مال و متاع تھوڑا ہے) دنیا کی زندگی عمر آخرت کی نسبت سے ایک لحظہ بھی نہیں ہے۔ کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیّۃ او ضحٰھا (۴۶/۷۹) (جب وہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا وہ (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے) خود جل وعلا کا بیان ہے۔ پس جب قلیل ہے تو قلیل کا چھوڑنا زہد نہیں ہے۔ وللآخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا (۲۱/۱۷) (اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے) اگر چاہو کہ کبریا، اللہ تم کو نصیب اکبر عطا فرمائے اور اپنے آپ کو تمہیں دکھائے۔ اللہ اکبر یہ معنی ہیں کہ بزرگواری اور کبریائی حق کے مشاہدہ کا نام ہے۔ مشاہدہ کے مقام میں ایک بزرگوار کو دیکھو گے کہ اس کے درجات اکبر ہیں۔ یعنی آخرت کو بھی چھوڑو تب بھی زاہد نہ ہو گے۔ اس سبب سے اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ اے محبوب، جانو کہ دنیا و آخرت تمہاری ملکیت سے نہیں ہے کہ اس کو چھوڑ کر زاہد ہو جاؤ اور یہ دونوں حضرت عزت جلت قدرتہٗ کی ملکیت سے ہیں۔ جب تمہاری ملکیت نہیں ہیں تو تم کیا چھوڑو گے۔ زہد کے کوئی معنی نہیں اور زاہد کیا ہوتا ہے اور وہ جو اس نسبت سے کہ مقام کبریا ہے یعنی مقام مشاہدہ ہے اس سے اعراض کرنا اور چھوڑنا کفر ہے۔ جو کچھ تمہارے توقعات اور مقاصد ہوں اور اپنے معبود کو عملاً چھوڑنا ناممکن ہے پس ہرگز نہ زہد ہوتا ہے نہ زاہد۔ اور وہ جو حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ الزھد فی الدنیا یریح البدن والزھد مع الآخرۃ یریح القلب والاقبال علی اللہ تعالیٰ یریح الروح (دنیا میں زہد بدن کو آرام دیتا ہے اور آخرت کے ساتھ زہد قلب کو راحت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب اقبال (بڑھنا) روح کو راحت دیتا ہے) اس زہد سے صوفی کا مقام مراد ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے اشارہ فرمایا اور کہا کہ مقتدی کے لیے چار محل ہیں۔ مرید اور صوفی اور قطب اور محبوب۔ مرید کی کوشش ہوتی ہے کہ کھائے اور صوفی کی کوشش

ہوتی ہے کہ نہ کھائے اور قطب کی کوشش ہوتی ہے کہ پاک غذا کھائے اور محبوب کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے کھائے۔ ایک مرید اگر اپنی عمر کو میرے کلمات سمجھنے میں صرف نہیں کرتا کہ ان کلمات ضروری کا نہ جاننا بہت بری بات ہے اور اس ضرورت کو روکا نہیں جا سکتا اور نہ کوئی عوض ہے۔ شیخ جنید قدس اللہ سرہٗ سے سنو کہ اسی معنی میں فرماتے ہیں کہ لیس شیء اعز منی ادراك الوقت اذا فات لا یستبدل (وقت کے ادراک سے زائد میرے نزدیک کوئی چیز معزز نہیں۔ جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا) اے محبوب! اگر ستر ہزار سال اس پر جمے رہیں کہ فقیر و صوفی و عاشق و عارف و عاشق کے معنی سمجھیں اور میرے وقت (حال) کا ادراک نہ کریں تو گبران طریق ہوں گے۔ میرے کلمات سمجھنے میں ہوشیار رہو۔ دیکھو کہ میں نے حضرت علیہ السلام سے اس شاہد حقیقی کے شاہدین کے بارہ میں بات کی ہے اور اس فقیر نے حضرت خواجہ علیہ السلام سے سنا ہے کہ یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب و وجه کل واحد منهم کقمر لیلة البدر وهم فی الجنة کالنجوم فی السماء (میری امت میں ستر ہزار لوگ جنت میں بغیر حساب و کتاب داخل ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور وہ جنت میں ایسے ہوں گے جیسے آسمان میں ستارے) تم اس حدیث کو اس وقت سمجھو گے جب ستارہ کو جنت میں مشاہدہ کرو گے لیکن ایک فقیر اور ایک پیر نے تمھیں قبول کیا ہے کہ وبالنجم هم یهتدون (اور وہ (لوگ) ستارہ سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں) میرے سارے کلمات سمجھ جاؤ گے اور ستارہ کو جنت میں مشاہدہ بھی کرو گے۔ سب مشائخ کبار اس حدیث میں عذرات پیش کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں کہ قال علیه السلام ان الله لیعطی العبد من حیث الله لا من حیث العبد و العبد یستدرك من حیث العبد، (اللہ تعالیٰ بندہ کو عطا فرماتا ہے اللہ کی حیثیت سے نہ کہ بندہ کی حیثیت سے اور بندہ حاصل کرتا ہے بندہ کی حیثیت سے) اگر زندہ ہو تو اچھی طرح غور کرو اہل ظواہر مردے ہیں اور مردہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ حضرت جلت قدرتہٗ نے لینذر من کان حیا (تا کہ اس شخص کو جو زندہ ہو ہدایت کا راستہ دکھائے) فرما کر بات ختم کر دی۔ اور واذا

قرأت القرآن جعلنا بينك و بين الذين لا يومنون بالآخرة حجاباً مستوراً (۱۷/۴۵) (اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں) اس فقیر کی تفسیر سالک کا منتہی ہے اور اہل ظواہر سالک کے منتہی کے منکر ہیں۔ پس وہ ابد تک کے لیے محجوب ہیں۔ شریعت کے مطیع طریقت کے گنہگار اور طریقت کے مطیع حقیقت کے گنہگار ہیں کہ حسنات الابرار سیئات المقربین و حسنات المقربین سیئات العاشقین و حسنات العاشقین سیئات الواصلین (ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں اور مقربین کی نیکیاں عاشقوں کی برائیاں اور عاشقوں کی نیکیاں واصلین کی برائیاں ہیں) اب شاہدان لایزالی کے مراتب کان لگا کر سنو کہ شیخ داؤد قیصری قدس سرہٗ نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ہر زمانہ میں قطب عالم ایک ہوتا ہے اور تمام موجودات سفلی وعلوی اہل دنیا و آخرت قطب عالم کے وجود سے قائم رہتے ہیں اور قطب عالم کو حق تعالیٰ سے بے واسطہ فیض پہنچتا ہے۔ قطب عالم کو قطب مدار بھی کہتے ہیں یعنی موجودات سفلی وعلوی اس کے وجود کی برکت سے ہوتا ہے اور اس قطب مدار کے دو وزیر ہوتے ہیں ایک اس کے سیدھے ہاتھ کی طرف اور دوسرا الٹے ہاتھ کی طرف ہوتا ہے اور وہ جو سیدھے ہاتھ کی طرف ہوتا ہے اس کا نام عبدالملک ہے اور وہ جو الٹے ہاتھ کی طرف ہوتا ہے اس کا نام عبدالرب ہے اور یہ وزیر جس کا نام عبدالملک ہے قطب مدار کی روح سے فیض لے کر اہل علوی پر اس کا افاضہ کرتا ہے اور یہ دوسرا وزیر جو بائیں جانب ہے جس کا نام عبدالرب ہے قطب مدار کے دل سے فیض لیتا ہے اور اہل سفلی پر افاضہ کرتا ہے اور جب قطب مدار دنیا سے رحلت کرتا ہے اور عقبیٰ پر پہنچ جاتا ہے اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں میں اسے عبداللہ کہا جاتا ہے خواہ اس کا نام دوسرا ہو بائیں جانب کے وزیر کو جو عبدالرب ہے عبدالملک کی جگہ پر پہنچاتے ہیں اور ابدال میں سے کسی ایک کو جو قطب اسرافیل ہے عبدالرب کی جگہ پہنچاتے ہیں۔ پس عبدالملک قطب مدار ہو جاتا ہے اور عبدالرب عبدالملک ہو جاتا ہے اور ابدال مذکور عبدالرب کی جگہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روز قیامت تک باقی رہتے ہیں۔

فاما الاقطاب وهم علىٰ قلوب الانبياء عليهم السلام قالوا احد منهم علىٰ قلب نوح عليه السلام و الثانى على قلب ابراهيم عليه السلام و الثالث على قلب موسىٰ عليه السلام و الرابع على قلب عيسىٰ عليه السلام و الخامس علىٰ قلب داؤد عليه السلام و السادس علىٰ قلب سليمان عليه السلام و السابع علىٰ قلب ايوب عليه السلام و الثامن علىٰ قلب الياس عليه السلام و التاسع علىٰ قلب لوط عليه السلام و العاشر علىٰ قلب هود عليه السلام و الهادى عشر علىٰ قلب صالح عليه السلام و الثانى عشر علىٰ قلب شيث عليه السلام ، و الاقطاب المذكورة اثنا عشر قطبا و عيسىٰ و المهدى خارجان عنهم بل يكونان من المفسرين كما قال عليه السلام علماء امتى كانبياءِ بنى اسرائيل ۔

(اقطاب انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر ہیں انھوں نے کہا کہ ان میں سے ایک حضرت نوح علیہ السلام کے قلب پر ہے دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہے تیسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے چوتھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر پانچواں حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب چھٹا حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب ساتواں حضرت ایوب علیہ السلام کے قلب پر آٹھواں حضرت الیاس علیہ السلام کے قلب پر نواں حضرت لوط علیہ السلام کے قلب پر دسواں حضرت ہود علیہ السلام کے قلب پر گیارہواں حضرت صالح علیہ السلام کے قلب پر اور بارہواں حضرت شیث علیہ السلام کے قلب پر ہے اور مذکورہ اقطاب بارہ ہیں ۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؑ ان سے الگ ہیں بلکہ وہ مفسرین میں سے ہیں ۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) ان علماء سے مراد اولیا ہیں جو اولیائے ربانی ہیں ۔

واما قطب المدار فواحد و اسمه عبدالله و كان ساكناً فى السواد الاعظم و فيضه فى اهل العلوى و السفلى و الاقطاب المذكورة كانوا كلهم مامورين لقطب المدار يعنى قطب العالم ،

(اور قطب مدار ایک ہوتا ہے اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے اور اس کی سکونت سوادِ اعظم میں ہوتی ہے اور اہل علوی سفلی اس سے فیضیاب ہوتے ہیں اور تمام مذکورہ اقطاب قطب مدار یعنی قطب عالم کے مامور ہیں) اے محبوب! بارہ اقطاب میں جو اقالیم میں رہتے ہیں سات قطب ہفت اقلیم میں ہیں۔ ہر اقلیم میں ایک قطب اور پانچ دوسرے اقطاب ولایت میں ہوتے ہیں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں اور اقلیم کے اقطاب کو قطب اقلیم کہتے ہیں کیوں کہ اقالیم ولایت کے اقطاب کا فیض اقطاب ولایت پر وارد ہوتا ہے اور یہ فیض قیام قیامت تک اسی طرح وارد ہوتا رہے گا۔ یعنی جب ولی ترقی کرتا ہے تو ولایت کا قطب ہوجاتا ہے اور قطب ولایت جب ترقی کرتا ہے تو قطبیت اقلیم پر پہنچتا ہے اور جب قطب اقلیم ترقی کرتا ہے تو عبدالرب تک پہنچتا ہے جو قطب مدار کے بائیں جانب کا وزیر ہے اور یہ اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر اقلیم ابدال کا قطب ہوتا ہے۔ اس کے بعد تیسرے مرتبہ میں قطب مدار یعنی قطب عالم ہوجاتا ہے جب کبھی قطب مدار کی زندگی باقی ہوتی ہے اور وہ سلوک میں ہوتا ہے تو ترقی کرکے فردانیت کے مقام پر پہنچتا ہے۔

واما المفردون فمنهم من هو علىٰ قلب علی كرم الله وجهه وعلىٰ قلب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم كما قال عليه السلام لعلی انت نظيری ای مثلی فی الولاية التی هی معاينة الحق ولهذا قال الصلوة عليه والسلام مارأی علىٰ الحقيقة التی خلقنی الله تعالىٰ عليها غيرابن ابی طالب

(اور افراد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت سرور کائنات کے قلب مبارک پر ہیں۔ جیسا کہ خود آپؐ نے فرمایا حضرت علی سے کہ تم میرے مثل اور میری نظیر ہو ولایت میں۔ جو دراصل حق کا معائنہ ہے اور اسی لیے حضورؐ نے فرمایا جس وقت اللہ نے مجھے پیدا فرمایا تو میری اس حقیقت کو سوا علی ابن ابی طالب کے کوئی نہیں دیکھ سکتا) اچھی طرح غور کرو کہ اس مکتوب میں شاہدان لایزالی کے علوم میں سے کیسے علوم ہیں جو لکھے گئے۔ افراد کامل اور افراد غیر کامل قطب مدار سے افضل ہیں۔ لیکن افراد کامل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روح کلی کے وجہ تفرد کے مظاہر ہیں اور غیر کامل مظاہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی

روح کے تعلق سے ہیں۔ تفرد اور تعلق کے درمیان بہت سے مدارج ہیں اور فرق ہیں۔ یہ سب میں نے اقالیم اور سیر وطیر کے سفر میں دریافت کیا ہے اور ان نعمتوں میں سے ہر ایک نے اس فقیر کے حق میں نزول فرمایا اور ان کے مراتب میں نے مشاہدہ کئے۔ خاطر جمع رکھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس پیر فقیر کی بدولت تم بھی یہ مشاہدہ کرو گے افراد کے گروہ کے لیے تعداد مقرر نہیں ہے وہ بہت ہیں۔ بظاہر خلق کی نظر سے پوشیدہ ہیں مگر قطب مدار اور بعض اقطاب ان کو جانتے اور دیکھتے ہیں۔ جب کبھی افراد کامل جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وجہ تفرد کے مظاہر ہیں سلوک میں ترقی کرتے ہیں تو بر قلب حضرت رسالت علیہ السلام کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضرت رسالت علیہ السلام کی روح سے مرتبہ پاتے ہیں۔ اس کے بعد (جب وہ فرد) مشارب قلبی حضرت رسالت علیہ السلام سے سلوک میں ترقی کرتا ہے تو قطب حقیقی کے مقام پر پہنچتا ہے اور قطب حقیقی کا مقام معشوقی ہے یعنی قطب وحدت۔ اس مقام پر سارے اولیاء میں سے دو شخص مقام معشوقی پر پہنچے ہیں۔ یعنی ان کے مثل کوئی دوسرا نہ پہنچا۔ نبیؐ اور علیؓ کے طفیل سے فردانیت کے مقام پر تھے اور سلوک میں تھے کہ اکثر کی عمر نے وفا نہ کی اور عالم بقا کو سدھارے وہ دو شخص کون ہیں۔ ایک حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی، دوسرے شیخ نظام الدین بدایونی قدس اللہ سرہما۔ دونوں کے کمال سلوک کے لیے عمر نے وفا کی اور جلد جلد ترقی میسر ہوئی اور مقام معشوقی پر پہنچے یعنی دونوں کے لیے روح احمدی علیہ السلام سے مشارب تھے۔ اچھی طرح غور کرو اور جو کچھ اس فقیر کے قلم سے نکلتا ہے بلا مشاہدہ نہیں ہے۔ اوپر لکھ چکا ہوں کہ اگر مرید اپنی عمر میرے کلمات میں صرف کرے یعنی ہمیشہ غور وفکر سے مطالعہ کرتا رہے تو سارے علوم جو اس فقیر کے مکتوبات میں مندرج ہیں ان کا جامع ہو جائے گا۔ جیسے ایک دن یہ فقیر حضرت شیخ قطب الدین منور ہانسوی قدس سرہٗ کی قدم بوسی کے لیے دہلی سے ہانسی آیا قدم بوسی کے بعد رخصتی کے وقت فاتحہ کی درخواست کی۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ نے زبان مبارک سے فرمایا فرزند! تیرا وجود ہی فاتحہ ہے۔ آپ کے یہ فرماتے ہی میرا وجود فاتحہ ہو گیا۔ یہ کلمات بھی جو لکھ رہا ہوں فاتحہ سے ہیں مقصود یہ کہ یہ فقیر ایک دن مصر کے دریائے نیل میں کشتی پر

حضرت خضر علیہ السلام کا مصاحب تھا اور شاہدانِ لایزالی کے بارہ میں گفتگو تھی۔ خضر علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ عبدالقادر گیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقام معشوقی میں تھے۔ پھر فرمایا واللہ نظام الدین بدایونی اور عبدالقادر گیلانی کا جیسا نیلے آسمان کے نیچے نہ آیا اور نہ آئے گا اور مقام معشوقی مقام غیرت ہے۔

الغیرۃ غیرتان، غیرۃ اللہ تعالیٰ وغیرۃ العبد، امّا غیرۃ للہ سبحانہ فکما قال علیہ السلام الحق غیور ومن غیرتہ انہ لم یجعل الیہ طریقا سواہ،

(غیرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی غیرت اور دوسری بندہ کی غیرت۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے جیسا نبیؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت غیرت دار ہے اور اس کی غیرت یہ ہے کہ وہ نہیں بناتا اس کی طرف کوئی راستہ اپنے علاوہ)

یہ تو حق تعالیٰ کی بندہ کے ساتھ غیرت ہے لیکن بندہ کی غیرت حق تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوگی۔ بندہ کی اس غیرت سے جو وہ اس جل وعلا کے ساتھ ہے اس کا ایک شمّہ آپ کو لکھتا ہوں۔ اس شمہ سے مکمل ہو جاؤ گے۔ جس وقت مؤذن نے اذان میں اشھد ان لا اِلٰہ الا اللہ کہا اور اس کے بعد اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا۔ جب حضرت شبلی قدس اللہ سرہٗ نے یہ سنا تو اس مقام میں غیرت نے ان پر غلبہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی بادیۂ معشوقی میں قدم رکھا تھا اس کے بعد شبلی نے غیرت کا یہ نشان دیا کہ لولا انك امرتنی بھذہٖ الکلمۃ کما ذکرت معك غیرك ولئن اذکرتھا مرۃ اخریٰ فاکن کافراً حقًّا (اگر تو نے مجھے ان کلمات کا حکم نہ دیا ہوتا تو جیسا کہ تو نے اپنے غیر کو اپنے ساتھ یاد کیا اور اگر میں ان کو دوبارہ یاد کروں تو واقعی میں کافر ہو جاؤں گا) بیچارے اہل ظواہر کہاں اور میرے یہ کلمات کہاں۔ مقصود یہ کہ شبلی کہتے ہیں کہ تیرے غیر کو تیرے ساتھ یاد نہ کرنا چاہئے لیکن تو نے یہ فرمایا ہے کہ محمدؐ کا نام ہمارے اور تیرے نام کا ہم صحبت ہوتا ہے یہ مقام معشوقی ہے کہ اس مقام میں محمدؐ کی بھی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ مقام غیرت یہی اقتضاء ہے۔ چنانچہ آنحضرت علیہ السلام نے بھی اس مقام میں فرمایا کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل (میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک ایسا

وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی) معشوقی کا انتہائی مقام سلوک نہیں ہے کیوں کہ معشوق بھی یہی کہتا ہے اور بجز اس کے کچھ نہیں کہتا کہ قل اللہ ثم ذرھم (۶/۹۱) (کہہ دو اللہ پھر ان کو چھوڑ دو) اس حالت میں محمدؐ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اچھی طرح غور کرو کہ اس مقصود کا ایک شمہ جو میں حضرت جلت قدرتہٗ سے رکھتا ہوں اس مکتوب میں پاتا ہوں۔ ہر حال میں قلم چلاتا ہوں۔ مقصود مقامات کی انتہا کو مشاہدہ اور معائنہ کے حکم پر تحریر کر رہا ہوں۔ ابتدائی مقامات پر انتہائی مقامات کو اس سبب سے مقدم رکھا ہے کہ میرا مقصود نہایت کار میں ہے اور میرا مطلوب بھی نہایت کار ہے اور سب مشائخ کا یہی مطلوب ہے اس نہایت کے علاوہ کوئی دوسری نہایت نہیں۔

شیر مردان مرد را ایں جا   در پس دو کہ واں ہمی یابم

(شیر مردوں کو اس جگہ دوئی میں پاتا ہوں۔ (یعنی وہ احمدؐ کو احد کا غیر دیکھتے ہیں)

(تشریح) شیر مرداں سے مراد اولیائے مقربین ہیں لیکن یہ حضرات بھی مقام معشوقی پر فائز نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کو یکتائی حاصل نہیں ہے اور وہ احمدؐ کو جو محمدؐ کا روحانی نام ہے احد سے جدا دیکھتے ہیں۔ یہ دوئی ان کو مقام معشوقی تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ مندرجہ بالا شعر اسی بات کا مشعر ہے)

لیکن آپ کے فقیر کا نہایت کار یہ ہے کہ شبلی اور جو بھی اس غیرت تک پہنچے واللہ انھوں نے محمدؐ کا مشاہدہ الف احمد میں نقطہ احد کے اندر نہ کیا تھا۔ چونکہ ان کو یہ مشاہدہ نہ ہوا تھا انھوں نے محمد علیہ السلام کو اذان میں غیر دیکھا اور غیر دیکھنے سے وہ سب حقیقت کے کافر ٹھہرے اور وہ بیخبر تھے۔ بایزیدؒ کا زنار پہننا یہی تھا کہ خواجہ عالم علیہ السلام کو غیر دیکھا تھا اچھی طرح غور کرو۔

تو احمدؐ را اگر غیرش بہ بینی   نہ بینی در احد چیزے نہ بینی

(اگر تم احمدؐ کو احد کا غیر دیکھو گے تو احد میں کچھ نہ دیکھ پاؤ گے)

اے محبوب! تمہارے پیر فقیر کا نہایت کار یہ ہے کہ محمد رسول اللہ غیر نہیں ہیں۔ اس حالت اور اس ولایت میں محمدؐ کو غیر جاننا اور غیر کہنا کفر ہے۔

مردی باید کہ باشد شہ شناس گرچہ بیند شاہ را درصد لباس
(مرد کو شہ شناس ہونا چاہئے اگرچہ بادشاہ کو سیکڑوں لباس میں دیکھے)

در شیشہ تو می بنی آمیختہ با یکرنگ گوئی کہ دورنگ است ایں پس تو چہ صفا دیدی
(تو شیشہ میں ملا جلا ایک رنگ دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دو رنگ ہیں یعنی ایک رنگ شیشہ کا اور دوسرا شراب کا۔ پس تیری نظر پر کدورت ہے)

اس مقام میں شبلی فاروق تھے اور انھیں کی طرح دوسرے بھی فاروق تھے۔ اگر شبلی کو وحدت میں استغراق ہوتا تو محمد علیہ السلام کو اذان میں غیر نہ دیکھتے اور نہ غیرت کرتے۔

او طرفۂ بغداد است گر پردہ بر اندازد آنجات شود معلوم ایں جات کرا دیدی
(وہ معشوقہ بغداد ہے اگر پردہ گرادے تو تجھے پتہ چلے کہ تو نے کسے دیکھا)

اس غیرت سے معلوم ہوا کہ شبلی کو وحدت میں استغراق نہ تھا۔ اب سابقہ مقصود کی طرف آتا ہوں۔ اب ابتدائے کار کو کان لگا کر سنو کہ اس کے مذکورہ بالا بارہ اقطاب کیا ہیں۔ قطب اول جو بر قلب نوح علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ یٰسین ہے۔ قطب دوم بر قلب ابراہیم علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ اخلاص ہے۔ قطب سوم جو بر قلب موسیٰ علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ اذا جاء نصر اللہ ہے۔ قطب چہارم جو بر قلب عیسیٰ علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ فتح ہے۔ قطب پنجم جو بر قلب داؤد علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ اذا زلزلت الارض ہے۔ قطب ششم جو بر قلب سلیمان علیہ السلام ہے۔ اس کا ورد سورۂ واقعہ ہے۔ قطب ہفتم جو بر قلب ایوب علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ بقر ہے۔ قطب ہشتم جو بر قلب الیاس علیہ السلام ہے اس کا ورد سورۂ کہف ہے۔ قطب نہم جو لوط علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورۂ نمل ہے۔ قطب دہم جو ہود علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورۂ انعام ہے۔ گیارہواں قطب جو صالح علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورۂ طٰہٰ ہے۔ بارہواں قطب جو شیث علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا ورد سورۂ ملک ہے۔ اس فقیر کو ان سب اقطاب کی قدم بوسی مختلف مقامات پر نصیب ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر ایک نے

ایک مختلف قسم کی نعمت اس فقیر کے حق میں ابتدائے حال میں عنایت فرمائی ہے۔ اب کان لگا کر سنو کہ اقطاب اور قطب مدار کے مراتب کیا ہیں اقطاب وہ ہیں کہ اگر چاہیں تو ولی کو ولایت سے معزول کر دیں اور اس کی جگہ دوسرا ولی مقرر کریں اور قطب مدار یعنی قطب عالم وہ ہے کہ اگر چاہے تو اقطاب کو مقام قطبیت سے معزول کر دے اللہ تعالیٰ فرشتہ کو حکم دیتا ہے قطب مدار اس فرشتہ کو اس کام سے معزول کر سکتا ہے اور قطب مدار کے کہنے سے حضرت عزت جلت قدرتہٗ لوح محفوظ کے احکام کو بھی محو کر دیتا ہے۔ اور مردہ کو زندہ کر دینا اور عرش و کرسی کے اشغال یہ سب قطب مدار کے تصرف میں ہوتے ہیں اور جب مقام فردانیت پر ترقی کرتا ہے تو تصرفات سے نزول کرتا ہے اور محو ہو جاتا ہے۔ یعنی مقام فردانیت انبساط و موانست کا مقام ہے۔ پس اس کی خود کی کوئی مراد نہیں رہتی بلکہ اس کی مراد حضرت عزت جلت قدرتہٗ کی مراد ہو جاتی ہے اور حضرت قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ اٹھائیس سال تین ماہ دو دن قطب مداری میں تھے۔ تحمل کی شرط پر قطبیت دی گئی تھی اور انھوں نے اس تحمل کو پورا کیا۔ شرط پوری ہونے پر اٹھائیس سال تین ماہ اور دو دن بعد مقام فردانیت پر نزول فرمارہے اور مقام فردانیت سے عالم بقا کو رحلت فرمائی قدس اللہ سرہٗ۔ قطب عالمی کے دوران ان کا نام مبارک بھی اقطاب کے درمیان عبد اللہ تھا اور جب انھوں نے مقام فردانیت پر نزول فرمایا تو ان کے وزیر دست راست شیخ نجم الدین دمشقی تھے جو عبد الملک نام رکھتے تھے۔ ان کے بجائے قطب مدار ہوئے۔ قطب مدار کی عمر مختلف ہوتی ہے۔ بعض کی عمر تینتیس سال اور چودہ ماہ ہوتی ہے اور بعض کی تیس سال تین ماہ اور بعض کی اٹھائیس سال تین ماہ دو دن اور بعض کی پچیس سال اور بعض کی بائیس سال پانچ ماہ بیس دن اور بعض کی انیس سال پانچ ماہ دو دن اور بعض کی عمر پچیس سال ہوتی ہے اور بعض کی عمر بائیس سال گیارہ ماہ اور بیس دن اور بعض کی عمر انیس سال پانچ ماہ اور دو دن ہوتی ہے۔ لیکن اے محبوب تینتیس سال اور چودہ ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی اور انیس سال پانچ ماہ اور دو دن سے کم نہیں ہوتی۔ اگر مذکورہ عمروں میں اس کا وقت آ گیا تو وہ رحلت کر جاتا ہے۔ اور یہ کہ مذکورہ عمروں میں سلوک میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور مقام افراد پر

پہنچتے ہیں۔ افراد کی عمر پچپن سال ہے نہ زیادہ نہ کم۔ اگر مذکورہ عمر میں تقدیر میں ہوتا ہے رحلت کر جاتے ہیں اور یہ کہ مذکورہ عمر میں سلوک میں ترقی کرتے ہیں قطب حقیقی تک پہنچتے ہیں قطب حقیقی کی عمر تیئیس سال دس دن ہے اور اس مقام کے آگے مقام معشوقی ہے یعنی قطب وحدت۔ معشوق کا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ معشوق کہتا ہے حضرت عزت جلت قدرتہٗ وہی کرتا ہے۔

پیر خرابات غلام من است گرچہ من امروز سبو می کشم
عقل نہ گیرد ز محمد خطا زاں کہ من از جام ازل سرخوشم
قبلۂ ما در دو جہاں چوں یکے است فارغ از ایں ہفت و چہار و ششم

(گو کہ میری حیثیت آج سبو کش کی ہے لیکن پیر خرابات میرا غلام ہے۔ چوں کہ میں جام ازل کی مستی میں سرخوش ہوں لہٰذا عقل میری گرفت نہیں کر سکتی۔ چوں کہ دونوں عالموں میں ہمارا قبلہ ایک ہی ہے لہٰذا ہم تعدد سے فارغ ہیں)

(تشریح) مقام معشوقیت میں یکتائی ہے اور اس مقام میں اولیاء اللہ میں اب تک صرف دو حضرات (حضرت غوث پاکؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ فائز ہوئے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے ان سے پوچھ کر کرتا ہے)

شاہدان لایزالی کے مراتب ابھی باقی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں بھی بیان کروں گا۔ یہ مکتوب جمع الجمع ہے ساری عمر ان کلمات کے سمجھنے میں صرف کرو۔ اللہ تعالیٰ اس حال و احوال کا کشف عطا فرمائے بعض کو مقام ولایت سے مقام فردانیت میں نزول کراتا ہے بغیر اس کے کہ قطبیت تک پہنچائے۔ اور یہ مقام اول مشائخ کا وہ ہے کہ ولایت سے قطبیت پھر فردانیت۔ آپ کو بھی مشاہدہ ہوگا۔ فقط مکتوبہ ۲۳ رشوال ۸۲۴ھ

پندرہواں مکتوب

(مشاہدات کے سلسلہ میں)

زہے باغ زہے تاغ کہ بشگفت زبالا   زہے صدر زہے بدر تبارک و تعالیٰ
زہے فر زہے خور زہے شور زہے شر   زہے دولتِ منصور زہے پشت تولاّ
زہے ملک زہے مال زہے پر زہے بال   زہے قال زہے حال بر افلاک تجلّی
چہ علمائے الٰہی ز پسِ کوہ بر آید   چہ سلطان چہ خاقان چہ والی و چہ والا
چہ پیش آمدہ جاں را کہ پس انداخت جہاں را   تو بزن گردنِ اوُ را چو بہ گوید کہ تسلّی
چو کہ بے واسطہ جبار بہ پرورد جہاں را   چہ ناموس و چہ ناقوس چہ اہلاً و چہ سہلاً
اگر افلاک زمینی و گر روحِ امینی   چو کہ ایں حال بہ بینی تو بہ گو جل جلالا
تو فرونوش فرونوش تو مخروش و مکن جوش   تو بے بادۂ مدہوش یکے لحظہ بیاسا
تو گر پاسی وقصار تو انگوری وعصار   بہ بالا و بہ یفشار دل دوست بہ بالا
خمش باش خمش باش دریں دہر من اوباش   مکن فاش مکن فاش ازیں بحر مراعلا

(واہ اس باغ کے کیا کہنے جو عالم بالا سے کھلا ہے۔ ایسے صدر اور ایسے بدر تبارک وتعالیٰ کا کیا کہنا (یعنی کیا ہی اچھا وہ بزرگ و برتر ہے) یہ ہموار راستہ یہ جوش وخروش۔ یہ ہنگامہ وشور یہ دولت منصور اور تولاّ کی پشت پناہی کیا خوب ہے۔ مبارک ہو۔ یہ ملک و مال اور یہ قوت و طاقت۔ یہ حال و قال اور آسمان پر تجلّی مبارک ہو۔ کیسے کیسے علمائے الٰہی پہاڑ کے پیچھے سے برآمد ہوئے۔ کیسے کیسے سلطان وخاقان اور کیسے کیسے حکام۔ جان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا جو اس نے دنیا کو اٹھا کر دور پھینک دیا یعنی اس سے ترکِ تعلق کرلیا۔ اگر وہ تسلی دے کہ غم نہ کھاؤ تو اس کی گردن اڑادو۔ حضرت جبار نے یکہ و

تنہا اور بلا کسی ذریعہ کے اس جہان کی پرورش کی جس میں کہیں ناموس کا ذکر ہے کہیں ناقوس کا شور ہے۔ کہیں اہلاً وسہلاً (ومرحبا) کا غوغا ہے۔ یعنی کفر و ایماں۔ اچھا اور برا سب کو اس نے بیک وقت تخلیق فرمایا کہ ہر شے اپنی جگہ پر اپنے کام میں مشغول ہے۔ اگر افلاک تیری زمین بن جائے یعنی تو فلک رفوت بن جائے یا تو روح الامین کا درد پا جائے اور راز داں بن جائے تو تغیر حال پر جل جلالہٗ کا ورد کر کہ اللہ جل شانہٗ نے انسان کو کیا کیا اور کیسے کیسے مراتب عطا فرمائے ہیں۔ اگرچہ تو ہی کپڑا یا دھوبی ہے انگور ہے تو ہی عصار (نچوڑنے والا) ہے یعنی خواہ مفلوک الحال وخوار ہو۔ خواہ زردار اور دولت مند۔ ان دونوں حالتوں کو ملا کر نچوڑ کر پھینک دے۔ یعنی دونوں حالتوں سے بے نیاز ہو جا اور اپنے دونوں ہاتھوں اور دل کو ان میں آلودہ نہ کر۔ یعنی ان دنیاوی آلائشوں سے اپنے کو پاک رکھ۔ اس دنیا میں خاموشی اختیار کر اور اسی کے ہو کر رہ۔ اور بلند اسرار کو فاش نہ کر۔ (شرابِ محبت) کے گھونٹ خاموشی سے پی جا۔ جوش وخروش کے اظہار کی ضرورت نہیں اور ایک گھڑی کے لیے بغیر بادہ کے مدہوش ہو کر سکون اختیار کر۔

(تشریح) ساری کائنات اسماوصفات ذات کا لہلہاتا باغ ہے اور انسان اپنے احوال سے ان ہی اسماوصفات کی شناخت حاصل کر کے ذات بے نشان میں مدغم ہو جاتا ہے اور یہ شناخت عشق کے ہی ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو سوائے محبوب یا مقصود کے ساری کائنات کو جلا دیتا ہے۔ کائنات کے ہنگاموں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا اور ذاتِ بے نشان کی یاد میں مسرور رکھتا ہے)

مقصود یہ کہ اے محبوب! حضرت لایزالی کے شاہدین جو دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں ان کو سوائے اہل حقیقت کے جن کا وجود حقیقت ہو گیا ہو دوسرے لوگ نہ دیکھتے ہیں نہ جانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ سات اشخاص ہیں کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بدلاء امتی سبعة (میری امت میں سات ابدال ہیں) اور یہ سات شخص ابدال اوہفت اقلیم۔ ہر ابدال ایک اقلیم میں ہوتا ہے ان کا وظیفہ عاجز لوگوں کے حق میں مدد واعانت ہے۔ جب اس قوم میں ایک درویش کامل الحال ہوتا ہے تو اس کے توسط سے اس

عاجز قوم کی فریاد رسی کرتا ہے اور جب اے محبوب ان میں کا ایک اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وفات پاتا ہے اور عالم بقا میں چلا جاتا ہے تو صوفیوں میں سے ایک کو لے جاتے ہیں اور اس مرحوم کی جگہ مقرر کرتے ہیں اور اسی نام سے اسے پکارتے ہیں اور اے محبوب سات ابدال کے نام یہ ہیں ساتوں ابدال سات انبیاء علیہم السلام کے مشارب میں ہوتے ہیں۔ ان میں کا ایک بدل اقلیم اول میں ہوتا ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالحی ہے اور دوسرا ابدال دوسری اقلیم میں ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا نام عبدالعلیم ہے۔ تیسرا ابدال تیسری اقلیم میں ہے وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا نام عبدالمرید ہے چوتھا ابدال چوتھی اقلیم میں ہے وہ حضرت ادریس علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا نام عبدالقادر ہے۔ اور پانچواں ابدال پانچویں اقلیم میں ہے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام عبدالقاہر ہے۔ اور چھٹا ابدال چھٹی اقلیم میں ہے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام عبدالسمیع ہے اور ساتواں ابدال ساتویں اقلیم میں ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا نام عبدالبصیر ہے۔ مگر یہ ساتواں ابدال حضرت خضر علیہ السلام کے قلب پر ہے اور یہ فقیر مسافرت میں ان بدلاء کا مصاحب رہا ہے اور ان میں کا ہر ابدال لطائف و معارف الٰہی کا عارف ہے اور سات ستاروں کے اسرار اللہ نے ان میں ودیعت کیے ہیں ان میں وہی تاثیر ہے اور ان سات مذکورہ ابدال میں سے دو ابدال عبدالقادر اور عبدالقاہر کسی ایسی ولایت یا قوم جس کی مقہوری نامزد ہو جاتی ہے اس ولایت یا قوم کی مقہوری ان کے واسطہ سے ہوتی ہے جیسے بعض کواکب کی تاثیر نحس ہوتی ہے اور بعض کی سعد۔ یہ تاثیر ان میں ہے۔ تین سو ستاون ابدال دوسرے ہیں ان میں سے تین سو حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں یہ فقیر ان سے نیل کے پہاڑوں میں مل چکا ہے اور سب تین سو ستاون ابدال پہاڑوں ہی پر سکونت رکھتے ہیں ان کی خوراک درختوں کی چھال اور جنگلی ٹیڑیاں ہیں اور کمالِ معرفت کے ساتھ مقید ہیں۔ طیر و سیر نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا۔

ان اللہ تعالیٰ فی الارض ثلثمائة قلوبهم علیٰ قلب آدم علیہ السلام وله اربعون قلوبهم مثل قلب موسیٰ ولهٗ سبعة قلوبهم مثل قلب ابراهيم ولهٗ خمسة قلوبهم مثل قلب جبرئیل علیہ السلام ولهٗ ثلاثة قلوبهم مثل قلب میكائیل علیہ السلام وله واحد قلب مثل اسرافیل علیہ السلام فاذا مات الواحد منهم بدل الله تعالیٰ من الثلاثة بدل الله مكانه من الخمسة، فاذا مات بدل الله مكانه السبعة واذا مات من السبعة بدل الله مكانه فی الاربعین ابدال الله تعالیٰ مكانه من ثلثما ئة فاذا مات من ثلث مائة ابدل الله من عامة المسلمین بهم یرفع الله تعالیٰ البلاء من هذهٖ الامة،

(اے محبوب یہ تین سو جو آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کے اوراد آدم علیہ السلام کے اوراد ہیں۔ ربنا ظلمنا انفسنا (۲۳۰/۷) (اے ہمارے رب ہم نے اپنے پر ظلم کیا) پر مواظبت رکھتے ہیں۔ اور جو چالیس ابدال موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کے اوراد دعائے موسیٰ ہیں کہ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم، (اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ پس میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ بیشک تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) اور جو سات ابدال ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کے اوراد ابراہیم علیہ السلام کے اوراد ہیں کہ رب هب لی حكماوالحقنی بالصلحین (۲۶/۸۳) (اے میرے رب مجھے علم و دانش عطا فرما اور مجھ کو صالحین سے ملا) اور جو پانچ ابدال جبرئیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں اور ان کا علم جبرئیل علیہ السلام کے مقام سے تجاوز نہیں کرتا اور تین ابدال جو میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا علم بھی میکائیل علیہ السلام کے علم سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور ایک ابدال جو اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا علم ان کے مقام سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ ابدال عبدالرب کے مقام پر پہنچتا ہے اور تین سو بدلاءِ مذکور جو آدمؑ کے قلب پر ہیں ان کا نام صفی ہے اور چالیس جو موسیٰؑ کے قلب پر ہیں ان کا نام موسیٰ ہے اور سات جو ابراہیمؑ کے قلب پر ہیں ان کا نام ابراہیم ہے اور پانچ جو جبرئیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا نام جمال الدین ہے اور تین جو میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا نام محمدؐ ہے اور ایک جو

اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا نام احمد ہے۔ اور وہ جب قطب کی وزارت پر پہنچتا ہے تو اس کا نام عبدالرب ہو جاتا ہے علیہ السلام و قدس اللہ سرہم۔ اور چار اوتاد جو چار رکن عالم میں سکونت رکھتے ہیں ان میں سے ایک سے مغرب میں ملاقات کی ہے اس کا نام عبدالودود ہے اور دوسرے سے مشرق میں ملاقات کی ہے۔ اس کا نام عبدالرحمٰن ہے اور تیسرے سے جنوب میں ملاقات کی ہے اس کا نام عبدالرحیم ہے اور چوتھے سے شمال میں ملاقات کی ہے اس کا نام عبدالقدوس ہے۔ اے محبوب! جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ان میں سے ایک کو لے جاتے ہیں اور اس کی جگہ پہنچاتے ہیں اور عالم کے چاروں رکن ان چار اوتادوں کے وجود سے معمور ہیں۔ جیسے کہ پہاڑ زمین کے سکون کا سبب ہیں۔ چاروں اوتاد اس زمین کی آبادی کا سبب ہیں۔ نقبا تین سو اور نجبا سات سو اور بدلاء چار سو چار ہیں۔ تین سو چونسٹھ وہ ہیں جن کا ذکر کیا اور چالیس دوسرے ہیں۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

بدلاء امتی اربعون رجلا اثنا عشربالشام و ثمان وعشرون بالعراق واسمهم احمد فاذا مات الواحد منهم بدل الله تعالیٰ مکانه من الآخر وفی مکان الآخربدل الله تعالیٰ مکانه من الشاهدین ای الصوفیین.

(میری امت میں چالیس ابدال ہیں ان میں سے بارہ شام میں ہیں اور اٹھائیس عراق میں ہیں اور ان کا نام احمد ہے۔ جب ان میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو مقرر فرما دیتا ہے اور دوسرے کی جگہ پر شاہدین یعنی صوفیوں میں سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے) اور سب نقباء کے نام علیؓ ہیں اور سب نجباء کے نام حسنؓ ہیں اور اخیار سات ہیں اور اخیار کے نام حسینؓ ہیں۔ اور عمد چار ہیں ان کے نام محمدؐ ہیں اور غوث ایک ہے اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے اور غوث جب وفات پاتا ہے تو عمد میں سے ایک کو غوث کے مقام پر پہنچاتے ہیں اور جب عمد میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو اخیار میں سے ایک کو اس کی جگہ پہنچاتے ہیں اور جب اخیار میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو نجباء میں سے ایک کو پہنچاتے ہیں اور نجباء میں نقباء میں سے ایک کو پہنچاتے ہیں۔ اور بدلاء کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ اے محبوب نقباء کا مسکن زمین مغرب ہے یعنی زمین سویدہ کہ جہاں دن کی مقدار صبح سے

چاشت تک ہوتی ہے باقی رات رہتی ہے لیکن ان کی نمازیں مقررہ اوقات پر حالت طیر میں ان زمینوں پر جو متعین ہیں آفتاب کی تاثیر کے مشاہدے سے ادا ہوتی ہیں۔ اور پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور میں نے ان کو اسی طرح معائنہ کیا ہے اور نجبا کی سکونت مصر میں ہے۔ اور بدلاء کے مسکن کا اوپر ذکر کیا ہے اور اخیار ہر وقت سیاحت میں رہتے ہیں ان کو سکون وقرار نہیں ہے اور عمد زمین کے زاویوں میں رہتے ہیں اور غوث کا مسکن مکہ ہے اور بارہ اقطاب جن کا ذکر چودھویں مکتوب میں کیا ہے اقلیم کے قصبات میں رہتے ہیں۔ ہر ایک اقلیم کے ایک قصبہ میں رہتا ہے اور قطب عالم یعنی قطب مدار کی سکونت شہر معظم میں ہوتی ہے اور قطب عالم ساری اقلیموں اور سارے اقطاب پر اور عرش سے ثریٰ تک متصرف رہتا ہے اور قطبیت کی حالت میں قصبہ اور دیہات میں سکونت نہیں رکھتا اور جب اس مقام سے ترقی کر کے افراد کے مقام پر آتا ہے تو یہ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے خواہ وہ دیہات خواہ قصبہ خواہ شہر جہاں رہے وہی اس کا سوادِ اعظم ہے۔ وہ مقام کے تعین سے گزر جاتا ہے اور قطب حقیقی اور معشوق کے لیے بھی ترتیب ساقط ہے۔ اے محبوب! جب وہ مقام فردانیت پر آتا ہے تو افراد کو سوائے حضرت جلت قدرتہٗ کے کوئی نہیں پہچانتا۔ قطب مدار یعنی قطب عالم عرش سے ثریٰ تک متصرف ہے اور فرد عرش سے ثریٰ تک متحقق ہے۔ اے محبوب! تصرف وتحقق کے درمیان بہت فرق ہے۔ میرے ان کلمات کا حاصل یہ ہے کہ قطب مدار ہر وقت مقام صحو میں تجلی میں ہوتا ہے اور بعض صفات میں ہوتے ہیں۔ لیکن افراد کامل ہر وقت تجلی ذات میں ہوتے ہیں۔ افراد اخص ہیں اور قطب مدار خاص ہے اور بعض اولیاء کو تجلی افعال اور بعض کو اسماء کی تجلی ہوتی ہے اور بعض کو آثار کی تجلی ہوتی ہے اور بعض مقام صحو میں ہیں اور بعض مقام شکر میں ہیں اور بعض دونوں میں ہوتے ہیں۔ اولیاء کے یہ مقامات عالم کثرت میں ہیں لیکن فردانیت کے اہل مقامات کے باہر تجلی پاتے ہیں جس کو فردانیت کہتے ہیں۔ فردانیت بے مکان ہے اور چھ حدود سے باہر ہے اور ہر چھ حدود کی حد فردانیت سے ہے۔ اچھی طرح غور کرو کہ کیا کہتا ہوں۔ یہ فقیر انیس سال صحو میں رہا اور اکیس سال سُکر میں۔ اور اس حد تک کہ مجھے مطلق خبر نہ تھی لیکن شیخ یعقوب اوحد یمنی کی

قربت میں تھا جو قطب اقلیم تھے انھوں نے میری یہ اکیس سال کی مستی مجھ سے بیان کی تب معلوم ہوا کہ اکیس سال مست رہا۔ اور اس مدت کے بعد مقام مستی سے چند سال ہوئے کہ مقام فردانیت پر اپنے پیر قدس اللہ سرہٗ کی بدولت نزول کیا۔

فریدم فرد بنشتم کہ در خود ز فردیت بسے انوار دارم
اگر موسیٰ نہ ام موسیچہ ہستم درونِ سینہ موسیقار دارم

(میں فرید ہوں تنہا بیٹھا ہوں۔ کیونکہ فردیت سے مجھے اپنے باطن میں بہت سے انوار ملے ہیں۔ اگر میں موسیٰ نہیں ہوں تو نہ سہی موسیچہ ہوں اور اپنے سینہ میں ایک موسیقار رکھتا ہوں)

فقیر کو جو فردانیت عطا ہوئی ہے اس کی شرط پوشیدگی ہے اور اس مقام سے لاہوت ہے اور لاہوت دراصل لا ہوالا ہو ہے اور حرف تاء زائید ہے یعنی عرب کا قانون یہ ہے کہ جب ذو معنیٰ (مغلقہ) کلام کرتے ہیں تو ایک چیز حذف کرتے ہیں اور ایک چیز زائد کرتے ہیں تا کہ نامحرم حقیقت سے محروم رہیں۔ پس اے محبوب! لانفی ہے۔ یعنی طائفہ افراد کے لیے تجلی صفات نہیں ہے اور ھو اسم ذات ہے یعنی الاھو تجلی ذات ہے۔ پس فردانیت یعنی افراد ہر وقت مقام لاہوت میں ہیں۔ یعنی خود ہی تجلی ذات اور لاہوت ہیں یعنی فردانیت کے لیے مقام نہیں ہے کیوں کہ شش جہت سے خارج ہے اور یہ لفظ مقام سے جس سے اضافت کی جاتی ہے۔ مقام مراد نہیں۔ مجاز کی رو سے مقام کہتے ہیں کہ مقام لاہوت ہے لیکن مقام نہیں ہوتا۔ اچھی طرح غور کرو کہ کیا کہتا ہوں۔ یقین کے مشاہدہ سے بیان کرتا ہوں اور مکتوبات میں جو کچھ بیان کیا ہے علم الیقین سے نہیں ہے اور عین الیقین سے بھی نہیں ہے کہ بلکہ حقیقت الیقین کے مشاہدہ سے ہے۔ حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ سے امیدوار ہوں کہ ان مکتوبات سے آپ کا علم الیقین آپ کو حقیقت الیقین کے مشاہدہ پر لے جائے گا۔ اور اس مقام لاہوت سے نیچے جبروت ہے یعنی مقام جبر و کسر خلایق اور یہ مقام قطب مدار کا ہے یعنی قطب عالم جو عرش سے ثریٰ تک متصرف ہے اور جبر و کسر بھی شش جہت میں سماتے ہیں اور قطب عالم کو عرش مجید سے فیض ہوتا ہے جس کا تعلق عزل اور نصیب

سے ہے۔ میں اس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ اچھی طرح غور کرو کیوں کہ تمہارا مقصد یہ التماس تھا کہ تم کو یہ چاروں مقام حاصل ہو جائیں۔ ادھر اشارتاً مفصل لکھا ہے اس کے بعد اجمال کے بعد صراحت سے شروع کرتا ہوں کہ مقام جبروت کو جبروت اس سبب سے کہتے ہیں کہ جبر وکسر یعنی اولیاء کے کرامات اور انبیاء کے معجزات اسی عالم سے ہیں اور جب اس مقام جبر وکسر سے ترقی ہوتی ہے تو فردانیت کا مقام ہے یعنی لاہوت۔ اور اس عالم فردانیت میں عالم جبروت یعنی جبر وکسر کفر ہے۔ لیکن افراد عالم جبروت پر قادر ہوتے ہیں اگر جبر وکسر میں مشغول ہوں تو فردانیت یعنی تجلی ذات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ افراد مستور ہوتے ہیں اور اس فقیر کی مستوری بھی اسی سبب سے ہے۔ قلم جب اس مقام پر پہنچا تو فردانیت نے جو مقام لاہوت ہے اس فقیر کے سر میں خفیہ زبان سے کہا کہ۔

کم گو ز من ازیں پس اسرار خوبرویاں ایں در چہ می کشائی دیوار گوش دارد

(خوبرویوں کے اسرار مجھ سے نہ کہو۔ یہ دروازہ کیوں کھول رہے ہو۔ دیوار کے بھی کان ہیں)

اس سب سے اختصار کرتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا لیکن امید ہے کہ آپ مشاہدہ کریں گے اور لکھیں گے۔ آمین۔ آمین۔ اس مقام جبروت سے اسفل مقام ملکوت ہے اور مقام ملکوت فرشتوں کا مقام ہے یعنی بے فتور و بے نفور طاعت و عبادت کا مقام۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یسبّحون اللّیل والنہار لا یفترون (۲۱/۲۰) (وہ تسبیح کرتے ہیں رات اور دن اور تھمتے (تھکتے) نہیں ہیں) وہ عبادت جو بے فتور درویش کو حاصل ہوتی ہے وہ ملائکہ کی عبادت کا مقام ہے یعنی فرشتوں کی عبادت و تسبیح بے فتور ہوتی ہے۔ پس ملکوت یہ ہے کہ عبادت بے فتور حاصل ہو۔ جسے حاصل ہوتی ہے مقام ملکوت میں ہوتا ہے یعنی عبادت بے عادت اور عالم ناسوت کی عبادت عادت ہے یعنی مقام ناسوت عادتی ہے جو بے سعادتی کی علامت ہے۔ عبادت کا پہلا مقام عادت ہے جو ناسوت ہے۔ جب درویش اس عبادت کی پرستش سے فرشتوں کے مقام کے عالم میں گزر کرتا ہے تو وہ ملکوت ہے۔ یعنی عادت پرستی سے خلاصی پا کر عبادت اخلاص تک پہنچتی ہے۔ اس کے بعد اخلاص

سے مقام جبروت میں پہنچتی ہے یعنی جبر و کسر۔ کشف وکرامات۔ افلاک وملائکہ کے اخبار اور عرش وکرسی کے ارضی وسمائی آثار حاصل ہوتے ہیں اس مقام کو جبروت کہتے ہیں۔ اس کے بعد اس مقام سے بھی ترقی کر کے سلوک پورا کرتے ہوئے مقام لاہوت میں جو فردانیت ہے اور جہات وحدود سے منزہ ہے پہنچتا ہے اور ہر وقت تجلی ذاتی سے شہود حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فقیر کی اس رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے۔ یہ رباعی مقام فردانیت کے حال سے ہے۔ جس دن یہ فقیر مقام لاہوت میں تجلی ذاتی سے اپنے پیر قدس اللہ سرہٗ کی بدولت مشرف ہو کر افراد ہوا۔ یہ رباعی اسی احوال سے ہے۔

در مصحف عقل حرفِ تامات بہ بیں   برسدرہ برآ وپس خرابات بہ بیں
بگذر ز صفات او و در خود بنگر   بے واسطۂ تجلیِ ذات بہ بیں

(مصحف عقل میں حرف تام دیکھو۔ سدرہ تک پہنچ جاؤ اور اس کے بعد خرابات کی جانب نظر اٹھاؤ۔ اس کے صفات پر غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تجلی ذات بلا کسی واسطہ کے دیکھنا چاہئے)

اے محبوب! یہ رباعی تمام مشائخ کے احوال کی جامع ہے۔ پوری طرح غور کرنے کے بعد یہ رباعی مذکور آپ کے لیے آپ کے تمام احوال کی جامع ہو جائے گی۔ تجلی ذاتی وصفاتی اور اہل تجلیات اور احوال وحالات شاہدان لایزالی اور اپنے احوال و حالات جو مردان شریعت وطریقت وحقیقت کی نعمتوں کی تاثیر سے ہیں اور اسرار کے باطن سے اس فقیر کو پہنچے ہیں سولہویں مکتوب میں ان کی پوری شرح کروں گا اور اپنی نعمت کی آپ کے لیے بحر المعانی میں جو شرح کرتا ہوں اس سے یہ تصور نہ کریں کہ تزکیۂ نفس کرنا چاہتا ہوں بلکہ میرا بیان واما بنعمة ربك فحدّث (۹۳/۱۱) یعنی فخبّر (اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرو) کی قبیل سے ہے۔ یعنی محبوبوں محبوں اور محرموں کو نعمت کی اطلاع دینا ایک طرح کا شکر نعمت ہے۔ اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ لکھا جائے گا۔ مقام ناسوت شریعت پر عمل کرنے کا مقام ہے یعنی حضرت رسالت علیہ السلام کی روح کا عمل اور لاہوت کا مقام حضرت رسالت علیہ السلام کے سر کا مشاہدہ ہے کہ لی مع الله وقت (میرا اللہ کے ساتھ

ایک وقت ہے) یعنی مشارکت کے بغیر اور افراد کے لیے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت یہی مقام ہے۔ چودھویں اور سولھویں مکتوب سے یہ مقام آپ پر پوری طرح روشن ہو جائے گا۔ چودھواں مکتوب جمع الجمع ہے۔ اہل ظواہر کیا سمجھیں کہ حضرت رسالت علیہ السلام کے نفس کا کام شریعت ہے جب وہ یہ جانتے ہی نہیں تو دیکھنے کا کیا سوال۔ طریقت کیا جانیں اور کیا کہیں کہ دل کی راہ ہے اور دل کی راہ نہ نیچے ہے نہ اوپر نہ سامنے ہے نہ پیچھے۔ نہ داہنے ہے نہ بائیں۔ دع نفسک و تعال (اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ) کچھ سمجھے کہ تمھارا مقصود تمہارے ہی دل میں بیان کیا ہے۔ اچھی طرح غور کرو۔

دریں کو گر طوافے کرد خواہی   زخود برخیز تا گردی الٰہی

(اگر اس کوچہ میں طواف کرنا چاہتے ہو تو اپنے آپ سے دور ہو جاؤ۔ الٰہی بن جاؤ گے۔ یعنی فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا) اور اپنے سے چاہنا یہ ہے کہ اذا تم الفقر فهو الله (فقر جب مکمل ہو گیا تو وہی اللہ ہے) اور پورا فقر کیا ہے۔ یعنی اس عالم سے عالم جبروت تک علیحدہ ہو جاؤ اور ان مقامات کو آنکھ کے گوشہ سے بھی نہ دیکھو کیوں کہ اذاتم الفقر یہی تین عالم ہیں۔ جو ان تین مقامات پر متوطن ہے اس کے لیے فقر لازم ہے۔ پھر جب اس فقر سے باہر آتا ہے تم الفقر ہو جاتا ہے۔ ع زخود برخیز تا گردی الٰہی۔ خلائق اور اہل ظواہر محمد کو کیا جانیں کہ کیا تھے اور کون تھے۔ محمدؐ سے یہی جانا ہے کہ انما انا بشر مثلکم (میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں) لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من رآنی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) اکثر خلائق خدائے عزوجل کو جانتے ہیں اور محمد کو نہ جانا نہ پہچانا۔ اگر اہل ظواہر محرم ہوتے تو بحر المعانی میں حقیقت سے پردہ اٹھا دیتا۔ اوپر کے مکتوبات میں اٹھا دیا ہے۔ جب کثرت سے مطالعہ کرتے تو جانتے اور پہچانتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کے لیے کیا تھے اور کس نسبت سے پیدا ہوئے اور ان سے ''تو'' اور ''میں'' کیا نسبت رکھتے ہیں جب تم نسبت پیدا کر لو گے تو اپنے کو پا جاؤ گے۔

زخود برخیز تا گردی الٰہی
(اپنے سے دور ہو جاؤ الٰہی ہو جاؤ گے)

لیکن امید ہے کہ ان تینوں سے یعنی ناسوت، ملکوت اور جبروت جو مقام فقر ہے گزر کر انشاء اللہ تعالیٰ اذا تم الفقر وھو اللہ حاصل کرلیں گے اور جو مکتوب قاضی اندری کے ذریعہ ان معنوں میں آپ نے اس فقیر کو بھیجا تھا رات اور دن میں اس مکتوب کی تحریر مولانا فخر الدین کے حضور میں لائی گئی اور دیباچہ کی کیفیت جو آپ نے اپنے قلم مبارک سے لکھا تھا سرخی سے لکھنے کے لیے خالی جگہ چھوڑ دی گئی۔ آپ کے بھیجے ہوئے مکتوب کے مطابق ہوگیا۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ کبریاء کے بعد صلوات ہے۔ یعنی صلوٰۃ برگزیدۂ ذات میں صلوت کے لفظ کو سرخی سے لکھیں اور مولانا فخر الدین کے مکتوب میں جو ذکر مندرج تھا کہ جو کچھ دل میں آئے اسے لکھوں یا نہ لکھوں تو چاہئے کہ اطمینان سے لکھئے۔ کیونکہ وہ حل کردیا جائے گا۔

شرح گویم رسم آدابِ ملوک   زاں کہ نتواں کرد بر جہل ایں سلوک
زاں کہ میدانم کہ ایں راہِ دراز   درمیانِ شبہ نہ دہد نور باز
گر تو فارغ دل شوی تن در نہی   بے دل و جاں سر دراں درگہ نہی

(میں بادشاہوں کے طور طریقوں کو شرح وبسط سے بیان کرتا ہوں کیونکہ جب تک جہل خرد باقی ہے راہ سلوک طے نہیں کی جاسکتی۔ میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ یہ راستہ بہت طویل ہے اگر ہم شک میں پھنسے پڑے رہیں تو تجلی الٰہی ہم پر عیاں نہیں ہوسکتی جب تیرا دل آلائش دنیا سے صاف ہوجائے گا تو سلوک کر اور بغیر دل وجاں کے اس بارگاہ میں اپنا سر رکھ دے)

اے محبوب! نفع بخش مثنویات کا بیان کیا خوب ہے۔ اگر چشم گریاں اور دل بریاں سے مشاہدہ اور مطالعہ نہ کرو تو تم مجھ سے نہیں کیوں کہ جب چاہتا ہوں کہ قلم ہاتھ میں لوں اور تم کو مکتوب لکھوں تو میرے فکر کے تنور میں آتش شوق ایسی بھڑکتی ہے کہ کونین اس کا ایندھن ہوجاتے ہیں۔ اس کو قلم کی نوک سے بجھاتا ہوں۔ دوسرے معلوم ہو کہ کاغذ شہر میں ہیں۔ باوجود کوشش کے حاصل نہیں ہوسکے۔ اگر آپ سے ممکن ہو تو بھیج دیں۔

مکتوبہ اتوار ۲۸ ر شوال ۸۲۴ھ

سولہواں مکتوب

(مشاہدات کے بارے میں)

آمده ام که تا به خود گوش کشاں کشانمت بے دل و بے خودت کنم بر در خود نشانمت
آمده ام چو باد خوش پیش تو اے درخت گل تا به کنار گیرمت خوش خوش می فشانمت
آمده ام که تا ترا جلوه دہم دریں سرا ہمچو دعائے عاشقاں تا به فلک رسانمت
جان و جہان من توئی فاتحه خوان من توئی فاتحه شو به صورتے تا چو به دل بخوانمت
ہیچ مگو و کف مکن سر مکشائے دیگ را نیک بجوش و صبر کن تا که ہمی بِرانمت
از در خانه تا دروں چند ہزار منزل است شہر به شہر بردمت بر سر ره نمانمت
گوئے منی و می دوی در خم چوگان حکم در پئے تو ہمی دوم گرچه ہمی دوانمت

(میں اس لیے آیا ہوں کہ تیرے کان کھینچتا ہوا تجھے اپنی طرف کھینچ لاؤں اور تجھ کو بے دل و بے خود کر کے اپنے دروازہ پر بٹھالوں۔ اے پھول دار درخت میں خوشبودار ہوا کی طرح تیری طرف آیا ہوں تا کہ تجھے اپنی آغوش میں لے لوں اور خوشی خوشی تجھے بکھیر ڈالوں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ اس سرائے (دنیا) میں تجھے جلوہ دوں یعنی سب کے سامنے پیش کروں اور عاشقوں کی دعا کی طرح تجھے آسمان تک پہنچادوں تو ہی میری جان میری دنیا اور تو ہی میرا فاتحہ خواں ہے۔ تو اس طرح سے دعا بن جا کہ تجھے اپنے دل میں رکھ لوں۔ کچھ نہ کہہ اور منھ سے کف نہ نکال۔ یعنی غم و غصہ کا اظہار نہ کر بلکہ رازِ دل آشکارا کر دے۔ جوش میں آنے میں کوئی حرج نہیں۔ ذرا صبر کر تا کہ تجھے باہر نکال لوں۔ یعنی غم و غصہ کی کیفیت سے رہائی دلاؤں۔ گھر کے دروازہ سے گھر کے اندر تک ہزاروں منزلوں کا

فاصلہ ہے میں تجھے شہروں شہروں پھراؤں گا اور راستہ پر لے آؤں گا یعنی تجربات کراؤں گا اور منزل مقصود تک پہنچاؤں گا۔ تو میرا گیند ہے اور چوگان حکم کے خم میں دوڑتا ہوں اگر چہ بہ ظاہر تجھے دوڑاتا ہوں اور لڑھکاتا ہوں یعنی گیند کے لڑھکانے والے کو بھی محنت کرنی پڑتی ہے)

(تشریح) میری تخلیق تیرے حب ظہور کا نتیجہ ہے اور میری تخلیق کا مقصد تیرے اسماوصفات کا اظہار ہے۔ میرے افعال در حقیقت تیرے افعال ہیں کیوں کہ تو بھی فاعل حقیقی ہے لہٰذا مجھے موقع دے کہ تجھے دونوں عالموں کی سیر مکمل کرادوں)

مقصود یہ کہ اے محبوب! اگر چہ بیچارہ گیند اپنے حال میں چوگان میں کبھی شاہ کی مار کھاتا ہے اور دوڑتے ہوئے پیچھے دیکھتا جاتا ہے کہ شاہ بھی سب کے ساتھ اپنی نگاہ گیند پر جمائے ہے۔ اس حال میں کبھی شاہ پر اس کو فخر ہوتا ہے خاطر جمع رکھو اگر تم کو میدان فردانیت کے چوگان علم الیقین میں دوڑاتا ہوں لیکن تمہارے پیچھے رہتا ہوں تاکہ تم کو حقیقۃ الیقین کے مشاہدہ تک پہنچاؤں۔ انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا۔ اقطاب اثنا عشر میں سے بعض کو تجلی آثار ہوتی ہے بعض کو تجلی افعال اور بعض کو تجلی اسماء لیکن قطب عالم کو تجلی صفات ہوتی ہے اور طائفہ افراد کے لیے تجلی ذات ہے۔ جب درویش فردانیت یعنی لاہوت میں نزول کرتا ہے یعنی افراد ہر وقت تجلی ذات میں ہوتے ہیں یعنی وہ محو رہتے ہیں جیسا کہ سلطان ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ تجلی ذات میں تھے اسی وجہ سے ابن عین پسر شیخ محی الدین نظر مبارک کی تاثیر سے پیدا ہوئے یعنی شیخ محی الدین صاحب فصوص کی اہلیہ شیخ (ابوسعید) کی نظر مبارک میں بیٹھی تھیں۔ شیخ تجلی ذات میں تھے اور شیخ کی آنکھوں میں نور ذات کا اثر تھا۔ جب اہلیہ (شیخ محی الدین) کی طرف دیکھا لازماً جو ذات حمل میں تھی نور وجود سے موجود ہوئی۔ ابن عین نام پایا۔ اے محبوب! شیخ ابوسعید جب تجلی ذات میں تھے تو ابن عین کو جو نور ذات تھے دیکھ کر پوچھا یاصبی انت من این فقال الصبی انا من عین فقال الشیخ رایت محی الدین فیك ابن العین ، (اے لڑکے تم کس کے بیٹے ہو اس نے کہا میں عین کا بیٹا ہوں۔ شیخ نے کہا اے ابن عین میں نے شیخ محی الدین کو تجھ میں دیکھا) شیخ ابوسعید لوٹ گئے۔ اس وقت شیخ الشیوخ قدس اللہ سرہٗ ابتدائے حال اور تجلی افعال میں تھے انھوں نے شیخ محی الدین کو

ظاہر میں نہ دیکھا تھا اور وہ ظاہر میں نہ دیکھنا ایسا تھا۔ بہر حال جب شیخ ابو سعید لوٹ گئے۔ شیخ الشیوخ شیخ محی الدین کی خانقاہ میں آ کر ان کے مقابل متوجہ ہو کے بیٹھے اور واپس آ گئے۔ تین دن متواتر آئے اور ان تین دنوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ تیسرے دن رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ صدر الدین قونویؒ کو جو شیخ محی الدینؒ کے خادم تھے شیخ شیوخ کے پاس توشہ لے کر بھیجا اور اس موقع پر شیخ صدر الدین نے شیخ شیوخ سے پوچھا کہ بات چیت کیوں نہ ہوئی۔ حضرت شیخ شیوخ نے فرمایا کہ میں نے جب کوئی بات پوچھنا یا کہنا چاہی شیخ محی الدین کو نہ دیکھا پس کس سے کہتا کیوں کہ ان کا وجود ایسے مقام میں تھا جس میں مجھے دخل نہ تھا۔ اور جب شیخ صدر الدینؒ شیخ محی الدینؒ کے پاس آئے اور حضرت شیخ سے پوچھا کہ بات چیت کیوں نہ ہوئی تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولانا شہاب الدین شریعت میں مکمل ہیں۔ مقام لاہوت سے کہ تجلی ذات ہے مقام ناسوت میں آنا اور کچھ پوچھنا یا کہنا مقام لاہوت کا کفر ہے یعنی مقام ناسوت مقام شریعت ہے جیسا کہ پندرھویں مکتوب میں پوری طرح بیان ہوا ہے اس سے معلوم کرو۔

محبوب! یہ جو شیخ صدر الدین کی بابت لکھا گیا یہی شیخ ابو سعید اور ابن عین کے ساتھ واقع ہوا اور ان دونوں بزرگوں کے استقبال کے لیے یہ ابن عین گئے تھے اور شیخ صدر الدین خادم کے لیے جیسا لکھا گیا ویسا ہی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ۔ ایک دن شیخ رکن الدین ابوالفتح حضرت قطب شیخ نظام الدین بداونیؒ کی ملاقات کے لیے شہر میں آئے۔ جب خانقاہ میں حضرت قطب حقیقی کے ساتھ بیٹھے تو ایک قوال آئے اور گانے لگے۔ حضرت قطب حقیقی تواجد میں کھڑے ہو گئے۔ شیخ رکن الدینؒ نے ان کی آستین مبارک پکڑ کر انھیں بٹھا دیا۔ جب دوبارہ کھڑے ہوئے ان کا دامن مبارک پکڑ کر بٹھا دیا اور جب تیسری بار اٹھ کھڑے ہوئے تو شیخ رکن الدین نے کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور حضرت قطب حقیقی تواجد میں پاؤں پٹخ رہے تھے۔ حالت کے ختم ہونے پر شیخ رکن الدین واپس ہوئے۔ مولانا محمد نے شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ آستین اور دامن پکڑ کر بٹھا دینے میں اور تیسری بار نماز پڑھنے میں کیا راز تھا۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ مولانا! جب برادرم نظام الدین

پہلی بار کھڑے ہوئے تو ساتویں آسمان پر قدم رکھا اور میرا ہاتھ ان کی آستین کے دامن تک پہنچا اور جب دوسری بار کھڑے ہوئے تو عرش کی چھت پر قدم رکھا۔ میرا ہاتھ ان کے دامن تک پہنچا۔ اور جب تیسری بار کھڑے ہوئے تو میں نہیں جانتا کہ کہاں گئے میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ لامحالہ ناسوت کے اعمال شروع کر دیئے۔ کیسی عبادت اور کیسا پھل اور ایک عالم منکر۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم الیقین سے ان مقامات کا کشف کرائے گا عام لوگ مشائخ کو ایک طریقے اور ایک تحقیق پر جانتے ہیں یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ شاہدان لایزال کے مراتب ومقامات کو ولی سے قطب حقیقی تک اور ابدال سے غوث تک آپ کے لیے واضح کر چکا ہوں۔ اس علم الیقین میں مستغنی رہیے۔ اس راہ میں نظر مقصود ہے۔ اور وہ طالب جو ہر وقت میری نظر میں میرے مطلوب رہتے ہیں نظر کی وجہ سے منتظر ہیں۔ یعنی نظر ہر وقت نہیں ہے اور سب پر نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو ایک عالم ذات سے واصل ہو کر پیدا اور پنہاں ہوتا رہتا اور شیخ محی الدین کا تاثیر نظر سے دوسرا بیٹا بھی ہوتا۔ حالانکہ ان کی اہلیہ بارہا ان کے مقابل منتظر بیٹھتیں لیکن کیسے ہوتا۔ نظر کے لیے وقت اور حالت ہے اور مطلوبوں کے لیے طالبوں کا انتظار اسی لیے ہے۔ شاید وہ مبارک وقت آ جائے صرف ایک نظر کی تاثیر سے کون ومکاں سے چھٹکارا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

سائلے گفتش کہ اے بردہ سبق   تو زچہ ازما سبق بردی بہ حق
چوں تو جویائی و ماجویاں تراست   درمیان ما تفاوت ازچہ خاست
چہ گنہ آمد زجسم و جان ماست   قسم تو صافی و دُردے زان ماست
گفتم اے سائل چو شیخم دائی   چشم افتاد است برمن یک دمی
نے بہ سیم ایں یافتم من نے بہ زر   ہست ایں دولت مرا از یک نظر
کے بہ طاعت ایں بہ دست آرد کسے   زاں کہ کرد ابلیس ایں طاعت بسے
تو بہ خدمت عمر خود می بر کہ سر   تا تو شیخت بر تو اندازد نظر
چوں تو شیخت را بہ منظور آمدی   ہرچہ گویم بیشتر زاں آمدی

(ایک سائل نے ایک سبق لینے والے سے پوچھا کہ بتا تو نے ہم سے تو سبق لیا

لیکن حق تک کون سے سبق نے پہنچایا۔ جب تو بھی جویا ہے اور ہم بھی راست جویوں میں ہیں تو پھر ہمارے درمیان فرق ہی کیا ہے۔ ہمارے جسم و جاں سے کون سا گناہ سرزد ہوا۔ تیری شراب صاف قسم کی ہے اور ہمارے نصیب میں تلچھٹ ہے۔ میں نے کہا کہ اے سائل جب میرے شیخ کی ایک نظر مجھ پر پڑی تو نہ چاندی خرچ کر کے ملی اور نہ سونے کے بدلے میں۔ مجھے یہ دولت ایک نظر سے ملی۔ یہ دولت بندگی اور اطاعت سے نصیب نہیں ہوئی کیوں کہ شیطان نے تو بہت وقت اطاعت میں گزارا مگر بے حاصل۔ تم اپنی عمر خدمت کرنے میں گزار دو تا آں کہ شیخ کی نگاہ تم پر پڑ جائے۔ جب تم شیخ کے منظور نظر ہو جاؤ گے تو جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے زیادہ حاصل کر لو گے)

(تشریح) حق کی راہ نہ مال و دولت سے حاصل ہوتی ہے نہ طاعت و عبادت سے۔ بلکہ اپنے شیخ کی ایک نظر سے حاصل ہوتی ہے۔ اس نظر کے حصول کے لیے اپنے شیخ کی خدمت میں زندگی بسر کرنا چاہئے اور خدمت یہ ہے کہ اپنے آپ کو مردے کے مثل اپنے شیخ کے حوالہ کر دے)

اے محبوب! افراد قطب عالم یعنی قطب مدار سے افضل ہیں ہر وقت تجلی ذات میں ہوتے ہیں لیکن خلائق اور اہل ظواہر ان کو عالم صحو میں جانتے ہیں لیکن یہ بڑی بھول ہے اور طائفہ افراد کا قالب بشریت کے جامہ میں تشبہ اور تمثل کے طور پر اہل ظواہر کے ساتھ روا رکھتے ہیں لیکن وہ نورِ ذات میں محو ہوتے ہیں وہاں نہ مکان ہوتا ہے نہ زمان، یعنی اہل زمان و مکان یعنی اہل تجلی صفات و افعال و اسماء و آثار کے لیے تجلی افراد کچھ نہیں ہے اور مشاہدہ بھی نہیں ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ جب اس مقام میں پہنچو گے تو جانو گے اور اہل ظواہر شیخی اور درویشی کو چند رکعت زیادہ نماز اور چند روز خلوت میں بیٹھنا اور چند روز بھوکے رہنے کو سمجھتے ہیں۔ واللہ کام ان سب کے علاوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان چند اشعار کا جمال تجلی کرے۔

سر از پئے آں باید تا مست مئے باشد — یا از پئے آں باید کز یار تعب بیند
عشق از پئے آں باید تو سوئے فلک پرّد — عقل از پئے آں باید تا علم ادب بیند
بیروں سببے باشد اسرار عجابہا — مجوب بود چشمے کہ جملہ سبب بیند

(سر کی ضرورت اس لیے کہ مے سے سرشار ہو یا پھر اس لیے کہ دوست سے پہنچنے والی تکالیف کو انگیز کر لے۔ عشق کی ضرورت اس لیے ہے کہ آسمان کی جانب پرواز کرے اور عقل کی ضرورت علم و ادب کے حصول کے لیے چاہیے۔ اسرار عجیب کا اسباب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو آنکھ اسباب و علل کے کھوج میں رہتی ہے وہ محجوب رہتی ہے یعنی اس پر پردے پڑے رہتے ہیں اور اس پر کشف اسرار نہیں ہوتا)

(شرح) ہر سبب میں مسبب پر نظر رکھو اور اسباب کو بھی حق جانو)

طائفہ افراد کے قالب تجلی ذات میں نور ہو گئے ہیں جیسے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کا قالب حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے کلام مجید میں واضح فرمایا ہے کہ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (۵/۱۵) (تمہارے پاس آیا اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین) ان کا قالب نور تھا کہ اس کا سایہ زمین پر نہ تھا اگر ان کا قالب دوسروں کے قالب کی طرح ہوتا تو وترٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون (۷/۱۹۸) (اور تم ان کو دیکھتے ہو کہ (وہ آنکھیں کھولے) تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ حقیقتاً کچھ نہیں دیکھتے) اہل ظواہر کے لیے فرمان نہ ہوتا۔ اور اپنے لیے یہ بیان نہ فرماتے کان یمشی لا ظل لہ (آپؐ چلتے تھے اور آپ کا سایہ نہ تھا) طائفہ افراد کے لیے یہی مقام ہے یعنی جب تجلی ذات میں متجلی ہوتے ہیں تو ان کا وجود نور ہو جاتا ہے۔ اس حالت اور اس ولایت اور اس زمین کو ان ارضی (بیشک میری زمین) کہا ہے۔ ان کے وجود کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ جب اہل تجلی صفات و افعال و اسماء و آثار نظر کرتے ہیں تو ان کو نہیں دیکھتے جیسے شیخ شیوخ نے محی الدین کو نہ دیکھا اور شیخ رکن الدین نے تیسری بار شیخ نظام الدین کو نہ دیکھا۔ غور کرو کہ میں کیا کہتا ہوں شیخ شیوخ کی آنکھ چاہیے کہ شیخ محی الدین اور شیخ نظام الدین کے جمال میں محو ہو گئے اور ان کو نہ دیکھا۔ جیسے افراد جمال ذات میں محو ہو جاتے ہیں اسی طرح اہل تجلی صفات و افعال و آثار، افراد کی ذات میں محو ہو جاتے ہیں تو پھر کیا دیکھیں خوب غور کرو کہ شاہدان لایزال کا یہ مرتبہ و مقام ہے۔ اے محبوب! ابن عربی صاحب فصوص لکھتے ہیں کہ منصور حلاج کو تجلی ذات ہوئی تھی اور وہ افراد کا مقام رکھتے تھے۔ لیکن یہ فقیر بھی کہتا ہے کہ

اگر منصور حلاج کو تجلی ذات ہوتی ہرگز انا الحق نہ کہتے اور دوسرا سبحانی نہ کہتے کہ جب تجلی ذات میں محویت ہے تو محو کیا جانے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں کہ سبحانی اور انا الحق کہے کیوں کہ اس انا اور انی میں اپنی حقیقت مراد ہے۔ پس محویت کے مقام میں وہ کہاں سے ہے کہ من اور منی کہتا ہے۔ تجلی ذات میں کلام کرنا نہیں ہے جیسا کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا ہے من عرف ربی کل لسانہ (جس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کر لی اس کی زبان گنگ (شل) ہوگئی) اس حدیث سے تجلی صفات اور اس کا غیر مراد ہے۔ اچھی طرح غور کرو۔ لیکن جب تجلی ذات میں عدم کلام ہوتا ہے تو سبحانی اور انا الحق نہیں کہا جا سکتا اور روا نہیں ہوتا۔ پھر معلوم ہوا کہ تجلی صفات اور اس کے غیر کے لیے کہا گیا ہے۔ چنانچہ جب یہ فقیر تجلی صفات کے مقام میں تھا تو اس پر اتنا کلام ہوتا تھا کہ اس کی انتہا نہ تھی اور تقریر و تحریر میں نہیں آ سکتا اور یہ فقیر بھی جواب دیتا تھا۔ مگر جب انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو تجلی ہوگی تو سمجھ جائے گا کہ کیا معاملہ ہے۔ اگر تجلی صفات اور اس کے غیر میں کلام نہ ہوتا تو ہلاکت کا امکان تھا اور اگر تجلی ذات میں کلام ہو تو اس میں بھی ہلاکت کا خوف ہے۔ میری اس مثنوی میں تفکر کیجئے کہ یہ بھی تجلی صفات کے مقام سے ہے۔

بحر جانم چوں کہ زد صد گونہ جوش   چوں توانم بود یک ساعت خموش
چوں کہ غرق آتشم عیبم مکن   می بہ سوزم گر نمی گویم سخن

(میری جان کا سمندر برابر موجیں مار رہا ہے یعنی جذبات کا سمندر موج زن ہے۔ اس صورت میں میں ایک گھڑی بھی خاموش نہیں رہ سکتا۔ چوں کہ میں آگ میں غرق ہوں مجھے ملامت نہ کرو۔ اگر بات نہ کروں یعنی اظہار جذبات نہ کروں تو تپش دل مجھے جلا کر خاک کر دے گی)

(شرح) میرا قال میرا حال ہے جو مجھے گفتگو پر مجبور کرتا ہے۔ لہٰذا مجھے الزام نہ دو)

کلام انا الحق اور سبحانی کے بارے میں گیارہویں مکتوب میں مکمل وضاحت کر چکا ہوں لیکن وہ دوسرے مقام میں ہے اور اس مکتوب کے شرح و بیان کا دوسرا مقام ہے جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے بیان میں کئی جگہوں پر لوگ سمجھتے ہیں کہ تکرار ہے

لیکن جب اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیت کا مقام الگ ہے۔ یہ نہ کہنا کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں لیکن مصابیح الاقوال کے طور پر مثال دیتا ہوں۔ جانو کہ انا الحق اور سبحانی کی شرح کیا ہے جب درویش تجلی صفات میں یعنی ہماری ذات ذات جائز الوجود واجب الوجود کے صفات میں نور جمال صفات میں مستغرق ہو جاتی ہے تو واجب الوجود کے صفات جزئیت میں داخل ہو جاتے ہیں اور جائز الوجود کے وجود کو پاک کر دیتے ہیں اور واجب الوجود کی وہ صفت جائز الوجود کی زبان سے بولتی ہے جیسا کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان الحق لینطق علی لسان عمر (حق وہ ہے جو عمر کی زبان سے بولتا ہے) واللہ تمہارے اس فقیر نے جو شرح کی ہے اگر سبحانی اور انا الحق کہنے والوں سے پوچھتے گو کہ انھوں نے کہا ہے لیکن ایسی شرح مذکور نہ کر سکتے کہ روشن ہو جائے۔ باللہ العظیم شرح مذکور کے بیان سے عاجز ہو جاتے اور اسی لیے اولیاء میں سے کسی نے شرح نہ کی۔ پس اہل ظواہر نے لے اڑنا تصور کیا اور نقصان پہنچایا۔ اچھی طرح غور کرو۔ اور سمجھ جاؤ کہ تجلی ذات میں کلام نہیں ہے کلام تجلی صفات میں ہے۔ کیا کروں کہ ابن عربی آج زندہ نہیں ان سے کہتا جو کچھ کہتا اور وہ سنتے کہ کیسی یقینی بات ہے۔ کیوں کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میرے کلمات بحرا لمعانی نہیں اٹھا سکتی اور ابھی میرے کلمات کہاں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو پھر کبھی لکھوں گا۔

جب فرد حقیقت شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ کی بدولت سلوک میں ترقی ہوئی اور تجلی صفات سے تجلی ذات (میں) مقام فردایت میں برشرط مستوری نزول کیا اور افراد کے گروہ میں عیسیٰ کے نزول کے بعد تجلی ذات کا منتظر ہوا تو حضرت فرد حقیقت کو واقعہ میں دیکھا کہ ذکر خفی کر رہے ہیں۔ میں نے حاضر ہو کر اپنا منہ فرد حقیقت قدس اللہ سرہٗ کے سامنے خاک پر رگڑا۔ اور حضرت مخدوم کی زبان پاک کے الفاظ اس خاک ناپاک کے لیے صادر ہوئے۔ فرمایا کہ اے شہباز میدان عالم لاہوت اور اے پاک آمدہٗ از عالم جبروت وائے باختۂ عالم ملکوت و ناسوت۔ ہر لفظ پر جو زبان دُربار سے صادر ہوتا تھا میری خاک نثار ہوتی تھی اور اپنا منہ خاک پر ملتا تھا اور (پھر) متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت فرد حقیقتؒ اٹھے ایک سرمہ میری آنکھوں میں لگایا اور فرمایا کہ اے فرد لایزالی یہ سرمہ نور ذات خداوند

عزوجل ہے۔ یہ واقعہ اور یہ ولایت ۸۱۱ھ میں پیش آیا اور جب رات ہوئی تو میں نے طیران کیا اور شہر ختلان سے طیران کرتے ہوئے مصر پہنچا۔ شیخ اوحد سمنانی کی قدم بوسی سے مشرف ہوا اس وقت قطب مدار یعنی قطب عالم تھے جیسے ہی حاضر ہوا انھوں نے بھی فقیر کو ان ہی الفاظ سے مخاطب فرمایا جو حضرت فرد حقیقت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ نے فرمائے تھے جو اوپر مذکور ہوئے اس کے بعد وہ اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اس حجرہ میں دو آدمی اور تھے ایک صوفی اور دوسرا طالب علم۔ شام کی نماز حالت طیر میں ہوئی تھی۔ رات کی نماز قطب عالم شیخ اوحد سمنانی کے ساتھ باجماعت پڑھی وہ صوفی ولی تھے۔ اس کے بعد دو تہائی شب تک کلام اللہ کے تین ختم اور دس پارے دو رکعت میں پڑھ کر سلام پھیرا لیکن ایک شوق اور ایک ذوق مجھ میں پیدا ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ میں بھی پیدا ہوگا۔ دیکھا کہ میرا قالب نور ہو گیا ہے اور قلب عرش پر محیط ہے کہ میری نظر میں عرش عظیم رائی کے برابر ہے اور میری جان ساری جانوں کی جان ہو گئی ہے اور آپ کی جان بھی ہو جائے گی۔ اس کے بعد اپنے آپ پر نظر ڈالی تو میرے وجود کے سارے بال صورت بن گئے۔ ہر صورت پر نظر ڈالتا تھا اپنی ہی صورت کی طرح پاتا تھا اس کے بعد صورتیں محو ہونے لگیں۔ چنانچہ ساری صورتیں محو اور ناچیز ہو گئیں۔ کیسے اسباب اور کیسی بناوٹ کہ خاکی کو پاکی سے نوازتے ہیں کہ محمد احد کے مقام میں پہنچتا ہے۔ اس کے بعد نظر ڈالی تو سارے عالم افلاک وانفس بلا کیفیت ہونے لگے۔ اور ساری تجلیات صفات وافعال واسماء وآثار محو ہونے لگیں۔ محو در محو ہو کر اسی طرح میں نے پلک جھپکاتے میں ستر ہزار عالم تجلیات کی سیر کی اس کے بعد کلام بے واسطہ سنا۔ فرمان ہوا۔ یا عبدی جلالی حجاب جمالی و جمالی انوار جلالی وانت مابین الجمال والجلال (اے میرے بندے میرا جلال میرے جمال کا حجاب ہے اور میرا جمال میرے جلال کے انوار اور تو جمال وجلال کے مابین ہے) اس کے بعد تجلی ذات میں کلام سے مشرف ہوا کہ اس کی کیفیت مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی مشاہدہ کے مطلوب تک پہنچائے۔ اس تاریخ سے پھر مقام لاہوت میں جو مقام فردانیت ہے میں نے نزول کیا۔ فرد حقیقت قدس سرہٗ کی بدولت یہ مثنویات تجلی

ذات کے سترہویں دن عالم صحو میں آنے پر شیخ اوحد سمنانی کے حجرہ میں گنگنائیں۔

از شراب شوق گشتم مست او ہست ما گم گشت اندر ہست او
بود ما در بود او نابود شد ہر چہ جز غیرش بُد آں مردؤد شد
چوں مجرد گشتم از ہستی تمام نے وجودم ماند ایں جاو نہ نام
زاں شدم پرواز سوئے لامکاں دیدم آں جا عیشہائے بس عیاں
خویش را دیدم ہمہ نابود خویش یافتم سر رشتۂ مقصود خویش
چوں شدہ فانی محمد از وجود غیر او دیدہ کہ دیگر کس نہ بود

(میں اس کے شوق کی شراب سے مست ہو گیا اور میری ہستی اس کی ہستی میں گم ہو گئی۔ اور اس کی ذات کے سوا ہر شے مردود ہو گئی۔ جب میں ہستی سے مکمل طور پر خالی ہو گیا تو اس وقت یہاں نہ میرا وجود باقی رہا اور نہ نام۔ جب میں نے لامکاں کی جانب پرواز کی تو وہاں کثرت سے عیش کے اسباب نظر آئے۔ اور وہاں میں نے خود کو بالکل ناپید دیکھا اور مقصود کا سرشتہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ جب محمدؐ کا (میرا) وجود فنا ہو گیا تو اس کے دیکھنے والے نے دیکھا کہ کوئی ذات غیر موجود ہی نہ تھی)

(شرح) موتوا قبل ان تموتوا۔ یعنی موت اضطراری سے پہلے موت اختیاری حاصل ہونا جس کے بعد ندائے دع نفسك و تعال، ہے اور تعال کے بعد یہ عقدہ کھلتا ہے کہ میں اپنے ہی اسماء وصفات پر عاشق ہوں۔ اور یہی عیشہ کعیش اللہ یعنی سرور محض ہے)

اے محبوب! تجلی ذات کے بعد بھی شیخ اوحد سمنانی کے حجرہ میں سترہ دن بے ہوش پڑا رہا اور ان سترہ دنوں میں شیخ اوحد حجرہ میں آتے تھے اور میری پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ اگر شیخ میرے احوال پر مطلع نہ ہوتے تو حجرہ کے مصاحب مجھے دفن کر دیتے کہ مردہ ہے اور میں جمال ذات میں مخمور و بے خبر تھا۔ اس کے بعد دیکھا کہ عالم غیب سے ایک قدح صحو لائے اور میرے منھ میں ڈالا سترہویں دن ہوشیار ہوا۔ یہ تجلی کی ابتداء کی وجہ سے تھا۔ اس مدت کے بعد پھر جس طرف نظر ڈالتا تھا نور دیکھتا تھا کہ اس فقیر سے ہر طرف سے متصل ہے یہ طرف اور وہ اضافہ کی صورت مقام فردانیت ہے کہ ساری کائنات بر سبیل فتوت

مستفیض ہوتی ہے اور یہ دولت جو اس فقیر کو نصیب ہو کر حال ہوئی فرد حقیقت قدس اللہ سرہٗ کے انفاس متبرکہ کی سعادت کی بدولت ہوئی۔ کیوں کہ ایک دن اس فقیر کے والد سلطان المحققین برہان المدققین امیر کبیر حضرت جعفر نصیر مکی حضرت فرد حقیقت شیخ نصیر الدین محمد قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں تھے اور ان کے سامنے اس فقیر کا ذکر اور کیفیت تعلیم عرض کر رہے تھے۔ فرد حقیقت قدس اللہ سرہٗ نے حضرت مخدوم سے فرمایا کہ اے امیر جعفر خاطر جمع رکھو محمد شہباز میدان لاہوت ہے اور تین سو اسی اور کچھ اولیاء اور اقطاب الاقطاب اور افراد لافراد کی نعمتوں کی تاثیر اس میں ہے ان نعمتوں سے مشرف ہوگا لیکن یہ نعمتیں اس کو مستوری کی شرط کے ساتھ دی جائیں گی۔ وہ اس شرط کو قبول کر لے گا اور ازل میں قبول کر چکا ہے، جب اس فقیر کے والد حضرت امیر کبیر نے حضرت مخدومی کا فرمان جو دو جہاں کی سعادت سے بالاتر تھا اس فقیر کو پہنچایا اس دن یہ فقیر حضرت مخدوم مولانا شمس الدین یحییٰ سے جو شیخ العالم نظام الحق والشرع والدین بدایونی قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ تھے تلخیص پڑھتا تھا اور یہ نعمتوں سے ملخص فرمان سنا تھا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ انفاس مبارک کی برکت سے پہنچ گیا اہل عرفان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو معرفت علمی رکھتے ہیں اور دوسری قسم ان کی ہے جو معرفت کشفی رکھتے ہیں ان کو صفات کا شہود حاصل ہے اور ان دونوں قسموں میں افلاک متصرف ہیں اور تیسری قسم ان کی ہے جو عیاں مشاہدہ کی معرفت رکھتے ہیں یہ مقام افراد کا ہے۔ افلاک ان میں تصرف نہیں رکھتے بلکہ وہ افلاک کے مستحق ہیں یعنی عرش سے ثریٰ تک محقق ہیں اور محق وہ ہوتا ہے کہ اس سب کو اپنا طفیلی دیکھتا ہے اور وحدت میں لے آتا ہے اور اگر آپ کی خاطر میں گزرے کہ ان میں زکام یعنی سرفہ کا اثر ہے کیوں کہ زکام افلاک کا تصرف ہے اور حضرت رسالت علیہ السلام میں بھی زکام کی تاثیر تھی تو یہ زکام اس طائفہ افراد کو کیسے ہوسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام کی ذات میں زکام افلاک کے تصرف سے نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے اور یہ تصرف حضرت رسالت علیہ السلام کے کمالات میں رفیع الدرجات ہے اور طائفہ افراد میں بھی رفیع الدرجات ہے۔ اس فقیر کا نزول مقام لاہوت یعنی مقام فردانیت میں تیسرے محل میں محقق

ہے اور وہ یہ ہے قال الفقیر اذا اراد الله ان توالی عبداً من عبادہٖ فتح الله علیه باب الذکر ثم فتح علیه باب القرب ثم اجلسه علیٰ کرسی التوحید ثم یرفع عنه الحجب الاعظم فیراه بالمشاهدة ثم ادخله دار الفردانیة ثم کشف عنه الکبریاء بالجمال فاذا وقع بصره علی الجمال بقی بلا هو فحینئذ صار العبد فانیاً و بالحق باقیاً (فقیر کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کا ولی ہو تو (پہلے) اس پر ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے پھر قرب کا، پھر اس کو توحید کی کرسی پر بٹھا کر اس پر سے حجابات اعظم کو اٹھا دیتا ہے پھر اس کو مشاہدہ کراتا ہے پھر اس کو دارِ فردانیت میں داخل کرتا ہے بعد ازاں اس پر سے جمال کبریائی کو منکشف کر دیتا ہے جب اس کی نگاہ اس کے جمال پر پڑتی ہے تو وہ بلا ہو باقی رہ جاتا ہے اس وقت وہ فانی ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہے)

اے محبوب! جب میں نے اس مقام وصول کو پایا تو اس مقام میں ان مثنویات کو نطق میں لایا ہے

گفتم اکنون من نہ دانم کیستم
بندہ باوے نیستم پس چیستم
بندگی شد محو آزادی نہ ماند
ذرۂ در دل غم و شادی نہ ماند
بے صفت گشتم و گشتم بے جہت
عارفم اما ندارم معرفت
می نہ دانم تو منی یا من توئی
محو گشتم در تو و گم شد دوئی

(اب میں نے یہ کہا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔ بندہ بہر حال نہیں ہوں مگر پھر کیا ہوں (معلوم نہیں) عبدیت ختم ہو گئی اور آزادی بھی نہیں رہی۔ دل میں خوشی اور غم کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہا) بے کیفی کی حالت مجھ میں قائم ہو گئی ہے) مجھ میں نہ کوئی صفت باقی رہی ہے اور نہ میری کوئی جہت مقرر ہے (یعنی بے نام و بے مقام ہو گیا ہوں) عارف ہوں لیکن معرفت سے محروم ہوں۔ معلوم نہیں کہ تو میں ہوں یا میں تو ہوں۔ میں تجھ میں محو ہو گیا ہوں اور دوئی ختم ہو گئی یعنی فنا فی الذات کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہوں)

(شرح) یہ جبروت کا مشاہدہ ہے جو عالم اسماء ہے۔ صفات کا اظہار نزول میں ہوتا ہے۔ عالم جبروت میں اختیار باقی نہیں رہتا)

گم شدہ کا یہ کلام کہاں سے ہے لیکن کہہ چکا ہوں کہ تجلی صفات میں کلام ہے۔

جب چاہتا ہوں کہ آپ کو کچھ لکھوں تجلی ذات سے صحویت کا قدح پاتا ہوں۔ یہ اس کا اثر ہے ورنہ کہاں آپ اور کہاں یہ کلمات۔ آپ دعا کرتے رہیں کہ اس فقیر کو چند وقت عالم صحو میں رکھیں تاکہ کتاب خانہ بے حرف و بے صوت کو آپ کے لیے حرف و صوت میں لے آؤں اور اسرار میں زیادہ باتیں کرنے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تجلی ذات میں غیرت کے سبب صحویت کے بغیر مشغول نہ کر دے۔ اپنے حال کے اوقات میں کون کلام کرتا ہے دعا میں یاد رکھئے اور حقیقت معلوم ہوگئی کہ شیخ اوحد سمنانی قدس اللہ سرہٗ کے حجرہ میں اس فقیر مست جمال ذات کو سترہ دن کے بعد صحو کا قدح آپ کے لیے دیا گیا تھا اور آپ ہی کا کیا ہوا تھا۔ اچھی طرح غور کیجئے کہ کیا کہتا ہوں اور بشریت سے جدا ہو جائیے اے محبوب! ؎

مردانہ درآئی کاندریں راہ　　　نہ بوئے ہمی خرید نہ رنگ
کلی ز سر وجود برخیز　　　افتادہ مباش در رہ تنگ
زنار مُغانہ بر میان بند　　　وانگہ بہ کلیسیا کن آہنگ
می داں بہ یقیں کہ در دو عالم　　　در راہِ تو جز تو نیست خرسنگ

(اس راہ میں مردانہ قدم رکھو۔ یہاں بو و رنگ کچھ خرید نہیں کی جاسکتی۔ مغوں کی زنار کمر سے باندھ لو اور اس کے بعد کلیسا جانے کا قصد کرو۔ اپنے وجود سے پورے طور پر فارغ ہو جاؤ اور تنگ راستہ میں پڑے مت رہو۔ یہ یقین رکھو کہ دونوں عالموں میں تمہارے سوا اور کوئی شے تمہاری راہ میں حائل نہیں ہے)

(شرح) حق کی راہ میں مردانہ وار قدم رکھو یعنی سوائے حق کے کسی شے کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یقین کرو کہ تمہارا وجود ہی تمہارے راستہ کا روڑا ہے) ہوشیار! ہوشیار۔

سترھواں مکتوب

(طالب ومطلوب)

در دیر خرابات مرا عشق کشاں کرد — چوں دلبر طنّاز مرا دید نشاں کرد
چوں در نظر افتادم آں فرد یگانہ — در یک نظرش جملہ وجودم ہمہ جاں کرد
آنانکہ بہ گفتند کہ ما کامل مردیم — سرگشتہ وآوارہ ورسوائے جہاں کرد
آنانکہ بہ تحقیق چو تسلیم نمودند — شاں واصل فرخندہ ومحبوب جناں کرد
بکشاد درِ عشق دلم درپئے معشوق — جبریل امیں رازِ پئے خویش دواں کرد

(دلبر طناز نے جب مجھے دیکھا تو میری جانب اشارہ کیا اور دیر خرابات میں مجھ کو عشق میں گرفتار کر دیا۔ جب میں اس فرد یگانہ کی نظروں میں چڑھ گیا تو اس نے ایک نگاہ میں میری پوری ہستی کو سراپا جان (روح) میں بدل دیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم فرد کامل ہیں انھیں اس نے (دلبر طناز نے) پریشان وآوارہ اور دنیا میں رسوا کر دیا (یعنی انا انسان کو تباہ وبرباد کر دیتی ہے) اور جنھوں نے تحقیق وتلاش سے خود کو اس (ذات) کے سپرد کر دیا یعنی فنافی الذات ہوگئے۔ انھیں اس نے واصل بہ حق مبارک اور جنتوں میں محبوب بنا دیا)

(شرح) شیخ کی نظر سے انائے شخصی انائے کلی میں فنا ہو جاتی ہے۔ یہ بات کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتی اور انائے شخصی کا قائم رہنا باعث رسوائی ہے)

اے محبوب! طالبان حضرت لایزالی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم مطلوبوں کی ہے کہ ان کو ان کی خودی بے واسطہ خود تک پہنچا دیتی ہے اور وہ خود ان کا متلاشی رہتا ہے۔ ان کے سردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے بعد آنخضرتؐ کے پیرو جوان کے مشرب پر ہیں جن کا ذکر شاہدین کے بیان میں کیا جا چکا ہے۔ مطلوبوں کے سردار پر یہ آیت گواہ

ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً (۱/۱۷) (پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو رات کی رات) جب لے گیا تو لے جانا مقام مطلوب ومقصود ہے۔ دوسرا گواہ یہ ہے کہ الم تر الیٰ ربك كيف مدالظل (۴۵/۲۵) (کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا)۔

می گفت با حق مصطفیٰ چوں بے نیازی تو زما   حکمت چہ بود آخر بگو با من بچندیں ماجرا
حق گفت اے جانِ جہاں گنج بدم من بس نہاں   میخواستم اظہار خود با تو کنم اے دلربا

(حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے فرمایا کہ جب تو ہم سے بے نیاز ہے تو پھر ہمارے ساتھ یہ تمام ہنگامہ آرائیاں کیوں کیں۔ حق نے جواب دیا کہ اے جانِ جہاں۔ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا اور خود کو تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ (لہٰذا) تم کو پیدا کر کے خود کو ظاہر کر دیا۔ کنت کنزاً مخفیاً)

(شرح) یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ذات بیچوں کی شان ظہور ہیں)

اور حضرت کے پیروؤں کو گواہ یہ ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ اور معاینہ کے حکم پر اس حدیث میں گواہی دی اور اہل ظواہر نے اس حدیث کو سوائے سفید کاغذ پر سیاہی کے کچھ نہ سمجھا اور ان کے معنی مقصود کے لحاظ سے کچھ نہیں ہیں کہ ان اللہ تعالیٰ تسعة و تسعين اسماء من احصيها دخل الجنة (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوا) اے محبوب! ۱۴؍رجب ۸۱۴ھ جمعہ کی شب میں میں نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ منبر پر تشریف فرما ہیں اور مطلوبان حضرت لایزالی سے وعظ فرما رہے ہیں اور اس حدیث کا بیان فرما رہے ہیں جب منبر سے اترے تو ہر ایک کو واپس کر دیا۔ حضرت ولی اللہ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اے علی انھوں نے کہا

یا حبیب الله لبیك فقال علیه السلام ان الله تعالیٰ تسعة و تسعین خلقا من یخلق بواحدمنها دخل الجنة فقال علی یا رسول الله هل فی شیءٍ منها قال کلها فیك و فی بعض اولیاءِ امتی۔

یعنی حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا علی خداوند تعالیٰ کی مراد ان ننا وے ناموں سے ننانوے خلق ہیں اور جس کسی میں ان سے ایک اخلاق بھی ہے وہ بہشت میں جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ان خلقہائے الٰہی میں سے کوئی ایک مجھ میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے علی سارے اخلاق تم میں ہیں اور میرے بعض جرعہ نوشوں میں موجود ہیں۔ مگر اے محبوب! امیدوار ہوں کہ یہ ننا وے اخلاق آپ کے اندر کشف ہوں اور آپ خود مشاہدہ کریں ولو انهم صبر واحتی تخرج الیهم لکان خیراً لهم (۴۹/۵) (اور اگر وہ صبر کیے رہتے ہیں یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو تو یہ ان کے لیے بہتر تھا) صبر جمیل پر قائم رہئے۔ یہاں تک کہ جماع البدیع آپ پر جلوہ گر ہو اور نعم المولیٰ و نعم النصیر (اور وہ بہترین حمایتی اور بہترین مددگار ہے) کے علامات مشاہدہ ہوں۔ یہ علامات آپ کو ایک دن ایسی جگہ پہنچائیں گے کہ الباقی آپ کی بھی صفت ہو جائے گی۔ پھر آپ کو الوارث کا خلعت عطا ہوگا۔ پھر الرشید کی تجلی ہوگی۔ پھر الضار کی جو نفس کے ضرر سے خلاصی دیتا ہے۔ پھر النافع کا مرہم رکھے گا اس کے بعد المقسط کو جانئے گا کہ کیا ہیں۔ الممیت آپ کو ناسوت سے موت دے گیا اور الحی لاہوت میں آپ کو زندہ کرے گا۔ اس مقام میں النور آپ کو منور کر دے گا۔ اور المبدء المعید آپ کو اس مقام میں ازل سے ابد تک مشاہدہ کرائے گا۔ یعنی آپ جان جائیے گا کہ ازل میں کہاں تھے اور کن لوگوں میں تھے اور کہاں قالوا بلی کہا تھا اور ابد میں کن لوگوں کے درمیان ہوں گے۔ مشاہدہ کریں گے۔ الظاهر الباطن، یعنی ظاہر و باطن کا آپ کو مشاہدہ ہوگا۔ السمیع البصیر آپ کو حقیقت کا سننے والا اور دیکھنے والا کرے گا۔ الجبار المتکبر آپ کو عالم ظاہر سے نیست و ہست کرے گا۔ المومن المهیمن آپ کو باطنی ہستی تک پہنچائے گا القدوس السلام آپ کو تربیت دے گا۔ الصمّد آپ کو یکتا کرے گا اور تب آپ کو قبول کرے گا۔ هو الله آپ کو تخت الہیت پر بٹھائے گا اور دائرہ هو آپ کو اثبات عزت تک پہنچا دے گا۔ مالك الملك کی دولت آپ کی سلطنت ہوگی

اس کے بعد آپ جس طرح بھی تصرف کریں گے اپنے ملک میں کریں گے خواہ شریعت کے نزدیک آپ غاصب ہوں ملک کی ملکیت آپ کے لیے مسلم ہوگی جیسے میں نے قطب عالم ملک المشائخ شیخ عبداللہ مرطزی کو دیکھا کہ شہر مدینہ مبارک کے باہر آئے میں بھی ان کیساتھ تھا۔ اتفاقاً ایک شخص کا گھوڑا چراگاہ میں چر رہا تھا۔ حضرت قطب عالم شیخ عبداللہ مرطزی قدس اللہ سرہٗ نے اس گھوڑے کو پکڑا سوار ہوئے۔ چند میل جانے کے بعد چھوڑ دیا۔ جب حضرت گھر تشریف لائے تو میں نے خلوت میں پوچھا کہ اے مخدوم عالم آج میں نے حضرت مخدومی کے وجود مبارک میں ایک غیر شرعی فعل دیکھا کہ کسی کے گھوڑے پر بغیر اس کے مالک کی اجازت کے سوار ہوئے۔ حضرت قطب عالم قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ اے بیٹے اور اے بھائی! انشاء اللہ تعالیٰ تم اس مقام پر پہنچو گے اور جان لو گے کہ یہ ملکیت ملکی ہے کہ میں نے اپنی ملک میں تصرف کیا ہے۔ الحمدللہ جب پہنچا جان گیا کہ مالك الملکی کی دولت یہ سلطنت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی پہنچائے گا اور آپ ایسے تصرفات کریں گے۔ مقصود یہ کہ اے محبوب جب تم دائرۂ ھو کو بہ ثبات عزت پہنچو گے تو سوائے ھو کے تم سے کچھ نہ بن پڑے گا اور عرش سے ثریٰ تک کے آثار واخبار سے بے خبر ہوں گے۔ جیسے کہ ایک بزرگ پر مقام لاہوت میں ھو متجلی ہوا ان سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ کہنے لگے ھو پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں کہا ھو۔ جو بھی پوچھا گیا اس ھو نے سوائے ھو کے کچھ نہ کہا۔ بعض کو یہ مقام نور احمد سے تجلی ہوتا ہے اور بعض کو نورِ احد سے لیکن سب محجوب ہیں۔ اس فقیر کے جیسے کیسے ہو سکتے ہیں جو دائرۂ ھو کی عزت میں مستغرق رہتا ہے اور ایک عالم کو کلمات کی مدد سے خلعتیں بخشتا ہے۔ یہ مطلوبوں کی صفت اور گواہیاں لکھی گئی ہیں کہ ان کو ان کی خودی نے بے واسطہ خود بہ خود پہنچایا ہے۔ اب وہ طالب جو طالب اور جدوجہد سے خود کو اس تک پہنچاتے ہیں ان کے بارہ میں تھوڑا سا لکھتا ہوں کہ طالبوں کے ایک سردار ابراہیم علیہ السلام تھے اور دوسرے موسیٰ علیہ السلام تھے یعنی طالب وہ ہوتا ہے جو اس کی حقیقت کو ڈھونڈتا ہے خواہ پائے یا نہ پائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ

السلام ایسے طالب تھے جنھوں نے پایا اور مطلوب وہ ہے کہ حقیقت اس کو ڈھونڈتی ہے۔ پس طالبوں کی صفت اور گواہ یہ ہے کہ جس نے موسیٰ اور ان کی طلب کی خبر دی کہ ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا و کلّمه ربّه (۷/۱۴۳) (اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا) یعنی کہا جاء موسیٰ یعنی موسیٰ آئے۔ آنے میں طلب ہوتی ہے۔ اور دوسرا گواہ یہ ہے کہ فرمایا واتخذ الله ابراهیم خلیلا (۴/۱۲۵) (اور اللہ نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا) (یعنی حضرت عزت نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا پس اصل دوست ہے اور یہ بھی طلب ہے کس شمار میں۔ بہت سے طالب جو اس فقیر سے معرفت کے طالب ہیں ان کو بھی اپنے کلمات کا خلعت دیتا ہوں اور عطا بھی کرتا ہوں مگر نہ یہ کلمات، جو آپ کے لیے ایک سر متکلم ہے۔ اے محبوب جانم و مطلوب روزگارم بادشاہ کا عطا کرنا یا خلعت دینا دوسری بات ہے اور بادشاہ کی عنایت و محبت دوسری چیز ہے۔ پس محنت و کوشش سے پہنچنا دوسری چیز ہے اور مطلوب کی چاہت دوسری چیز ہے۔ اچھی طرح غور کرو۔ سبحان الذی اسریٰ بعبده (۱۷/۱) (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو لے گیا) اور لما جاءَ موسی کہاں۔ سمجھا جو سمجھا۔ دیکھو حضرت رسالت علیہ السلام شاہدان لایزالی کے بارہ میں جو مطلوبین کے مقام پر ہیں اور خواجہ علیہ السلام کے مشاہدات میں مشارکت رکھتے ہیں کیا فرماتے ہیں۔ انی لاجد نفس الرحمن فی ارض الیمن (میں یمن کی سرزمین میں رحمٰن کی ہوا (خوشبو) پاتا ہوں)۔ اہل مطلوب کے حق میں کیا خوب تعریف و گواہی ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے لیے رسالت جس کا فائدہ غیروں کی طرف مشغول ہونا ہے لیکن اویس سے کہا کہ ہم سے موافقت کر اور ہمارے لیے رہ۔ پس اویس انبیاء کی صورتوں سے کہتا ہے ؎

در عشق ملامتی و رعنائی به   کافر شدن و گبرو ترسائی به
پیش همه کس عاقل و رعنائی به   واندر رهِ ماسوادِ سودائی به

(عشق میں ملامتی ہونا اور رعنائی کا اظہار کرنا بہتر ہے اور کافر ہو جانا اور گبرو تر

سا کا مسلک اختیار کر لینا بہتر ہے۔ لوگوں کے سامنے اظہار عقل و دانائی؟ بہتر ہے لیکن ہماری راہ میں سواد (تاریکی محض) میں رہنا اور سودائی ہو جانا بہتر ہے)

(شرح) مذہب عشق میں لذات اور جنتوں کی طلب نہیں ہے بلکہ ظلمت ذات میں گم ہو جانا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

اے محبوب! اہل ظواہر میرے کلمات سے صرف سیاہی و سرخی دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بشریت کی قید میں جکڑے ہوئے اور چار پانچ طبیعتوں میں پوری طرح گرفتار ہیں۔ واللہ اگر ان کی عقل پر شوق کا ایک ذرہ عطا ہو جائے تو نیست ہو جائیں یعنی ہست ہو جائیں۔

دلے کوٗ آتشِ شوقے نہ دارد　　اگر طاعت کند ذوقے نہ دارد

(جس دل میں آتش شوق بھڑک نہ رہی ہو اگر وہ اطاعت بھی کرلے تو اس میں اسے کوئی ذوق حاصل نہ ہوگا)

(شرح) اصل چیز باطنی حال ہے نہ کہ ظاہری طاعت و عبادت)

اللہ تعالیٰ اس فقیر کی رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

درعشق اگر نیست شوی ہست شوی　　وزعقل اگر ہست شوی پست شوی
ویں بوالعجبی بہ بیں کہ ازبادۂ عشق　　ہشیار گہے شوی کہ سرمست شوی

(اگر تم عشق میں فنا ہو گئے تو ہست ہو گئے اور اگر عقل کی مدد سے اپنی ذات کو نمایاں کیا تو پستی میں جا گرے۔ ذرا یہ بوالعجبی تو دیکھو۔ بادۂ عشق پینے سے ہوشیاری اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سرمست ہو جاؤ)

(شرح) سرمستی دراصل ہوشیاری ہے اور عقل جو شعور پیدا کرتی ہے پستی ہے کیوں کہ سرمستی میں حقیقت سے اتصال ہوتا ہے اور شعور میں حقیقت سے بعد ہوتا ہے)

اے محبوب حق سبحانہٗ تعالیٰ قدیم ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے عشق نے اس پر غلبہ کیا خود ہی چاہا کہ اپنا آپ تماشہ کرے۔ طالبوں کو مطلوب سے کہ جس کی نعت اول ما خلق اللہ نوری (سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) ہے باطن کی

پوشیدگی سے ظہور میں لایا اوران کا نام آئینہ رکھا کہ المومن مرآۃ المومن (مومن مومن کا آئینہ ہے) یعنی خود کو اپنے میں دیکھا لہٰذا جب تم اپنے کو دیکھنا چاہو تو آئینہ میں دیکھو کیوں کہ آئینہ کا بہانہ ضروری ہے۔ ہمہ اوست خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے یا اپنے میں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

چشمے دارم ہمہ پر از صورت دوست   وایں دیدہ مرا خوش است چوں دوست دروست
از دیدہ و دوست فرق کردن نہ نکو است   یا دوست بہ جائے دیدہ یا دیدہ خود دوست

(میری آنکھ میں صرف دوست کی صورت نظر آتی ہے اور مجھے یہ آنکھ بہت عزیز ہے کیوں کہ اس کے اندر دوست موجود ہے۔ دیدہ و دوست میں تمیز کرنا بے جا ہے (دونوں ایک ہیں) یا تو دوست آنکھ کی جگہ ہے یا آنکھ خود دوست ہے (ان دونوں چیزوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا انحصار دیکھنے والے پر ہے)

(شرح) دوست کی صورت آنکھوں میں ایسی سمائی کہ بینائی اور صورت کا امتیاز جاتا رہا۔ یعنی حق ہی حق کا بینا ہے)

اچھی طرح غور کرو کہ اس رباعی میں طالب ومطلوب ہے۔ جب بھی مطلوب مطلوب کے لیے نقاب عزت وجہ جمال سے اٹھاتا ہے اور برقع طلعت کو کھول دیتا ہے جیسے کہ مطلوب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شب اسریٰ میں فرمان ہوا الم تر الیٰ ربك كيف مد الظل (کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسا دراز کیا) یعنی اے حبیب ہم تیرے نگراں ہیں اور تو ہر حال میں ہمارا نگراں رہ۔ کیا خوب حدیث مطلوب ہے۔ اور دوسرا نکتہ یاد رکھو کہ خداوند تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی طلب میں ان کے پاک ناموں اور پاک صفتوں کی قسم کھاتا ہے اور پھر حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اور سر اور چہرہ اور بالوں کی قسم کھاتا ہے کہ والضحیٰ واللیل اذا سجی (اور آفتاب کی روشنی کی قسم اور رات کی تاریکی کی جب چھا جائے اور دوسرے والتین والزیتون (انجیر کی قسم اور زیتون کی) کی طرح۔ اس فقیر کی رباعی کا جمال آپ پر تجلی ہو۔

بے عاشق و عشق حسن معشوق ہباست — تا عاشق نیست نازِ معشوق کجا است
درفتوی عشق اگرچہ ایں قول خطا است — مشاطۂ حسن یار بے صبری ما است

(عشق اور عشق کے بغیر معشوق کا حسن بے کار و بے معنی ہے۔ جب عاشق ہی نہ ہوا تو معشوق کے ناز کون اٹھائے گا۔ اگر چہ عشق کے فتوے کی رو سے یہ قول غلط ہے (لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ) مشاطۂ حسن یار کا کام ہماری بے صبری کرتی ہے یعنی عاشق کی بے صبری ہی معشوق کے حسن میں تنوع پیدا کرتی ہے اور اس کے ناز و انداز کو وہی نکھارتا اور اس کے حسن میں چار چاند لگاتا ہے)

(شرح) عاشق کی نظر میں معشوق کا حسن ہر آن نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس طرح عاشق کی مشاطگی سے حسن یار سنورتا ہے)

مطلوبوں کی راہ میں طالبوں کے لیے بہت سی شرطیں ہیں۔ بحرالمعانی میں اکثر جگہ ان کا مختصر ذکر ہے اور اس مختصر کو سوائے اس راہ کے کاملوں اور اس درگاہ کے سالکوں کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اس مکتوب میں ان میں سے ایک مجمل کو مفصل کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بہتر مذاہب سب کے سب معرفت کی قسم سے ہیں اور اصل مذہب وہ ہے کہ طالب کی نظر میں عاشق ایک تھا۔ اور ایک نہ رہا۔ اگر فرق سمجھتا ہے یا فرق کرتا ہے تو فرق کرنے والا فارق ہوتا ہے طالب اور نہ مطلوب اور مقصود کو پانے والا۔ آزاد طالب عاشق کے لیے یہی فرق حجاب راہ ہوتا ہے کیوں کہ طالب کا مقصود اسی مذہب سے ہے۔ یہی مذہب اختیار کرنا چاہیے خواہ وہ اس کو مقصود تک پہنچائے یا نہ پہنچائے۔ ابتدائے حال میں کوئی مذہب ترک عادت سے بہتر نہ سمجھنا اور جب کمال پر پہنچو گے تو سوائے مطلوب کے مذہب کے کوئی مذہب نہ رہے گا۔ جیسے ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ کس مذہب پر ہیں۔ انھوں نے فرمایا انا علی مذہب ربی (میں اپنے رب کے مذہب پر ہوں) کیوں کہ اگر طالب کسی مذہب میں داخل ہوتا ہے تو وہ مذہب اس کا پیر ہوتا ہے پس وہ مختلط ہوتا ہے لہٰذا اس کو پیر سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پیر سے ارادت جاتی رہتی ہے اور سچے طالبوں کا سوائے پیر کے مذہب کے کہ وہی خداوند تعالیٰ کا مذہب ہے کوئی دوسرا مذہب نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ

جانتے ہیں یعنی اے محبوب الرب مع الالف و اللام مطلقاً لایجوز الا اللہ فاما بغیر الالف واللام مقیّدا یجوزفی وصف الخلق کما یقال رب الدار ورب المتاع (رب الف اور لام کے ساتھ مطلق ہے جو جائز دوست نہیں ہوتا مگر ''اللہ'' اور الف ولام کے بغیر مقید ہے جو خلق کے وصف میں درست ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ گھر کا رب اور ساز وسامان کا رب (والی)) محبوب! کلام مجید میں رب کے معانی کئی نوع کے پائے گئے ہیں۔ ایک سیر کے معنوں میں پایا گیا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایااذ کرنی عند ربك (۱۲/۴۲) ای عبد سیدك (مجھ کو یاد کرو) اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایااذھب انت و ربك (۵/۲۴) ای سیدك وھو ھارون علیه السلام (تم اور تمہارے رب جاؤ یعنی وہ ہارون علیہ السلام ہیں) اور میں نے رب کو مصلح کے معنوں میں بھی پایا۔ جیسے فرمایاوالربانیون یعنی اہل علم ولایت جو مریدوں کو علاج کی طرف لانے والے ہیں اور میں نے مرتبوں کے معنوں میں بھی پایا ہے کہ الم نربك فینا ولیداً۔ (۲۶/۱۸) (کیا ہم نے تم کو کہ ابھی بچے تھے پرورش نہیں کیا) اور اس سے بھی پیران تربیت مراد ہیں۔ پس اے محبوب! جس عزیز نے کہا کہ انا علیٰ مذھب ربی (میں اپنے رب کے مذہب (طریقہ) پر ہوں۔ اس سے مراد پیر ہے اور پیر تربیت ہے۔ پس جو کوئی کسی دوسرے مذہب پر ہوتو ہم اس کو مختلط کہتے ہیں اور جو کوئی پیر کے مذہب پر ہو وہ مخلص ہوتا ہے نہ کہ مختلط۔ کیوں کہ اختلاط توقف ہے اور اخلاص ترقی۔ من اخلاص اربعین صبوحاً ظھرت لهٗ ینابیع الحکمة من قلبه علیٰ لسانه (اخلاص کے چالیس جام ہیں جن کے لیے حکمت کے چشمے اس کے دل سے زبان پر ظاہر ہوتے ہیں) اچھی طرح غور کرو۔ جو مختلط مذہب ہے وہ دور ہے اور اس کو مذہب میں جو اختلاط طاعات اور عبادات و ریاضات اور طلب احوال و مقامات اور ان کے علاوہ ہوتا ہے سب غرور ہے۔ مذہب وہ ہے جو آدمی کو خدائے تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور خدائے تعالیٰ تک یہی اخلاص پہنچاتا ہے نہ کہ اختلاط۔ اخلاص کا مذہب دائرۂ عشق ہے اور اختلاط کا مذہب دائرۂ عقل ہے اور عشق کی تعریف یہ ہے کہ العاشق یصل الی اللہ تعالی (عاشق اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے) کیسی اچھی

قرب کی بات اور عقل کی تعریف ہے والعاقل یصل الی الجنۃ (اور عاقل پہنچتا ہے جنت تک) کیسی دوری کی بات۔

بہ عقل ایں راہ کم روکاندریں راہ جہان عقل چوں خر در خلاب است
چگونہ شرح ایں گویم کہ جانم زعشق ایں سخن مست وخراب است
اگر پرسی ز سر ایں سوالے چہ گویم من کہ خاموشی صواب است
بہ آسانی نہ داری سر ایں کار کہ کارے سخت سرے نیک باب است

(اس راہ میں عقل کی رہنمائی نہ اختیار کرو کیوں کہ اس راہ میں جہانِ عقل کی مثال ایسی ہے جیسے گدھا کیچڑ میں پھنس گیا ہو اس کی شرح کیسے کروں۔ اس سخن کے عشق ہی سے میرا حال خراب ہے اور مست ومتکیف ہو جاتا ہوں۔ اگر اس راز کے متعلق تم کوئی سوال پوچھو گے تو میں کیا جواب دوں کہ خاموشی ہی بہتر ہے۔ اس کام کا راز بہ آسانی حاصل نہیں ہوسکتا کیوں کہ وہ راز جس کا آغاز نیک ہو بڑا سخت کام ہے)

(شرح) عقل انسانی انسان کے ارادہ کے تحت ہوتی ہے لہٰذا عقل کے ذریعہ سے ہر بات کو غلط بھی ثابت کیا جا سکتا ہے اور صحیح بھی۔ اور حقیقت میں غلطی کا امکان نہیں لہٰذا اس کو عقل نہیں پاتی۔ صرف عشق کی رسائی حقیقت تک ہے۔ حقیقتِ محمدیؐ کے دو اعتبارات ہیں ایک قلم دوسرا عقل۔ قلم روح کلی ہے جس سے ربوبیت متعلق ہے اور عقل تدبیر سے متعلق ہے جو ارادہ کے تحت ہوتی ہے)

محبوب جانم ومطلوب روزگارم۔ یہ سب مشاہدہ کرو گے کیوں کہ بحر المعانی بعض کلمات کی متحمل نہیں ہے اور جس جگہ کلمات لکھنے میں فرق پڑ گیا اور پڑتا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ غیر مرتب ہے۔ وہ محل بحر المعانی کا حاصل نہیں ہے چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر کبھی لکھوں گا میرے کلمات ایک حرف میں ہیں دوسرا ان کو قبول نہیں کرتا اور وہ دو الف ہیں ایک الف احد دوسرا الف احمد اور ربوبیت اور اہلیت کے سارے اسرار ان دو الف کے درمیان ہیں تم میرے ان دونوں تختوں (یعنی یہ دونوں الف جن کو انھوں نے اپنا تخت بنا لیا ہے) کا مشاہدہ کرو گے اور میں نے تم کو الف کے ان دو تختوں کے لیے پسند کیا ہے اور اس کے بعد

تیسرے الف میں جو واحد ہے استغراق حاصل کرو گے۔ واللہ چند سال سید جمال الدین قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں مکہ میں الف احمد کے استغراق پر ان کے حوصلہ کے مطابق گفتگو کرتا رہا اختتام کو نہ پہنچی یہ پہلے الف احمد کے بارے میں تھی نہ کہ تیسرے الف کے بارہ میں۔ لیکن آپ کے لیے امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ تینوں الف کے تخت کھول دوں گا۔ پس بحر المعانی دو الفوں کے درمیان ہے الف احد اور الف احمد۔ بحر المعانی انھیں کچھ اٹھا سکتی ہے اور جب تیسرے الف الف واحد میں سے کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں تو بحر المعانی اٹھا نہیں پاتی اور الف واحد کے حرف کو شاید دقائق المعانی اٹھا سکے۔ انشاء اللہ تعالیٰ لکھوں گا۔ پس کلمات ایک حرف میں ہیں اور وہ حرف تینوں الف ہیں سارا عالم مع اپنی کثرت کے الف وحدت میں ہے۔ انشاء اللہ بحر المعانی کے سب کلمات کو مع ان کے مطالع کے ایک حرف ہیں جو دونوں الف ہیں مشاہدہ کرو گے اور اس فقیر کے کلمات کے مطالعہ دو حال وارد کریں گے۔ بعض کلمات بروئے ظاہر آپ پر واضح ہوں گے لیکن اپنا باطن نہ دکھائیں گے اور جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو جائیں ان کے باطن کی فکر نہ کیجئے گا اور یقین رکھئے کہ ظاہر و باطن ایک ہو کر رہیں گے اگر ایک ہونے والے نہ ہوتے تو ہرگز یہ کلمات آپ کی جانب اشارتاً صادر نہ ہوتے اور ظہور کے لیے قلم کی سیاہی سے کاغذ کی سپیدی پر مکتوب نہ ہوتے۔ جس طرح ظاہر کلمات نے آپ کو قبول کیا ہے اسی طرح باطن بھی آپ کو قبول کرے گا۔ کہ قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً (۱۸/۱۰۹) (کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں) نبیؐ اور ان کے آل کے طفیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی سمجھ میں یہ کلمات آ جائیں گے) مقصود یہ کہ اے محبوب بہت سے عزیز جن سے یہ فقیر پابوس ہوا سب اس راہ میں عاجز تھے اور تشنہ فوت ہوئے الف احد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ سلوک میں ترقی کے لیے اس راہ میں زنار باندھی اور زنار ہی میں جان دے دی۔ میری حقیقت ان مردوں کے ساتھ ہے جنھوں نے مردمی کے

دعوے کیے اور کہتے ہیں ۔

شما عمرے دریں وادی بہ سر رفتید روز و شب　　زگرد کوئے اؤ آخر مرا آثار بنمائید

(تم نے اپنی عمر کے روز و شب اس وادی میں گزار دیئے مجھ کو بھی تو ان گلی کوچوں کے کچھ آثار دکھاؤ)

اور دوسرے میری حقیقت بھی اس کی قائل ہے ۔

برائے جست و جستجوئے ایں حقیقت　　ہزاراں پیر بردم در طناب است
نہ دردِ ایں ہمہ پیرانِ رہ را　　محاسنہا بہ خونِ دل خضاب است
جواں مردانِ دیں را زیں قضیہ　　جگرہا تشنہ و رگہا کباب است
بہ عقل ایں راہ کم رہ کاندریں راہ　　جہانِ عقل چوں خر در خلاب است

(اس حقیقت کی جستجو کے لیے اس رسی میں ہزاروں گتھیاں ملیں گی ۔ اس تکلیف سے اس راہ پر چلنے والوں کی داڑھیاں اور مونچھیں خون دل سے رنگ جاتی ہیں یعنی بڑے بڑے علماء وفضلاء ان گتھیوں کو نہیں سلجھا سکتے ۔ دین کے جواں مردوں کے اس قضیہ میں جگر تشنہ اور رگیں کباب ہو جاتی ہیں ۔ یعنی ایسا مسئلہ ہے جس کا حل ان کی استطاعت سے باہر ہے کیوں کہ وہ صرف احکام شریعت کو پیش نظر رکھتے ہیں اور دل کے معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں ۔ اس راہ میں عقل کی رہنمائی میں قدم نہ رکھو کیوں کہ اس سے تمہاری وہی مثال ہو جائے گی جو گدھے کی کیچڑ میں پھنس جانے سے ہوتی ہے)

مقصود یہ کہ سب نے احد کو پہنچانا جیسا پہچاننے کا حق ہے ۔ تو ضروری ہوا کہ الف احمد کی راہ میں عاجز ہوئے کہ احمد کی معرفت نہ حاصل کر سکے گو کہ برسوں خونِ جگر کھایا اور کھاتے ہیں اور طائفہ مشہور ہے اس کی شہادتیں آپ پر ظاہر کی جا چکی ہیں کہ الف احمدی کی معرفت سے کیسے قاصر رہے اور الف احد کی معرفت کہاں ہے اور کس جگہ ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ دقائق المعانی میں اگر وہ اٹھا سکی الف احمد اور الف احد کی شرح کروں گا ۔ اب جانئے کہ الف احمدی کی معرفت کے اہل تصور کون ہیں اور کون تھے ۔ ایک وہ جس نے سلطان عارفی کا دعویٰ کیا یعنی وہ مست سبحانی بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ نے جب کنگرۂ کبریا

پر کمند محبت ڈالی اور دائرۂ الف احدی کے گوشہ میں سبحانی ما اعظم شانی کے توشہ کے ساتھ قرار پکڑا اور الف واحدی کے مشاہدہ کے ابواب فتح ہونے کے انتظار میں دن بسر کیے ناگاہ سراپردۂ غیب اور کلام بے ریب سے ندا آئی کہ بایزید عرفتنی ولکن ما عرفت حبیبی (بایزید تم نے مجھے پہچانا میرے حبیب کو نہ پہچانا)

پس اے محبوب دائرۂ الف احدی کے عرفان کے مرکب نے بایزید کو کنگرہ کبریائی تک پہنچایا تھا جو شش جہت کے ماوراء ہے کہ ناگاہ چاؤش حضرت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۳/۲۱) (کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا) درآیا بایزید کو سبحانی ما اعظم شانی کے لباس میں ثم رجعت الیه (پھر اس کی جانب واپس ہوا) کا زخم طمانچہ کھلایا اور فاتبعونی (میری اتباع کرو) کی جانب ہنکایا اور حلقۂ لی میں منسلک کر دیا اور اگر فاتبعونی عود نہ ہوتی تو سبحانی ما اعظم شانی کی کمند پر محبت کو کنگرۂ کبریائی سے توڑ دیتے اور گبروں کے سلسلہ میں ڈال دیتے کہ یحبون اللہ کے ہزاروں دعویداروں کو اس مقام کبریائی سے گبروں کی بیڑیوں میں لائے ہیں کہ یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً (۲/۲۶) وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے) جیسا کہ خواجہ علیہ السلام نے فرمایا انما الاعمال بخواتم (اعمال کا دارومدار خاتموں (انجام) پر ہے) عذر سب پہنچنے والوں کے لیے ہے۔ والمخلصون علی خطرٍ عظیم (اور مخلصین عظیم خطرہ پر ہیں) یعنی الف احدی کی عظمت کو جو الف احمدی سے ہے پوری طرح ظاہر کر دیا یہ تھا کہ بایزید سبحانی ما اعظم شانی کی محبت میں آہستہ سے چھپ کر اس منزل تک پہنچے تھے اور ندامت سے ناپختگی کا عذر لائے تھے اور شرمندگی کی زنار پہنی تھی فقال الھی ان قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی فاما الیوم کافر مجوسی واقطع زناری واقول اشھد ان لا اِلٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ‘ (پس انھوں نے کہا اے اللہ اگر میں کسی دن سبحانی ما اعظم شانی میں پاک ہوں میری شان کتنی بڑی ہے) کہوں تو اسی روز میں کافر مجوسی ہو جاؤں گا اور اپنی زنار توڑ دوں گا اور کہوں گا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ

وحدہٗ لا شریك لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ') اے محبوب! معذور رکھو اس فقیر کے کلمات نہ آسمان اٹھا سکتا ہے اور نہ زمین۔ لیکن یہ بیچارہ سفید ورق آسمان اور زمین سے برتر ہے کہ حامل ہوا ہے۔

چو یک ہمدم نمی بینم در آفاق — سزد گر روئے در دیوار دارم
چو یک آزادۂ و دانندہ دل نیست — چہ سود از جاں پر از گفتار دارم

(جب مجھے دنیا میں کوئی ہمدم دکھائی نہیں دیتا تو میرا دیوار میں منھ چھپانا مناسب ہے۔ جب ایک بھی آزاد اور دل کی کیفیت سے واقف موجود نہیں تو پھر روح کو گفتار سے پُر رکھنے سے کیا فائدہ)

(شرح) میری روح بنعمة ربك فحدث کا تقاضا کرتی ہے لیکن افسوس کہ کوئی اس نعمت کا مستحق نظر نہیں آتا)

یہ فقرہ کہ کلمات نہ آسمان اٹھا سکتا ہے نہ زمین اس فقیر کے حق میں حضرت شیخ صلاح الدین تھیکرہ درویش قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا تھا اس دن مو بند اور یکتا تھا کہ ایک دن ان کلمات کی بابت ان سے کہا۔ فرمایا کہ مقام لاہوت کے برخوردار۔ تیرے کلمات عرش نہیں اٹھا سکتا اور آسمان و زمین میں ان کے حامل ہونے کی طاقت نہیں ہے۔ اے محبوب! بیچارے معروف کرخیؒ کو بھی یہی نوع درپیش ہوئی۔ مقام کبریائی میں انا ربکم فاعبدون (میں تمہارا رب ہوں پس میری عبادت کرو) کے لباس اور توشہ کے ساتھ عزلت میں تھے اور الف واحدی کے مشاہدہ کے منتظر تھے۔ ناگاہ حضرت فاتبعونی (پس میری اتباع کرو) کا نقیب آیا اور ثم رجعت الیہ (پھر میں اس کی طرف واپس ہوا) کے طمانچہ سے ہنکا دیا اس کے بعد معروف نے بھی گبر و مغاں کے ساتھ گھر بنایا اور جو کچھ تھا گبروں پر قربان کر دیا وہ بھی وہی تھا کہ زنار پہن لی تھی

فقال الٰھی ان قلت یوماً لا صحابی انا ربکم فاعبدونی فان الیوم کافر برسولك فعرفتك ولكن ما عرفت حبیبك فاقطع زناری و اقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریك لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ،

اے محبوب! سولہویں مکتوب میں ذکر ہوا ہے کہ خلائق اور بعض مریدین اپنے پیر دستگیر سے کلاہ حاصل کرنے پر قناعت کرتے ہیں ان کو مرید نہ کہنا چاہئے۔ زائر ہیں اور عقیدت رکھتے ہیں کہ اہل طریقت اور طریقت کے گنہگار ایک حقیقت پر ہیں۔ کیا جانیں۔ میں نے اپنے پیر اور پیران تربیت کی بدولت تمام اولیاء و اقطاب اور قطب الاقطاب اور افراد اور فرد الافراد کا غیبی اور حقیقی مشاہدہ کیا ہے اور کرتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ ہر ایک کام کی نوعیت کیا ہے اور امید ہے کہ آپ کو اس علم الیقین سے جو حق الیقین کے مشاہدہ کے حکم پر تحریر کیا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ سب کا مشاہدہ ہوگا۔ سولہویں مکتوب میں یہ مثنویات لکھ چکا ہوں۔

اٹھارہواں مکتوب

(کفر کے بیان میں)

ما از ازل امروز کہ آشفتہ و مستیم   آشفتہ نہ گوئیم کہ آشفتہ شدستیم
زاں ساقی بدمست کہ امروز برآمد   صد عذر بہ گفتیم ازاں مست ترستیم
زاں بادہ کہ داری وازیں عقل کہ ماراست   معذور ہمی دار کہ ما جام شکستیم
رندانِ خرابات بہ خوردند و برفتند   مائیم کہ جاوید نہ خوردیم و نشستیم
بالا ہمہ باغ آمد و پستی ہمہ گنج   ما بوالعجبانیم نہ بالا و نہ پستیم
ہرچند پرستیدن بت مایۂ کفراست   ما کافرِ عشقیم ازیں بت نہ پرستیم
یک لحظہ بلانوش رہِ عشق قدیمیم   یک لحظہ بلے کوئے مناجات الستیم
با مستی خود او بر ما کرد تجلی   مستیم براں شاں کہ نہ دانیم کہ ہستیم
امروز سرِ زلفِ تو مستانہ گرفتیم   صد بار کشادیم و دو صدر بار بہ بستیم

(ہم جو ازل سے آج تک پریشان اور مست ہیں۔ آشفتہ نہیں کہتے بلکہ آشفتہ ہوئے ہیں (یعنی کیے گئے ہیں) اس ساقی بدمست سے جو آج یہاں وارد ہوا ہم نے اس سے بہت معافی مانگی کہ ہم اس سے زیادہ مست ہیں اور مزید یہ کہا کہ تیرے پاس جو کچھ بادۂ شراب ہے اس سے اور اس عقل سے جو ہمارے پاس ہے ہمیں معذور سمجھ اس لیے کہ ہم نے اپنا جام توڑ ڈالا ہے۔ رندان خرابات نے شراب پی اور چلتے بنے اور ایک ہم ہیں کہ کبھی چکھی بھی نہیں اور بیٹھے ہیں اور ہمارے سروں کے اوپر باغ ہی باغ ہیں۔ اور نیچے گنج ہی گنج ہم عجیب لوگ ہیں کہ نہ بلند ہیں اور نہ پست۔ بلاشبہ بت کی پرستش مایۂ کفر ہے لیکن ہم کافر عشق ہیں اور اس سبب سے بت پرست نہیں ہیں۔ ہم ایک لحظہ میں رہِ عشق کے قدیم

بلانوش ہیں اور دوسرے لمحہ میں الست کے مناجات پڑھنے والے ہیں۔ اس نے اپنی مستی کے عالم میں ہم پر تجلی کی اور ہم اس طرح مست ہوئے کہ ہمیں محسوس ہی نہ ہوا کہ ہم مست ہیں۔ آج ہم نے مستی کے عالم میں تیری زلف ہاتھوں میں لے لی ہے سیکڑوں بار اسے کھولتے ہیں اور باندھتے ہیں۔

(شرح) ذاتِ باری تعالیٰ بیچون ہے اور اس کا حب ظہور اس کا اپنی ہی ذات سے عشق ہے۔ اس عشق کا اظہار نورِ ذات سے ہوا جس نے تمام اسماوصفات کو ان کے انوار بخشے۔ یہ اسماوصفات چوں ہیں اور یہی بت ہیں ایسے کہ ان کی چونی میں بیچونی جلوہ گر ہے اور انھیں کا مشاہدہ کفر عشق ہے کیوں کہ ان کی چونی میں بیچونی کا حجاب ہے۔ مجھ پر ازل ہی میں ایسی تجلی ہوئی کہ میرا وجود گم ہو گیا۔ اب کفر عشق میں اسماوصفات سے کھیلتا ہوں اور عین بیچونی میں ثنائے ذات کرتا ہوں۔ اسماء باغ ہیں صفات گنج ہیں۔ بلندی و پستی ایک ہو گئی ہے۔ اب مجھے عقل کی ضرورت ہے نہ مستی کی) سرورِ محض میں گم ہوں)

جانو کہ عشق اور عاشقی میں سوائے ملامت اور کفر کی سیاہی کے کچھ نہیں ہے اس سبب سے کہ سیاہی سفیدی کی مظہر ہے۔ اے محبوب۔ جب تک زلف احدیت کی سیاہی کی خلعت نہ پہنو گے واللہ ہرگز جام احدیت کی سفیدی نہ نوش کرو گے۔ کیا سمجھتے ہو کہ اس حضرت کی زلف کیا ہے اور کون ہے۔ جانو کہ اس حضرت کی زلف محمدؐ مختار ہے کیا خوب سیاہی کہ اس نے سفیدی میں جلوہ دکھایا ہے۔

دل کہ رہ می جست در وادی عشق   خویش را گم کردہ رہ زاں بازیافت
یک شبے در تافت دل مست وخراب   راہ از زلف پریشاں بازیافت
چوں بہ تاریکی زلفش غوطہ خورد   زندہ گشت و آبِ حیواں بازیافت
آفتابِ ہر دو عالم آشکار   زیرِ زلف دوست پنہاں بازیافت

(دل نے جو وادی عشق میں راہ ڈھونڈھتا پھرتا تھا خود کو گم کر کے اسے پالیا (یعنی خودگم شدگی کے بعد راہِ عشق حاصل ہوتی ہے) ایک رات دل مست وخراب نے حملہ کر دیا اور زلف پریشاں کے ذریعہ راستہ دریافت کر لیا۔ جب زلف محبوب کی تاریکی

میں غوطہ لگایا تو زندہ ہو گیا اور اسے آب حیات مل گیا۔ دونوں عالموں کے آفتاب کو زلف دوست کے نیچے پوشیدہ پایا)۔

(شرح) عشق اور عاشق کے فنا ہو جانے پر صرف معشوق باقی رہتا ہے اور وہی ذات باری تعالیٰ ہے)

محبوب! کیسی اچھی زلف ہے اگر کوئی کافر ہزار سال کلمہ لا الہ الا اللہ کہتا رہے ہرگز اسلام کے حکم میں نہیں آتا مسلمان نہیں ہوتا۔ جب تک حضرت اؤ کی زلف جو محمد رسول اللہؐ ہے یاد نہ کرے۔ یعنی اگر جمال سرخ وسفید روئے تاباں رکھتا ہے (تو) جب تک زلف کی سیاہی اس روئے سفید پر پریشان نہ کرے ایک عالم پریشان نہ ہو اور محمد رسول اللہ کی زلف کی سیاہی لا الہ اللہ کے چہرۂ جمال پر اسی طرح ہے۔ یہ سیاہی کا حسن ہے کہ سفیدی پر چھا گیا ہے ازل سے ابد الآباد تک ایک شور ہے جسے دیکھتے ہو مشاہدہ میں بھی دیکھو گے اور تمہارے سر پر بھی سوار ہوگا۔

سرِ موئے ز زلفِ خود نمودیم　　جہاں را در پسِ غوغا نہادیم
مباش احول کہ ہستی جز یکے نیست　　اگرچہ ما ہمہ اسما نہادیم

ہم نے اپنی زلف کے ایک بال کو نمایاں کیا اور تمام دنیا میں شور وغوغا برپا ہو گیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی خفیف سی رمق کا نتیجہ یہ کائنات ہے اس کے بعد یہ ارشاد ہوتا ہے کہ احول کی طرح (بھینگے) ایک کو دو نہ دیکھو ظاہر میں نظر آنے والی اشیاء کو مختلف نام عطا کیے گئے ہیں تاکہ ان کا آپس میں امتیاز ہو سکے لیکن فی الحقیقت ذات ایک ہے)

(شرح) ذات باری تعالیٰ کی زلف محمد مختار ہیں۔ زلف کی سیاہی جمال کی سفیدی کی مظہر ہے۔ اللہ اور محمد کو دو نہ جانو)

ایک مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ شش جہت میں یعنی عرش تک احمد ہے اور عرش کے ماورا میم حذف ہے باقی معلوم ہے۔ بیچارہ اہل ظواہر کا معدہ شیر خواروں کے معدے جیسا ہے جو حلوا اور بھنے ہوئے پکوان ہضم نہیں کر سکتا۔ جب گزک ہی برداشت نہیں کر سکتے تو شراب خالص کیا برداشت کریں گے۔ کیا جانیں کہ کیا کہتا ہوں اے محبوب کفر تین طرح

پر ہے۔ ایک کو جلال دوسرے کو جمال کہتے ہیں اور تیسرے کفر کو الٰہی کہتے ہیں۔ کفر الٰہی کو توجہ سے سنو اور پیش نظر رکھو تا کہ کفر جلال کا مشاہدہ کرو۔ راہ چلو تا کہ ایمان ہاتھ آئے۔ پھر جان دے دو تا کہ دوسرے اور تیسرے کفر کو دیکھو پھر جان کو کھو دو تا کہ اس کے بعد چوتھے کفر تک پہنچو جو بحر المعانی میں شامل نہیں کیا گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دقائق المعانی میں چاروں کی مفصل شرح کروں گا۔ جب پیر فقیر کی بدولت چاروں کفروں کا مشاہدہ کرو گے تب مومن ہو گے۔ دیکھو کہ حضرت جلت قدرتہٗ نے خود اس مقام کو مفصل بیان کیا ہے وما یومن اکثرھم باللہ الاوھم مشرکون (۱۲/۱۰۶) (اور ان میں سے بہت لوگ ایمان نہیں لائے اور وہ مشرک ہیں) جب مومن ہو گے تو تمہاری خودی اس کی خودی میں محو ہو جائے گی یہاں تک کہ تم پوری طرح ''وہ'' ہو جاؤ گے۔ تمّ الفقر (فقر اختتام کو پہنچ گیا) عدم میں معدوم ہو جائے گا۔ مقام الفقر ھو اللہ (فقر اللہ ہے) کی ابدی سلطنت مسلم ہو جائے گی۔ جیسا کہ خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا کاد الفقران یکون کفراً (فقر قریب ہے کہ کفر ہو جائے) خواجہ عالم علیہ السلام نے اس مقام کو پورا فرما دیا اور خلائق سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کے عام معنی ہیں۔ اے محبوب کوئی نہیں جس سے کہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو میرا جیسا کر دے تا کہ خدائی علوم کو جو نبیؐ اور علیؑ سے متجلی ہو کر اس فقیر کا کشف حال ہوتے ہیں بیان کروں تا کہ اہل کمال کا فیض آپ کی بدولت قیامت تک جاری رہے۔ واللہ کفرت بدین اللہ والکفر واجب لی وعند المسلمین الظاھرین قبیح (خدا کی قسم میں نے کفر کیا اللہ کے دین کے ساتھ اور کفر میرے لیے واجب ہے اور ظاہری مسلمانوں کے نزدیک برا ہے)۔

ماہ رویا عشق تو گر کافری است　　زیں چنیں صد کافری دین من است
حال من چوں بر نمی آید بہ نطق　　شرحِ عالم اشک خونین من است
کارِ من بر خلق آمد پشت و روئے　　کافرینِ خلق نفرین من است
من چرا گرد جہاں گردم چو دوست　　درمیانِ جان شیرین من است

(اے میرے ماہ رُو اگر تجھ سے عشق کرنا کافری ہے تو ایسی سیکڑوں کافریاں میرا

دین ہیں۔ چوں کہ میں اپنا حال زبان سے بیان نہیں کرسکتا اس عالم کی شرح میرے اشک خونیں ہیں۔ خلق پر میرا عمل ظاہر ہوگیا اور کافرینِ خلق کا غیب وحضور میرے لیے قابل نفرت ہیں۔ دنیا میں مارا مارا کیوں پھروں کیونکہ دوست تو میری جان شیریں میں ہے)

(شرح) چونکہ ساری کائنات حبِ ظہور کا نتیجہ ہے لہٰذا اللہ کا دین عشق ہے۔ میں اسماوصفات میں ذات کو جلوہ گر دیکھتا ہوں اور وہی میری جان ہے جو ساری کائنات پر ساری وطاری ہے۔ اس حال کو قال میں نہیں لایا جاسکتا۔ یوں سمجھو کہ میرا ایک خون کا آنسو شرح کائنات ہے)

اور شبلی بھی اس مقام سے کہتے ہیں اور میرے ان کلمات کا عذر کس طرح چاہا ہے اور کہا ہے کہ اے کاش میں وہ کفر ہوتا جو اس کا دین ہے اور حضرت مصطفیٰ علیہ السلام نے بھی اس مقام کے بارہ میں خلاصۂ عذر بیان کیا ہے کہ ما خلق اللہ شیئاً اشبہ بہ من آدم، (اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو حضرت آدمؑ سے مشابہ نہ ہو) یعنی فرمایا کہ کوئی چیز آدم جیسی یا اس کے مثل نہ آئی سوا آدمؑ کے۔ ان اشعار میں اچھی طرح غور کرو۔

اندردو جہاں مشرک و کافر مائیم   زیرا کہ بت و شاہدو دلبر مائیم
ایں گوہر اصل ما نہ مانداز خود   آں گوہر اصل را چہ در خور مائیم

(دونوں عالموں میں ہم ہی مشرک اور کافر ہیں کیوں کہ بت، شاہد اور دلبر ہم خود ہیں۔ ہمارا گوہر اصل آفتاب سے مکتسب نہیں ہے ہم خود اس آفتاب کا اصل گوہر ہیں۔ یعنی آب وتاب آفتاب سے نہیں ہے بلکہ خود آفتاب کی تابنا کی کا منبع ہم ہیں۔ آدمؑ پوری طرح اسی کی شکل وشبیہ پر آئے اگر اس کی شبیہ نہ رکھتے تو آدمؑ اور ان کے مومن فرزند دوسری مخلوقات کی طرح ہوتے اور اس حضرت سے ان کو نسبت نہ ہوتی اور الانسان سری و بنیانی (انسان میرا اسرار اور میری بنیاد ہے) کا خطاب نہ ہوتا۔

چوں کہ دانستی تو آں را از نخست   سوئے آں حضرت نسب کردی درست
آں کہ دانستی کہ ظل کیستی   فارغی گر مردی دگر زیستی

(چوں کہ تو اس کو (ذات) ابتداء سے جانتا ہے اس لیے تو نے اس سے اپنی

نسبت درست رکھی۔ اور جب تو نے جان لیا کہ تو کس کا سایہ ہے تو یہ جوانمردی کی علامت ہے کہ بے لاگ اور بے تعلق زندگی گزاری)

(شرح) جس کو الست بربکم کے جواب میں اپنے بلیٰ کہنے کی یاد تازہ ہے اس کی نسبت ذات باری تعالیٰ کے ساتھ درست ہے اور اس کے لیے موت وزندگی یکساں ہیں یعنی وہ زندہ جاوید ہے)

اگر چاہتے ہو کہ اس حضرت میں نسبت درست کرو تو میری ان مثنویات میں پوری طرح غور کرو اور کامیاب ہو۔

در فنائے مطلق ار یابی بقا
محو گردد انچہ باشد ما سوا
سرِّ وحدت گرددت آں دم عیاں
کاشفِ اسرار گردی در نہاں
چوں بہ حق واصل شوی گردد یقیں
نے من و ما مانی و نے کفر و دیں
چوں نہ بینی اے محمد غیر او
فارغ از عالم شوی در سیر او
آں زماں فانی وگم در حق شوی
در حقیقت واحدِ مطلق شوی
مشکل است ایں نکتہ پیش بے بصر
چوں زاصل خودنہ دارد او خبر
خویش را گم کن کہ تجرید ایں بود
گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود
عشق و عاشق محو گردد زیں مقام
خودہماں معشوق ماند والسلام

(اگر مکمل فنا میں تم کو بقا حاصل ہو جائے تو اس کے علاوہ ہر شے محو ہو جاتی ہے۔ راز وحدت تم پر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ تم کو اسرار کا کشف ہو جاتا ہے۔ جب واصل بہ حق ہو جاؤ گے تو حق الیقین حاصل ہوگا۔ تو میں ہم اور کفر و دین سب سے بے نیاز ہو جاؤ گے یعنی علائق سے آزاد ہو جاؤ گے۔ اے محمد جب تم کسی شے کو اس کا غیر نہ دیکھو گے تو سیر ذاتی میں عالم سے فارغ ہو جاؤ گے اور ذات میں تمام دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ جب تم فنا ہو جاؤ گے اور ذات حق میں خود کو گم کر دو گے تو واحد مطلق ہو جاؤ گے۔ یعنی جب ذات میں ضم ہو جاؤ گے تو پھر ذات ہی ذات ہوگی دوئی کا کوئی سوال نہیں۔ جو بے بصر ہے اس کے لیے اس باریکی کا سمجھنا مشکل ہے جب کہ اسے اپنے وصل یا ذات مطلق ہونے کا

ادراک نہ ہو۔ تجرید نام ہے خود کو گم کر دینے کا۔ گم ہونے کا خیال سے معرا ہو جانا تفرید ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر عاشق اور عشق دونوں محو ہو جاتے ہیں بس معشوق ہی معشوق رہ جاتا ہے)

(شرح) ذات مطلق میں فنا (پانا) ہونا بقا پانا ہے۔ بقا کے بعد ماسوا (گم) محو ہو جاتا ہے اور وحدت کا راز کھل جاتا ہے۔ غیریت مٹ جاتی ہے حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔ دوئی مٹنے کے بعد کفر و دین بھی مٹ جاتے ہیں۔ عشق و عاشق محو ہو کر صرف معشوق رہ جاتا ہے)

اے محبوب! یہ نسبت تمام رکھتے ہو تو لازم ہے کہ ما خلق اللہ تعالیٰ شیئاً اشبه به من آدمؑ (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے زائد مشابہ کوئی چیز نہیں پیدا کی)

چو آدمؑ را فرستادیم بیروں　　　جمال خویش در صحرا نہادیم

(جب ہم نے آدمؑ کو باہر بھیجا یعنی اپنی ذات سے نکال کر نیا وجود دیا تو گویا ہم نے اپنے جمال کو صحرا پر ظاہر کر دیا۔ یعنی آدمؑ تخلیق حسن مطلق کا ذریعہ بن گئے)۔

(تشریح) ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ (اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا)

اے محبوب! ذکر اس کا تھا کہ وما یو من اکثر هم باللہ الا وهم مشرکون (۱۲/۱۰۶) (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے اور وہ مشرک ہیں) شریعت اور بشریت اجازت نہیں دیتی کہ بحرالمعانی میں چاروں اقسام کفر جن کو میں نے ایک کو چھوڑ کر تین شمار کیا ہے شرح کروں۔ میری شریعت نے بشریت سے مشورہ کیا طے پایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ دقایق المعانی میں شرح کروں گا۔ پس اے محبوب! صاحب شریعت علیہ السلام نور نبوت سے جانتے تھے کہ ان کی امت میں ایسے دیوانے ہیں کہ اگر شریعت کے پابند نہ کیے گئے تو دیوانگی سے عالم نبوت کو جنون میں کھینچ لائیں گے اس سبب سے انھیں شریعت میں جکڑا گیا کیوں کہ جنون کا راستہ کفر کی طرف جاتا ہے۔ لیکن ٹھہرو اے محبوب! جب شاہد کو میرے بغیر آنحضرتؐ دیکھو گے تب جانو گے کہ دیوانگی کیا ہے اور کون دیوانگی رکھتا ہے اور دیوانہ کون ہے۔ ایک دن فجر کی نماز میں اول وقت یہ فقیر اپنے مخدوم قدس سرہٗ کو وضو کرا رہا تھا گستاخی کے مقام نے تجلی کی ایک سوال اپنے پیر قدس اللہ سرہٗ سے پوچھ بیٹھا۔ حضرت

فردِ حقیقت نے روئے مبارک میری جانب کر کے فرمایا ”کہ اے مستِ میدان لاہوت تو تئیس سال میں یہ کلمات ایک دیوانہ سے پوچھتا ہے کیونکہ آج میں دیوانہ ہوں اور تو بھی دیوانہ ہوگا اور میں آج جس مقام میں ہوں تو بھی اس میں پہنچے گا“ پہنچ گیا۔ آپ کے لیے بھی یہی مقام چاہا ہے۔ پہنچ جائے گا۔ اور دو جہاں کے ماوراء دیکھئے گا۔ یہ دیوانگی مقامی ہے یعنی جو کچھ عرش سے ثریٰ تک دو جہاں میں ہے اس کی اسے خبر نہیں ہوتی ایک مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ اس مقام کا نام فردانیت ہے اور اس مقام کے لوگوں کو افراد کہتے ہیں جو قطب مدار سے افضل ہوتے ہیں اور تجلی ذات کے افراد ہیں اور ذات سے متجلی ہونے والے کو کونین کے اخبار و آثار اور جو کچھ کونین میں ہے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اے محبوب! حضرت فردِ حقیقت شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ ۱۵۷ھ میں نہتہ سے واپس تشریف لے گئے کہ محمد تغلق ان کو جبراً لے گیا اور یہ مقام اس کا ہے کہ خلایق کی تکالیف صاحب مقام فردانیت پر جاری ہوتی ہیں چنانچہ فرد حقیقت قدس اللہ سرہٗ محمد تغلق پر غالب تھے یہ یار اور اغیار کی زحمت اس مقام میں صاحب مقام کی معراج ہے۔ جیسے کہ حضرت مخدومی قدس اللہ سرہٗ کو ہوئی۔ سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ بھی جو بادشاہ ہوا ان کے ساتھ تھا۔ جب ہانسی کی حد میں پہنچے شیخ قطب الدین منور قدس سرہٗ نے چاہا کہ حضرت فرد حقیقت قدس سرہٗ کی ملاقات کے لیے باہر آئیں۔ حضرت مخدومی نے ”بشیر“ خادم کو بھیجا کہ باہر نہ آئیں کہ ہم (خود) آتے ہیں سلطان پہلے روانہ ہو چکا ہے اسے سعادت حاصل ہونا چاہئے اور حضرت مخدومی قدس سرہٗ روانہ ہو گئے۔ جب سلطان نے سنا خود بھی روانہ ہوا جب نزدیک پہنچا آنے والا آیا۔ حضرت مخدومی، شیخ منور قدس سرہٗ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا سلطان ایک ہجوم کے ساتھ آتا ہے۔ حضرت مخدومی اٹھے اور فرمایا کہ بھائی! مولانا منور خدا حافظ! اور روانہ ہو گئے لیکن شیخ منور نے رخصت نہ کیا تھا اس لیے حضرت مخدومی قدس سرہٗ سے راستہ میں سلطان دوچار ہوا عرض کیا کہ مخدوم عالم! میں نے سنا کہ آپ شیخ منور قدس اللہ سرہٗ کی ملاقات کے لیے گئے ہیں میں نے بھی آج نذر کی تھی کہ دونوں بزرگوار ایک سجادہ پر بیٹھے ہیں میں بھی ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کروں۔ ان معنوں میں حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ بھائی مولانا نصیر الدین اب رخصتی ہے۔

سلطان کو تعجب ہوا کہ ''اب'' کے لفظ سے کیا مراد تھی اور حضرت مخدومی قدس اللہ سرہٗ سے پوچھا حضرت مخدومی نے فرمایا کہ تمھارے آنے سے پہلے ان کو وداع (رخصت) کر دیا تھا اور اٹھ کھڑے ہوئے لیکن وداع نہیں کیا تھا اس سبب سے کہ جانتے تھے کہ صحبت باقی ہے۔ یہی تھا کہ تم مجھ کو واپس لے گئے۔ اس وجہ سے اب کا لفظ درمیان میں لائے۔ سلطان کو دوسرا تعجب ہوا اور عرض کیا کہ اے مخدومی ان پر صحبت کا باقی ہونا روشن تھا۔ اور آپ پر کیوں نہ تھا۔ حضرت مخدومی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ ہاں نہ تھا۔ اس سبب سے کہ میں ان کی ولایت میں تھا لیکن سلطان کے حوصلہ کے مطابق یہ جواب اس کی سمجھ میں آ گیا جب اس فقیر نے مقام خلوت خاص میں حضرت مخدومی قدس اللہ سرہٗ سے پوچھا کہ اے دونوں جہانوں کے بینا اس کا کیا مطلب تھا تو فرمایا کہ اے فرزند۔ میں تجلی ذات میں تھا جو مقام فردانیت میں ہے۔ مجھے اخبار و آثار سے کچھ معلوم نہ تھا لیکن برادرم مولانا منور اس وقت تجلی ذات افعالی میں تھے ان پر قلبی و قالبی و عالمی خبریں روشن تھیں۔ اے محبوب ان معنوں کو اس سبب سے بیان کر رہا ہوں کہ اگر کسی صاحب کشف درویش سے آپ کو حاجت آ پڑے اور اس درویش سے کشف حاصل نہ ہو تو اس درویش سے فاسد اعتقاد نہ کرنا چاہئے اور سمجھئے کہ شاید وہ درویش اس مقام میں ہوگا کہ عالم کے اخبار و آثار سے خبر نہ رکھتا ہو اور اس مقام کو دیوانگی کہتے ہیں کیوں کہ دیوانہ کو بے خبری سے نسبت ہوتی ہے۔ پس دیوانے افراد کو دونوں عالموں کی کچھ خبر نہیں ہوتی افراد کا کیسا عجوبہ گروہ ہے کہ بت شاہد کے لیے دیوانے ہو جاتے ہیں۔

در مذہب شرع کفر رسوا آمد   زیرا کہ جنونِ عشق سودا آمد
ہر کس کہ بہ کفر عشق بینا آمد   از دست بتِ شاہد یکتا آمد

(شرع کے طریقہ میں بیچارہ کفر ناحق بدنام ہوا۔ اس لیے کہ عشق کے جنون نے عاشق کی مت پلٹ دی (یعنی اسے سودائی کر دیا) ہر وہ شخص جو عشق کے کفر سے بصیرت افروز ہوا تو اس حالت میں صنم بے ہمتا کو پالیا)

پس اے محبوب! حضرت الوہیت کے عشاق میں ان کے فنون کے مطابق

تفاوت ہے۔ ان میں کے بعض اعمال دین کے بینا ہوئے اور ان اعمال سے اپنے کو جنت تک پہنچایا اور ان میں سے بعض حقیقت پر بینا ہوئے اور کونین کو مع سارے حظوظ کے چھوڑ بیٹھے اور کفر کو پکڑا اپنے باطن میں رائی کی مقدار خط پایا تو اس کو زنار تصور کیا اور ظاہر میں بھی زنار باندھا۔ یعنی جب باطن جو خالق کی نظر گاہ سے زنار ہوا تو ظاہر بھی نظر گاہ خلق کو چھوڑنے سے زنار ہوگا۔ اہل ظواہر نہیں جانتے کہ کفر اور زنار سے ان کا مقصود کیا ہے ان فی الخمر معانی لیس فی العنب (شراب میں جو بات ہے وہ انگور میں نہیں ہے) ان کا کفر اور زنار راہِ خدا سے ہوگا اور ان کے کام اور ان کی طریقت میں مددگار ہوگا۔ اے محبوب! اس سے دور رہ کر اغیار کے ساتھ زندگی گزارنے سے اس کی راہ میں مرجانا بہتر ہے۔ یہ ہلاکت نہیں ہے۔ جب تک خود سفر نہ کرو گے اور اہل سلامت سے جدا نہ ہو جاؤ گے خدا تک نہ پہنچو گے۔ ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہٗ علی اللہ (۴/۱۰۰) (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکل جائے پھر اس کو موت آ پکڑے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہو چکا) کہاں ہو اور کس جگہ ہو کہ تم نے اب تک اس عشق کے دیوانہ کو نہ دیکھا کہ حضرت الوہیت میں اس دیوانہ کی شاہد بازی کیا ہے اور اس کی اس دیوانہ سے کیا ہے۔ خاطر جمع رکھو جیسی شرط ہے مشاہدہ کرو گے۔ ان میں کے بعض حضرت الوہیت کو اپنے میں دیکھتے ہیں اور مستانہ باتیں کرنا شروع کرتے ہیں ہر ایک کی گفتگو جدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ فقیر نے کہا من ارادان یری اللہ فلیرنی (جو اللہ کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے) جیسا کہ خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا من رآنی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) اس مقام پر پہنچ کر ہر ایک نے یہی بات کہی اور مستیاں کیں۔ بعض کو نادانوں نے مار ڈالا اور بعض کو حضرت الوہیت نے اپنی غیرت میں مبتلا کیا جیسے اس فقیر کو کیا ہے اس کے بعد نادانوں کے ہاتھ سے مروائے گا۔ یا خود اپنی غیرت سے مار ڈالے گا ع وے را کہ سلطان خود کشد دانی چہ باشد آبروئے (جس کو بادشاہ خود قتل کرے جانتے ہو کہ اس کی کیا عزت ہوگی) اور بعضوں نے اس سے ترقی کی اور الوہیت کے ساتھ دیکھا اور یہ مقام نبی علیہ السلام اور علی

ولی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ پس اے محبوب! اس حالت اور اس ولایت میں جو کوئی نبی علیہ السلام اور علی کرم اللہ وجہہ اور جو شخص اس چوتھے گروہ کو بشر یا مخلوق کہتا ہے یا ان کو بشریت کے ساتھ ڈھونڈتا ہے کافر ہو جاتا ہے۔ فقالوا البشر یھدوننا فکفروا (انھوں نے کہا کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں تو انھوں نے کفر کیا) یہ چوتھا مقام وہ ہے کہ بجز ذوق اور مشاہدہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ ان دو اشعار پر اچھی طرح غور کرو۔

برزمانم جان و دل نزدیک دلبر می شود   وزجمال حسن رویش ہر دو کافر می شود
پس میان جان ودل ایں قالبم زحمت شدہ است   بے تن و قالب مرادم خود میسر می شود

(میری زندگی کی ہر گھڑی میں میرے جان و دل محبوب سے قریب رہتے ہیں اور اس کا رُخ دلکش اور حسن کی رعنائی یہ وہ دو کافر ہیں جو میرے دل پر قیامت برپا کیے ہیں۔ (اس لیے) میرے جان و دل کے درمیان میرا جسم میرے لیے وبالِ دوش ہے۔ اور مجھے جسم کی بغیر منھ مانگی مراد حاصل ہے)

اے محبوب! میرے وصال کی غایت اور نہایت نہیں ہے لیکن اس جگہ حجاب سے ڈرتا ہوں اور حجاب کا یہ درد انبیاء اور اولیا اور مومنوں سب کے دلوں کو پہنچنے والا ہے اور فراق کا درد بھی چکھنا ہے۔ جب بیچارے دیکھنے والے پر حجاب مستولی ہوتا ہے اس وقت اس کو اپنے سے شرم آتی ہے) اپنے سے عاجز ہوتا ہے) کہ سوائے نالہ وفریاد کے جلنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم بھی میری خاطر نالہ اور فریاد اور جلنے میں موافقت کرو کہ تم کو بھی کچھ پہنچا ہے اور پورا پہنچنے والا ہے یہ جلنا نار اللہ الموقدة التی (۱۰۴/۶) (اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ) کی آگ ہے جو مہجوروں کے دلوں میں سلگادی گئی ہے یہ آگ تمہارے نصیب میں بھی ہے کہ جلائے اور جلائے گی جیسے کہ دل کی آگ سے حضرت جلت قدرتہٗ نے ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی کہ قلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم (۲۱/۶۹) (ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی ہو ابراہیمؑ پر) پس اے محبوب! یہ کلام دنیا کی آگ سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ واللہ کسی نے کلام اللہ کے معنی نہ پائے۔ یہ خطاب ابراہیم علیہ السلام کے دل کی آگ سے ہے واللہ اگر یہ خطاب ابراہیم علیہ السلام کے دل کی آگ سے

نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی آگ کا شعلہ دنیا کی آگ پر اس طرح بھڑکتا کہ ویسی آگ کا ایک ذرہ بھی دنیا میں کسی نے نہ دیکھا ہوتا۔ یہیں سے ہے کہ ایک بزرگوار نے کہا اے خداوند مجھے ایک لمحہ کے لیے اپنی دوزخ میں راستہ دے کہ داخل ہو جاؤں تاکہ بیگانوں کو دوزخ کی آگ سے خلاصی ہو یعنی اپنے دل کی آگ کا شعلہ دوزخ کی آگ پر ماروں اور ساری آگ کو جلا کر پاک کر دوں۔ اے محبوب! اس مقام تک پہنچنے کا انتظار کرو کہ تم کو ایسی آگ دیں کہ تمہاری حقیقت کا جگر اس آگ کی حرارت سے بھن جائے۔ جیسے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف سے گزرے رمضان کا مہینہ تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے بھنی ہوئی کلیجی کی خوشبو عمرؓ تک پہنچی۔ تعجب کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ابوبکرؓ کے گھر سے میں نے بھنی ہوئی کلیجی کی خوشبو پائی۔ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عمر ٹھہرو کہ یہ مقام ہر ایک کو نہیں دیتے۔ صدیق کے مقام کی تمنا نہ کرو اور ان باتوں کو چھوڑ کر مہجوروں کے دل کی آگ کی طاقت برداشت نہیں رکھتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ساری عمر میں ایک ساعت کے لیے جگر سوختہ کی آرزو رکھتا ہوں کہ مجھے دیں لیکن میسر نہیں ہوتا لیکن نہیں جانتا کہ اس عالم میں مجھے دیں گے یا نہیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس جگر سوختہ سے ہر روز کہتے تھے کہ یا دلیل المتحیرین زدنی تحیراً، (اے متحیرین کی دلیل میری حیرت میں اضافہ فرما) پس اے محبوب! ڈرتا ہوں کہ میرے شوق کی آگ سے شش جہت اور کون و مکاں ناچیز نہ ہو جائیں اور جب میرے دل مہجور کی آگ کا ایک ذرہ آپ کے دل میں پہنچے گا تو جانئے گا کہ مہجوروں کے دل کی آگ کیسی سوختگی رکھتی ہے اور اس کے بعد کیسی ساختگی پیدا ہوتی ہے۔

محمدؐ آہِ گرمت بر فلک رفت عجب کز آسماں آتش نہ بارد

(اے محمدؐ تیری آہِ گرم (آہ و فغاں) آسمان تک جا پہنچی۔ تعجب ہے اگر آسمان سے آگ نہ برسے)

اور حضرت امام حسن بصریؒ سے حالتِ نزع میں پوچھا گیا کہ آپ کی آرزو کیا

ہے فرمایا اشتھی قطعة کبد میرا دل بھنے ہوئے جگر کا ایک ٹکڑا چاہتا ہے۔ لوگ سمجھے کہ بازاری جگر بریاں کی آرزو ہے اور نہ سمجھے کہ آتش دل سے سوختہ کیا ہوا جگر اس کے چہرہ (جمال خداوندی) کی آرزو رکھتا ہے۔ اے محبوب! مصطفیٰ علیہ السلام کے دل کا جوش ایک میل کی مسافت سے سنتے تھے۔ اور یہ جوش ابوبکرؓ اور علیؓ کی صفت والے سنتے تھے۔ ٹھہرو اے محبوب! تاکہ یہ حدیث تم کو غمزہ دکھائے۔ اِنَّ اللہ تعالیٰ یحب کل قلب حزین، (بیشک اللہ تعالیٰ ہر غمگین (رنجیدہ) دل سے پیار کرتا ہے) اور یہ چیزیں تمہارا حزن قبول کرے۔

از عشق تو اے صنم دلم خوں شدہ است   جان در طلب وصل تو بیرون شدہ است
لیلیٰ شدۂ مرا تو اے شاہد بت   جان ودل من عاشق مجنوں شدہ است

(اے صنم (محبوب) میرا دل تیرے عشق میں خون ہوگیا ہے اور میری جان تیرے وصل کی طلب میں قفس سینہ سے باہر آ گئی ہے اے بت شاہد تو میری لیلیٰ بن گئی ہے اور میرے جان ودل نے عاشق مجنوں کی صورت اختیار کر لی ہے)

(شرح) ذات باری تعالیٰ اپنے آپ پر عاشق ہے اور وہ نورِ محمدیؐ جس سے ساری کائنات کی تخلیق ہے لیلیٰ ہے جس پر ذاتِ باری تعالیٰ عاشق ہے اور میں عاشق ذات ہوں)

اے محبوب! اس مکتوب میں کفر کے مقامات پوری طرح نہیں سماتے اگرچہ کاغذ سفید رہ گیا ہے لیکن اس فقیر کے حال واحوال نے اس مکتوب میں قلم چلانے میں ساتھ دیا کہ اتنا لکھ دیا اور ابھی انیسویں مکتوب میں لکھنا چاہتا ہوں اور لکھوں گا۔ کفر کے تین اقسام ہیں لیکن اگر بحر المعانی میں گنجائش ہوئی اور بحر المعانی نے اسے برداشت کر لیا تو انیسویں مکتوب میں لکھوں گا اور اگر نہ برداشت کر سکی تو انشاء اللہ تعالیٰ دقائق المعانی میں مفصل لکھوں گا۔ جانتے ہو کہ یہ حزن کا ہے سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سب مریدوں کو اپنے پیروں کی مقام کی آرزو ہوتی ہے کیوں کہ پیر اپنی خودی سے نکل چکے ہوتے ہیں مریدوں کے مقام کی آرزو پیر کرتے ہیں تاکہ وہ بھی مقام پیری سے نکل آئیں اور باہر ہو جائیں۔ ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ (اور جو اپنے گھر سے نکلے اللہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے (مہاجرین کو) اس گھر سے مقام پیراں مراد ہے۔ یعنی کعبۂ

حقیقت کیوں کہ اس کعبۂ حقیقت میں حق کا مشاہدہ ہے۔ جیسا کہ اس گروہ نے نبی علیہ السلام کے مقام کے بارہ میں فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہو چکا۔ من ارادان یری اللہ تعالیٰ فلیرنی (جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہئے وہ مجھے دیکھے) اچھی طرح غور کرو اور پورا پورا تفکر کرو۔ اہل ظواہر نے عالم شریعت وبشریت کو ماویٰ اور مسکن بنالیا ہے اور نہ ابھی تک جمال شریعت وبشریت دیکھا ہے اور نہ کلام ربانی کے حقیقی معنی سمجھے ہیں۔

نگارِ کعبہ جان است اگر تو می دانی   بہر طرف کہ بگردی تو رو نہ گردانی
حیات جملہ جانھا چو بود شیخم فرد   کہ جانِ جملۂ جانھا اگر تو ہم جانی
چہ ساغر است کہ ہر دم دلم کنند بہ جوش   تو ہم بکش کہ چنیں ساغرے تو مردانی
ہزار نکتہ نبشتم ز عشق جاں ہم جاں   بہ خون من کہ اگر عاشقی تو ہر خوانی
چو عشق راہِ وصالت وائے دلم تو ملول   کہ عشق مرکب تازی تو گر فرو مانی

(نگار کعبۂ جاں ہے بہ شرطیکہ تم سمجھو تم جس طرف بھی گھومو گے اس سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ تمام جانوں کی حیات میرے شیخ کی طرح یکتا ہے جو تمام جانوں کی جان ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔ یہ کیسا ساغر ہے کہ ہر وقت میرے دل کو جوش میں رکھتا ہے۔ اگر تم میں ہمت ہو تو مردانہ وار ایسے ساغر کو چڑھا جاؤ۔ میں نے جان اور عشق جان کے متعلق ہزار نکتے لکھے ہیں۔ یہ نکتے میں نے خون دل سے لکھے ہیں اگر تم عاشق ہو انھیں پڑھو۔ عشق راہ وصال کا متلاشی ہے اور اے میرے دل تو ملول ہے کہ عشق تو مرکب تازی کے مانند ہے اگر چہ تو عاجز اور درماندہ ہے)

(تشریح) جس نور سے کائنات کی تخلیق ہوئی وہی ذات محمدیؐ یا عشق ہے اور وہی سب کی جان ہے۔ اپنی جان کو روح کلی میں فنا کر دے تو عشق کی کرشمہ سازیاں تیری ہو جائیں گی)

انیسواں مکتوب

(کفر کے بیان میں)

دید از پئے آں باید تا کفر و عجب بیند   جاں از پئے آں باید تا عیش و طرب بیند
سر از پئے آں باید تا مست مئے باشد   پا از پئے آں باید کز یار تعب بیند
عش از پئے آں باید تا سوئے فلک پرّد   عقل از پئے آں باید تا علم و ادب بیند
بیروں سببے باشد اسرارِ عجائبہا   محجوب بود چشمے کو جملہ سبب بیند
ارزد کہ برائے حج در ریگ بیابانہا   باشیر وشتر سازد یغمائے عرب بیند
برسنگ سیہ حاجی زاں بوسہ زند الحق   کاں کس کہ طلب دارد صد کان ذہب بیند
برنقد سخن جاناں نکتہ تو مزن دیگر   تا لعل لب یارے در لذت لب بیند
عاشق کہ بصد ہمت بدنام شود از سر   چوں نوبت وصل آید صد نام و لقب بیند

(دیدار اس واسطے ہونا چاہئے کہ آدمی کفر اور حرف انگیز باتیں دیکھے اور جان کی اس لیے ضرورت ہے کہ عیش و طرب دیکھے، کی ضرورت اس لیے ہے کہ شراب سے مست رہے اور قدم کی ضرورت اس لیے ہے کہ بار سے رنج اور تکلیف اٹھائے۔ عشق اس لیے ہونا چاہئے کہ آسمان کی جانب پرواز کرے اور عقل کی ضرورت علم و ادب حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اسرارِ عجائب سبب سے عاری ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے اسباب سمجھ میں نہیں آتے اور وہ آنکھ محجوب ہے جو صرف اسباب پر انحصار کرتی ہے۔ تقاضائے حج یہ ہے کہ میدانوں کی ریت میں شیر شتر سے ہم آہنگی پیدا کی جائے اور عرب کی لوٹ کھسوٹ کا مشاہدہ کیا جائے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ حاجی سنگِ اسود کو اس لیے بوسہ دیتا ہے کہ وہ شخص جس میں طلب کا جذبہ ہے سیکڑوں سونے کی کانیں دیکھے۔ محبوب کے نقد سخن میں باریکیاں

نہ پیدا کرو تا وقتیکہ لعل لب یار سے لذت لب بوسی حاصل نہ ہو جائے۔ عشق جو بڑی ہمت اور جرأت سے بدنامی کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ جب وصل یار کا وقت آتا ہے تو بڑے شدائد اور بدنامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے)

(شرح) ذاتِ بیچوں عقل و فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ سلوک عشق میں جو انوار مشاہدہ ہوتے ہیں وہ اس ذات بیچوں کے بت ہیں جن کے اسرار مشعر ذات ہیں)

اے محبوب! جب عاشق مقام وصال میں آتا ہے تو اس حضرت سے ہزاروں نام اور لقب پاتا ہے۔ یعنی معشوق حقیقی اور محبوب یقینی اس محبوب کے ناموں کو بدل ڈالتا ہے یہاں تک بعض کافر کہتے ہیں۔ بعض جاہل اور مقلد کہتے ہیں اور اسی طرح سیکڑوں طرح کے القاب پاتا ہے۔ یہ اہل وصال کے نوازشات ہیں۔ جب آپ کو ان ناموں اور القاب سے پکارا جائے تو سلامتی کی جہت سے ان ملامتی القاب سے اپنی خاطر عاطر میں فتور نہ آنے دیجئے بلکہ عیش کیجئے اور رقص کیجئے اور ذوق حاصل کیجئے کہ لیس بصادق فی حبہ من لم یتلذ ذ علی ضربہ (وہ عاشق صادق نہیں جو اس کی مار پر مزا نہ لے) یعنی اس کی محبت میں وہی سچا ہے جو زخموں سے لذت حاصل کرے۔ اور ناچ جائے اور کفر میں پیش دستی کرے۔ سالکان حضرت ربوبیت اور راہ روانِ عالم قدس الوہیت ایک مدت تک ایک گروہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور سلامتی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قالب کی عصمت شرط ہے اس سبب سے ایک مدت تک صبر کرتے ہیں۔ البتہ جب مقصود حاصل کر لیتے ہیں تو زنار داری اور آتش پرستی اور بت پرستی کو جان کے بدلے خریدتے ہیں اور ایک مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ جب آپ پہنچ جائیں گے تو کافری کو جان کے بدلہ خریدیں گے اور خود میں نے جان اور ایمان کے بدلہ خریدا ہے بلکہ آپ بھی یہی کریں جو آپ کے پیر نے کیا ہے۔

محمدؐ را چوں اول گفت کاے شاہدِ نو
چو دیدم روئے او آخر بدادم جان و ایماں را

کہہ چکا ہوں کہ کفر تین طرح پر ہے۔ کفر جمالی، کفر جلالی اور کفر الٰہی۔ میرے کفر کو دیکھو اور اٹھارویں مکتوب میں چوتھے کفر کے لیے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحر المعانی میں نہ سمایا تب بھی لکھوں گا۔ بحر المعانی کو مذکورہ کفروں کی برداشت نہیں ہے۔ دقایق المعانی میں شرح

کروں گا۔ لیکن جب انیسویں مکتوب میں اس مقام پر پہنچا تو عالم حال و احوال میں ایک شور برپا ہوا اس فقیر نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس شریعت کی بشریت کے ساتھ مشورت کو جس کا ذکر اٹھارویں مکتوب میں کر چکا ہوں تار تار کر دیا اور ظلمت کفر سے ایک چشمہ کہ کونین کی سفیدی تھا کھل گیا۔ انیسویں مکتوب میں بھی چاروں کفروں کا بیان کرنا پڑا۔ جانو کہ جب اخوانیت کا مقام پیدا کرو گے کہ المومن اخو المومن (مومن مومن کا بھائی ہے) اور وہ مومن کون ہے کہ جس کی اخوانیت تمہیں چاہئے المومن المھیمن ہے تب چاروں کفر تم کو قبول کر لیں گے اور چاروں کفر خود ہی تم کو چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد المومن اخوالمومن کی اخوانیت ہو جاؤ گے۔ بیچارے مولانا جلال الدین رومی کو ان کفروں کی خبر اور انکا اثر پہنچا تھا کہ اس مقام سے خود اپنے کو آگاہ کیا ہے۔

ہنوز از کافِ کفرت خود خبر نیست حقایقہائے ایماں را چہ دانی
(تو ابھی کفر کے کاف سے ہی واقف نہیں ہے اس جگہ کے حقایق تو کیا جانے)
(شرح) جو ان بتوں ہی سے واقف نہ ہو وہ حقایق کا ادراک کیسے کرے گا)

اے محبوب! معذور رکھو۔ شرحِ علمی بیان کرتا ہوں جو کسی ولی اور نبی نے تحریر نہ کی اور میرے یہ کلمات علمی ہیں کہ دو جہاں میں نہیں سماتے لیکن انھوں نے آپ کی ہمت سے کاغذ کے ٹکڑے پر جگہ پائی ہے۔ بعض لوگ ان کلمات تک نہ پہنچے اور بعض پہنچے لیکن ان کی فہم اتنی قاصر تھی اور بعض سمجھ گئے۔ پہنچے اور کچھ سمجھا لیکن اسی مقام پر ٹھہر گئے کہ یہی مقام ہے اور بعض نے سمجھنے کے بعد وحدت کے رنگ میں کوشش کی۔ خالص گستاخی کرتا ہوں لیکن گستاخی کا عذر بھی پیش کرتا ہوں۔ گستاخی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ جو کچھ میری زبان سے میرے قلم سے آتا ہے لکھتا ہوں۔ میری زبان میرے دل سے اقتباس کرتی ہے اور دل میری روح سے اقتباس کرتا ہے اور میری روح علی کرم اللہ وجہہ کی روح سے اقتباس کرتی ہے اور علی کی روح نبی علیہ السلام کی روح سے اقتباس کرتی ہے اور نبی علیہ السلام کی روح حضرت الوہیت جلت قدرتہٗ کے کلام بے حرف وصوت سے اقتباس کرتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی (۵۳/۳) (اور وہ

نہیں بولتا اپنی خواہش سے مگر جو اس پر وحی کیا جاتا ہے) پس اے محبوب ! جو نبی علیہ السلام کے اس مقام میں ہو اور خمخانہ محبوبیت سے احدیت کا قدح نقل احمدیت کے ساتھ چکھ چکا ہو اس کے لیے بھی یہی خطاب ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ یہی ہے کیوں کہ نبی علیہ السلام کے حق میں یہ خطاب جبرئیل کے ذریعہ ہوا اور درویش کو الہام کے ذریعہ۔ جو کچھ قلم میں جاتا ہے اس بے حرف و بے صوت علم سے ہوتا ہے اور قلم سے حرف وصوت کے نقوش قبول کرتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ تیس سال سے حق تعالیٰ سے سنتا ہوں تب بات زبان پر لاتا ہوں خلق سمجھتی ہے کہ خود کہتا ہوں۔ پس جب وہ کہتا ہے تو گستاخی کے کیا معنی ہوئے جیسے کلام الہ کے بارہ میں کافروں نے کہا کہ محمد کی نظم ہے کہ وہ خود کہتے ہیں فرمان ہوا وما علمناہ الشعر وما ینبغی له ان ھو الا ذکر و قرآن مبین (٦٩/٣٦) (اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کے شایاں ہے یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے) اے محبوب ! کوئی ایسا ہونا چاہئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت سمجھے اور بیان کرے۔ یہی تھا کہ حالتِ نزع میں حضرت رسالت علیہ السلام سے پوچھا گیا ما ترکت بیننا وما نحن اقتدینا بعدك فقال علیه السلام ترکت فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی (آپ نے ہمارے درمیان کیا چھوڑا جس کی ہم آپ کے بعد اقتداء کریں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑیں ایک کتاب اللہ، دوسرے میری عترت) محبوب ! عترتی سے مراد وہ لوگ ہیں جو کتاب کی حقیقت کو بیان کرنے والے ہیں۔ یعنی فرمایا اے آدمیوں اور پریوں عورتوں کے گروہ خدائے تعالیٰ کی کتاب تمہارے درمیان چھوڑتا ہوں اور اپنے فرزند جو خدا کی کتاب کی حقیقت بیان کرتے ہیں گو کہ میرے اصحاب نے نہیں کی۔ حضرت نبی علیہ السلام نور نبوت سے جانتے تھے کہ آپ ایسے فرزند رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو حقیقت کی رو سے اہل حقیقت پر مشرح واضح کریں گے اور سب کچھ بیان کر دیں گے۔ اسی سبب سے خواجۂ عالم علیہ السلام نے ان مقامات میں بعض کے بارہ میں مختصر بیان فرمایا اور اس اجمال کی تفصیل اسی عترت سے اچھی طرح سنو۔ جانو کہ ظاہری کفر عام طور پر سب پر روشن ہے یعنی جو کوئی شرع کی کسی

علامت کو رد کرے یا جھٹلائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہری کفر ہے لیکن دوسرا کفر جو نفسی ہے اور ابلیس سے تعلق رکھتا ہے یعنی نفس کو بت بنا لیتا ہے کہ النفس ھو الصنم الاکبر (نفس سب سے بڑا بت ہے) کیوں کہ نفس کے بت کو خدا بناتا ہے تو اس کی تعریف افرایت من اتخذ الھہٗ ھواہ (۴۳/۲۵) (کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے) ہو جاتی ہے۔ اے محبوب! ابراہیم علیہ السلام نے خود اور اپنے بیٹوں کے لیے اس کفر سے اجتناب کیا ہے واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (۳۵/۱۴) (مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا) پس اے محبوب! ابراہیم خلیل اور اسمٰعیل ذبیح کو بت پرستی سے کیا نسبت۔ لیکن مقام کفر سے نہ پہنچے ہوئے نفس نے اجتناب کیا ہے اور اہل ظواہر اس کفر میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ یہ اب بھی کون و مکاں میں ہوتا ہے لیکن وہ شخص جس نے کون و مکاں کے صحرا سے منہ پھیر لیا ہے پہلا مقام جو اس پر پیش کیا جاتا ہے ایسا مقام ہوتا ہے کہ جسے دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ صانع کا نقش ہے آپ پر بھی پیش ہوگا۔ لیکن ٹھہر نہ جانیے گا جب تک اس قوم سے نہ ہو جایئے کہ انما سلطانا علی الذین یتولونہ والذین ھم بہ مشرکون (۱۰۰/۱۶) (اس کا زور انھیں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسہ کے) سبب (خدا کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں)۔ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ لاکھوں سالک اس مقام پر پہنچے اور تصور کیا کہ یہی صانع ہے۔ پس اس مقام پر وکان من الکافرین (اور وہ کافروں میں سے ہو گیا) کی خلعت پہنی ہے۔ اس سبب سے کہ کفر کے مقامات اور کافرانِ حقیقی کے حالات نہ دیکھے تھے۔ تم نے مغ حقیقی کو نہ دیکھا ہوگا۔ مغ حقیقی ہو جاؤ، نور ہو جاؤ اور جو اعمالِ ظاہری کسب کر چکے ہو ان کو مغاں پر صدقے کر دو۔

بہر نامے کہ در اسلام بودم   بجملہ بر مغاں ایثار کردم
چو از کونین ہر دو دیدہ بستم   میانِ دیدہ خود دیدار کردم

جب تک کافر نہ ہو گے مُغِ حقیقی نہ ہو گے اور جب کفر پا جاؤ گے تو اس مقام میں ابلیس کو بھی دیکھو گے کہ تکبر کا تاج واستکبر وکان من الکافرین (۳۴/۲) (اور اس

نے غرور کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا) سر پر رکھے اور گردن میں انا خیر منه (میں اس سے بہتر ہوں) کا طوق ڈالے اور فبعزتك لاغوينهم اجمعين (۳۸/۸۲) (تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا) کا گرز ہاتھ میں پکڑے نامحرمان دارالجلال والجمال پر حملہ کر رہا ہے کہ ان کو وصال کے دروازہ سے ہنکا دے اور انفصال کے دروازہ پر پہنچا دے۔ امام اماماں خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کیسی شرح فرمائی ہے کہ ان نور ابليس من نار العزة كقوله تعالیٰ خلقتنی من نار ولو اظهر نورهٗ للحق يعبدونها (کہ ابلیس کا نور عزت کی آگ (نار) سے ہے جیسا اللہ نے فرمایا قرآن میں خلقتنی من نار (یعنی ابلیس نے کہا تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا) اور اگر وہ اپنا نور حق کے لیے ظاہر کر دے تو لوگ اس کی عبادت کریں) اگر ابلیس اپنا نور خلق کو دکھائے تو سب لوگ اس کے نور کو معبود اور خدا جان کر پوجیں۔ کیوں کہتے ہو کہ نہ پوجیں کیوں کہ یہ عتاب کن پر ہے۔ آفرأيت من اتخذ الٰهه هواه (۲۵/۴۳) (کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے) چونکہ اس کا نور نار عزت سے ہے ایسا ہو سکتا ہے اور ایک دوسرا نکتہ تھا جو اس شورش کی وجہ سے قلم میں نہ سمایا لیکن پھر کبھی لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مطالعہ سے اس نکتہ کا بھی کشف ہو گا۔ کفر قلبی جس کی نسبت محمد علیہ السلام سے ہے یہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیسی شرح کی ہے کہ وہ نور محمد من نور العزة ولو اظهر نوره فسجد الخلايق كلهم (نور محمدؐ عزت کے نور سے ہے اور اگر آپؐ اپنا نور ظاہر کر دیتے تو لوگ آپ کی پرستش کرنے لگتے) (سجدہ کرتے) ایک دن شام کے وقت صبح طریقت سے آفتاب حقیقت ناگاہ حجرۂ عائشہؓ میں طلوع ہوا اور اندر آیا لیکن عائشہؓ اپنی چادر عفت میں پیوند لگا رہی تھیں۔ ناگاہ دست مبارک سے سوئی گر پڑی۔ چراغ نہ تھا کہ سوئی ڈھونڈتیں۔ عائشہؓ کی غیرت بول اٹھی کہ یارسول اللہؐ یہ کیا ہے کہ ہم کو دنیا سے چراغ کا تیل بھی نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا یعنی حضرت رسالت علیہ السلام مسکرائے کہ ابھی تک عائشہ نے وہ آنکھ نہ پائی کہ میرے آفتاب سے دیکھے کہ میں آسمان حقیقت کا آفتاب ہوں اور آفتاب کے گھر چراغ کی کیا روشنی ہو گی۔ حضرت

رسالت علیہ السلام کے تبسم سے ایک نور نکل کر عرش تک پہنچا اور عرش سے بھی آگے نکل گیا۔ ملائکہ نے جب وہ نور دیکھا سب نے سجدہ کیا۔ حضرت لایزالی کی غیرت نے ملائکہ کو ندا کی کہ اے ملائکہ کس کو سجدہ کیا۔ ملائکہ نے کہا تیرے نور کو سجدہ کیا۔ فرمان ہوا کہ (وہ) نور میرے حبیب کے دانتوں کا تھا۔ ملائکہ نے کہا الحمدللہ رب العلمین ہم اتنے ہزار سال سے مشکل میں تھے کہ آدمؑ کی جبیں میں کیسا نور تھا جو ہم نے دیکھا تھا اور سجدہ میں پیشانیاں رگڑی تھیں آج حل ہوا کہ یہی نور تھا جو دیکھا تھا اور سجدہ میں مبتلا ہوئے تھے اگر کوئی حضرت رسالت علیہ السلام کا نور دیکھے اور سجدہ کرے کافر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ من رآنی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا تحقیق اس نے میرے رب کو دیکھا) پھر کافر کیسے ہوگا۔ جب ان تین مقام سے ترقی کروگے اور چوتھے کفر جس کو کفر روحی کہتے ہیں جس کا تعلق حقیقت سے ہے تم پر تجلی کرے گا۔ تو اس مقام میں ان تین مذکورہ مقامات کو اپنے آپ میں شرک وکفر دیکھوگے خجل اور شرمسار نہ ہوگے اس کے بعد ان تینوں مقامات کی حد میں جس کسی کو ٹھہرا ہوا پاؤگے تم کو کفر نظر آئے گا اور ان کو کافر جانوگے کہ حسنات الابرار سیئآت المقربین و حسنات المقربین سیئآت العاشقین و حسنات العاشقین سیئآت الواصلین (نیکوں (ابرار) کی خوبیاں مقربین کی برائیاں ہیں اور مقربین کی خوبیاں عاشقوں کی برائیاں ہیں، عاشقوں کی نیکیاں واصلین کی برائیاں ہیں) اس کے بعد یہ تینوں مقامات ایک ہوکر تم توحید وایمان کا آغاز کروگے اور تجلی الف واحدی تم پر متجلی ہوگی اور الف واحدی انی وجھت وجھی للذی (۶/۷۹) کی اِنّی کا الف ہے۔ چنانچہ اے محبوب! حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک ان تین کفروں سے نہ گزرے الفِ واحدی تک جو اِنّی کا الف ہے نہ پہنچے۔ اچھی طرح غور کرو۔ قال اللہ تعالیٰ و کذلك نری ابراھیم ملکوت السموات والارض (۶/۷۵) (اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے) اس مقام ملکوت میں ابراہیم علیہ السلام نے کیا دیکھا فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی (۶/۷۶) (جب رات نے ان کو تاریکی سے ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارہ نظر پڑا۔ کہنے

لگے یہ میرا رب ہے) یعنی جب ابراہیم علیہ السلام سلوک میں تھے اور ترقی کی۔ ناگاہ ستارۂ روح کو جو انھیں میں مقیم تھا اپنے قالب کی ظلمت شب میں دیکھا کہا ھذا ربی (یہ میرا رب ہے) اے محبوب! الروح روحان روح مقیم و روح جار (روحیں دو ہیں ایک روح مقیم دوسری روح جاری) یعنی دوست کی روح۔ لیکن جو ہر روح مقیم قائم ہے روح جاری کے ساتھ اور روح مقیم مخلوق ہے اور روح جاری مقیم نہیں ہے یہ روح جاری وہ ہے کہ جس کی شرح مکتوب روح میں کر چکا ہوں کہ الروح لایدخل تحت ظل کن (روح کن کے سایہ کے نیچے نہیں داخل ہوتی) اس سے روح جاری مراد ہے نہ روح مقیم۔ علمائے ظاہر کے وارد کرنے کو اس مکتوب میں ختم کر دیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قالب کی ظلمت میں ترقی سلوک میں ستارۂ روح کو اپنے میں مقیم مشاہدہ کیا کہ فلما جن علیه اللیل رأیٰ کوکباً (جب رات نے ان کو تاریکی سے ڈھانپ لیا تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا) کہا ھذا ربی (یہ میرا رب ہے) کعب احبارؓ کہتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے اور اس فقیر نے بھی توریت میں پڑھا ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ان روح المومنین من نور جمال الله و ان روح الکافرین من نور جلال الله (مومنین کی روح اللہ کے جمال کے نور سے اور کفار کی روح اللہ کے جلال کے نور سے ہے) جو کوئی اللہ کے جمال کا نور دیکھتا ہے کہ روح کا اظہار اسی سے ہے۔ وہ محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام کے نور نے روح مقیم کے نور کو اپنے میں دیکھا یعنی جمالِ دوست کا نور دیکھا تو کہا ھذا ربی (یہ میرا رب ہے) جب سلوک میں کفر ظاہر یعنی روح مقیم سے ترقی کی فلما رأی القمر بازغا قال ھذا ربی (۶/۷۷) (پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا ھذا ربّی (یہ میرا رب ہے) یعنی جلال الوہیت کے نور کو دیکھا اور کہا ھذا ربّی (یہ میرا رب ہے) اے محبوب جانو کہ ایک دن ابلیس کی حضرت کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ہوئی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے اس سے پوچھا کہ اے ابلیس تیری خلقت کاہے سے ہے ابلیس علیہ اللعنۃ نے کہا انا من نور جلال الله و الکافرون من نوری (میں اللہ کے جلال کے نور سے ہوں اور کفار میرے نور سے ہیں)۔ امیر مومناں علی کرم اللہ وجہہ حضرت رسالت صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آج ابلیس نے مجھ سے ایسا کہا۔ انا من نور جلال اللہ والکافرون من نوری (میں اللہ کے جلال کے نور سے ہوں اور کفار میرے نور سے ہیں) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن عمی انا من نور جمال اللہ وجلالہ وابلیس من نور جلالی والکافرون من نورہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے چچا کے بیٹے۔ میں اللہ کے جمال وجلال کے نور سے ہوں اور ابلیس میرے جلال کے نور سے ہے اور کفار اس کے نور سے ہیں)۔

فقال الحسن بصری رضی اللہ عنہ ابلیس کان من الجن دون الملائکة کما قال اللہ تعالیٰ الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربی (۱۸/۵۰)

(حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ابلیس جنوں میں سے تھا ملائکہ سے نہ تھا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابلیس جنوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے رب کے حکم سے علیحدگی اختیار کی) پس اے محبوب! خواجہ حسن بصری کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ سے نہ تھا اور اس آیت۔ سے تمسک کرتے ہیں لیکن ابلیس کان ملکاً واسمہٗ عزازیل ذل علیہ الامر بالسجود فکان لملائکة (ابلیس ایک فرشتہ تھا اس کا نام عزازیل تھا)

اگر وہ فرشتہ نہ ہوتا تو اس کا دخل امر کے تحت نہ ہوتا لیکن اس فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ ابلیس نے کہا خلقتنی من نار (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا) پس اے محبوب میں نے کلام مجید میں نار کو نور کے معنی میں پایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں انی آنست ناراً ای نوراً (میں نے آگ دیکھی (نار) یعنی نور) یعنی موسیٰ علیہ السلام کو نور کی طلب تھی اور نور دیکھا تھا جب ان کی اہلیہ پر خنکی چھائی اس نور کو عبارتاً نار کہا نار میں دونوں مرکب ہیں نار بھی اور نور بھی۔ یعنی اس میں نور کا بھی فیضان ہے اور نار کا بھی۔ کیوں کہ اس میں جو حرقت ہے وہ ناریت ہے۔ پس خنکی سے گرم ہونے کے لیے نار کہا لیکن (اس سے) مراد نور ہے اور ابلیس بھی مقام سجود میں۔ سجود بھی عبارتاً کہا کہ خلقتنی من نار (مجھے تو نے پیدا کیا آگ سے) یعنی ابلیس میں قالب کی غیرت سے حرارت آئی تھی۔ اس سبب سے کہ اس کے اندر سجدہ درست ہو۔ اس غیرت میں حرقت کی صفت فیضان کے وصف سے قالب

ہوگئی تھی ورنہ محال ہے۔ اس نے کہا خلقتنی من نار۔ لیکن مراد نور رکھتا تھا کیوں کہ علی کرم اللہ وجہہ سے کہا انا من نور جلال اللہ (میں اللہ کے جلال کے نور سے ہوں) کما قال علیہ السلام یا ابن عمی انا من نور جمال اللہ و جلالہ و ابلیس من نور جلالی (جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے ابن عم (چچا کے بیٹے) میں اللہ کے جمال و جلال کے نور سے ہوں اور ابلیس میرے جلال کے نور سے ہے) پس نار عبارتاً کہا کہ خلقتنی من نار ای نور (تو نے مجھے نار سے پیدا کیا یعنی نور سے) جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا انی آنست ناراً۔ اچھی طرح غور کرو کہ بحر المعانی میں قلم بے حرف وصوت مستغرق ہوا ہے یا سیاہی سے سفیدی میں بدحواس ہوا ہے اور علمناہ من لدنا علماً (۶۵ / ۱۸) (اور ہم نے انھیں علم لدنی سکھایا) لاتا ہے اور قلم کی صفت میں کہتا ہے یعنی اپنی نعمت کا ظہور آپ پر کنایتاً ہے اور اپنے نکات اسرار کا اظہار رموز کے طریقہ پر کرتا ہے۔

گفت الہام کہ بر محمود شیخن کن عطا — تا کند تقریرِ مستی از منِ دیوانہ را
چوں محمدؐ گشت مست از جامِ وحدت از خدا — مست گرداند ازاں مئے زمرۂ ابرار را

(مجھے بہ طور الہام یہ حکم ہوا کہ محمود شیخن پر عطا و فیضان کرو تا کہ وہ اس عطا و فیضان کی بدولت مجھ سے دیوانہ وار مستانہ تقریر کرے (یعنی حقایق و معارف بیان کرے) جب محمدؐ خدا کے جام وحدت (نوش کرنے) سے مست ہوگیا تو وہ اس مئے کی مستی سے گروہ ابرار کو مست کردے گا)

اے محبوب! جب ابراہیم علیہ السلام نے ماہتاب کا نور جو غروب آفتاب پر طلوع ہوا دیکھا تو کہا ھذا ربی (یہ میرا رب ہے) پھر اس سے بھی درگذشت کی اور ترقی کی۔ ناگاہ صبح سعادت محمدیؐ اور نور جلال احدی چمکا فلما رأی الشمس بازغة قال ھذا ربی ھذا اکبر (۶/۷۸) (جب انھوں نے سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے) قالب کی ظلمت میں سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم (۴۱/۵۳) ای فی ذاتھم (عنقریب ہم ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے انفس میں یعنی ان کی ذات میں) یعنی ستارہ روح مقیم نور ماہتاب میں کہ نور جلال ہے

رات کو اپنے سے کہتا تھا کہ سلطنت اپنی ہے اور اپنے لیے ہے ۔

شب چو شد خورشید غائب اختراں لافے زنند　　زہرہ گوید آنِ من و آں ماہ گوید آنِ من
آفتاب از سوئے مشرق صبحدم لشکر کشد　　گوید ایں دزداں کجا رفتند اینک آنِ من

(رات جیسے ہی سورج ڈوبا ستاروں نے لنترانیاں شروع کر دیں زہرہ کہتا میں ہوں چاند کہتا میں ہوں پھر جیسے ہی آفتاب صبح کے وقت مشرق سے طلوع ہوا تو کہا یہ سب کدھر چلے گئے میں ہی تو ہوں)

ابراہیم علیہ السلام نے نورِ آفتاب جو نور احمدؐ ہے اور آدمیوں کی روح جاری ہے اس عالم میں آفتاب ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انا من نور جمال اللہ و جلالہ (میں اللہ کے جمال اور جلال کے نور سے ہوں) اور دوسرا رمز بھی ظاہر فرمایا کہ من رآنی فقد رایٰ ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) اچھی طرح غور کرو نور جلال و جمال آفتاب میں ہے کہ فلما رأی الشمس بازغة قال ھذا ربی ھذا اکبر (جب انھوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے) یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قالب میں نور احمدی کو دیکھا تو کہا ھذا ربی ھذا اکبر (یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے) خواجہ علیہ السلام نے دوسرا رمز بھی ظاہر فرمایا کہ انا اکبر فی مقام کبریاء اللہ تعالی (اللہ تعالیٰ کے مقم کبریائی میں سب سے بڑا ہوں) ھذا اکبر یہ ہے پس اے محبوب حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے دونوں نوروں کی قسم کھائی ہے والشمس وضحھا والقمر اذا تلھا (۹۱/۲) (سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے) یعنی ان دونوں نوروں کی قسم کھاتا ہے والشمس وَضحھا روئے روشن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے جو نورِ جمال ہے اور والقمر اذا تلھا نصیب شب ہے اور وہ موئے شور انگیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو حضرت عزت کا نور جلال و جمال ہے ایک مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ ابلیس نے محمد رسول اللہ کی زلف کی سیاہی کی خلعت اختیار کی ہے لیکن ان کلمات کو اس مکتوب میں مکمل کرتا ہوں لیکن اب بھی باقی رکھتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں بخوبی مکمل ہوگا۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے الف احمدیؐ کے دائرہ سے جو فلما رای الشمس بازغة قال ھذا ربی ھذا اکبر (جب انھوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے) ہے۔ تجلّی الف واحدی کو بھی دائرۂ الف احمدی میں دیکھا جس سے حضرت رسالت علیہ السلام نے بھی کنفس واحدة (ایک نفس کی طرح ہے) سے رمز فرمایا ہے کہ من رآنی فقد رایٰ ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) اور وہ الف واحدی کا دائرہ انی وجھت کا الف ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے چاروں کفر دیکھے تو سب نے ان کو توحید کی یگانگی کی طرف کھینچا اور وہ ان چاروں سے گزر گئے تو کہا انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین (۶/۷۹) (میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں کہ وما انا من المشرکین (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) جب تم بھی اس مقام پر پہنچو گے تو تم پر بھی انی وجّھت وجھی کی توحید واجب ہو جائے گی اور کفر کے مذکورہ مقامات سے بیزاری اس راہ میں فرض ہو گی کہ وما انا من المشرکین، لیکن آج جو توجہ رکھتے ہو وہ توجہ نہیں ہے۔ مجھے معذور رکھو کہ اے محبوب اُس عالم میں ان دونوروں میں سے ایک کا نام دن ہے جس کو والشمس وضحھا (سورج اور اس کی روشنی کی قسم) لکھا گیا اور دوسرے نور کا نام رات ہے جو والقمر اذا تلھا (اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے نکلے) ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اور بالوں کا نور ہے لیکن اس عالم میں نہ دن ہے نہ رات کہ لیس عندالله صباح ولامساء (اللہ کے پاس نہ صبح ہے اور نہ شام) اس رات دن سے مسافت مراد ہے کہ چہرۂ محمدی کے جمال کی سفیدی جو والشمس وضحھا ہے سے موئے محمدؐ کے جمال کی سیاہی تک جو والقمر اذا تلھا ہے اتنی مسافت ہے جتنی عرش سے فرش تک ہے۔

ہر کہ زلفش دید کافر شد بہ حکم ہر کہ رویش دید ایماں بازیافت

(جس نے اس کی زلف دیکھی وہ حکماً کافر ہوا (اور) جس نے اس کا چہرہ دیکھا اس نے دوبارہ ایمان حاصل کیا)

اس رات دن سے مسافت کی دوری مراد ہے ان اشعار میں غور کرو۔

از نور بہ نور منزلے بس دور است   کیں نور ز ظلمت است و آن نور است
توحید و یگانگی بروں از نور است   آں کس کہ نہ داند ایں سخن معذور است

(ایک نور سے دوسرے نور تک کافی فاصلہ ہے کیوں کہ یہ نور ہماری ظلمت سے وجود میں آیا ہے اور وہ نور ہے۔ توحید اور یکتائی نور سے باہر ہے اور جو شخص یہ نہیں جانتا وہ اس بات سے معذور ہے)

(شرح) نورِ جمال اور نورِ جلال میں اتنی مسافت ہے جتنی عرش سے ثریٰ تک ہے اور توحید و یگانگی ذات میں ہونے کے باعث ان انوار سے بھی پرے ہے)

یہ نور جو بیان کیے گئے سب عالم نور ہیں جو عالم کفر و شرک ہو گئے ہیں اور حضرت رسالت علیہ السلام نے بھی الف واحدی کے دائرے کے نور میں جو انی و جهت ہے غوطہ کھایا اور خمخانۂ خاص صمدی سے نقلِ احمدیؐ کے ساتھ شراب نوش فرمائی اس کے بعد ان نوروں سے الگ ہو کر استعانت طلب کی اور فرمایا اللھم انی اعوذ بك من ان اشرك الخفی (اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے شرکِ خفی سے) اس سبب سے کہ اپنے حق میں خطاب دیکھا کہ لئن اشرکت لیحبطن عملك (۳۹/۶۵) (اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے) اے محبوب! بیچارے اہل ظواہر جو مقرب ہونے کے دعویدار ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے معنی کس جگہ (صحیح) بیان کیے ہیں۔ پھر وہ مفسرین کے بادشاہ جنھوں نے اپنا نام عبد اللہؓ ابن عباسؓ رکھا کہتے ہیں کہ میں ایک رات شاہِ مرداں علی کرم اللہ وجہہ کے حجرہ میں تھا۔ حرف بسم اللہ کے معنی بیان فرماتے تھے رات ختم ہو گئی حرف باء کے معنی پورے نہ ہوئے اور میں علی کرم اللہ وجہہ کے بیان معنی کے دریا میں پانی کی چھاگل کے مثل تھا۔ چھاگل میں کتنا پانی سما سکتا ہے شاہ مفسراں عبد اللہؓ ابن عباسؓ کا یہ حال تھا۔ اہل ظواہر نے بیچارے زمخشری کو امام مفسراں بنایا ہے۔ واللہ زمخشری کو

کلام ربانی کے معانی کی بو بھی نہ ملی لیکن وہ لفاظ تھا اور کہنے میں ظاہری سعی وکوشش کرتا تھا۔ اس کی بات باطن کا مطلق اثر نہیں رکھتی اور وہ خود معانی کی حقیقت سے اتنا دور تھا جیسے کعبہ سے کتا۔ اس فقیر اور اس کے کلمات کو چھپائے رکھنا کیوں کہ ایک مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ جو مقام اس فقیر کو عطا ہوا ہے اس کی شرط مستوری (پوشیدگی) ہے۔ نامحرموں اور نااہلوں سے ایسے چھپاؤ جیسے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے اہل ظواہر سے چھپایا کہ ان کو وہ نہ سمجھے جو وہ تھے اور کہا مالِ ھذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق (۷/۲۵) (یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) نابینوں پر افسوس ہے ان کے حق میں یہ تراھم ینظرون الیك وھم لا یبصرون (۱۹۸/۷) (تم انھیں دیکھتے ہو کہ (بظاہر آنکھیں کھولے) وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقتاً وہ کچھ نہیں دیکھتے) میں ترانوے سال سے چھپا ہوا تھا ناگاہ آپ کی پریشانی زلف نے میرے حال کی پیشانی کا دروازہ کھٹکھٹایا پریشان کر دیا اور قال میں لے آئی۔

ہاں اے صبا سلامم از ما نگار مارا   زلفت چہ تاب دارد آشفتہ کار مارا
درخطِ خود فروخواں عنوانِ حسن خود را   در زلف خود طلب کن دلہائے زار مارا
بارے شبے فرستی با ما خیالِ خود را   تا در غمت بہ بیند پُر خوں کنارِ مارا
اندر ہوائے زلفت در حالِ خویش بنگر   وانکہ قیاس می کن صبر وقرار مارا
در بزمِ اشتیاقش سودائے جام لعلت   ہر لحظہ می فزاید در سر خمار مارا
جز دست دل نہ گیرد زلف حبیب مارا   جز چشمِ جاں نہ بیند رخسارِ یار مارا
بوسد زمیں سحر گہ گوید محمدؐ ایں باز   ہاں اے صبا سلامے از ما نگار مارا

(اے صبا میرے محبوب تک میرا سلام پہنچا دے اور اسے بتا دے کہ تیری زلف کی تاب وچمک نے ہم کو آشفتہ کار بنا دیا ہے۔ اپنے خط وخال میں اپنے حسن کا عنوان پیش کر اور ہمارے دلہائے زار کو اپنی زلف میں پھانس لے۔ یعنی ہم تیری زلف کے گرفتار رہنا چاہتے ہیں۔ ایک رات ذرا اپنے خیال کو ہمارے ساتھ کر دے تاکہ وہ دیکھے کہ تیری محبت میں ہمارا دامن خون آلودہ ہے یعنی ہم تیرے فراق میں خون کے آنسو روتے ہیں۔ ذرا

اپنی زلف کے تقاضوں پر غور کر پھر ہمارے صبر و قرار کا اندازہ لگا۔ اس کی بزم اشتیاق میں تیرے لب لعلیں کے جام کے حاصل کرنے کا سودا ہر لحظہ ہمارے سر میں نشہ کا اضافہ کر رہا ہے۔ ہمارے حبیبؒ کی زلف صرف ہمارا دست دل پکڑ سکتی ہے اور رخسار یار کو صرف ہماری چشم جاں دیکھ سکتی ہے۔ محمدؔ صبح کے وقت بار بار زمین کو چومتا ہے اور کہتا ہے کہ اے صبا ہمارے محبوب کو ہمارا اسلام پہنچا دے)

(تشریح) اپنی روح سے مخاطب ہیں جو در حقیقت اس کی روح ہے اور اس کے تقاضے حقیقت میں فنا ہونے کے لیے سرگرداں ہیں۔)

فقط

بیسواں مکتوب

(اسرارِ قرآن کے بیان میں)

به دریائے در افتادم که پایانش نمی بینم　　به دردے مبتلا گشتم که درمانش نمی بینم
دریں دریا یکے دُر است من مشتاق آن بودم　　ولیکن کو که در جوید که فرمانش نمی بینم

(میں ایک ایسے سمندر میں گر پڑا ہوں جس کا کوئی اور چھور نہیں اور ایسے درد میں مبتلا ہو گیا ہوں جس کا مجھے کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ اس سمندر میں ایک موتی ہے جس کا میں مشتاق تھا لیکن مجھے اس کے ڈھونڈنے کا حکم دینے والا کہاں ہے)

(شرح) میں عشق کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہوں لیکن حقیقت کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ حقیقت کو حقیقت ہی پائے ہوئے ہے اور اس کو تلاش کی ضرورت نہیں ہے)

کما قال علیه السلام سدو السفینة فان البحر عمیق، یعنی اے محبوب! خواجۂ عالم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنے دل کی کشتی کو مضبوط بناؤ کہ قرآن کا دریا غرقاب ہے کہ القرآن بحر عمیق و الاکثر فیه غریق کما قال اللہ تعالیٰ یضل به کثیراً و یهدی به کثیراً (۲/۲۶) (قرآن ایک اتھاہ سمندر ہے اور اس میں اکثر لوگ غرق ہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے) یہ آیت کلام اللہ شریف کی جانب بھی عاید ہے اور رسالت علیہ السلام کی طرف بھی۔ جیسے کہ اے محبوب! قرآن تیرے لیے اترا ہے اگر پتھروں پر اترتا تو واللہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ کے خوف سے پگھل کر پانی ہو جاتے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لو انزلنا هذا القرآن علیٰ جبل لرأیته خاشعاً متصدعاً من خشیة الله (۲۱/۵۹)

(اگر یہ قرآن ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور

پھٹا جاتا ہے) اے محبوب! اگر قرآن عزت کے نقاب کو اپنے جمال سے اٹھالے اور معانی کے چہرہ سے برقعِ عظمت ہٹا لے تو سارے لقاء اللہ کے فراق کے مارے شفایاب ہو جائیں اور ساری مصیبتوں سے نجات پا جائیں۔ جیسا خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ القرآن ھو الدواء (قرآن دوا ہے) یعنی قرآن طالب کو کھینچ کر مطلوب تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حرفوں کے لباس میں اس عالم میں بھیجا اور ہر حرف میں لاکھوں غمزے پنہاں کیے۔ انھیں غمزوں سے اس کی آرائش ہے وذکّر فان الذکری تنفع المومنین (۵۱/۵۵) (اور (ذکر) نصیحت کرتے رہو کیوں کہ نصیحت مومنینَ کو نفع دیتی ہے) یعنی حضرت عزت جلت قدرتہٗ حبیب اللہ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے محمدؐ تم رسالت کا دام (جال) بچھاؤ۔ دعوت دو خلق کے لیے دام میں دانہ ڈالو۔ جو ہمارا شکار ہے تمہارے دام میں آئے گا اور بیگانوں کی خود ہمیں طمع نہیں۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون (۲/۶) (جن لوگوں نے کفر کیا تم ان کو نصیحت کرو یا نہ کرو (ڈراؤ یہ نہ ڈراؤ) ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے) جو بھی ہوگا اور جو ہوگا ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (۶/۵۹) (کوئی خشک وترا یسا نہیں جو کتاب مبین میں نہیں ہے) قرآن ہے۔ لیکن اے محبوب! ظاہر ڈھونڈھنے والے مفسر کیا جانیں اور کیسے جانیں۔ قرآن ہزار حجابوں میں ہے اور اہل ظواہر محروم رہتے ہیں اور اگر پردہ کے اندر اہل ظواہر کا دخل ہوتا تو ان پر اس فقیر کے قلم سے نکلے ہوئے معانی کا راز جلوہ گر ہوتا تا کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون (۱۵/۹) (بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں) یعنی دوستوں کے لیے قرآن لم یزل ہے اور اے محبوب! بیگانوں کو سوائے حروف وکلمات ظاہری کے کچھ نصیب نہیں یعنی ظاہر میں سنا باطن کا ادراک ہی نہ ہوا انھم عن السمع لمعزولون (۲۶/۲۱۲) (سماعت سے معزول ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم (۸/۲۳) (اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا) کیا کہتے ہو۔ کیا ابولہب اور ابوجہل قرآن نہ جانتے تھے اور نہ سنتے تھے۔ جانتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے

لیکن صرف عربی کے حروف اور ظاہری معنی جو قصوں اور حکایتوں میں پہلے سن چکے تھے اور سمجھتے نہ تھے۔ وہ بھی عن السمع لمعزولون (سماعت سے معزول ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا ولو علم اللہ فیھم خیراً لا سمعھم (۸/۲۳) (اگر اللہ تعالیٰ ان کی ذات میں کوئی بھلائی دیکھتا تو انھیں سنواتا) اسی وجہ سے کہتے تھے ان ھذٰ اِلّا ھذا اساطیر الاولین (یہ سب پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں) لیکن قرآن کی حقیقت سے اندھے تھے کہ ان کی تعریف یہ آئی کہ صمّ بکم عمی فھم لا یرجعون (۲/۱۸) (بہرے گونگے اور اندھے ہیں کہ کسی طرح سیدھے راستہ کی طرف لوٹ ہی نہیں سکتے) یہ تعریف صرف مجرد کافروں کی نہیں ہے یعنی جو کوئی قرآن کی حقیقت سے غافل ہوتا ہے اور نہیں پہنچتا گو کہ خود کو اہل ایمان کہتا ہو اور حقیقت سے محروم رہتا ہو صم بکم عمی اس کی تعریف آئی ہے۔ پس اے محبوب! قرآن مشترک الدلالت واللفظ ہے کیوں کہ ایک وقت قرآن کے الفاظ پر قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ اس سے قرآن کے حروف وکلمات مقصود ہوتے ہیں اور یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے۔ اس مقام کے لیے کہا ہے کہ کافر قرآن سنتے ہیں کہ وان احد من المشرکین استجارك فاجره حتّی یسمع کلام اللہ (۹/۶) (اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سننے لگے) لیکن اے محبوب! حقیقت وہ ہے کہ جب لفظ پر قرآن کا اطلاق کریں تو حقیقتِ قرآن مراد ہو اور یہ اطلاقِ حقیقی ہوتا ہے۔ اس مقام کے لیے کہا ہے کہ کافر نہیں سنتے کہ وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنة ان یفقھوہ وفی آذانھم وقراً (۶/۲۵) (اور ہم نے ان کے دلوں پر توپردے ڈال دیئے ہیں کہ ان کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے کہ ان کو سن نہ سکیں) اور اہل ظواہر جو ظاہری معنی ڈھونڈتے اور بیان کرتے ہیں۔ پس اے محبوب! ان کی تعریف بھی یہی ہے ابولہب نے تبت یدا أبی لھب (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں) سے دوسری بات سنی اور سمجھی اور ابوجہل نے قل یا ایھا الکافرون (کہو اے کافرو!) سے دوسری بات سنی اور سمجھی لیکن ابوبکرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تبت اور قل یا ایھا الکافرون سے قرآن کی حقیقت مشاہدہ کی۔ پس اے محبوب! نادان بچہ اسد (شیر) اور مار (سانپ) کے الفاظ سے صرف

حروف جانتا ہے اور ان کے مجموعہ کو دیکھتا ہے لیکن ان کے معنی سے محروم ہے لیکن عاقل معنی کو جو ان الفاظ کی حقیقت میں پایا جاتا ہے اور دیکھتا ہے وجعلنا من بین ایدیھم سداً ومن خلفھم سداً فاغشیناھم فھم لا یبصرون (۳۶/۹) (اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے ایک دیوار بنادی ہے پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے) اور دوسری جگہ فرمایا واذا قرأت القرآن جعلنا بینك وبین الذین لا یومنون بالآخرة حجاباً مستوراً (۱۷/۴۵) (اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں) یعنی یہ خطاب اہل ظواہر کو ظاہر ہوا اور بیگانوں کو بیگانگی کی وجہ سے جمال حقیقت کا مشاہدہ نہیں کرنے دیتا۔ اسی جگہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا لیس فی القرآن ذکر الاعداء ولا خطاب معھم، بیگانوں کا نام قرآن میں نہیں ہے اور نہ ان سے خطاب ہے لیکن اے محبوب! ان کے نام کا ذکر قرآن میں ہے تاکہ دوست سمجھیں کہ ان پر کتنا لطف ہے کیوں کہ ابو جہل اور فرعون اور ہامان اور قارون سوائے عبرت کے قرآن میں کیا فائدہ دیتے ہیں۔ اب جانو کہ اہل حقیقت کی راہ میں حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اھل القرآن اھل اللہ (اہل قرآن اہل اللہ ہیں) قاری مجرد قرأت سے اور مفسر مجرد تفسیر ظاہری سے اس حدیث کو اپنی شان میں سمجھتے ہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے وہ نہیں پہنچتے۔ اہل القرآن اہل اللہ حقیقت جاننے والے اور قرآن کی حقیقت مشاہدہ کرنے والے ہیں۔ ٹھہر و محبوب تاکہ تم بھی ان اہل اللہ سے ہو جاؤ اور قرآن کا جمال بغیر حروف کے پردہ کے تم پر جلوہ گر ہو اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت کی تجلی وعلمناہ من لدنا علماً (۱۸/۶۵) (اور ہم نے اس کو علم لدنی سکھایا) تم پر ہو۔ اس وقت جانو گے کہ سارا کلام ربانی اہل اسلام کی مشاطگی سے نبی علیہ السلام کی آرائش کے لیے ہے۔ مقصود یہ کہ اے محبوب! اہل اللہ ایسے مقام میں ہیں کہ سارے قرآن کو بسم اللہ کی ''ب'' کے نقطہ میں دیکھتے ہیں۔ جیسے اے محبوب! اگر زبان سے للہ ما فی السموات وما فی الارض (۲/۲۸۴) (اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) کہا تو یہ آیت مشاہدہ ہو یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کہہ

اٹھے یعنی یہ آیات اپنے جمال سے نقاب عزت اٹھا دے اور تم اس آیت کے جمال کے محرم ہو جاؤ۔ یعنی جس لمحہ لله مافی السموات ومافی الارض پڑھو اسی لمحہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس کا مشاہدہ کرو اور ہر ایک ہستی کو جانو جس سے وہ مسمیٰ ہے۔ اگر ہر ہر موجود کا منفرد نام لو گے تو زمانہ دراز درکار ہو گا۔ لہٰذا صرف لله مافی السموات ومافی الارض کہنا کافی ہے اور ترقی کے بعد سب کو مشاہدہ کرو گے اور اس وقت خود کو وکان الله بکل شیء محیطا (۴/۱۲۶) (اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے) کے دائرہ میں پاؤ گے۔ جب وہ محیط ہو گا تو اپنے آپ کو ب کے نیچے کا نقطہ دیکھو گے۔ اس وقت تم باءِ بسم اللہ کی جلالت دیکھو گے کہ محرمانِ درگاہ اور قربیانِ بارگاہ کو یہ بسم کیا دیتا ہے پس اے محبوب! جو کچھ باء کے نقطہ میں مشاہدہ کرو گے پھر بھی نامحرم رہو گے۔ پھر جب سین اور میم کا جمال دیکھو گے تو جانو گے کہ قرآن کیا ہے اور قرآن کا جاننے والا کون ہے تب اہل اللہ ہو گے اور محرم ہو جاؤ گے۔ اس وقت تک سوائے سیاہ حروف اور کاغذ کی سفیدی کے کچھ نہیں دیکھتے جب اس میں وجود کی صورت میں ہو گے تو سوائے سفیدی اور سیاہی کے کچھ نہ دیکھ پاؤ گے۔ جب وجود سے بھی نکل آؤ گے (تو) اس کے بعد اللہ کا کلام تمہارے وجود کو خود در خود محو کر دے گا۔ تب تم کو محو سے اثبات پر پہنچائے گا کہ یمحو الله مایشاء ویثبت (۱۳/۳۹) (اللہ جس کو چاہتا ہے محو کرتا اور ثابت رکھتا ہے) اس کے بعد مطلق سیاہی نہ دیکھو گے یعنی بیاض ہی بیاض۔ یعنی ساری تشبیہات تمہاری نظر میں حسین دکھائی دیں گے۔

ہر آں نقشے کہ بر صحرا نہادیم تو زیبا بیں کہ ما زیبا نہادیم

(جو بھی نقش ہم نے صحرا میں رکھا ہے تو اسے زیبا پائے گا کیوں کہ ہم نے اسے زیبا بنایا ہے)

(شرح) کائنات کا ہر نقش کسی صفت کا مظہر ہے اور اس کی ہر صفت زیبا ہے)

اور جب بیاض دیکھو گے تو کہہ اٹھو گے کہ ام الکتاب کا وعدہ پورا ہوا۔ حضرت الوہیت جلت قدرتہٗ نے قرآن کو ہزاروں حجابات کے ساتھ خلق کے پاس بھیجا ہے۔ اگر نقطۂ باءِ بسم اللہ کی جلالت عرش اور آسمانوں اور پہاڑوں پر ظاہر ہو تو فوراً اس حال سے

پگھل جائیں کہ لو انزلنا هذا القرآن علیٰ جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة الله (۵۹/۲۱) (اگر یہ قرآن ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے) اور حضرت علی امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کل حرف فی لوح المحفوظ اعظم من جبل قاف (قرآن کا ہر حرف لوح محفوظ میں کوہ قاف سے کہیں بڑا ہے)۔ یہ لوح محفوظ کہاں ہے۔ اسلام کا سینہ ہے کہ افمن شرح الله صدرهٗ للاسلام فهو علیٰ نور من ربه (۳۹/۲۲) (بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو) اور جانتے ہو کہ یہ قاف کیا ہے ق والقرآن المجید۔ پس اے محبوب! خداوند تعالیٰ کے عالموں میں سے ہر عالم میں قرآن کا ایک نام ہے کہ دوسرے عالم میں وہ نام نہیں ہے۔ قرآن مجید پردہ میں ہے بل هو قرآن مجید اور دوسرے پردہ میں مبین کہا جاتا ہے وکتاب مبین اور دوسرے پردہ میں عظیم کہا جاتا ہے والقرآن العظیم۔ اور دوسرے پردہ میں عزت کہا جاتا ہے کہ انه لکتاب عزیز اور دوسرے پردہ میں کریم کہا جاتا ہے کہ وانه لقرآن کریم، اور دوسرے جہان میں حکیم کہتے ہیں یٰس والقرآن الحکیم اس ایک عالم میں قرآن کے ایک ہزار ایک نام ہیں۔ عرش سے ثریٰ تک ایک عالم ہے اور اسی طرح خدائے تعالیٰ کے بہت سے عالم ہیں کہ جن کی ابتداء وانتہا سوائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا اور نہ جانے گا۔ نہ انبیاء واولیاء۔ چنانچہ اے محبوب! سرگردانی اور حیرانی کا عالم ہے۔ اچھی طرح سنو کہ جب حضرت رسالت علیہ السلام شب معراج میں پہلے آسمان پر پہنچے دیکھا کہ اونٹ جن کی مہاریں ایک دوسرے سے بندھی ہیں چلے جارہے ہیں نہ ان کی ابتداء ہے نہ انتہا۔ جبرئیل امین نے کہا یارسول اللہ جس دن سے میں پیدا ہوا اونٹوں کی یہ قطار دیکھ رہا ہوں اور مجھ سے پہلے بھی اسی طرح چلے جارہے تھے نہیں جانتا کہ کب سے چلے جارہے ہیں۔ حیران وسرگرداں ہوں۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰ مریمؑ تک سارے انبیاء سے پوچھا کوئی نہ جانتا تھا اس کے بعد حضرت عزت جلت قدرتہٗ سے عرض کیا فرمان ہوا کہ ''میرے'' آنے تک ٹھہرو کہ جو کچھ ان اونٹوں پر ہے وہ اس کے وجود کے نسخے ہیں اس سے پوچھنا۔ مراد حاصل ہوگی۔ پس جبرئیل نے پوچھا کہ اے اصل وجود جمیع موجودات۔ یہ اونٹ کیا لے جارہے

ہیں اور ان اونٹوں پر کیا ہے۔ حضرت رسالت علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کہ جاؤ ایک اونٹ لاؤ۔ جب جبرئیل لائے تو ہر اونٹ پر ایک مقفل صندوق لدا تھا۔ پھر حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا اے جبرئیل قفل کھولو جب کھولا تو جبرئیل نے صندوق میں کیا دیکھا۔ سب آسمان، زمینیں، پہاڑ، درخت اور آباد شہر اور نیکیاں اور کفر اور مساجد اور بتخانے اور گرجے اور آسمانوں کی بلندیوں پر عرش و کرسی، لوح و قلم اور ملائکہ مقرب ہیں اور سب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ رہے ہیں اور اس عالم میں بھی شب معراج ہے کہ دوسرا جبرئیل محمد کو لے جارہا ہے۔ پس حضرت رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ اے جبرئیل بند کردو کہ یہ سب اونٹ جو تم دیکھتے ہو ان پر ہر صندوق میں اسی عالم کا ایک ایسا عالم پنہاں ہے اور ہر عالم میں میں محمدؐ ہوں۔ اس کے بعد جبرئیلؑ نے اونٹ کو مہار سے باندھ دیا اور قطار روانہ ہوگئی۔ اور جبرئیل توحید اور نعت میں مشغول ہوئے۔ پس اے محبوب! تم کیا جانو کہ میں کیا کہتا ہوں۔ واللہ اگر جو کچھ اس فقیر پر اپنے پیر کی بدولت متجلی اور مشاہدہ ہوا ہے اس علم اور اس کشف کا ایک حرف ظاہر کردوں تو سارے علوم دینی اور جو کچھ لوگوں کو پیش آیا ہے اور اس میں سے رسمی طور پر تھوڑا بہت جو سمجھے ہیں وہ سب انھیں زنار نظر آئے اور اپنی ہستی کو پستی اور نیستی میں ڈال دیں اس فقیر کو ہر لحظہ الہام پہنچتا ہے اور کہتا ہے۔

چوں تو سراپائے منی بے دم من نالہ مکن   تا چو چنگت نہ نوازم زنوا ہیچ مگو

(جب تو میرا سراپا ہے تو بغیر میرے فریاد نہ کر اور جب میں تجھے چنگ کی طرح بجاؤں تو میرے نوا کے متعلق کچھ نہ کہہ)

(شرح) صدور افعال ربوبیت کا مرہون منت ہے۔ خاموش رہ کر اپنے آپ میں ربوبیت کا مشاہدہ کر)

اور اے رفیق اس الہام کو میں نے جواب دیا۔

گفتم از ہیچ نہ گویم تو روائی داری   آتشے کردی و گفتی کہ در آ ہیچ مگو
ہمچو گل خندہ زد وگفت در آ تا بینی   ہمہ آتش سمن و برگ و گیا ہیچ مگو
دستِ خود را بگزیدم کہ فغاں از غم تو   گفت من زانِ توام دست صفا ہیچ مگو

(میں نے کہا تھا کہ جسے تو روا رکھتا ہے میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ تو نے آگ جلائی اور کہا کہ اس میں خاموش چلا آ۔ پھول کی طرح ہنسا اور کہا کہ اندر آ تا کہ دیکھے کہ ساری آگ گلزار ہے۔ میں نے اضطراری طور پر اپنا ہاتھ کھینچا تو کہنے لگا کہ تو مجھ سے ہے۔ ہاتھ نہ کھینچ۔ خاموش رہ۔ یعنی شوق سے عشق کی آگ میں جل کر گلزار بن جا)

مقصود یہ کہ اے محبوب! ان چند ہزار ناموں کو جو قرآن کے نام ہیں ظاہری کانوں سے نہ سننا چاہئے۔ سماعت کو بیداری کا درد بنالینا چاہئے۔ عالم جسم میں ان ناموں کا عشق پوشیدہ ہے۔ دقائق المعانی میں تمہارے لیے واضح کردوں گا۔ اس جگہ سے مصطفیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اقرأ والقرآن والتمسوا غرایب (قرآن پڑھو اور غرائب ڈھونڈو) یعنی قرآن کے غرائب کا ڈھونڈنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ کتاب خانہ اول ما خلق الله نوری (سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا) تک پہنچنے کے منتظر رہو۔ اس جگہ مکتب خانہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور میری اچھی تادیب کی) سے استاد تمہارے لوحِ دل پر بلا واسطہ لکھ دے گا کہ وربك الاكرم الذى علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم (۹۶/۳) (اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اسے علم نہ تھا) اس کتبخانہ میں جانو گے کہ ن والقلم کیا ہے جو ہے تم پر تجلی ہوگا۔ وہ حروف مقطعات اس سبب سے ناطق ہیں کہ عاشقوں سے ایسے اسرار بیان کروں کہ ملک وملکوت سرگرداں ہو جائیں اور نامحرم حروف سے ملبوس ہونے سے مطلع نہ ہوں۔ حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے فرمایا الم، کھٰیٰعص، یٰس، ن، حم، طٰہٰ، المص یہ سب نشانات احمدؐ کے ساتھ خدا کے راز ہیں۔ کوئی ظاہر ڈھونڈھنے اور دیکھنے والا ان رازوں سے جو پروردگار اور محمد مختار کے درمیان ہیں سوائے حضرت نبی علیہ السلام کے جرعہ نوشوں کے مطلع نہیں ہوسکتا

گہ سرو سہی مہ تمامت خوانم   واہوئے فتادہ در بدامت خوانم
زیں ہر سہ بگوئی تا کدامت خوانم   کز رشک نہ خواہم کہ بنامت خوانم

(کبھی تجھے سرو سہی کہتا ہوں اور کبھی ماہِ تمام سے موسوم کرتا ہوں۔ اور کبھی دام

میں گرفتار آہو کہتا ہوں۔ تم خود بتاؤ کہ ان تین ناموں میں سے کس نام سے تم کو پکاروں۔ اس لیے کہ رشک مجھے اجازت نہیں دیتا کہ تم کو تمہارے نام سے پکاروں)

(تشریح) تمہارے قامت کے اعتبار سے سرو سہی جمال کے اعتبار سے ماہ تمام اور ربوبیت یعنی مجھ پر ساری وطاری ہونے کے اعتبار سے وہ آہو جو میرے دام میں گرفتار ہے کہتا ہوں۔ کاش یہ اعتبارات مٹ جاتے اور بے نشانی واضح ہو جاتی کیونکہ یہ سب اعتبارات حجابات ہیں۔

اے محبوب! یہ سب حروف عالم سر میں مجمل پڑھے جاتے ہیں اور اس مجمل کا مفصل یحبھم و یحبونہ' ہے۔ مجمل کے لیے ولقد وصلنا لھم القول (۵۱/ ۲۸) (اور ہم پے درپے ان لوگوں کے پاس باتیں بھیجتے رہے) اور مفصل کے لیے فصلنا الآیات (ہم نے آیات کی تفصیل کی) ٹھہرو۔ جب تک ان اشارتوں کا جمال تم پر ظاہر ہو جائے تاکہ سارا قرآن اپنے معنوں کی حقیقت کے ساتھ تم پر آسان ہو جائے ولقد یسرنا لقرآن للذکر فھل من مذکر (۵۴/۲۲) (اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے) بے چارے اہل ظواہر قرآن پڑھ کر اور قرآن سے کچھ سمجھ کر خو کو اہل اللہ اور خاصہ اور العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ اہل اللہ اور انبیاء کی میراث پانے والے وہ ہیں جو عین حقیقت کلام تک پہنچے ہوں کہ افلا یتدبرون القرآن (۴/۸۲) (بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے (ان سے حاصل ہوتا ہے کیوں کہ قرآن ان کو قبول کرتا ہے وکانوا احق بھا واھلھا (۲۶/ ۴۸) (وہ اس کے زیادہ حق دار و اہل ہیں) اور تم یقین جانو کہ جب تک قرآن نے تم کو قبول نہیں کیا یہ معانی کی حقیقت تمہارے لیے ہرگز قلم سے نہ نکلے کیوں کہ دولہن کا جلوہ قبولیت کے بعد ہے جب نوشہ دولہن کو قبول کر لیتا ہے (تب) جلوہ دیتا ہے۔ قبول سے پہلے جلوہ نہیں ہے۔ معانی قران کے دولہن نے تم کو قبول کر لیا ہے کہ پیر فقیر کی مشاطہ گری سے جلوہ کا مشاہدہ کیجیے قرآن کسی نامحرم کو قبول نہیں کرتا اور نہ اس کو کچھ بتاتا ہے لیکن اپنے جمال کا غمزہ اس دل کو دکھاتا ہے جو اس کا اہل ہو کہ ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وھو شھید (۵۰/۳۷) (جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا

ہے اس کے لیے اس میں نصیحت ہے) اور مرد کے لیے قرآن سے آگاہی کا کمترین مقام وہ ہے کہ وہ مرد بہشت میں پہنچ جائے اس مقام عالی کے متعلق کیا سمجھتے ہو کہ کیا ہے۔ تمہارے ساتھ قرآن کی ابتدا یہ ہوگی کہ یہ حروفِ مقطعات تم سے باتیں کریں گے اور اپنا جمال تمہاری آنکھوں پر پیش کریں گے اس کے بعد جو بھی سمجھوگے اتصال سے سمجھوگے اور انفصال تم سے جدا ہو جائے گا۔ اور اس ابتداء کی ابدالآباد تک انتہا نہیں ہے لیکن یہ نہ سمجھنا کہ قرآن بس یہی رکھتا ہے اور فیھا کتب قیمة (اس میں مستحکم (آیات) لکھی ہوئی ہیں کی اشارت مشاہدہ کروگے۔ اور علمائے ظاہر نے قرآن کے ظاہر پر قناعت کی ہے۔ قرآن کا پوست دیکھتے ہیں۔ مغز کی لذت کیا جانیں کہ القرآن مائدۃ اللہ تعالیٰ فی ارضہٖ (قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے اس کی زمین میں) حضرت رسالت علیہ السلام کو دیکھو کہ اس ظاہر جو اور ظاہر بیں قوم سے کس طرح شکایت فرماتے ہیں کہ یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا (۲۵/۳۰) (اے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا) اور اسی مقام سے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انزل القرآن لیعمل بہ واتخذ الناس قرآنہ و درسہ عملاً (یعنی قرآن عمل کے لیے بھیجا گیا ہے اور خلق پڑھنے اور درس دینے کو عمل بنالیتی ہے۔ بہرے ہیں کان نہیں رکھتے کہ سنیں۔ قرآن پڑھنے کے لیے گونگے ہیں۔ اندھے ہیں آنکھیں نہیں رکھتے کہ آیتوں کا جمال کیسے دیکھیں کہ ان کی تعریف یہ آئی کہ لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (۲۲/۴۶) (آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں) یعنی دل کی آنکھ سے اندھے ہیں اور دل کی زبان سے گونگے ہیں اور دل کے کانوں سے بہرے ہیں۔ والسلام۔

اے گزر کردی زحال واز مقال   رفتۂ اندر دروں فیہ الرجال
چوں بدیدی روئے وجہ اللہ را   کیں جہاں برروئے او باشد چو خال
خال را حسنے بود از روئے او   ورنہ می بینی چنیں چشمے بمال
چوں بمالی چشم در ہر زشتے   صورتے بینی کمال اندر کمال
چند صورتہاست پنداری کہ اوست   تا رسی اندر جمال ذوالجلال

خاکِ کوئے دوست راز بوئے داں   خاکِ کویش خوشتر از آبِ زلال
اندراں آب زلال اندر نگر   تا بہ بینی عکس خورشید و ہلال
دامن من گیر یعنی دردِ من   رویدت از دردِ من صد پرّ وبال
سر خمارے دادہ ام مستی و ہم   زیر آں مستی بود سحر حلال
از پئے مستی تو شیخن شب مخسپ   سر منہ جز در دعاء و ابتہال
وقتِ وصل است اے دلم تو تازہ شو   چوں جمالش بے حدود و بے زوال

(اے وہ شخص جو حال وقال کی منزل سے گزر چکا ہے اور لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لی ہے جب تو نے وجہ اللہ کا دیدار کر لیا تو تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ جہاں اس کے چہرہ پر خال کی حیثیت رکھتا ہے اور خال حسن میں تزئین کا باعث ہوتا ہے اور تل کا حسن اس کے رخ سے نمایاں ہوتا ہے اور اگر تجھے یہ بجھائی نہیں دیتا تو اپنی آنکھیں مَل۔ جب تو ہر برائی پر آنکھ ملے گا تو تجھے کمال در کمال نظر آئے گا۔ تو چند صورتوں کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ جلوہ گر ہے اور تو جمال ذوالجلال تک پہنچ گیا۔ خاکِ کوئے دوست اس کی خوشبو سے پہچان لی جاتی ہے اور کوئے دوست کی خاک آبِ زلال سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ اس آبِ زلال کے اندر غور سے دیکھ تو تجھے اس کے اندر آفتاب اور ہلال نظر آئیں گے۔ میرے دامن کو پکڑ یعنی میرے درد کو دیکھ تو تجھے میرے درد سے نئے شگوفے پھوٹتے نظر آئیں گے۔ میں نے سر خمار دیا ہے تو مستی بھی دیتا ہوں اور اس مستی کے تحت سحر حلال ہوتا ہے۔ اے شیخ تو مستی حاصل کرنے کے لیے رات کو سویا نہ کر بلکہ دعا اور گریہ وزاری میں مشغول رہ۔ اے دل وصل کے وقت تازہ دم ہو کیوں کہ اس کا جمال بے حد و بے زوال ہے۔)

اکیسواں مکتوب

(اسرار کے بیان میں)

کنارے نہ دارد بیابانِ ما   قرارے نہ دارد دل و جانِ ما
جہاں در جہاں نقشِ صورت گرفت   کدام است زیں نقشہا زانِ ما
چو در رہ بہ مستی بریدہ سرے   کہ غلطاں رود سوئے میدانِ ما
زمن جو و من جوئے اسرار من   زمن پرس ایں سرِ پنہانِ ما
چہ بودے کہ یک گوش پیدا شدے   شنیدی زبانہائے مرغانِ ما
چہ دانم چہ گویم کہ ایں داستاں   برون است از حد و امکانِ ما
چگونہ زنم دم کہ ایں دم بدم   پریشاں تر است ایں پریشانِ ما
ازیں داستان بگذر و باز پرس   کہ درہم شکست است دستانِ ما
چہ کبکان و بازاں بہم می پرند   میانِ ہوائے کہستانِ ما
میانِ ہوائے کہ برتر نہ است   کہ بر اوج آن است کیوانِ ما
ازیں داستان بگذرو باز پرس   کہ درہم شکست است دستانِ ما
جمالے نماید بروں از حدود   جمالِ شہنشاہِ سلطانِ ما

(نہ ہمارے بیابان کا کوئی کنارہ ہے اور نہ ہمارے دل و جان کو قرار ہے۔ نقش نے جہاں در جہاں صورتیں اختیار کیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ ان نقوش میں سے ہمارا نقش کوان ہے۔ جب تم راستہ میں کوئی کٹا ہوا سر دیکھو جو ہمارے میدان کی جانب لڑھکتا جا رہا ہو مجھے ڈھونڈھو اور (اپنے) میرے اسرار تلاش کرنے والے کو تلاش کرو پھر مجھ سے اس سرِ پنہاں کو پوچھو کیا اچھا ہوتا کہ تمہارے کان پیدا ہو جاتے اور تم ہماری چڑیوں کی زبانیں سن

سکتے اور سمجھ سکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کہہ رہا ہوں کیوں کہ یہ داستان ہمارے حدود امکان سے باہر ہے اور ہمارے کوہستان کی فضا میں کبک اور باز ساتھ ساتھ کیا اڑے چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ بھی ایسی فضا میں جو زیادہ بلند نہیں ہے کیونکہ ہمارا کیوان اس فضا کے اوپر ہے اور یہ کیوان جو جمال دکھاتا ہے یعنی ہمارے شہنشاہ کا جمال وہ حدود کے باہر ہے اور ہماری داستان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے)

اے محبوب! عاشق تین طرح کے ہیں۔ یعنی ایک وہ ہے جو ایک گھڑی معشوقہ کا لطف دیکھتا ہے اور ایک گھڑی اس کا قہر دیکھتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو ہر دم سوائے لطف کے کچھ نہیں دیکھتا اور تیسرا وہ ہے جو ہر دم اپنے جمال میں معشوق کو دیکھتا ہے۔ یعنی اے محبوب! گیند کو اس سے کیا واسطہ کہ سلطان اس کو قہر سے چوگان میں مارتا ہے یا لطف سے۔ یعنی گیند کو ارادت سے کیا واسطہ۔ عاشق ایسے مقام پر پہنچتا ہے کہ خود مراد ہو جاتا ہے گو کہ حضرت لایزالی جلت قدرتہٗ نے فرمایا ہے کہ وحملناهم فی البر و البحر (۷۰/۱۷) (اور ہم نے ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی) کہاں ہے ومن یتق الله یجعل لهٗ مخرجاً (۲/۶۵) (اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا) یہ بر و بحر ہے اے محبوب! آخر کار من البشریة واو صلهٗ بالربوبیة (بشریت سے نکالا اور ربوبیت کے ساتھ واصل کیا) دوست! عبودیت کو بر (خشکی) کہتا ہوں اور بحر ربوبیت کی شرح کر چکا اور ربوبیت کے اس گھر میں رزق پاتا ہے۔ جب ربوبیت کے گھر میں داخل ہو گئے تو من رزقناه منار رزقاً حسناً (۷۵/۱۶) (اور وہ جس کو ہم نے اپنے ہاں سے مالِ طیب عطا فرمایا ہے) کا نزول پاؤ گے یعنی کسی لمحہ سوائے معشوق کے نامتناہی جمال کے کچھ نہ دیکھو گے ویرزقه من حیث لا یحتسب (۳/۶۵) (اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو) خاندانِ احمدیؐ کی کیسی اچھی دولت وما ارسلناك الا رحمة للعلمین (۱۰۷/۲۱) (اور ہم نے تم کو عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا) کہ لولاك لما خلقت الکونین (اگر تم نہ ہوتے تو میں کونین کو پیدا ہی نہیں کرتا) یعنی فرماتا ہے کہ اگر (تمہارا وجود) تیرے وجود کے لیے نہ ہوتا تو کونین اور عالمین

محو ہوتے۔ یعنی جوں ہی وجودِ احمدی کو نورِ احدی سے ظہور میں لایا کونین اور عالمین عین ظہور میں نظر آنے لگے اور حضرتِ احمد کو اپنے لیے ظاہر کیا تاکہ اس کا مونس و ہمسر ہو کہ خلقت العالم لکم و خلقتکم لاجلی (میں نے عالم کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے اور تم کو اپنے لیے) یعنی سارا عالم باز کی غذا کے لیے ہے اور باز کی غذا سلطان کے لیے تماشہ ہے ۔ چڑیاں باز کے لیے اور باز سلطان کا صید۔ پس اے محبوب! حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کا باز محمدؐ ہے اور سارے موجودات محمدؐ کے لیے چڑیاں اور شکار ہیں اور مقصود انھیں کا وجود ہے اور یہ ساری خلق انھیں کا طفیل ہے۔

خواجہ را گو شرح گویم بیش بود　　در ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود
ہر دو گیتی از وجودش نام یافت　　عرش نیز از نام او آرام یافت
ہمچو شبنم آمدند از بحر جود　　خلقِ عالم در طفیلش در وجود
نورِ او مقصودِ مخلوقات بود　　اصل معدومات و موجودات بود
حق چو دید آں نورِ مطلق در وجود　　آفرید از بہرِ او صد بحرِ جود
بہرِ خویش آں پاک جاں را آفرید　　بہرِ او خلق جہاں را آفرید
بعد ازاں آں نورِ عالی زد علم　　گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
یک علم از نور چاکش عالم است　　یک علم در نیستی آدم است

(اگر میں خواجہ کی تشریح کروں تو وہ اس کی حیثیت سے کم ہوگی۔ تمام اشیاء میں اس کا مقام سب سے آگے ہوگا۔ دونوں عالموں نے اس کے وجود سے نام پایا اور عرش بھی اس کے نام سے مستحکم ہوا۔ خلقِ عالم اس کے طفیل میں بحرِ جود سے شبنم کی طرح وجود میں آئی۔ اس کے نور کا مقصود مخلوقات تھا اور معدومات اور موجودات کا پیش کرنا تھا۔ حق نے جب اس نورِ مطلق کو وجود میں دیکھا تو اس کے لیے اس نے سیکڑوں بحرِ جواد پیدا کیے۔ اور اپنے لیے اس جانِ پاک کو پیدا کیا اور پھر اس جان پاک کے لیے جہان کو پیدا کیا (لولاك لما خلقت الافلاك کا مفہوم پیش کیا گیا ہے) پھر اس نورِ عالی نے علم بلند کیا اور عرش و کرسی ولوح وقلم بن گئے۔ اس نورِ پاک کا ایک علم عالم ہے اور ایک علم ہستیِ آدمؑ میں ظاہر ہوا)

پس اے رفیق ابدی اور اے عشق ازلی کونین کا مقصد وجود ہے اور موحدوں کا ایمان اس کے چاند جیسے چہرہ سے ہے۔ سأل ابو بکرنالصدیق رضی الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال يا رسول الله ما ايماننا فقال ايمانكم بمشاهدة وجهي (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہمارا ایمان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا ایمان میرے چہرہ کو دیکھنا ہے) اور کافروں کو کفر اس کی زلفِ سیاہ سے والليل اذا يغشىٰ والنهار اذا تجلىٰ (رات کی قسم جب وہ دن کو چھپالے اور دن کی قسم جب چمک اٹھے) اے محبوب! جب گوہر اصلی اللہ موجودات کا مصدر ہے ارادت و محبت سے فعل میں آیا تو یہ کیمیا گری ظاہر ہوئی کہ هو الذي خلقكم فمنكم كافر و منكم مومن والله بما تعملون بصير (۲/۶۴) (وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے) کافر کو مومن پر مقدم کیا تفضیل کے لیے نہیں بلکہ سبب یہ ہے کہ مومن کے بعد لفظ اسم اللہ آیا ہے تاکہ کافر اسم ذات سے دور رہے۔ مومن کو اپنے اسم ذات سے متصل رکھا اور یہی مقام دلالت کرتا ہے کہ تم اس سے قربت رکھتے ہو اور خلایق کی صورتوں کے اختلاف کو حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی جانو اور خلایق کی صورتوں کا اختلاف السنتكم والوانكم (تمہاری زبانیں اور تمہارے رنگ) کہ السعيد من سعد في بطن امه والشقي من شقي في بطن اُمّه (سعید (نیک بخت) وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی سعید ہوا اور شقی (بد بخت) وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی شقی ہوا) اے محبوب! اس بطن امہ سے بطن ازلی مراد ہے اسی وجہ سے خلق کے افعال دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم حضرت جلت قدرتہٗ کی قربت کا سبب ہوئی۔ اليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح يرفعه (۱۰/۳۵) (اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتے ہیں) اور ایک قسم دوری کا باعث ہوئی کہ وقدمنا الیٰ ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا (۲۳/۲۵) (اور جو انھوں نے عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کی اڑتی خاک کر دیں گے)

پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہمارا اور ہمارے اعمال کا پیدا کرنے والا وہ ہے کہ واللہ خلقکم وما تعملون (۹۶/ ۳۷) (اور اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال پیدا کیا) چنانچہ چاہتا ہے کہ اپنے بندہ کے راستہ میں سد رکھے اور کہتا ہے ھل من خالق غیر اللہ (۳/ ۳۵) (کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے) پس اے محبوب اس سبب سے شریعت ظاہر کی گئی اور شریعت کا بیان کرنے والا کوئی ہونا چاہئے۔ تو پیغمبر بھیجے اور آدمی کی سعادت وشقاوت ظاہر کی یعنی شقاوت پیدا کی تا کہ سعادت کو سعادت کا نام ملے۔ یعنی اگر کفر نہ ہوتا تو اسلام کا کیا نام ہوتا۔ کفر واسلام کے اسی تقاضہ کی طرح شقاوت اور سعادت کے ظہور کا بھی ایک دن ہونا تھا کہ اس دن دونوں ظاہر ہو جائیں کہ یوم تبلی السرائر (جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے) آخرت کو جو اس کی مظہر ہے پیدا کیا اور اس کو پوشیدہ رکھا کہ ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیھا لتجزی (۱۵/۲۰) (قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تا کہ بدلہ دیا جائے) یعنی آخرت میں ہر شخص کو اس کے افعال سے باندھیں گے۔ کرم بے علت و بے نہایت ازلی کا اقتضا یہ ہوا کہ اس کا اعلان کرے کہ سعادت کن حرکات وافعال کا ثمرہ ہے۔ پس انبیاءؑ کو علم شریعت کے ساتھ اس عالم میں بھیجا اور ان کے اس عالم کے تمام اعمال کو ان کے افعال اعمال سے باندھا تا کہ بلغ ما انزل علیك (۶۷/ ۵) (تبلیغ کرو اس کی جو تم پر نازل کیا گیا) اور اے رفیقِ ابد۔ اور اے عتیق ازل انبیاء کو علم شریعت کے ساتھ عالم بشریت میں بھیجنے سے سوائے مومن کے کسی کو فائدہ نہ پہنچا کیوں کہ مومن بے سوائے اہل سعادت کے عمل کے اور کچھ وجود میں نہیں آتا۔ پس انبیاء کا بھیجنا مومنوں کے لیے رحمت ہوا اور اہل کفر کے شقاوت ہوا۔ کہ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم (۳/۱۶۴) (اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انھیں میں سے ان میں رسول بھیجا) پس اے محبوب! خدائے عزوجل نے مومنوں پر حضرت رسالت علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اپنے پاس سے ان کے پاس بھیجنے کا احسان جتایا۔ وہ مومنوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یتلوا علیھم آیاتہ (۳/۱۶۴) (وہ انھیں آیتیں سناتا ہے) یعنی آخرت کا پورا پورا حال بیان کرتے ہیں اور طاعات و

معاصی کی شرح صاف صاف کر دیتے ہیں اور ہمارے لطف وغیرت کا بیان ہماری تخلیق کے مطابق کرتے ہیں یعنی حرام وحلال، جو حرام ہوا اپنی غیرت سے کیا کہ ان اللہ تعالیٰ غیور، من غیرتہ حرم الفواحش (اللہ تعالیٰ بہت غیرت دار ہے۔ اس نے اپنی غیرت سے فواحش کو حرام کیا) اور حلال کا بیان کرتے ہیں۔ سعادت کی بشارت دیتے ہیں اور شقاوت سے ڈراتے ہیں وما نرسل المرسلین الامبشرین ومنذرین (۶/۴۸) (اور ہم رسولوں کو بھیجتے ہیں بشارت دینے والے اور ڈرانے والے) کیا خوب جل وعلا کی حکمت کا تقاضہ ہے ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا اور انھیں سنوارتا ہے) کہ سارے طاعات کا نام حمیدہ رکھا۔ اور یہ نام کس نے رکھا کہ انھیں افعال ذمیمہ نے رکھا۔ اچھی طرح غور کرو کہ میرے کلمات میں ایسے اسرار ہیں کہ اگر دنیا کے شیوخ زندگی بھر غور وفکر کریں تو نہ پہنچ سکیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ ہزاروں میں سے کسی ایک کو اس فقیر کے کلمات سے ہدایت دے۔

شما عمرے دریں وادی بسر رفتید روز وشب زگرد کوئے او آخر مرا آثار بنمائید
کارِ قوی است عالی اندر رہِ حقیقت در ہر ہزار سالے یک مردِ راہ بین است

(تم نے اس وادی میں روز وشب ایک عمر بسر کی۔ آخر اس گرد کی گرد سے ہمیں بھی تو آثار دکھاؤ، راہِ حقیقت میں تیرا کام بہت بلند ہے۔ ہر ایک ہزار سال میں ایک مردِ راہ وجود میں آتا ہے)

لیکن آپ کے لیے جو میرے رفیق ابد اور عتیق ازل ہیں یہ دولت ہے کہ بحر المعانی نے آپ کو قبول کیا ہے۔ دعا کرتے رہیئے اور میری زندگی چاہئے کہ بحر المعانی کے کلمات سے آپ لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اسی طرح دقائق المعانی بھی انشاء اللہ تعالیٰ جب آپ کو لکھی جائے گی تو آپ کو مقبول بنائے گی۔ لقد منَّ اللہ علی المومنین (اللہ نے مومنین پر احسان کیا) حضرت رسالت علیہ السلام پر احسان جتانے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ من انفسھم (انھیں میں سے) یعنی محمدؐ کے نفس سے آئے کہ انا من نور اللہ والمومنون من نوری (میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں) اگر تم

نفسِ محمدؐ سے نہ ہوتے تو بحرالمعانی تم کو کیسے قبول کرتی اور جب دوسروں کی طرح ہوتے اور اس وقت دقائق المعانی سنتے کہ عربی ہو جاؤ اور محمدؐ کی زبان سمجھو کہ من اسلم فھو عربی وقلب المومن عربی (جو اسلام لایا وہ عربی ہے اور مومن کا قلب عربی ہے) کہ سب انبیاء سوائے اسمٰعیل اور شعیب اور صالح صلوات اللہ علیہم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجمی تھے اور جب عربی ہو گئے قریشی ہو گئے اور جب قریشی ہو گئے تو محمدؐ کے ساتھ نسبت درست ہو جائے گی کہ العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) اس وقت درست ہوگا اور ہر عالم اپنے آپ کو اس حدیث میں داخل سمجھتا ہے۔ کیا کہوں کیا سمجھتے ہیں واللہ بعض جگہ کہنے والا خود نہیں جانتا کہ کیا کہتا ہے۔ سننے والا کیا جانے کہ کیا سنتا ہے لیکن ٹھہرو۔ اچھی طرح سننا چاہئے۔ اور اچھی طرح جاننا چاہئے اس کے بعد جب ہاشمی اور مطلبی ہو گئے واشوقاہ اِلیٰ لقاءِ اخوانی (مجھے اپنے بھائیوں سے ملاقات کا بہت اشتیاق ہے) تمھارے حق میں درست ہوگا اور یزکیھم (وہ ان کو سنوارے گا) کو خود سمجھ لوگے کہ کیا تھا اور یعلمھم الکتب والحکمۃ (وہ ان کو کتاب وحکمت سکھائے گا) اپنی امت کو سکھاؤ گے جیسے بحرالمعانی تم کو سکھا رہی ہے لیکن اتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنّا علماً (۱۸/۶۵) (ہم نے اس کو اپنے پاس سے رحمت (نبوت یا نعمت ولایت) دی اور اپنے پاس سے علم بخشا) کے کتاب خانہ سے جیسے حضرت محمدؐ ہاشمی علیہ السلام کے لیے فرمان ہوا کہ میں تم کو وہ سکھاتا ہوں جو تم نہیں جانتے وعلمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیماً (۴/۱۱۳) (اور تم کو وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے اور (یہ) اللہ کا تم پر بہت بڑا فضل تھا) بحرالمعانی بھی آپ سے یہی کہتی ہے لیکن ہم نے آپ کو خطاب کے مطابق دیا آپ بھی اس جرعہ کو بیچاروں پر بہائیے۔ یعنی جو آپ کو دیکھے اس نے مجھے دیکھا۔ اس مقام پر خواجہ علیہ السلام نے فرمایا کہ من رآنی فقد رأی ربی (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا) چونکہ آپ کو بحرالمعانی نے قبول کیا اور دقایق المعانی ایسے مقام پر پہنچائے گی کہ آپ کا دیکھنے والا مجھے دیکھے گا۔ جیسے سلطان ابوسعید نے ابن عین کو دیکھ کر کہا کہ شیخ محی الدین کو دیکھا لیکن دیکھنے والا ہونا چاہئے۔ محمدؐ کی بعثت مومنوں پر احسان ہے۔

پس کافروں کو کیا فائدہ۔ وسواءٌ علیھم ءَ انذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون (۳۶/۱۰) (تم انھیں نصیحت کرو یا نہ کرو وہ ایمان نہیں لانے کے) یعنی ابوجہل اور ابولہب نے وما ارسلناك الا رحمة للعلمین سے کیا فائدہ حاصل کیا۔ اے محبوب! دیکھتے نہیں کہ آفتاب سارے جہان کے لیے راحت ہے سب عالم والوں کے لیے راحت ہے لیکن اگر گلخن پر چمکتا ہے تو بدبو اٹھتی ہے اور گلشن پر چمکتا ہے تو خوشبو پھیلتی ہے۔ اے محبوب! آفتاب کے چمکنے میں خلل نہیں ہے بلکہ خلل اور فرق درحقیقت جرم میں ہے اور کیا نہیں دیکھتے کہ جب آفتاب آدمی کے چہرہ پر چمکتا ہے تو اس کو سیاہ کر دیتا ہے اور جب دھوبی کے کپڑوں پر چمکتا ہے تو ان کو سفید کر دیتا ہے۔ یعنی فرق اجرام میں ہے نہ کہ آفتاب میں۔ اسی طرح مچھلی کی زندگی پانی ہے مگر وہی دوسروں کی موت کا سبب بھی ہے۔ پس پانی کو کیا کہوں، اس مقام میں وتمت کلمة ربك صدقاً وعدلا (۶/۱۱۵) (آپؐ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے کامل ہے) تمھاری سمجھ میں آئے گا۔ اس کے بعد تم پر روشن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نور کا آفتاب گوہر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں منوری اور نور کا سبب ہوا اور گوہر (یعنی جرم) ابلیس کے لیے کیوں ضلالت اور ظلمت کا سبب ہوا کہ نور محمدؐ سے ایمان پیدا ہوتا ہے اور نورِ ابلیس سے کفر اور خذلان پیدا ہوتا ہے تاکہ عالم کثرت میں شور برپا رہے۔ اسی مقام کے متعلق خواجہ عالم علیہ السلام سے سنو کہ کیسی تجلی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں بعثت داعیاً لیس الّی من الھدایة شیء وخلق ابلیس مضلا ولیس الیه من الضلالة شیء (مجھے دعوت دینے والا بنا کر بھیجا گیا اس لیے مجھ میں سوائے ہدایت کے کچھ نہیں اور ابلیس کو گمراہ کرنے والا بنا کر بھیجا گیا اس لیے اس میں سوا ضلالت کے کچھ نہیں ہے) اے محبوب! اچھی طرح غور کرو کہ کیا فرمایا ہے۔ ان دو مقامات پر کیا کرنا چاہئے کہ چہرہ کی زیبائی خال کی سیاہی سے ہے لا مبدل لکلماته ولن تجد لسنة الله تبدیلا (۱۷/۷۷) (اور تم اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے) تمہارے حال میں کشف ہوگا ومن یھدی الله فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی لهٗ (اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے

والانہیں) کی میخ ٹھنکی ہوئی ہے۔ حرکت ناممکن، یہ مقام اس وقت تجلی کرے گا جب قرآن کی حکمت کے دریا میں غوطہ کھاؤ گے کہ یٰس والقرآن الحکیم (یٰس قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے) اور حکمت یہ ہے کہ جو کچھ ہے اور تھا اس کو اس کے خلاف نہ ہونا چاہئے تھا۔ سفیدی بغیر سیاہی کے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ آسمان بغیر زمین کے کسی کام کا نہ ہوتا۔ محمدؐ بغیر ابلیس کے نہ ہوتا۔ طاعت بغیر عصیان اور کفر بغیر ایمان کے ظاہر نہیں ہوسکتا۔ محمدؐ کے ایمان کا اگر ابلیس کے کفر کے ساتھ ہونا ممکن ہوتا تو ھو الخالق الباری المصوّر نہ ہوتا۔ ممکن نہ ہوتا کہ محمدؐ اور محمدؐ کا ایمان نہ ہوتا اور اگر الجبار المتکبر القہار ظاہر نہ ہوتا تو ابلیس اور کفر نہ ہوتا۔ پس حقیقت کی تحقیق کو سمجھو کہ محمدؐ کی سعادت بغیر ابلیس کی شقاوت کے نہ ہوتی اور ابوبکرؓ و علیؓ بغیر ابوجہل اور ابولہب کے نہ ہوتے وما من نبی الا ولہ نظیر فی امتہ (اور کوئی نبی ایسا نہیں جس کی نظیر اس کی امت میں نہ ہو) یعنی کوئی ولی نہیں ہوتا مگر ایک فاسق اس کے لیے لازم ہوتا ہے۔ نبی ہرگز بغیر ولی کے نہیں ہوتا۔ اور صالح ہرگز بغیر فاسق کے نہیں ہوتا۔ پس حضرت رسالت علیہ السلام عالم والوں کے لیے رحمت تھے لیکن ابوجہل اور ابولہب کے حق میں رحمت نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ ان کے گوہر کمال شقاوت بھی انھیں سے پیدا ہوئے تھے۔

ہر کہ زلفش دید کافر شد بہ حکم　　ہر کہ رویش دید ایماں بازیافت

(جس نے اس کی زلف دیکھی وہ حکماً کافر ہوا (اور) جس نے اس کا چہرہ دیکھا دوبارہ ایمان حاصل کیا)

اے محبوب! تم نے نہیں سنا کہ زلف کا نور سیاہ جس میں ابلیس اور ابوجہل سر سے پیر تک ملبوس ہیں محمدؐ کے چہرہ کے نور سے کیا کہتا ہے۔

اے نوش لبا چو زہر نابے بر ما　　اے راحتِ دیگراں عذابے بر ما
دستم بگزی و دست یابی بر ما　　خورشیدِ جہانی و نہ تابی بر ما

(اے لب شیریں تو ہمارے لیے زہر خالص کی طرح ہے اے وہ کہ دوسروں کے لیے راحت کا سبب ہے۔ ہمارے لیے عذاب ہے تو ہمارا ہاتھ کاٹتا ہے اور ہم پر قابو حاصل

کر لیتا ہے تو خورشید جہاں ہے لیکن ہم پر نہیں چمکتا ہے)

ہر وہ فعل جو سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی غیر سے منسوب ہوا اس کو مجاز جانو نہ کہ حقیقت، کیوں کہ حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ فاعل حقیقی ہے۔ جس جگہ کہا ہے قل یتوفکم ملك الموت الذی و کل بکم (۱۱/۳۲) (کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے) اس کو مجاز جانو اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (۴۲/۳۹) (اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے) راستہ دکھانا حضرت رسالت علیہ السلام کی راہ مجاز ہے اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے فیضل اللّٰہ من یشاء و یھدی من یشاء (۱۴/۴) (اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) کو اچھی طرح پہچانو خلق کو ابلیس گمراہ کرتا ہے لیکن ابلیس کو اس صفت پر کس نے پیدا کیا اور ابلیس کے عمل کو کون پیدا کرتا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ قال اللہ تعالیٰ ان ھی الا فتنتك تضل بھا من تشاء و تھدی من تشاء (۱۵۵/۷) (اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) فرمایا یہ تو تیری آزمائش ہے اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے) اے محبوب! گناہ خود ہمہ اوست (ہمہ اُوْ راست) کسی پر کیا گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

ہمہ جورِ من از بلغاریان است   کہ مادام ہمی باید کشیدن
گنہ بلغاریاں را نیز ہم نیست   بہ گویم گر تو بتوانی شنیدن
خدایا ایں بلا و فتنہ از تست   و لیکن کس نمی آرد نجیدن
ہمی آرند مردم را ز بلغار   ز بہرِ پردۂ مردم دریدن
لب و دندانِ آں ترکان چوں ماہ   بدیں خوبی نہ بایست آفریدن
کہ از رشکِ لب و دندانِ ایشاں   ز دنداں لب ہمی باید گزیدن

(مجھ پر جو کچھ ظلم ہوا یا ہو رہا ہے وہ بلغاریوں کے ہاتھوں ہوا ہے کہ جسے ہمیشہ اٹھانا یا جھیلنا پڑے گا۔ اس میں بلغاریوں کا بھی کچھ قصور نہیں ہے اگر تو سننے کے لیے تیار ہو تو کہوں۔ اے خدا یہ سب بلا اور فتنے تیرے ہی لائے ہوئے ہیں لیکن اس کا کوئی سامنا

نہیں کر سکتا ہے۔ لوگوں کو بلغار سے اس لیے لاتے ہیں کہ لوگوں کا پردہ چاک کریں۔ ان ماہ رو ترکوں کے لب و دنداں ایسی خوبی سے نہیں پیدا کرنا چاہئے تھے کہ ان کے لب و دنداں کے رشک سے ہونٹ کاٹنا پڑیں)

اے محبوب! اہل ظواہر جو نہیں جانتے اور بحر المعانی کے جمال سے محروم ہیں ہدایت کو محمد علیہ السلام کے حوالہ کرتے ہیں اور ضلالت کو ابلیس کے حوالہ۔ اگر وہی معنی ہوتے تو سنو کہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے نبی علیہ السلام کے چچا ابو طالب کے حق میں کیا فرمایا انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء (۲۸/۵۶) (بیشک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس کو چاہتا ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) جب قلم اس جگہ پہنچا تو میرے الہام نے کہا کہ اے دیوانے ٹھہر۔ فاعل حقیقی کے افعال کو اس سے زیادہ صحرا میں نہ ڈال اور تو اپنی دیوانگی کو حد سے باہر نہ لے جا۔ اور آج تو بھی چاہتا ہے کہ طالب اور عاشق کو مطلوب اور معشوق کے رنگ میں رنگے اور نبوت کا کام برباد کرے واصبر وما صبرك الا بالله (۱۶/۱۲۷) (اور صبر کرو اور تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے) اور دوسری بات کہی کہ اے دیوانے یہیں ٹھہر۔ اور پوشیدہ معاملات ظاہر نہ کر کہ عالم کثرت میں خلائق ظاہر دیکھنے والے اور ظاہر ڈھونڈھنے والے ہیں ان کو سعادت و شقاوت کے خانہ میں ہم نے فاعلِ مختار رکھا ہے اور ان کے خیال میں ان کو یقین ہے کہ مقصود یہی خانہ ہے اور اس خانہ میں بعض کو طاعت میں اور بعض کو اطاعت میں خوش رکھا ہے کہ كلّ حزب بما لديهم فرحون (۳۰/۳۲) (ہر گروہ جو چیز اس کے پاس ہے اس میں مگن ہے) لیکن تیری دیوانگی چاہتی ہے کہ آج سب برباد اور ویران کر دے تا کہ نمازی اور بے نمازی دونوں عالم سے منقطع ہو جائیں۔ اور کون و مکاں ختم ہو جائیں پھر کہا کہ کلمات کے معانی میں اختصار کر یہ سبب تھا کہ اختصار کرتا ہوں اور اے محبوب! تم بھی نامحرموں سے چھپاؤ کیوں کہ کلام ربانی کے معانی میں جو کلمات میں کہتا ہوں ان کا ادراک کسی کو نہیں ہے۔ چھپاؤ اور خود نوش کرو۔ اسرار باقی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مکتوب میں بھی لکھے جائیں گے۔

اسرار تواں بہ پاک بازاں دادن   لیکن نہ تواں بہ بے نیازاں دادن

(اسرار پاکبازوں کو دے سکتے ہیں لیکن بے نیازوں کو نہیں دے سکتے ہیں)

اس کے بعد میری دیوانگی نے میرے الہام سے کہا کہ اے حضرتِ لایزالی کے قاصد میری جانب سے آنحضرت کو پہنچا دے۔

از عشق بسر نخواہم آمد   باخویش دگر نہ خواہم آمد
بے خویش شدم چناں کہ ہرگز   باخویش دگر نہ خواہم آمد
از حلقۂ عاشقان بے دل   یک لحظہ بدر نہ خواہم آمد
تاجاں دارم از عشق جاناں   یک ذرہ بسر نہ خواہم آمد
در عشق چناں شدم کہ کس را   زیں پس بہ نظر نہ خواہم آمد
در سوختگی چو آتشم من   زیں سوختہ تر نہ خواہم آمد
چوں نیست شدم مرا چہ باک است   گر خواہم و گر نہ خواہم آمد
پر سوختہ شد مرا دریں راہ   جز مرغِ بسر نہ خواہم آمد
نامت چو محمدا حجاب است   با او بہ سفر نہ خواہم آمد

(میں عشق کے انجام تک نہیں پہنچوں گا۔ میرا اب آپ میں آنا ناممکن ہے۔ ایسا بے خود ہوگیا ہوں کہ اب باہوش ہونا قطعی ناممکن ہے۔ عاشقان بیدل کے حلقہ سے ایک لحہ کے لیے بھی باہر نہیں جا سکتا۔ جب تک زندہ ہوں محبوب کے عشق سے ذرہ برابر انحراف نہیں کرسکتا۔ اس کے عشق میں ایسا گم ہوگیا ہوں کہ اب نظر نہیں آؤں گا۔ جلنے میں میں آگ کی طرح ہوں اور اب اس سے زیادہ کیا جلوں گا جب میں نیست ہوگیا ہوں تو اب مجھے کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں کہ میں نیست سے ہست ہوں گا یا نہیں اس راہ میں میرے پَر جل چکے ہیں اور اب میری حالت مرغ سوختہ کی ہوچکی جس سے نکلنا ہے۔ تیرا نام محمد حجاب کا کام کررہا ہے پھر بھلا میں اس کے ساتھ سفر کیسے کرسکتا ہوں) فقط

بائیسواں مکتوب

(اسرار کے بیان میں)

دی دلبر من مست بہ بازار برآمد　　آشوب ز بازار بہ یک بار برآمد
ہر زاہدِ خود بیں کہ کلہ گوشۂ او دید　　چوں عاشقِ مست از سرِ دستار برآمد
یک شہر بہ پیش رخ او سجدہ نمودند　　کیں قبلۂ جاں از درِ خمار برآمد
گر باک ترا نیست بہ خون دل عشاق　　آں خط کہ براں عارضِ گلزار برآمد
رخسارۂ او آئینۂ جان و دل ماست　　افسوس کزاں آئینہ ز نگار برآمد
خوں شد دل طوطی ز حدیثِ شکر نیش　　زاں خونِ دلش برسرِ منقار برآمد
در شوقِ وے از چشم محمدؐ بچکید است　　ہر لالہ کہ بر دامنِ کہسار برآمد

(کل میرا محبوب مستی کے عالم میں بازار آیا تو بازار میں ایک شور و ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جس زاہد خود بیں نے اس کے گوشۂ کلہ کو دیکھ لیا وہ عاشقِ مست کی طرح سرو دستار سے بے نیاز ہو گیا (یعنی سب عجب و خودنمائی دھری رہ گئی۔ جب میرا قبلۂ جاں میخانہ سے نکلا تو پورا شہر کا شہر اس رخ تاباں کے آگے سر بہ سجود ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کے عارض گلنار پر جو خط ظاہر ہو رہا ہے اس پر خونِ دل عشاق کی دھاریاں ہیں اس کا رخسار ہمارے جان و دل کا آئینہ ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس آئینہ سے زنگار نکلا۔ (سبز رنگ) طوطی کا دل اس کی میٹھی بولی سے خون ہو گیا اور اس وجہ سے اس کا خونِ دل سرِ منقار آ گیا (طوطی کی چونچ کی سرخی کی کیا خوب تاویل ہے) اس کے شوق میں محمدؐ کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکا وہ لالۂ کہسار بن گیا)

مقصود یہ کہ اے محبوب! انسان کے علاوہ سب کچھ قدرت اور محبت کے بیان کی بحر المعانی میں نہ گنجائش ہے نہ برداشت۔ انشاء اللہ تعالیٰ دقائق المعانی میں قدرت اور محبت کی شرح روشن ہوگی۔ جب تمہیں محبت سے پیدا کیا تو یہ شور و شر جو تم میں ہے یہ بھی اسی سے ہے کہ تم سے محبت کے پینگ بڑھیں کہ یحبھم و یحبونہ (وہ ان سے پیار کرتا ہے اور وہ اس سے پیار کرتے ہیں) جو کچھ قدرت کے تقاضہ سے موجود ہے وہ ایک مقررہ کام کے لیے مسخر ہے لیکن جو محبت کے تقاضہ سے موجود ہے وہ کسی ایک مقررہ کام کے لیے نہیں ہے بلکہ مسخر مختار ہے، جس طرح آگ میں حرقت ہے اسی طرح آدمی میں اختیار ہے یعنی آگ میں بجز جلانے کے اور کوئی صفت نہیں اسی طرح آدمی میں بجز مختاری کے کوئی صفت نہیں۔ جب اختیار آیا تو اس اختیار کے واسطہ سے مختلف کام وجود میں آئے یعنی اگر چاہے بائیں جانب حرکت کرے اور اگر چاہے سیدھی جانب اگر چاہے تو ساکت رہے اور چاہے متحرک پس اے محبوب! ان معنوں سے عالم کثرت کے حرکات عالم وحدت میں ہونا چاہئے یا وحدت کی تنزیہہ کرے۔ یہ تھا کہ اس کام کے لیے اس عالم میں تم امتحان کے لیے لائے گئے کہ لیبلوکم ایکم احسن عملا (۲/۶۷) (تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس نے اچھے کام کیے)

اگر تم مختار رہنا چاہو یا نہ رہنا چاہو تو تمہاری مختاری آگ اور پانی سے پکے ہوئے گوشت اور روٹی کی طرح ہے جو حرقت سے پک کر سیری اور غذا دیتی ہے لیکن دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جسے سعادت کے لیے پیدا کیا ہے اس کی مختاری سوائے اہل سعادت کی حرکات کے اور کسی پر نہیں ہے کہ فاما الذین سعدوافقی الجنة خالدین (۱۱/۱۰۸) (جو نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے) اور جس کسی کو شقاوت کے لیے پیدا کیا ہے اس کی مختاری سوائے اہل شقاوت والی حرکات کے اور کسی پر نہیں ہے کہ فاما الذین شقوافقی النار (۱۱/۱۰۶) (جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں رہیں گے) لیکن اہل ایمان کے بارہ میں بیان کیا ہے کہ امّا الذین آمنوا و عملوا الصلحت فلھم جنات الماویٰ نزلاً بما کانوا یعملون (۳۲/۱۹) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان

کے لیے باغ ہیں رہنے کے لیے یہ مہمانی ان کاموں کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے) اور اہل کفر کے لیے سرزنش ہے۔ ان کے لیے دوسری جگہ کی اشارت ہے واما الذین فسقوا فماوھم النار کلما ارادوا ان یخرجوا منھا (٣٢/٢٠) (اور جنھوں نے نافرمانی کی ان کے (رہنے کے) لیے دوزخ ہے جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں) پس اے محبوب! ارادت اہل شرع کا شیوہ شریعت قبول نہیں کرتی یعنی شرع کہتی ہے اعملوا و کل میسر لما خلق لہ (عمل کرو اور ہر شخص کے لیے آسان کر دی گئی ہے وہ چیز جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) میں سمجھتا ہوں کہ ان کلمات سے آپ کی خاطر میں آئے گا کہ انبیاء اور رسولوں کی دعوت اور بعثت سے کیا فائدہ ہے۔ ان کی دعوت بھی سعادت و شقاوت کا علم حاصل کرنے کا ایک سبب ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے سامنے شہد رکھا جائے اور اس کو شہد کی خواہش بھی ہو اور اس شہد میں زہر ہو۔ اگر وہاں کوئی خبر دینے والا نہ ہو تو اس کا کھانا سوائے ہلاکی کے کچھ نہ ہوگا۔ اور یہ کہ (اگر) کوئی اس سے کہے کہ اس شہد میں زہر ملا ہوا ہے اور وہ اس کو جھوٹا نہ جانے تو ضرور شہد کھانے سے باز رہے گا اور یہ اطلاع اس کی زندگی کا سبب ہوگی۔ جانو ضرب اللہ مثلاً (اللہ تعالیٰ نے ایک مثال دی) یعنی دنیا اور آخرت لذت اور حظ کی جگہیں ہیں۔ شہد کی طرح سمجھو اور ساری خلق ان دونوں جگہوں کے حظوظ پر عاشق ہے۔ یعنی دنیا کے حظ سے ملائے گئے ہیں کہ اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو (٢٠/٥٧) (جانو کہ دنیا کی زندگی لہو و لعب ہے) اور اس دنیا کی نعمت زہر ملا ہوا شہد ہے جس نے چکھا ہلاکی کو دعوت دی اور اس چکھنے سے مراد باطنی حب ہے نہ کہ ظاہری۔ پس اے محبوب! انبیاء خبر دینے والے اور آگاہ کرنے والے ہیں کہ دنیا کے زہر سے خبردار کرتے ہیں کہ دنیا سانپ ہے جو زہر رکھتا ہے جیسا خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا کہ الدنیا حیّة قاتلة (دنیا ایک مار ڈالنے والا سانپ ہے) اور آخرت کا حظ بھی شہد ہے کہ حظ ملا ہوا ہے۔ اے محبوب! گو کہ اہل ظواہر اس شہد کو جو عقبیٰ کا حظ ہے زہر ملا ہوا نہیں کہتے کیوں کہ ابدی حظ ہے اور زہر ہلاکت کا سبب ہوتا ہے اور جنت میں ہلاکت نہیں ہے لیکن اہل عشق اس کو بھی زہر ملا ہوا سمجھتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک جو کوئی خواجہ علیہ السلام کے

مقام سے ولایت کا مشاہدہ نہ کرے وہ ابدی ہلاکت میں ہے کہ الدنیا سجن المومن کما ان العقبیٰ سجن العاشقین (دنیا مومن کا قید خانہ ہے جس طرح عقبیٰ عاشقوں کا قید خانہ ہے) اس گروہ کو جو حضرت غفور جلت قدرتہٗ کو بہشت اور حور وقصور کے حظوظ کے لیے پوجتا ہے اس کو جنت کی نعمتوں کے حظ میں مشغول کرتے ہیں اور عام مقام میں رویت ہوتی ہے۔ مقام خاص کے اہل رویت مقام عام کے اہل رویت کو ہلاک تصور کرتے ہیں۔ اچھی طرح غور کرو۔ مقصود یہ کہ اے محبوب! دنیا میں خلق کے تین گروہ ہیں ان میں کا ایک گروہ سچا ہے دنیا چھوڑنے کو کہتا ہے اور ہمہ تن آخرت میں مشغول ہو جاتا ہے تاکہ ابدی فلاح اور سعادت پائے۔ سعادت کے ساتھ ابدی حظ میں مستغرق ہو گیا ہے اور اہل عشق وکمال کے نزدیک ہلاک ہو گیا ہے جیسی کہ اوپر شرح کی گئی۔ دوسرے گروہ نے انبیاء کے وعظ ونصیحت کو فراموش کر دیا اور شہوات میں مبتلا ہوئے اور پہلے گروہ کے نزدیک ہلاک ہو گئے یعنی اہل جنت اس گروہ کو ہلاک تصور کرتے ہیں کہ تریدون ان تصدونا عما کان یعبد آباؤنا (۱۴/۱۰) (تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے) چنانچہ ایک دن اس فقیر کے پیر فرد حقیقت قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ یعامل العباد فی الابد علیٰ ماعا م لھم فی الازل (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ابد میں وہی کرتا ہے جو ازل میں لکھ چکا ہے)۔ یہ بھی اسی مقام سے فرمایا کہ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام فابواہ کان یھودانہ او یجسانہ او ینصرانہ (ہر ایک اسلام کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے پس اس کے والدین اس کو یہودی یا مجوسی یا نصرانی کر دیتے ہیں) جو کوئی فطرتاً سعید ہے آخرت میں بھی سعید ہے۔ اکیسویں مکتوب میں لکھا گیا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ (۳۰/۳۰) (خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت میں) تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا) ذلك الدین القیم (۱۲/۴۰) (یہی سیدھا دین ہے) واضح بیان ہے لیکن بے چارے علمائے ظاہر (جو) بحر المعانی سے محروم ہیں۔ اس میں عجیب راز ہے۔ جانو کہ دنیا کو آخرت کا محل، بنایا ہے اور قالب کو جان کا محل

بنایا ہے صبغة الله ومن احسن من الله صبغة (۲/۱۳۸) (اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے اچھا کون ہے) خود شافی جواب اور وافی بیان ہے) اور جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا الدنیا مزرعة الآخرة (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) یعنی دنیا ازل کا خم ہے اور ابد ازل کے درمیان رکھی گئی ہے اور اس خم میں سارے رنگ ظاہر ہو گئے۔ سعادت دنیا اور قالب سے ظاہر ہوئی اور شقاوت بھی دنیا اور قالب سے پیدا ہوئی ورنہ فطرت میں دونوں یکساں تھیں۔ پس فرق خلقت سے نہیں ہے ماتریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت (۶۷/۳) (کیا تو رحمٰن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے) بلکہ قالبوں اور قابلیتوں سے آیا ہے اگر دنیا اور قالب کی ضرورت نہ ہوتی تو حضرت رسالت علیہ السلام کو زمین پر کیوں چھوڑتے کہ دعا اور تضرع سے ہر حال اور احوال کو بیان فرماتے اور فرمایا یا لیت رب محمد لم یخلق محمداً (اے کاش کہ محمدؐ کے رب نے محمد کو نہ پیدا کیا ہوتا) اور حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کنت طیراً اطیر (کاش) میں ایک چڑیا ہوتا جو (فضا میں) اڑتا رہتا) اے محبوب! جانتے ہو کہ حضرت رسالت علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ نالہ و فریاد کس لیے تھا۔ دونوں اس عالم دنیا اور قالب سے فریاد کرتے تھے اور ہر ایک اسی مشرب پر ہے اور وہ بھی فریاد کرتا ہے اور تم بھی کرو گے خواہ وہ فریاد و نالہ یالیت رب محمد لم یخلق محمدا (اے کاش محمدؐ کے رب نے محمد کو نہ پیدا کیا ہوتا) نہ ہو اور جس کسی میں یہ فریاد ہے اس کو حقیقت سے کیا واسطہ۔ کلمات کے معنی یہ ہیں کہ کاش ہم کو عالم فطرت اور حقیقت میں رکھتے اور رہنے دیتے اور ہرگز حکم و تکلیف کے عالم میں نہ بھیجتے۔ یہ کلمات اس کے حکم کے رد میں نہیں ہیں کہ اس کے حکم کو رد کریں لیکن چوں کہ پہلے اس سے موانست حاصل ہو چکی دنیا اور قالب سے فریاد ہے کہ دوری میں لا ڈالا کیوں کہ آدمی ایک صفت نہیں رکھتا بلکہ بہت سے صفات رکھتا ہے اور بنی آدم میں سے ہر ایک دو وجوہ سے مرکب ہے ایک رحمانی دوسرے شیطانی۔ ایک کو قلب کہتے ہیں اور دوسرے کا نام نفس امارہ ہے۔ پس قالب اور نفس شیطانی ہیں اور جان و دل رحمانی ہیں۔ یہ خلقت جو قالب میں ہوتی ہے نفس ہے اگر قلب پہلے قالب میں ہوتا تو ہرگز نفس کو قلبی مملکت اور روح کے عالم میں نہ چھوڑتا کہ قالت ان الملوك اذا دخلوا قرية

افسدوها و جعلوا اعزة اهلها اذلة (۲۷/۳۴) (اس نے کہا کہ بادشاہ جس کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں) یعنی اے محبوب! قالب کثافت رکھتا ہے اور نفس ظلمت کی صفت رکھتا ہے اور قالب خاک سے ہے اور خاک بھی ظلمت سے ہے۔ پھر ایک دوسرے سے الفت کرنے لگے۔ قالب کی خلقت جب شروع ہوتی ہے تو بائیں جانب سے شروع ہوتی ہے کہ یخلق القالب من یسار ویرکبه النفس فی القالب قبل القالب و الروح فاالنفس هو الهواء الزمائم (قالب کی تخلیق بائیں جانب سے ہوتی ہے اور نفس قالب میں قلب و روح سے قبل ترکیب پاتا ہے قالب جب بائیں جانب سے خلقت پاتا ہے تو لازم ہے کہ پہلے نفس کی ترکیب ہو۔ اس کے بعد پھر قالب بائیں جانب سے دائیں کی ترکیب پاتا ہے اور قلب و روح کی ترکیب اس کے بعد ہوتی ہے کہ ثم انشأ ناه خلقا آخر (۲۳/۱۴) (پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا) جس سے مراد اسرار قلب اور ادخال روح ہے۔ قلب یہ ہے جو تیرے باطن میں کوشش کرتا ہے اور وہ کھوکھلے پن سے مرکب ہوا ہے کہ جس کو عوام دل کہتے ہیں لیکن قلب (دراصل) اس کو کہتے ہیں جس کے کھوکھلے پن میں اسرار پنہاں ہیں افمن شرح الله صدرهٗ للاسلام فهو علیٰ نور من ربه (۳۹/۲۲) (بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو) بھائی نفس بھی یہ گوشت کا ٹکڑا نہیں ہے کہ جسے عوام آلہ اور فرج کہتے ہیں۔ اب سنو کہ نفس کی صفت کیا ہے یعنی ہوائی ہے ہوا کے عالم اور ظلمانی زمائم سے کہ النفس هو الهوی و مقام فی الجنبین کما قال علیه السلام اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك (نفس ہویٰ (یعنی خواہش) ہے اور اس کا مقام دونوں پہلوؤں کے مابین ہے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے) پس اے محبوب! یہ دونوں اسرار قلبی و نفسی یعنی نورانی و ظلمانی۔ یعنی ہوائے نورانی قلبی و روحی ہے اور ہوائے ظلمانی نفسی و قلبی ہے اچھی طرح غور کرو کہ جب درویش کو عالم طیر حاصل ہوتا ہے تو وہ شوق کے پروں سے ہوا میں اڑتا ہے اس کے بعد ہوائے نورانی جو اسرارِ قلب میں اور

ہوائے ظلمانی جو نفس ہے اس کو عالم سماء میں جو ہوا ہے مشاہدہ کرتا ہے اور آپ کو بھی مشاہدہ ہوگا۔ جانئے کہ اسرار نورانی فلکِ اعلیٰ کی ہوا سے وارد ہوتے ہیں یعنی عرش سے۔ اور وارداتِ اسرار ظلمانی فلک اسفل سے وارد ہوتے ہیں جسے سمائے دنیاوی کہتے ہیں کہ وہ زمین اور زمینی اشیاء کی زینت کے لیے ہے کہ اس کو انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب و حفظ من کل شیطان مارد (۳۷/۶) (آسمان دنیا کو زینت دی ستاروں سے اور حفاظت کی ہر سرکش شیطان سے) اچھی طرح غور کرو کہ کیا کہتا ہوں۔ عرشی واردات جو نورانی ہیں تمھارے قلب پر ہر وقت نازل ہوتے رہتے ہیں کہ افمن شرح اللہ صدرہٗ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہٖ (۳۹/۲۲) (بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو) صاحب قلب یعنی مہدی چاہئے کہ میرے کلمات کو سمجھے اور آپ مہدی ہوں گے جب تک ہدایت کرنے والے نہ ہوں گے میرے کلمات کو نہ پائیں گے اور وارداتِ سماوی جو اسفل میں ہیں جن کو ہوائے ظلمانی کہتے ہیں ہر وقت اس کے بائیں ہوتے ہیں اور ضلالت و ظلمت کی جانب دعوت دیتے رہتے ہیں ثم رددناہ اسفل سافلین (۹۵/۵) (پھر ہم نے اس کو لوٹایا اسفل السافلین کی جانب) کہ صاحب نفس کو مضل دی گئی اور جب تک مضل بھی نہ ہو جاؤ میرے کلمات کو ہرگز نہ پاؤ گے۔ کون سا مضل! وہ مضل ووجدك ضالا فھدی (۹۳/۷) ہے (اور اس نے تجھ کو راستہ سے ناواقف پایا تو سیدھا راستہ دکھایا) اور مقام انك لفی ضلالك القدیم (۱۲/۹۵) (بیشک تو پرانی گمراہی میں ہے) میں کسی سے اس وقت آشنا ہوگے کیا کروں جتنا زیادہ لکھتا ہوں اتنے ہی اشکال پیش آتے ہیں۔ حقیقت جانو کہ برسوں خضر علیہ السلام اس فقیر سے سفر و حضر کی ہر ملاقات میں بحر المعانی کے ان کلمات کے متعلق سوال کرتے رہے ہیں میں نے ان کو نہ بتایا اور اب بھی واللہ نہ بتاؤں گا۔ کیوں کہ ابتدائے حل میں چند سال یہ فقیر ان کی ملاقات کا متمنی رہا۔ جب ملاقات ہوئی تو ان ہی کلمات میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے ان سے پوچھا لیکن مجھ کو شفا حاصل نہ ہوئی۔ آج ان کو تمنا ہے اور میں محترز ہوں اس سبب سے کہ "اپنی جان کی حفاظت چاہتے ہیں یعنی نیمۂ جان کی حفاظت

کرتے ہیں اور مجھ کو اگر ہر لحظہ ہزار جانیں دی جائیں تو ان کو چھوڑ دینے کا منتظر رہوں اور ہر ملاقات میں جب ان کو ان کلمات کی تمنا ہوتی ہے تو ان کو یہ اشعار سنا دیتا ہوں۔

مرازیں مرد ماں مشمر خیالے داں کہ می گردم   خیال از نیستم بارے چو ہر اسرار می گردم
چرا با تو نمی گویم کہ اسرار است بس مشکل   کہ من معذور و بد مستم چو ناہموار می گردم
دریں ایوان سر بازاں کہ سر ہم در نمی گنجد   من سر گشتہ معذورم کہ بے دستار می گردم

(مجھے ان لوگوں میں شمار نہ کرو جو کسی خیال میں رقص کرتے ہیں۔ اگر مجھے کچھ خیال نہیں ہے تو پھر میں اسرار پر رقص کرتا ہوں۔ میں تجھ سے یہ کیوں نہ کہوں کہ اسرار بہت مشکل ہیں اس لیے کہ میں معذور و بد مست ہوں اس وجہ سے میرا رقص ناہموار ہے۔ اس سر بازوں کے ایوان (محل) میں کہ جہاں سر داخل کرنے کی گنجائش نہیں ہے میں سر پھرا معذور ہوں اور بغیر دستار کے رقص کر رہا ہوں)

تم بھی جاں نثاری اور جاں سپاری میں لگے رہو تا کہ ایسے ہزار خضر تمہارے لیے سر گرداں رہیں۔

وگر سیری زجاں در باز جاں را   نثارش کن کہ جانہا بے شمار است
تو ہر وقتے کہ جاں را بر فشانی   ہزاراں جان تو بر تو نثار است
چہ خواہی کرد خود را نیم جانے   کہ دانم زندگی تو بہ یار است
کسے کز جاں بود زندہ دریں راہ   زجرم خود ہمیشہ خضر وار است
در آمد دوش از در عشقِ جاناں   خطابم کرد کا شب روز بار است
زیارِ خود بر آ تا باریابی   کہ شاخِ وصل بے یاراں بہ بار است
چو شد فانی دلت در راہِ معشوق   قرارِ عشقِ جاناں بے قرار است
ترا اوّل قدم در وادیِ عشق   بہ زاری گشتن و انگاہ دار است
وزاں پس سوختن تاہم تو بینی   کہ نورِ عاشقاں در فرِ نار است
چو خاکستر شوی و ذرہ گردی   بہ رقص آئی کہ خورشید آشکار است
ترا از کشتن و از سوختن ہم   چہ غم ہمچوں دلم چوں غمگسار است

(اگر تو جان سے اکتا گیا ہے تو جان کی بازی لگا دے اور اس پر نثار کر دے کیوں کہ جانیں بے شمار ہیں۔ تو جس وقت بھی جان نچھاور کرنے پر آمادہ ہوگا ہزاروں جانیں تجھ پر نثار ہو جائیں گی۔ تو خود کو نیم جاں کر کے کیا کرے گا کیوں کہ تیری زندگی تو ہمیشہ تیرے دوست سے وابستہ ہے۔ جو شخص اس راستہ میں جان کے ساتھ زندہ رہتا ہے تو اپنے جرم کی پاداش میں خضر وار رہتا ہے۔ کل عشقِ جاناں اندر داخل ہوا اور اس نے مخاطب ہو کر کہا کہ آج کی رات باریابی کی رات ہے۔ اپنے دوست سے عہدہ برآ ہوتا کہ تجھے باریابی حاصل ہو۔ اس لیے کہ شاخ وصل بغیر دوستوں کے پھل لاتی ہے۔ جب میرا دل راہِ معشوق میں فنا ہو گیا تو عشقِ جاناں کے قرار میں قرار کہاں سے آ سکتا ہے یعنی برابر بے قراری رہے گی۔ وادیٔ عشق میں تیرا پہلا قدم نالہ وزاری سے مقابل ہوتا اور پھر نتیجہ دار پر منتج ہوتا ہے اور اس کے بعد جلانا، تا کہ تو یہ بھی دیکھ لے کہ عاشقوں کا نور نار سے بلند ہے۔ جب نور جل کر راکھ ہو جائے گا اور ذرہ ذرہ ہو جائے گا تو رقص میں آ جائے گا کیوں کہ آفتاب موجود ہے جو ذروں کو تابنا کی عطا کرتا ہے۔ ذرہِ آفتاب سے ضیا حاصل کرتے ہیں اور خود آفتاب بن جاتے ہیں۔ تجھے قتل ہونے اور جلنے کا کیا غم ہے جب تو میرے دل کی طرح غمگسار ہے)

خیر الکلام ماقل ودل (بہترین کلام وہ ہے جو تھوڑا ہو اور مکمل ہو) کلمات کو اجمالی طور پر لکھتا ہوں اگر تفصیل میں مشغول ہوں تو توریت کی طرح اونٹ لادے جائیں لیکن یہ کلمات فرقان کی شرح ہیں۔ اس لیے کہ یہ کلمات خیر الکلام ہیں اور اسرار باقی ہیں۔ انشاء اللہ دوسرے مکتوب میں لکھے جائیں گے)

تیئیسواں مکتوب

(اسرار)

چوں نیامد سرِّ عشقت درمیاں ہمچو طفلاں مہر دارم در زباں
چوں زباں پر پیچ تو پر پیچ نیست لب فروبستم قلم کردم رواں
ہمچو مرغِ نیم لبسمل در رہت درمیانِ خاک و خوں گشتم نہاں
دوش عشقِ تو در آمد نیم شب از رہِ دز دیدہ یعنی راہِ جان
گشت صدر دریا ز خون دل بیار تادر آشامم من آں را یک زماں
مرغ دل آوارۂ دیرینہ بود یافت بازِ عشق تو جانے نشاں
دل بدید و عشق را در برگرفت عقل و جاں را کارد آمد استخواں
عقل فانی گشت و جاں معدوم شد زیں عجب تر قصہ نبود در جہاں
چوں شدی فانی ز مقصود اے دلم ہست مطلق گردی اندر لامکاں

(جب تیرا رازِ عشق سامنے نہ آیا تو میں نے بچوں کی طرح منہ پر مہر رکھ لی یعنی مہر برلب ہوگیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ چوں کہ زبان لڑکھڑانے والی نہیں یعنی رواں ہے اس لیے میں نے ہونٹ سی لیے اور قلم سے کام لینا شروع کردیا۔ مرغِ نیم لبسمل کی طرح تیری راہ میں خاک وخون میں لت پت پوشیدہ ہوگیا۔ کل آدھی رات کو تیرا عشق براجمان ہوگیا اور وہ بھی چپکے سے اور جان کے راستہ سے اور اس نے کہا کہ خونِ دل کے دریا بہا کر لاؤ تا کہ میں اسے ایک دم سے پی جاؤں۔ مرغِ دل پرانا آوارہ تھا تیرے عشق کے باز نے اس پر جھپٹا مارا۔ دل نے دیکھا اور عشق کی آغوش میں لے لیا اور ہڈیوں نے عقل و جاں کے لیے چھری کا کام کیا۔ دنیا میں اس سے عجیب تر کوئی قصہ نہیں ملتا۔ عقل فانی اور جان

معدوم ہوگئی۔ میرے دل جب اس نے مقصود کو فنا کر دیا تو لامکاں میں ہست مطلق ہوگیا)

اے محبوب خلق عالم کے تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ کو توفیق دی گئی کہ انکی روح ان کے نفس کو مقہور اور مردود کر لے۔ سعادت ان کا حال ہوئی جس سے وہ عرش سے گزر جاتے ہیں کہ ان جند نا لھم الغالبون (۱۳۷/۳۷) (بے شک ہماری فوج ان پر غالب ہے) اور دوسرے گروہ کے راستہ میں شقاوت رکھی گئی۔ ان کے نفس نے ان کی روح پر غلبہ کیا۔ شقاوت ان کا حال ہوئی پستی میں لے گئی کہ اولئك حزب الشیطان (وہ شیطان کا گروہ ہے) اور تیسرا گروہ موت کے وقت تک ٹھہرا رہا اگر موت کے وقت وہ پوری طرح نفس کا رنگ لے لیتا ہے تو شقاوت اس کے ہمراہ ہوتی ہے اور اگر دل کا رنگ لے لیتا ہے تو سعادت اس کے ہمراہ اور وہ جو ٹھہرا رہتا ہے اہل اعراف سے ہوتا ہے وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم (۴۶/۷) (اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے) جیسا نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے انما الاعمال......

محبوب! روح تین ہیں۔ روح انسانی، حیوانی، روح نباتی۔ چہرہ کی تہہ کے نیچے اور ظاہری وجود آدمی ہے (انسان کے ظاہری وجود اور چہرہ کی زینت ہے) اور روح حیوانی آدمی کے وجود میں خون ہے اور روح انسانی ان دونوں روحوں کے علاوہ ہے کہ جس روح کی شرح و بیان روح والے مکتوب میں کر چکا ہوں اور یہ روح حقیقت کا لطیفہ ہے کیوں کہ صفات بشریت سے منزہ ہے اور بشر کے وجود کا عرض اس جوہر روح سے قائم ہے۔ پس اے رفیق ابد اور عتیق ازل۔ میں نے اس روح انسانی کو چار مراتب میں معائنہ کیا ہے اور آپ بھی اپنے پیر فقیر کی بدولت مشاہدہ کریں گے اور وہ چار مرتبے یعنی روح انسانی کی چار صفتوں کے رنگ ہیں۔ روح انسانی کا پہلا رنگ ذاتی امارگی دوسرا لوّامگی تیسرا ملہمی اور چوتھا رنگ مطمئنہ ہے۔ اے محبوب شہرستان صفت امارگی سور۔ شیر، چیتا، گھوڑا، گدھا، گیدڑ، بندر، کتا، لومڑی اور رنگ برنگے سانپوں، بچھوؤں اور طرح طرح کے کریہہ اور خوفناک صورتوں والے حشرات شہرستان نفسِ امارہ میں ہیں اور بیچاری روح، امارگی کی جملہ صفات میں مظلوم و محروم اس اندھیرے ملک میں ہے اور اس تاریکی نے

آفتاب روح کے نور کو اپنا ہم رنگ کر لیا ہے اور اس شہرستان میں بادشاہ روح کی حیثیت ایک جاروب کش مزدور کی ہے بلکہ اس سے بھی کمتر ہو گئی ہے کیونکہ اس شہرستان امارہ میں بہائیم اور مرداروں کی سلطنت ہے اور اہل ظواہر جو خود کو خواص میں شمار کرتے ہیں اور عام خلائق بھی اس پُر بلا دریا میں غرق ہو گئے ہیں اور اس قید خانہ میں قید ہو گئے ہیں اور شہوت اور حرص و حسد کی محبت اور درازی اَمَل (لمبی آرزوئیں) کے لوث سے راستہ سے ہٹ گئے ہیں اور ہزاروں قہری صفات سے متصف ہو گئے ہیں۔ اگر صاحب امارہ کے وجود میں سور کی صفت غالب ہے یا صفات مذکورہ میں سے کوئی صفت غالب ہے اور وہ اسی حال میں مرتا ہے تو اسی صفت پر اٹھایا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یحشر الناس علیٰ صورة اعمالهم (لوگ اپنے اعمال کی صورت میں اٹھائے جائیں گے) اور دوسرا رنگ لوامگی ہے اور لوامگی کی صفت حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ کبھی مناجات میں رکھتی ہے اور کبھی خرابات میں لاتی ہے۔ یعنی کبھی نعمتوں میں اور کبھی حمد میں اور کبھی دریائے ظلمانی میں غرق اور کبھی دریائے رحمانی میں غرق رکھتی ہے حق تعالیٰ نے بھی اس صفتِ لوامگی کی قسمیں کھائی ہیں لا اقسم بیوم القیامة (ہم کو روزِ قیامت کی قسم) یہ لا نفی ہے کہ کافر گمان کرتے تھے بلکہ یقین رکھتے تھے کہ قیامت نہیں ہے اور نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لا سے ان کے گمان کو رد کیا اور قسم کھا کر یاد کیا۔ قیامت کا دن آمنّا وصدّقنا۔ صفتِ لوامگی کو ملامت گر کہتے ہیں یعنی اہل لوّامہ قیامت میں اپنے کو ملامت کریں گے اور خود اپنی ملامت کے مقام میں ہوں گے اور کافر کہتے تھے کہ قیامت نہیں ہے اور ہم ہرگز اپنی ملامت نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے لا سے ان کے قول اور گمان کو رد فرمایا لا اقسم بالنفس اللوامة (ہم کو نفسِ لوامہ کی قسم) ان دونوں 'لا' سے صفت کا نفس مراد ہے (اس نفسِ (لوّامہ) سے صفت مراد ہے) یعنی کافر روز جزا میں خود کو ثابت کریں گے کہ کیوں منکر ہوئے اور گنہگار خود کو ملامت کریں گے کہ کیوں خطائیں کیں۔ مطیع کہیں گے کہ کیوں حضرت صمدیت کی پرستش حظوظ جنت کے لیے کی۔ مطیع بھی جب عاشقوں کو خواجۂ عالم علیہ السلام کے مقام میں دیکھیں گے تو خود کو ملامت کریں گے۔ اچھی

طرح غور کرو اور ان مطیعوں سے جو ملامت کرنے والے ہیں باہر نکل آؤ تا کہ عاشقوں میں منسلک ہو جاؤ اور جانتا ہوں کہ ہو جاؤ گے۔ بہت کچھ پاؤ۔ پس اے محبوب! شہرستان لوّامگی وہ ملک ہے جسے میں نے دیکھا ہے تم بھی دیکھو گے کہ بکریوں، گھوڑوں، اونٹوں، الوؤں، چغدوں، چیلوں، گِدھوں اور اسی طرح کے جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی یہ شہرستان لوّامہ ہزاروں نمائشیں رکھتا ہے اور اشارہ اسی نفس کی طرف ہے ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ (۴۰/۷۹) (اور (جی) کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے) اور لوّامگی کی یہ صفت امّارگی اور ملہمی کے درمیان ہے۔ جب اس صفتِ لوّامگی کے مشاہدہ سے ترقی کرو گے تو الہام کی صفت پر آؤ گے یعنی الہام کا مقام پاؤ گے۔ یہ صفت ملہمہ دونوں صفات یعنی امارگی اور لوامگی سے قوی تر اور کامل تر ہے صفت ملہمہ کا شہرستان باز و کبوتر و فاختہ وقمری اور بلبل مور اور چکور اور باغوں اور شہروں سے معمور فرشتوں اور عجیب خلق سے بھرا ہوا ہے۔ ہر ایک اپنے کام میں مشغول اور منہمک۔ کیسی اچھی تمہاری دوست ہے کہ یہ سب صفات تم میں موجود ہیں سب کو دیکھو گے۔ بیچارے اہل ظواہر کہ کسی نے نہ انھیں سنا ہے نہ دیکھا ہے اور لباس ظاہر میں ہرگز دیکھیں گے نہ سنیں گے اور بیچارے اہل سلوک جو اس بحر المعانی سے محروم ہیں کہ یہ کتاب تمہاری ہے اور تم حضرت سبحانی کے برگزیدہ ہو وہ بیچارے کیا جانیں اور کیا دیکھیں کہ چند رکعت نماز زیادہ پڑھ لینے کو کاروبار سمجھتے ہیں اور اس بحر المعانی سے ان کو کیا فائدہ جیسے ابوجہل اور ابولہب کو قرآن سے کیا فائدہ۔ جب تک ابوبکرؓ و علیؓ صفت نہ ہو جائیں میرے کلمات سے کیا فائدہ پائیں گے۔

محبوب جانم مطلوب روزگارم۔ میرے ان کلمات کے اسرار بجز دل کے کانوں کے نہ سنو تا کہ تمہارا نفس مسلمان ہو جائے اس مقام پر کہ شیطان تمہارے ہاتھ پر اسلام لائے اور تمہارا نفس دل کا رنگ اختیار کر لے تا کہ دل جو کچھ زبان قال سے نہیں کہا جا سکتا تم سے زبان حال سے کہے اور اس کلمہ سے آگاہ ہو کہ لسان الحال انطق من لسان القالِ (زبانِ حال زبانِ قال سے زائد گویا ہے) علمائے ظاہر اور اہل سلوک جو شایانِ اہل باطن سے محروم ہیں میرے کلمات سے جو کچھ سنیں گے اگر ان کے علم وفہم میں نہ آیا تو بہانے کریں

گے اور اس کی حقیقت نہ دیکھ سکیں گے اور اگر جانیں گے تو مبارک ہو کہ مسلمانی حاصل کریں گے اور مسلمانی کیا ہے الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (۳۹/۱۸) (جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں) یعنی جو کچھ جانتے ہیں اس پر یقین رکھتے ہیں اور جو نہیں چاہتے اس پر بہانے کرتے ہیں واللہ ان کو قرآن کی بھی خبر نہیں ہے اور اے محبوب! تم دیکھو کہ قرآن جو خدا کا علم ہے ان کلمات سے ان کی شکایت کرتا ہے واذ لم یھتدوا بہٖ فسیقولون ھٰذا افک قدیم (۴۶/۱۱) (اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے) یعنی جب بات نہیں سمجھتے تو کہتے ہیں کہ جھوٹ ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے یہ بات نہیں سنی کہ ما سمعنا بھٰذا فی آبائنا الاولین (۲۳/۲۴) (ہم نے اپنے پہلے باپوں سے یہ بات نہیں سنی) اور پھر دیکھو کہ یہی قرآن ان کی کیسی سرزنش کرتا ہے کہ انتم وآباؤکم فی ضلالٍ مبین (۲۱/۳۴) (تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں ہو) اسی طرح علمائے ظاہر اور اہل سلوک ظاہر کیا کہیں گے کہ ہم نے ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ سے نہیں سنا یعنی علم یہی ہے جو ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ نے کہا ہے۔ افسوس زمانہ کے نادانوں پر ؎

عشق را بو حنیفہؒ درس نہ گفت   شافعیؒ را درو درایت نیست
مالکؒ از کان عشق بے خبر است   حنبلیؒ را درو روایت نیست

(ابو حنیفہؒ نے عشق کا سبق ہی نہیں پڑھا شافعیؒ کی اس میں درایت نہیں ہے۔ امام مالکؒ عشق کی کان سے بے خبر ہیں۔ حنبلیؒ کی اس کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں ہے)

جب امام اماں حضرت جعفر صادقؑ نے کوفہ میں خدائے تعالیٰ کے علم اور اسرار کا درس دینا اور صاحب مذہب ہونا چاہا اسی زمانہ میں ہارون عباسی نے خود کو خلیفہ کا لقب دیا لیکن خلافت بھی علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوئی ان غاصبوں نے خلافت کو اپنے ناموں سے غلط منسوب کر دیا۔ امام جعفر صادقؑ کو ہارون نے بغداد میں نہ آنے دیا اور اہل کوفہ کو ڈرا کر امامؑ کو زہر دلوا دیا اس طرح اس نابکار نے امام کو زہر سے مارا اور ہندوستان کے علماء اس ظلم پر ہارون کو رحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ یہ ان کا حال ہے۔ پھر ان کو خدائے تعالیٰ کے علم سے کیا فائدہ

اور میرے ان کلمات سے کیا فائدہ۔ محبوب! حضرت رسالت علیہ السلام نے معاذؓ بن جبل سے کیوں فرمایا کہ قس الامور بربك (معاملات کے سلسلہ میں اپنے رب پر قیاس کرو) جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال علماءِ امتی مجتهدون ما دام کتاب الله فی الارض ثم قال کل مجتهد مصیب فقلت یا رسول الله ما الاجتهاد قال یا صدیق الاجتهاد رأی القلب

(میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا میری امت کے علماء مجتہد ہوتے رہیں گے جب تک کتاب اللہ زمین میں رہے گی پھر فرمایا ہر مجتہد مصیب یعنی صاحب رائے ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اجتہاد کیا ہے آپؐ نے فرمایا اے صدیق اجتہاد دل سے فتویٰ لینا ہے) یعنی اے معاذ! جس کسی کو مشکل ہو خود اپنے دل سے فتویٰ ڈھونڈے اور اپنے دل کو مفتی بنائے۔ اسی طرح ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسالت علیہ السلام سے سنا کہ انھوں نے فرمایا کہ جب تک قرآن زمین میں رہے گا۔ میری امت کے علماء اس وقت تک مجتہد ہوں گے۔ اور پھر فرمایا کہ ہر مجتہد حقیقت کو پانے والا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پھر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اجتہاد کیا ہے؟ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک قرآن زمین میں رہے گا میری امت کے علماء اس وقت تک مجتہد ہوں گے اور پھر فرمایا کہ ہر مجتہد حقیقت کو پانے والا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پھر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اجتہاد کیا ہے۔ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا اجتہاد دل کی رائے ہے۔ لیکن اے محبوب دل ایسا چاہیے جو روح کے رنگ میں رنگ گیا ہو نہ کہ وہ دل جو نفس امارہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو کیوں کہ نفس کی مخالفت فریضہ ہے جیسے کہ حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا یاداؤد نفسك تقرب الی بعداوة نفسك (اے داؤد اپنے نفس کو نفس کی عداوت (مخالفت) کرتے ہوئے میرے قریب کر)۔

وسوسۂ تن گذشت غلغلۂ جاں رسید — مور فروشد بہ گور چتر سلیماں رسید
چند مخنث نزاد دعویٰ مردی کند — جان خدا خواں بمرد جانِ خداداں رسید
دزد کہ باشد چو وقت شحنۂ ایماں بہ شہر — شحنہ کہ باشد بگو چوں شہ و سلطاں رسید

(جسم کا وسوسہ (تقاضا) ختم ہو گیا اور جان کا شور بلند ہو گیا۔ چیونٹی قبر میں پہنچ گئی اور چتر سلیمان کو مل گیا۔ کوئی مخنث آج تک ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے مردی کا دعویٰ کیا ہو۔ خدا کی طالب جان مر گئی اور خدا کو جاننے والی جان اس تک پہنچ گئی۔ جب شحنۂ ایمان کوتوال) شہر میں داخل ہو گیا تو پھر چور کا وہاں گذر کہاں۔ جب شاہ و سلطان پہنچ گئے تو پھر شہر میں کوتوال کی گنجائش نہیں رہی)

پس اے محبوب! ہم مقصود سے دور ہو گئے۔ جان لو کہ ملہمہ کی صفت رکھنے والے کے لیے ہزاروں نمائشیں ہیں لیکن اہل امارہ اور لوامہ عشق سے محروم ہیں ؎

عشق در امارہ و لوامہ نیست
عشق را جا باشد اندر ملہمہ

(عشق امارہ اور لوامہ میں نہیں ہے (بلکہ) اس کی جگہ ملہمہ میں ہوتی ہے)

ان تینوں شہرستان کا جن کا میں نے ذکر کیا مشاہدہ کیا ہے تم بھی مشاہدہ کے بعد ترقی کرو گے اور چوتھی صفت پر پہنچو گے اور شہرستانِ مطمئنہ کو دیکھو گے جو یک رنگ عالم ہے یعنی روح انسانی جو روح کی حقیقت سے مشاہدہ کرو گے کہ روحانیوں، قدوسیوں اور کروبیاں سے بھری ہوئی ہے اور اس شہرستانِ مطمئنہ میں ایسے چشمے روشن ہیں کہ ان کے سارے سنگریزے یاقوت لعل، زمرد، موتی اور بیش قیمت جواہر ہیں۔ اس شہرستان کے دریا بھی روشن ہیں اور تم پر ہر دم تجلیات ربانی اور وارداتِ فیاضِ ربانی وارد ہوں گے اور اس مقام کی عظمت و سلطنت تم کو حاصل ہو گی اور تم اس میں متصرف بھی ہو گے اور ہر لحظہ بے واسطہ خطاب سنو گے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ (۸۹/۳۰) (اے نفسِ مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی) اس کے بعد اس مقام سے خود خطاب کرو گے اور اس کا بڑا حصہ کہنے اور لکھنے کے قابل نہیں ہے۔ تم خود خطاب ہو جاؤ گے اس وقت جانو گے ؎

بندہ باحق ہمچو شیر وروغن ست آمیختہ
ایں ہمہ چوں شیر وروغن سوئے اؤ لاتبصرون

بندہ تو حق کے ساتھ دودھ اور گھی کی طرح ملا ہوا ہے (دونوں باہم شیر وشکر ہیں)
اس آمیزش کے باوجود بھی تم اس کو نہیں دیکھتے)

کیا کہوں اور کیا کروں محبوبِ جانم مطلوب روزگارم! کہ علماء بھی جاہل ہیں العلم علمان علم بالقلب وعلم باللسان (علم دو ہیں ایک قلب کا علم دوسرے زبان کا علم)انہوں نے علم زبانی پر قناعت کی ہے اور علم قلب سے ایسے دور رہے ہیں جیسے مسجد سے کتا۔ یجوز و لا یجوز عمرو اور زید کا نام علم رکھا ہے اور خود کو علماء کہتے ہیں۔ نادانوں پر افسوس ہے۔ چنانچہ یہ فقیر بھی برسوں ہدایہ اور بزدوی میں مبتلا رہا لیکن نہ ہدایہ سے ہدایت ملی اور نہ بزدوی سے کچھ حاصل ہوا۔ حضرت رسالت علیہ السلام کا فریاد اور نالہ بھی اسی نوع سے ہے کہ یالیت رب محمد لم یخلق محمدا (اے کاش محمد کے رب نے محمد کو نہ پیدا کیا ہوتا) یعنی اے محبوب! بلبل کے لیے یہ اچھا ہے کہ پھول کو اپنا نغمہ سنائے اور اس سے اپنا راز کہے کہ وہی اس کا معبود و مقصود ہے یا یہ کہ نفس میں رہ کر دوسرے اس کی شکل اور آواز سے لطف اٹھائیں اور اپنا مقصد حاصل کریں۔ پس اس بات کی حقیقت کہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا یالیت رب محمد لم یخلق محمدا یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ کاش یہ قلب نہ ہوتا تاکہ بوستان الٰہی میں کبریائی کے پھول پر لااحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك (میں تیری تعریف نہیں کرسکتا جیسی تو نے اپنی تعریف کی) نغمہ الاپتے اور حضرت رسالت علیہ السلام دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو زمین میں محمدؐ کہتے ہیں اور آسمانوں میں احمدؐ کہتے ہیں اور ایک مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ اس حضرت میں کیا کہتے ہیں۔ حضرت رسالت علیہ السلام کی فریاد واجبی ہے کہ کاش محمد نہ ہوتا کیوں کہ محمد ﷺ دنیا اور خلق سے متعلق ہے اور یہ نام قالب کے عالم سے ہے اور احمد ﷺ اسم قلبی ہے اور میم کو حذف کرنے سے اسم روحی ہو جاتا ہے۔ اچھی طرح غور کرو کہ کیا کہتا ہوں ہر کلمہ میں ایک دفتر ہے۔ اگر اسمِ محمد ﷺ عالم قالب سے نہ ہوتا تو قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی کہ وما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (٣/١٤٤) (اور محمد ﷺ تو صرف خدا کے پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے

پیغمبر گذرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (یعنی مرتد ہو جاؤ گے) پس اے محبوب! کیا کہتے ہو کہ موت اور قتل جان کا ہوتا ہے یا حقیقت کا۔ اگر محمد ﷺ ان کے قالب کا نام نہ ہوتا تو موت کو ان سے نسبت ہی نہ ہوتی کیوں کہ ان کی جان اور حقیقت کے لیے روا نہیں ہے اور دوسرے موقع پر بھی فرمایا ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ (۳۳/۴۰) (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر ہیں) اچھی طرح غور کرو جیسے ایک دفعہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا کہ لی خمسة اسماء محمد وانا احمد وانا الماحی وانا العاقب وانا الحاشر (میرے پانچ نام ہیں۔ محمد، احمد، ماحی، عاقب، حاشر وہ خود کو انا سید ولد آدم (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں) بھی فرماتے تھے اور اگر چاہتے ہو کہ حضرت رسالت علیہ السلام کی روح کا نام جانو اور مشاہدہ کرو تو ان کے اصحاب کی تعریف سنو کہ اصحابی کالنجوم یعنی ان کے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ یعنی ستارے دن رات آفتاب کے گرد سیر کرتے رہتے ہیں۔ یعنی فرمایا کہ میں آفتاب ہوں اور میرے اصحاب ستاروں کی طرح آفتاب کے گرد ہیں۔ آدمی، اولیاء اور اصحاب نبی علیہ السلام اور انبیاء کی محبت اور متابعت سے پیغمبر ہو جاتا ہے گو کہ جبرئیل وحی نہیں لاتے لیکن اس کی وحی الہام ہوتی ہے۔ المرء مع من احب (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) جب نبیوں میں سے ایک نبی ہو جاؤ گے تو علماء امتی کاانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں اسی عالم میں رویت دیں گے کہ رأی قلبی ربی (میرے قلب نے میرے رب کو دیکھا) پھر حضرت صمدیت جلت قدرتہ سے سنو کہ محمد رسول اللہ کی روح کا کیا نام ہے تاکہ جانو کہ یہی نام کہ رأی قلبی ربی، حضرت رسالت علیہ السلام کی اس روح کے معنی حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ نے کلام مجید میں بھی پانچ نام بیان فرمائے کہ یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا (۳۳/۴۶) (اے نبی بیشک ہم نے تم کو گواہی دینے والا۔ خوشخبری سنانے والا۔ اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ)

ایک شاہد دوسرے مبشر تیسرے نذیر چوتھے داعی اور پانچویں سراج۔ یہ پانچ نام محمد علیہ السلام کی جان کے نام ہیں اور ان پانچ ناموں کی خصوصیت رأی قلبی ربی ہے۔ اے محبوب! مشاہدہ کرو گے بیچارے اہل ظواہر اور اہل سلوک ظاہری کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اور محمدؐ کو ہم نے پہچانا ہے۔ واللہ اگر ان کو ذرہ برابر بھی شناخت ہو، اہل سلوک جب تک ملوکِ حقیقت کے آستانوں پر برسوں پیشانیاں نہ رگڑیں اور ان کے منظور نظر نہ ہو جائیں بیچارے ہیں ان کو ان اسرار سے کیا واسطہ، البتہ اگر ان کی نظر حاصل کر لیں تو بحر المعانی کے یہ کلمات سمجھیں گے۔ جو کچھ آپ کی کتاب میں لکھا جاتا ہے اس حضرت سے ہے کہ الم تر الی ربک کیف مد الظل (۴۵/۲۵) (کیا تم نے اپنے رب کی جانب نہیں دیکھا اس نے سایہ کو کیسا پھیلایا) اور دوسرے لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل (میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی) اے محبوب! تم کو بھی کتب خانہ معلم وعلم آدم الاسماء کلھا (۲/۳۱) (اور آدم کو تمام اسماء تعلیم کیے) سے مدرسہ علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم (۹۶/۵) (اس قلم سے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) کا علم سکھایا جائے گا۔ (سے فائدہ ہوگا) ایک ایک کلمہ کا مفہوم کلمات کی حقیقت کی رو سے مشاہدہ کرو گے۔ للہ الحمد والمنہ۔ لیکن عاشق کے لیے اس سے بڑی اور سخت بلا کوئی نہیں کہ وہ معشوق کے چہرہ سے دور ہو اور دوسرے یہ کہ نا اہلوں میں گرفتار ہو۔ یہ دونوں بلائیں ہیں ایک معشوق کی رویت سے فراق اور دوسرے نا اہلوں کا وصل۔ پس حضرت رسالت علیہ السلام نے اسی مقام سے فرمایا کہ کسی پیغمبر کو کوئی بلا اور کوئی رنج میرے بلا و رنج کا جیسا نہ پہنچا۔ لازم تھا کہ جو ان کو ملا بہتر تھا اور اس سے کمتر بھی کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ کیسی اچھی دولت آپ کی ہے کہ یہ دونوں آپ کو دیے گئے ہیں معلوم ہوا کہ آپ کو اس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشارب بھی دیے جائیں گے۔ جب اس مقام پر پہنچا تو غیرتِ الٰہی غالب ہوئی اور اس سے زیادہ ظاہر نہ کرنے دیا۔

خیز اے نگارِ بادہ پرست از شراب دوش　　بزم صبوح تازہ کن وساغرش بنوش
یکسو فگن دو گیسوئے مشکیں ز روئے خویش　　خورشید رازِ ظلمت شب بیش ازیں مپوش

مَے در پیالہ چوں دلِ عشاق می رسد — در اشتیاق چشمۂ نوشیں لب تو نوش
شہرے نگر کہ ہمچو مگس دست بر سرند — اند ہوائے آں دو عقیق شکر فروش
عشاق خستہ را کہ سر افگندہ ماندہ اند — چوں چنگ می نواز ودگر در جفا مکوش
مَے را نمی خوری تو محمد زبہر آں — تا بشکنی زبادۂ لعلت خمارِ دوش
گیرم کہ شعر من ہمہ عقد درست ولیک — معشوق کے کند سخنِ عاشقاں بگوش

(اے بادہ پرست محبوب اٹھ اور کل کی شراب سے میری بزم صبوحی کو تازہ کر اور اس کا جام پی۔ اپنے چہرہ سے دونوں گیسوئے مشکیں ایک طرف ہٹا دے۔ آفتاب (شراب) کو اس سے زیادہ ظلمتِ شب میں نہ پی۔ دلِ عشاق کی طرح شراب پیالہ میں کیوں کر پہنچتی ہے اس لیے کہ شراب نوش تو تیری چشم خمار کے اشتیاق میں رہتا ہے یعنی تیری مخمور نگاہوں سے متکیف ہونا چاہتا ہے۔ ذرا دیکھو تو ایک پورا شہر کا شہر مکھیوں کی طرح سر پر منڈلا رہا ہے کہ تیرے دونوں لبہائے لعلیں کو چوسیں جو شکر فروش ہیں۔ یعنی میٹھے ہونٹوں کو بوسہ دینے کی خواہش سے بے قرار ہیں۔ عشاق خراب وخستہ کو جو بیچارے منھ لٹکائے ہیں۔ چنگ کی طرح نواز اور مزید جفا کوشی نہ کر، عشاق جو تیری گفتگو سننے کے لیے بے قرار ہیں ان سے گفتگو کر، اے محمدؐ تو شراب اس لیے نہیں پیتا ہے کہ اس نے کل تیرے ہونٹوں سے شراب پی ہے اس کا خمار نہ ٹوٹے۔ میں نے مانا کہ تیرے شعروں کی کیفیت ایک لڑی کی سی ہے جس کا ہر دانہ تابناک ہے لیکن معشوق بھلا عشاق کی باتیں کب سنتے ہیں)

اے محبوب! میرے کلمات نا اہلوں سے چھپاؤ۔ تنہا نوش نہ کرو اور خروش نہ کرو اور اپنے پیر فقیر کی سنت پر رہو کہ بغیر خروش کے خمخانے خالی کرتا ہے اور تم بھی خالی کرو، اور میں نے بھی حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ سے تمہارے لیے ہمت مانگی ہے۔ پوری طرح پاؤگے۔

چوبیسواں مکتوب

(اسرار سے متعلق)

باز آمدم تا ہم کنوں سر در سر کارش کنم   بر بستہ ام جاں بر میاں گر خواہد ایثارش کنم
گر ناسزائے گویدم من آفرینی خوانمش   بسیار گر خواری کند تعظیم بسیارش کنم
اندر رہِ سودائے او سجادہ بفروشم بہ مے   ور پیشم آید محتسب آہنگ دستارے کنم
یا کعبہ گر رو آورد در وادی یارش کشم   ور ساکن دیرے شود بر کیشم آنکارے کنم
زنار اگر بند دتنم رہباں شوم تا عاقبت   دستے کہ بر سر می زنم در بند زنارش کنم
دی بار قیبے گفت رو تو با محمد رو دگر   لاف محبت کم زند ورنہ کہ بر دارش کنم
ہر جا شدم ہیچ از سرم سودائے او بیروں نہ شد   باز آمدم تا ہم کنوں سر در سر و کارش کنم

(پھر آ گیا تا کہ اس کے کام میں مشغول ہو جاؤں۔ میں بالکل تیار ہوں اگر وہ چاہتا ہے تو میں اپنی جان اس پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔ اگر وہ مجھے بُرا بھلا بھی کہے تو میں برا نہیں مانوں گا بلکہ اس کو آفریں کہوں گا وہ کتنا ہی ذلیل کرے میں اور زیادہ اس کی تعظیم کروں گا۔ اس کی محبت کے جنوں میں شراب کے بدلہ سجادہ بیچنے کو تیار ہوں اور اگر محتسب میرے سامنے آئے تو میں پگڑی اچھالنے کی کوشش کروں گا، اگر وہ کعبہ کا رخ کرے گا تو میں اس وادی میں بھی اس کا ساز و سامان اٹھاؤں گا اگر وہ کسی دَیر میں قیام کرے گا تو میں وہاں بھی اس کا کام کروں گا اگر وہ زنار باندھے تو میں بھی بالآخر راہب بن جاؤں گا۔ اور جس ہاتھ سے سر پیٹتا ہوں اسے زنار سے باندھ دوں گا (یعنی اس مسلک پر چلوں گا جو محبوب کا مسلک ہے) واللہ اعلم کل اس نے ایک رقیب سے کہا کہ جا محمد کے پاس جا اور کہہ کہ وہ محبت کی ڈینگیں کم مارے ورنہ اسے سولی پر چڑھا دوں گا۔ میں جس جگہ بھی گیا اس کی

محبت کا سودا سر سے نہیں نکلا۔ پھر واپس آیا کہ اب پھر اسے حاصل کرنے کی کوشش کروں)

اے حبیب، حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا کہ مثل المومن کمثل سنبلة یعنی مومن ایک خوشہ کی طرح ہے کہ خوشہ گھڑی بھر ساکن رہتا ہے اور گھڑی بھر متحرک یعنی ترقی اور رجعت میں ہوتا ہے اور اسی موقعہ پر خواجۂ کونین رسول الثقلینؐ نے اشارہ فرمایا کہ مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لا یصلح الطعام الا بالملح (میرے اصحاب کی مثال میری امت میں ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں معلوم ہوتا (اصلاح نہیں کرتا) یعنی نبیؐ کا کہا خوب لطیفہ کھانے کا نمک ہے اور کھانے کے نمک اور رخسار کے نمک سے تبرّا کیا کہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے حضرت رسالت علیہ السلام سے پوچھا کہ اے اللہ کے حبیبؐ آپ زیادہ خوبصورت ہیں یا یوسفؑ آپ ﷺ نے فرمایا انا املح واخی یوسف اصبح، (یعنی میں ملیح ہوں اور میرے بھائی یوسفؑ صبیح ہیں) محبوب! اپنے سب اصحاب کو نمک بنادیا، کہ سب کھانوں کو اس کی ضرورت ہے۔ یعنی سارے مشائخ کو ان کی اتباع کرنا چاہیے۔ اللھم اھد قوما لا یھتدون (اے اللہ ہدایت دے ان لوگوں کو جو ہدایت نہیں دیتے) اور اسی مقام پر نص ناطق ہے کہ یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین (۳۶/۲۶) (کاش میری قوم کو خبر ہو کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور مجھ کو عزت والوں میں سے بنایا) ظاہر ڈھونڈھنے والے مشائخ اور ظاہر دیکھنے والے عالم سب محبت۔ موانست اور مجانستِ الٰہیہ سے محروم رہتے ہیں اور چند رکعت نماز اور عاریتی اوراد سے کہ جو بے سعادتی کی علامت ہیں خود کو واصل اور متواصل سمجھتے ہیں ان کی خالص حماقت پر افسوس ہے۔ جانو کہ ان کا وصل حماقت کا بیج ہے ؎

گوہر وصلت ازاں در پردہ ماند   در جہاں شائستۂ آں کس ندید
گرد کویت چوں تواند دید کس   زاں کہ تو در جانی و جاں کس نہ دید

(تیرے وصل کا موتی اس لیے چھپا رہا (یعنی تیرا وصل کسی کو نصیب نہیں ہوا) کہ کوئی اس کا اہل نہیں تھا۔ تیرے کوچہ کی خاک کون دیکھ سکتا ہے اس لیے کہ تو در جان ہے اور جان کو کسی نے نہیں دیکھا ہے)

اللہ ری غیرت الٰہی کہ نا اہلوں کو نشان تک نہ دیا المجالس بالامانات (مجلسیں امانتوں کی جگہیں ہیں) ان معانی کے لیے برسوں خونِ جگر کھانا چاہیے تا کہ لاکھ میں سے ایک آنحضرت کے لائق ہو۔ اے محبوب! اس وقت جب تم بفحوائے ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین (۱۵/۴۷) (اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی ان کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں)

غل وغش سے پاک ہو جاؤ گے تب صراف حقیقت تمہیں قبول کرے گا۔ اور جب تک قبول نہ ہو جاؤ بحر المعانی کی قبا تمہارے جسم پر چست نہ ہوگی۔ حضرت بحر المعانی سے محروم لوگ کیا جانیں کہ میں کیا کہتا ہوں۔ اس فقیر نے بھی بیس سال تک شاہدانِ حضرتِ لایزال کے آستانوں پر پیشانی رگڑی اور ساری اقلیموں (تمام ممالک) کا سفر کیا۔ پہلے چالیس سال تین ماہ بارہ دن فردِ حقیقت شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں ارادت کے بعد تین کاموں میں رہا۔ پہلا کام پانچ وقت وضوئے مبارک کے لیے پانی لا کر وضو کرانا تھا اور دوسرا کام ان کے چراغِ مبارک میں تیل ڈالنا میرے ذمہ تھا۔ اور تیسرا کام ان کے استنجائے مبارک کے لیے ڈھیلے لانا میرے ذمہ تھا کہ روزانہ ان مبارک ڈھیلوں کو اپنے رخسار پر رگڑ کر چکنے کرتا تھا تب ان کے مبرز خانہ میں رکھتا تھا۔ میں یہ خدمت محمد تغلق کے دورِ حکومت میں کرتا تھا کہ اس وقت حضرت والد علیہ الرحمہ والغفران مقطع کھنبات میں ایک ہزار سات سو سوار رکھتے تھے۔ اور چونکہ اس فقیر پر دولت کا اثر تھا لہٰذا فردِ حقیقت کی خدمت میں چھوڑ دیا تھا۔ اس فقیر کی کیسی دولت وسعادت تھی اس کے بعد اپنے پیر فردِ حقیقت قدس اللہ سرہٗ العزیز کی اجازت اور حکم سے میں نے تین سو بہتر اولیاء کو پایا اور ان کی خدمت کی۔ اور ہر ایک نے ایک نعمت اس فقیر کو عنایت کی۔ اور ظاہر ڈھونڈھنے والے اہل سلوک اور اہل ظواہر سمجھتے ہیں کہ یہ آسان کام ہے۔ اے محبوب! ؎

کار آساں نیست با درگاہِ اوٗ خاک می باید شدن در راہِ اوٗ
سالہا برند مرداں انتظار تا یکے را بار بود از صد ہزار

(اس کی بارگاہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے اس کی راہ میں خاک ہو جانا چاہیے۔ لوگوں نے برسوں انتظار کیا تب کہیں ہزاروں میں سے ایک کو باریابی حاصل ہوئی ہے)

اب ان تین سو بہتر بزرگوں کے نام جنہیں اس فقیر نے پایا ہے ایک ایک کر کے گناتا ہوں تاکہ جو نعمتیں اس فقیر کو ان سے پہنچی ہیں ان کے اثرات آپ پر ہوں۔ پیر و مرشد کی اجازت پا کر شیخ صدر الدین کی جن کا عرف درویش ٹھیکری ہے قدم بوسی حاصل کی۔ چار دن خدمت میں رہا۔ جمعہ کی رات کو ایک نعمت دے کر رخصت فرمایا۔ اس کے بعد شیخ قطب الدین منور کی خدمت میں ہانسی پہنچا نو دن ان کی خدمت میں رہا۔ سنیچر کی رات کو اس فقیر کو ایک نعمت دے کر رخصت فرمایا اس کے بعد شہر میں گیا۔ بہرام غزنی کے حظیرہ میں حوض خاص کے اوپر قطب حقیقی شیخ نجم الدین یحییٰ قدس اللہ سرہٗ کی قدم بوسی کی اور فردِ حقیقت قدس سرہٗ کی اجازت سے ان کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا انیس سال گیارہ ماہ ان کی خدمت میں رہ کر ساری دنیا اور جو کچھ پانی اور کوہِ قاف کے تمام زاویے تھے طیر و سیر میں ان کے ہمراہ رہا اور انہوں نے اتنی نعمتیں عطا فرمائیں جن کی انتہا نہیں ہے۔ وہ تیسرے حضرت قدس اللہ سرہٗ تھے پھر چوتھے حضرت شیخ اوحد سمنانی تھے ان کی خدمت میں سمنان پہنچا کہ وہ چوتھی اقلیم کے قطب تھے مجھے اپنے حجرۂ مبارک میں جگہ دی اور ان دنوں میں خاموش تھا۔ انہوں نے پوچھا کیف حالك (تمہارا کیا حال ہے) میں نے کاغذ پر جواب لکھا تو اے محبوب! شیخ مذکور چیخ چیخ کر روئے کیوں کہ یہ عالم اس سے بلند تر ہے کہ تم اس پر مطلع ہو اور جانو حضرت صمدیت جل وعلا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اس مقام میں اصحاب کہف کے واقعہ میں کیا فرماتا ہے لو اطلعت علیهم لولیت منهم فرارا ولملئت منهم رعبا (۱۸/۱۸) (اگر تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت میں آ جاتے) اور اس فقیر کو معذور رکھو کہ کہتا ہے کہ رأیت ربی (میں نے اپنے رب کو دیکھا) شیخ مذکور نے بھی فقیر کو بہت سی نعمتیں بخشیں کیوں کہ مشائخ کے احوال مختلف ہوتے ہیں ۔

راہروانِ عشق را حالتہاست مختلف انچہ بریدم از یکے از دگرے نیافتم

(رہروانِ عشق کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ جو حالت ایک کی دیکھی وہ دوسرے کی نہیں پائی)

شیخ مذکور کے ساتھ اکیس دن رہا۔ سنیچر کی رات کو رخصت فرمایا۔ شہر تبوک میں داخل ہوا۔ پانچویں شیخ احمد تبوکی کو پایا۔ پھر چوتھے دن ان سے نعمت پائی اور شب جمعہ کو رخصت ہوا اس کے بعد فلسطین پہنچا۔ چھٹے شیخ مجد الدین حمویہ کو پایا۔ ایک ماہ بعد نعمت دے کر رخصت فرمایا اس کے بعد شہر دمشق میں آیا۔ ساتویں شیخ ناصر دمشقی کو پایا۔ بے حد بزرگ شخص تھے۔ دو ماہ بعد نعمت دے کر رخصت فرمایا۔ اس کے بعد آٹھویں شیخ مدینہ شیخ عبد اللہ مطرزی کو پایا۔ انہوں نے بہت سی نعمتیں دے کر رخصت فرمایا۔ چھ ماہ ان کی خدمت میں رہا اس کے بعد نویں شیخ مکہ غوثِ حقیقت شیخ عبد اللہ یافعی کو پایا کہ فقیر کی پھوپھی ان کے نکاح میں تھیں مکہ میں ان کا نام ام ہانی تھا۔ عالمہ اور ولیہ تھیں۔ اس فقیر کے والد امیر کبیر سات سال امیر مکہ رہ چکے تھے۔ پھر ان کے بھائی شریف عجلان اور اس فقیر کی پھوپھی نے بہانہ کیا۔ امیر کبیر کو انبیاء کی سنت کہ الفرار مالا یطاق من سنن المرسلین دہلی لے آئی اور اس فقیر کے چچا شریف عجلان بن محمد امیر مکہ ہوئے کیوں کہ عرب میں سید کو شریف کہتے ہیں اور پھوپھی صاحبہ، زوجہ شیخ عبد اللہ یافعی اپنے بھائی اور اس فقیر کے والد امیر کبیر کی جدائی میں اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور میں نے اسی حال میں ان کی قدم بوسی کی اور حضرت غوث مکہ اور حضرت عجلان نے رخصت نہ فرمایا (لیکن ان کی نعمت پہنچ چکی تھی)۔ ایک رات مشائخ اہل طیر کے ساتھ طیر میں تطیق آیا اس کے بعد جامع مصر میں چونسٹھ اولیاء اور اقطاب کو پایا ان میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ نعمت عطا فرمائی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ پہلے اوحد، دوسرے شیخ احمد، تیسرے شیخ علی، چوتھے شیخ نوح یافتوح، پانچویں شیخ نجم الدین حمویہ، چھٹے شیخ جمال الدین حمویہ، ساتویں شیخ ناصر الدین مصری، آٹھویں نصیر الدین یمنی، نویں شیخ یعقوب اوحد کوفی، دسویں شیخ احمد بن یوسف مصری، گیارھویں شیخ جلال الدین مصری، بارھویں شیخ محمد علی عجمی، تیرھویں شیخ علی حسین نہاوندی، چودھویں شیخ زکریا بصری، پندرھویں شیخ اسحاق محمد سیانی، سولہویں شیخ جمال

الدین یوسف مصری، سترھویں شیخ یوسف احمد قرانی، اٹھارویں شیخ موسیٰ بن داؤد مصری وہ بھی بہت بڑے بزرگ تھے اور انیسویں شیخ ابوبکر بن محمد قیصری اور بیسویں شیخ محمد بن حامد مصری اور اکیسویں شیخ حامد بن علی نوری اور بائیسویں شیخ عثمان بن یوسف اور تیئسویں شیخ مرغوب جو پانچویں اقلیم کے قطب تھے۔ اور چوبیسویں شیخ رکن الدین حمویہ اور پچیسویں شیخ عمر بن علی مصری اور چھبیسویں شیخ حسن زکریا مصری اور ستائیسویں شیخ سراج الدین احمد یحییٰ اور اٹھائیسویں شیخ عبدالصمد ابن مسعود محدث مصری اور انتیسویں شیخ عبدالقادر نبیرۂ محدث مصری اور تیسویں شیخ عبدالوہاب بن احمد اور اکتیسویں شیخ علی بن عبدالرحمٰن مصری اور بتیسویں شیخ یعقوب بن احمد مصری (بصری) اور تینتیسویں شیخ محمد بن حامد مصری اور چونتیسویں شیخ علاء الدین عوانی ار پینتیسویں شیخ زین الدین نیلی جو بہت بزرگ شخص تھے کہ ان کی بزرگی تحریر میں نہیں آسکتی۔ اور چھتیسویں شیخ علی بن حسین یاوسی۔ اور سینتیسویں شیخ عیسیٰ مروان اور اڑتیسویں شیخ داؤ قلندر یمنی اور انتالیسویں شیخ حاجی اکبر حیدری جو نائب اور بڑے باعظمت شخص تھے اور چالیسویں شیخ ابراہیم بن محمد مصری اور اکتالیسویں شیخ نوح دودی اور بیالیسویں شیخ قریشی اور تینتالیسویں شیخ احمد بن جمال مقراضی جو نفسِ بُرّاں رکھتے تھے۔ اور چوالیسویں شیخ قیصر بن احمد سواسی اور پینتالیسویں شیخ کریم الدین اکرم اور چھیالیسویں شیخ علی صابری اور سینتالیسویں شیخ اسمٰعیل بن علاء اور اڑتالیسویں شیخ یعقوب بن جمال اور انچاسویں شیخ محمود صابر اور پچاسویں شیخ آدم بن محمد اور اکیاونویں شیخ ہارون بن محمد اور باونویں شیخ مسعود بن اسعد مصری اور تیرپنویں شیخ سعد الدین کوفی اور چونویں شیخ نورالدین احمد ناری اور پچپنویں شیخ عبدالرحیم بن مسعود اور چھپنویں شیخ عبدالوہاب بن سعید اور ستاونویں شیخ عبدالمقتدر اور اٹھاونویں شیخ محمد بن علی صراف اور انسٹھویں شیخ شعیب آہنگر اور ساٹھویں شیخ ایوب صابر اور اکسٹھویں شیخ عبداللہ پارہ دوز جو بے حد بزرگ تھے اور باسٹھویں شیخ عبدالغیث اور ترسٹھویں شیخ عبدالغفور پرنور جو شیرازی تھے مگر مصر میں سکونت رکھتے تھے اور چوسٹھویں شیخ عبداللہ زرگر قدس اللہ اسرارہم دو سال دو ماہ ان کی خدمت میں رہا اس کے بعد زمین مغرب میں چلا گیا۔ ولایت مغرب کے ایک بڑے شہر

جمالیہ میں پہنچا۔ اس زمین میں ایک سو پچاس اولیاء اور اقطاب اور افراد سے ملاقات کی۔ پہلے شیخ جعفر طبری جو تیس سال تک عالم طیر میں رہے ان کے پَر طیر کی زیادتی سے سبز ہو گئے تھے۔ آپ کا فقیر بھی ایک سال ان کے ہمراہ طیر میں رہا۔ کوہِ قاف کے زاویوں پر اڑتے اور حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی قدرتیں دیکھتے رہے۔ اے محبوب! اگر قدرتِ لایزالی کے عجائبات میں سے جو میں نے دیکھے کچھ بیان کروں تو اہل ظواہر اور عام خلائق کا پتہ پانی ہو جائے اور وہ بے جان ہو جائیں۔ اور دوسرے شیخ یعقوب دہلانی اور تیسرے شیخ داؤد بن جمال دخلانی اور چوتھے شیخ علاء الدین حمالیہ اور پانچویں شیخ کبار علی مختار پیرامی۔ چھٹے شیخ شطاط اودھی اور ساتویں شیخ بستی حبشہ اور آٹھویں برہان حبشہ اور نویں شیخ مسعود حبشہ جو بے حد بزرگ تھے اور دسویں شیخ کمال سرنائی اور گیارھویں شیخ صبور بن علی حبشہ اور بارھویں سواد تبسم گلگانی اور تیرھویں شیخ محمود شافی اور چودھویں شیخ احمد شافی اکبر اور پندرھویں شیخ اسعد بن سعید علوائی اور سولھویں شیخ علاء الدین رضوانی اور سترھویں شیخ احمد شافی اصغر اور اٹھارویں شیخ رضی الدین شہری۔ اے محبوب! یہ سب مغرب کے شہروں کے نام ہیں جو لکھے جا رہے ہیں۔ انیسویں شیخ جمال بن جلال ہادی اور بیسویں شیخ ہیبت اللہ ہبانی اور اکیسویں شیخ عبد القادر جمالیہ اور بائیسویں شیخ ناصر بن ناصر ہبانی اور تیئیسویں ابو الدحداح قاری اور چوبیسویں شیخ مغیث بہلانی اور پچیسویں شیخ ابو الغیاث دہلانی اور چھبیسویں شیخ عبد اللہ بن مسعود طیکہ اور ستائیسویں شیخ داؤد طیکہ اور اٹھائیسویں شیخ عباس بن احمد مرغانی اور انتیسویں شیخ اوحد جمالیہ اور تیسویں قیصر بن قیصر بہرانی اور اکتیسویں شیخ موسیٰ بستی اور بتیسویں شیخ سلیمان شماری جو بہت بزرگ تھے اور افراد میں سے تھے۔ اور تینتیسویں شیخ عبد الصمد ویراری اور چونتیسویں شیخ شافعی حبشہ اور پینتیسویں خواجہ خضر علیہ السلام اور چھتیسویں مہتر الیاس علیہ السلام اور سینتیسویں شیخ یعقوب بن جمال صابی اور اڑتیسویں شیخ زکریا بہلانی اور انتالیسویں شیخ کریم الدین حبشہ اور چالیسویں شیخ ابو حامد سودانی اور اکتالیسویں شیخ نور علی دمی بیالیسویں شیخ عبد الغفور دمی تینتالیسویں شیخ ولیک بن محمد کفاتی اس زمانہ میں قطب عالم تھے اور چوالیسویں شیخ قیام الدین ایامی اور پینتالیسویں

شیخ مسعود بن عبداللہ بہلانی اور چھیالیسویں شیخ عبداللہ رمانی اور سینتالیسویں شیخ عبدالکریم ریانی اڑھتالیسویں شیخ عبدالسمیع وکلانی اور انچاسویں شیخ سید احمد مکہ جو سید تھے وکلان میں ساکن تھے اور پچاسویں شیخ سید علی احمد جمالیہ اور اکاونویں شیخ براق جبشہ اور باونویں شیخ معاذ اکبر تہری اور ترپنویں شیخ معاذ اصغر تہری اور چونویں شیخ خضر بن احمد مستوری جو بے حد بزرگ تھے۔ ان کی عظمت کی انتہا نہ تھی پچپنویں شیخ جمال الدین بن شیخ اوحد جبشہ چھپنویں شیخ محمود سیف بہلانی اور ستاونویں شیخ موسیٰ بن علی ریانی اور اٹھاونویں شیخ جعفر بن سید احمد رضوانی اور انسٹھویں شیخ علاء الدین صوابی اور ساٹھویں سید حسین بن سید سلیمان مکہ شہر مذکور صواب میں ساکن تھے۔ بہت بزرگ شخص تھے۔ اس وقت چھٹی اقلیم کے قطب تھے۔ اور اکسٹھویں شیخ اوحد صبور رمانی اور باسٹھویں شیخ سید جمال الدین دستاری اور ترسٹھویں سید زکریا بن سید محمد جو شہر ریابی میں ساکن تھے۔ دو ماہ ان کی صحبت میں رہا ہر شب دو کلام اللہ اور دس سپارے زیادہ تلاوت فرماتے تھے۔ ان دو ماہ میں اس فقیر کو ان کے عقب میں دولت میسر ہوئی۔ اور چوسٹھویں شیخ بہاء الدین بن ضیاء الدین دستاری اور پینسٹھویں شیخ نجم الدین خطانی اور چھاچھٹویں سید علی بن سید موسیٰ مدنی جو شہر دہمون میں ساکن تھے۔ لیکن مقامِ فردانیت میں تھے اور سرسٹھویں شیخ مہر عیسیٰ (محمد عیسیٰ) (مرعشی) بن شیخ ہارون مرئی۔ اور اڑسٹھویں شیخ مسعود بن سعد ہادی اور انہترویں شیخ الیاس بن احمد ہادی اور سترھویں سید ابراہیم بن سید اسمٰعیل نرئی اور اکہترویں شیخ برہان الدّین ختنی جو شہر فالح میں ساکن تھے اور بہترویں شیخ حسن بن ہارون اصناعی بن یمی کہ شہر سامی میں ساکن تھے۔ اور تہترویں شیخ داؤد یمنی جو شہر صاعی میں ساکن تھے اور چوہترویں طیب مدنی جو شہر جبشہ میں ساکن تھے۔ اور پچھترویں شیخ مظفر بن شیخ حامد اوصاعی اور چھترویں شیخ جمال الدین ساغری اور ستترویں شیخ حاجی بن محمد قاطبی اور اٹھترویں شیخ سعد الدین سریانی اور اناسویں شیخ طاہر غوثی اور اسیویں شیخ اوحدی کریم الدین سریانی اور اکیاسویں شیخ ناصر الدین ریحانی جو بے حد بزرگ تھے۔ اور بیاسویں شیخ حسین بن داؤد ریحانی اور اے محبوب یہ ریحان ایک معظم شہر ہے وہاں اکابر اور مشائخ بہت ہیں اور تراسویں سید جعفر بن سید طاہر

ذکواتی اور چوراسویں شیخ مرید بن مظفر ریحانی اور پچاس ویں شیخ رکن الدین ذکواتی اور چھیاسی ویں شیخ ابوسعید دادانی ستاسی ویں شیخ داؤد مرئی اٹھاسی ویں شیخ مادی بن ہاوی درانی دران ایک شہر معظم ہے اور نواسی ویں شیخ کریم الدین ریحانی اور نوے ویں شیخ کبیر الدین حمدانی اور اکانویں شیخ اسعد بن سعید زکواتی اور بانویں شیخ حاجی بن عزیز مثالی اور ترانویں شیخ محی الدین ریحانی اور چورانویں شیخ جمال الدین غوثی اور پچانویں شیخ ابوسعید غونی اور چھانویں شیخ عزیز مکہ جو ریحان میں ساکن تھے۔ اور ستانوے شیخ طاہر بن عبد الرحمٰن ربانی اور اٹھانویں شیخ جمال جلال مرعی اور ننانویں شیخ احمد بن مسعود باوری اور باور بھی ایک معظم شہر ہے۔ اور سوویں شیخ عاقب بن محمد طہوری اور ایکسوایک ویں شیخ علاء الدین صابر ریحانی اور ایک سو دوویں سید محمد بن سید سیف الدین کلہ جو شہر طہور میں ساکن تھے اور ایک سو تین ویں شیخ یعقوب طہوری اور ایکسو چارویں شیخ اسمٰعیل طہوری اور ایک سو پانچویں شیخ ایوب اسحاق ہاوی جو شہر طہور میں ساکن تھے۔ اور ایک سو چھٹے شیخ قیصر علوی اور ایک سو ساتویں سید علی بن ابونور نوری اور ایک سو آٹھویں شیخ سلیمان بن موسیٰ شباری اور ایک سو نویں شیخ اصغر صفری اور یہ صفر بھی ایک شہر معظم ہے اور ایک سو دسویں سید جلال مکہ اور ایک سو گیارھویں شیخ حامد دارانی اور ایک سو بارھویں شیخ معروف ریحانی اور ایک سو تیرھویں شیخ احمد دھموری اور ایک سو چودھویں شیخ عبد القادر جامانی اور ایک سو پندرھویں شیخ عبد العزیز خمی اور ایک سو سولہویں شیخ عبد الجبار ذمی اور یہ خمی اور ذمی معظم شہر میں اور ایک سو سترھویں شیخ علاء الدین دارانی اور ایک سو اٹھارویں سید برہان الدین مکہ اور ایک سو انیسویں شیخ جمال طافی اور ایک سو بیسویں شیخ عبد اللہ قطفی اور ایک سو اکیسویں شیخ موسیٰ ہزلی اور ایک سو بائیسویں براق کرانی اور ایک سو تیئیسویں شیخ اوحد علی مرغاوی اور ایک سو چوبیسویں شیخ مسعود اصغر صفری اور ایک سو پچیسویں شیخ ابوبکر بن علی چکاری اور ایک سو چھبیسویں شیخ الرحیم بن عبد الکریم قطفی اور ایک سو ستائیسویں شیخ صابر بن عسکری دلواحی اور ایک سو اٹھائیسویں شیخ طیفور بن احمد اسماری اور ایک سو انتیسویں شیخ ابراہیم اصغر اور ایک سو تیسویں شیخ یعقوب بن یوسف اور ایک سو اکتیسویں شیخ جمال الدین چکاری اور ایک سو بتیسویں شیخ عمر بن سید

عمرودین اور ایک سوتینتیسویں شیخ سفیان بن علاء خطائی اور ایک سو چونتیسویں شیخ عبداللہ بن حسین دارانی اور ایک سو پینتیسویں شیخ یعقوب بن زکریا اور ایک سو چھتیسویں شیخ جمال کمال ریانی اور ایک سوسینتیسویں سید حسن ملک جو بہت بزرگ شخص تھے۔ چالیس سال غار میں ایک پاؤں پر کھڑے رہے اور ایک سو اڑتیسویں شیخ جامی بن جمال جہیانی اور ایک سو انتالیسویں شیخ صابر فانی اور ایک سو چالیسویں شیخ مرغشی قافی اور ایک سو اکتالیسویں شیخ الیاس فانی اور ایک سو بیالیسویں شیخ خضر قافی اور ایک سو تینتالیسویں شیخ داؤد قافی اور ایک سو چوالیسویں شیخ حسین قافی اور ایک سو پینتالیسویں شیخ سراج قافی اور ایک سو چھیالیسویں شیخ محی الدین قافی اور ایک سوسینتالیسویں شیخ ناصر قافی اور ایک سو اڑتالیسویں شیخ عبداللہ قافی اور ایک سوانچاسویں شیخ عبدالشکور قافی اور ایک سو پچاسویں امیر المومنین صفوان بن قصی رضی اللہ عنہ برادر عبدمناف جو حضرت رسالت علیہ السلام کے سامنے ایمان سے مشرف ہوئے تھے۔ غار میں مشغول تھے جس دن میں نے ان کی قدم بوسی کی ان کی عمر نوسو بانوے سال کی تھی۔ فرمایا کہ میرے حق میں حضرت رسالت علیہ السلام نے درازی عمر کی دعا فرمائی ہے۔ اور وہ صحابہ کرام میں سے ہیں۔ شیخ صابر قافی سے امیر المومنین صفوان بن قصی تک سب کوہِ قاف میں سکونت پذیر ہیں۔ اس کے بعد جزائر محیط میں داخل ہوا۔ سرا مذیپ سے ہندوستان کے آخر تک ایک سو اڑتیس اولیا اور اقطاب کی قدم بوسی کی اور ہر ایک نے اس فقیر کے حق میں نعمتیں عنایت فرمائیں کوہِ سراندیپ میں اکتیس ولی تھے۔ پہلے شیخ نجم الدین دوسرے شیخ بدر تیسرے شیخ علاء الدین چوتھے شیخ اسحٰق پانچویں شیخ عبداللہ چھٹے شیخ ابراہیم دہکر پوش ساتویں سید حسین ملک آٹھویں شیخ بابو شدنی جو افراد میں تھے۔ نویں شیخ جمال باخرزی دسویں شیخ بہرام کالبوکی گیارھویں شیخ مبارک، بارھویں شیخ علی صامت تیرہویں شیخ کمال دہکرہ اور چودھویں شیخ مسعود ملکی پندرھویں شیخ ملک یار دریا۔ سولہویں شیخ داؤد برہنہ جن کا لباس پتے تھے۔ سترھویں شیخ کابوذ ہنگرہ اٹھارویں شیخ عبد القادر انیسویں شیخ عزیز بیسویں شیخ جمال بابو دریا اکیسویں شیخ معین الدین رکن دریا بائیسویں شیخ اسمٰعیل تیئیسویں شیخ موسیٰ علی چوبیسویں شیخ بہانوری پچیسویں شیخ قطب حیدر خو

پہلی اقلیم کے قطب تھے اور چھبیسویں ضیاء دریا اور ستائیسویں شیخ کمال دریا اور اٹھائیسویں شیخ مسکین دریا اور انتیسویں شیخ علی دریا اور تیسویں شیخ ناصر علی دریا اور چوبیسویں شیخ تہلال علاء الدین (تہال) اس کے بعد جزائر ملابار سے دیوی تک جو شیخ جلال الدین تبریزی کا مقام ہے میں نے چھیتر ولی اور اقطاب کی قدم بوسی کی۔ پہلے شیخ مودود دوسرے شیخ داؤد تیسرے حضرت شیخ چوتھے شیخ اصغر پانچویں نجم الدین کبار جو تیسری اقلیم کے قطب تھے چھٹے شیخ ملیساری ساتویں شیخ حسن، آٹھویں شیخ ترابی قتال نویں شیخ صرد دسویں شیخ کبیر سعید گیارھویں شیخ کبیریم دہکرہ بارہویں شیخ مسعود دہکرہ، تیرہویں شیخ مبارک دہکرہ، چودھویں شیخ علی صبور، پندرھویں شیخ کہنہ پوش، سولہویں شیخ سفیان کہنہ پوش خراسانی۔ سترہویں شیخ ابراہیم برگ خوار۔ اٹھارویں شیخ اسحٰق دریا انیسویں شیخ یعقوب بیسویں شیخ جمال اکیسویں شیخ عمر اشرف بائیسویں شیخ قیصر بہرام دریا تیئیسویں شیخ مرید علی چوبیسویں شیخ عزیز دریا پچیسویں شیخ موسیٰ دریا چھبیسویں شیخ عیسیٰ بہرام ستائیسویں شیخ کمال اٹھائیسویں سید عارف دریا انتیسویں شیخ عارف دریا اصغر تیسویں شیخ سعید توزی اکتیسویں شیخ داؤد قیصر، بتیسویں شیخ جمال دریا تینتیسویں شیخ علاء دہکرہ چونتیسویں شیخ بہاء الدین دریا۔ پینتیسویں شیخ معروف گیاہ خوار چھتیسویں شیخ اوحد سینتیسویں شیخ علی مست اڑتیسویں شیخ حسین قتال انتالیسویں شیخ کمال قتال چالیسویں شیخ مظفر اکتالیسویں سید معروف عطار بیالیسویں شیخ نجم عطار جو اس وقت قطب ولایت تھے۔ تینتالیسویں شیخ غازی چوالیسویں شیخ حاجی یوسف سینتالیسویں سید ضیاء علی، چھیالیسویں شیخ اسعد نوہوری جو بزرگ شخص تھے۔ سینتالیسویں شیخ شہباز صامت اڑتالیسویں شیخ داؤد قتال انچاسویں شیخ زکریا پچاسویں شیخ یوسف کہنہ پوش۔ اکاونویں سید حسین حیدر باونویں شیخ جمال دریا ترپنویں شیخ علی صامت چونویں شیخ دلدار کہنہ پوش۔ پچپنویں شیخ کریم الدین دہکرہ چھپنویں شیخ اسمٰعیل ستاونویں شیخ داؤد صاف اٹھاونویں شیخ جمال صامت انسٹھویں شیخ عز بہرام صامت ساٹھویں شیخ موسیٰ دہکرہ اکسٹھویں سید عمر جو افراد میں تھے۔ باسٹھویں شیخ شہریار ہرمزی اور ترسٹھویں شیخ دولت یار یحییٰ شیخ یحییٰ چسنٹھویں شیخ حامد چھاچھٹویں شیخ ابو الغیاث اور سرسٹھویں شیخ کمال دہکرہ اور اڑسٹھویں

شیخ علاء دریا انہترویں سید کریم حافظ انہترویں شیخ محمد دریا۔ سترویں شیخ مسعود جمال بحری۔ اکہترویں شیخ داؤد عدنی، بہترویں شیخ سید جعفر عدنی۔ تہترویں شیخ علی بکہ۔ چوہترویں شیخ عبد اللہ قطیفی پچھترویں شیخ محمد بن یوسف مدنی جو اس وقت قطب عالم تھے۔ جملہ ایکسواڑتیں میں سے دوسرے اکتیس سے دولت آباد۔ گجرات اور دہلی اور حوالی سے بنگال تک قدم بوس ہوا۔ ان اکتیس میں کے پہلے شیخ جمال الدین کولی مقامِ فردانیت میں تھے دوسرے مولنا حسام الدین ملتانی جو قطب حقیقی شیخ نظام کے خلیفہ تھے۔ تیسرے مولنا شمس الدین یحییٰ بزرگ اور یہ دونوں قطب حقیقی شیخ نظام الحق والشرع والدین کے خلفاء تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں اس فقیر نے تحصیل علم کیا ہے اور چوتھے شیخ عبد العزیز اودہی پانچویں خواجہ سالار یمنی چھٹے مولانا فرید سیری۔ ساتویں شیخ شہاب الدین عاشق پانی پتی شہر سیری میں ساکن تھے آٹھویں شیخ جلال الدین بوریاباف نویں شیخ ابراہیم کالبوکی۔ دسویں شیخ علی صابر دولت آبادی گیارھویں شیخ جمال مظفر باخضری بارھویں شیخ سید جلال الدین باخرزی جو قطب اقلیم تھے۔ اس کے بعد سید کی خدمت میں اس قت پہنچا جب میں (خود) قطب عالم ہوگیا۔ اور تیرھویں شیخ جمال الدین اچی اور چودھویں شیخ کریم الدین آجی اور چودھویں شیخ کریم الدین جاجاموی اور پندرھویں شیخ علاء الدین صامت کوک میں تھے۔ اور سولھویں شیخ علی بہاری، سترھویں شیخ شرف الدین کرہ۔ اٹھارویں شیخ سعید الدین آرامی جو بہت بزرگ شخص تھے اور قطب حقیقی شیخ نظام الدین کے مرید تھے۔ انیسویں شیخ بہاء الدین نور ساری بیسویں شیخ طیفوری عدنی جو عدن سے دہا میں آئے تھے۔ اکیسویں شیخ نور الدین عاشق دولت آبادی بائیسویں شیخ برہان الدین ساری جو اس وقت قطب ولایت تھے۔ تیئسویں شیخ علی دیوانہ چوبیسویں شیخ داؤ قیصر نوساری پچیسویں شیخ برہان لوہوری جو کشمیر میں تھے۔ چھبیسویں شیخ حسین دہکرہ پوش ستائیسویں شیخ علی ہشت نظری اٹھائیسویں شیخ ابراہیم کابلی انتیسویں شیخ نور الدین قندھاری جو حافظ تھے ہر رات دو قرآن ختم کرتے تھے لیکن قطب ولایت تھے۔ تیسویں شیخ عزیز کاشغری۔ اکتیسویں شیخ ملک یار گیاہ خوار اور بیس اور اقطاب کا بغداد۔ خراسان اور ماوراء النہر میں قدم بوس ہوا۔ ان میں کے پہلے شیخ

علاء الدولۃ والدین دوسرے شیخ علاء الدین نقشبندی تیسرے شیخ عبداللہ باخرزی چوتھے شیخ عبداللہ بہریوہ پانچویں شیخ عزیز سمرقندی، چھٹے شیخ جمال خجندی ساتویں شیخ برہان الدین غزنوی آٹھویں شیخ عبدالکریم اصفہانی نویں شیخ عبدالغفور شیرازی دسویں شیخ ابوحامد مروزی گیارھویں شیخ عبداللہ خوارزمی بارھویں شیخ ابوالغیث خوارزمی تیرھویں شیخ علی صامت بزدوی چودھویں شیخ داؤد قیصر پروازی پندرھویں شیخ محمد بن یوسف شیرغانی، سولہویں شیخ موسی بن جمال ہریوی، سترھویں شیخ علی صبور بدخشانی جو اس وقت پانچویں اقلیم کے قطب تھے اٹھارویں شیخ جمال الدین سید احمد کرمانی انیسویں شیخ عمر بن یوسف اوشی۔ بیسویں سید شیخ محمود بن احمد عاشق جامی قدس اللہ ارواحہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح بافتوح کے انوار سے آپ کے باطن کو مصفا کرے۔ بمنہٖ وکمالِ کرمہ بالنبی وآلہ۔

اینک آں مرغاں کہ ایشاں بیضہا زریں کنند کرۂ تندِ فلک را ہر سحر گہ زیں کنند

(یہ وہ چڑیا ہیں جو سنہرے انڈے دیتی ہیں روزانہ صبح کو کرۂ سماوی کو آراستہ کرتی ہیں)

فقط

پچیسواں مکتوب

(اسرار کا بیان)

مستان زجامِ عشق کہ لاف از بقا زنند   جاں می دہند خیمہ بہ ملکِ بقا زنند
ہر ساعتے کہ از دلِ شوریدہ عاشقاں   جامہ بریدہ نعرۂ قالوا بلٰی زنند
جامے ز دستِ ساقی باقی چو در کشند   جامہ بریدہ نعرۂ قالوا بلٰی زنند
کروبیاں بہ نالہ درآیند نیم شب   چوں بے دلاں زِ درد وغمش ربّنا زنند
قومے کہ ہر دو کون بہ یک جو نمی خرند   ایشاں دم از محبت دنیا کجا زنند
آنہا کہ دل بمملکت فانی نمی دہند   میخِ امل بہ دامن ہمت چرا زنند
وانہا کہ روزخانہ نہ دارند برزمیں   شبہا بہ نورِ عشق قدم برسما زنند
عشاق خستہ خاطر دل را بہر زماں   از ہرچہ ماسواست بجا روب لا زنند
مردانِ راہِ فقر زمیخانۂ الست   جامے چو درکشند دم از مصطفیٰ؈ زنند
وانہا کہ سوزِ عشق نہ دارند شوق یار   در روزِ حشر نعرۂ واحسرتا زنند
با عاشقانِ زملک سلیماں سخن مگو   کایشاں نفس ز عالم لامنتہی زنند
مشاطتا محمدؐ کز نور روئے تو   قدوسیانِ سدرہ ترا مرحبا زنند

(جامِ عشق کے مست جو لقائے الٰہی کی ڈینگ مارتے ہیں جان دیتے ہیں اور ملک بقا میں خیمے گاڑتے ہیں۔ عاشقانِ شوریدہ دل سے ہر وقت حرم کبریا میں عشق کی لبیک بلند ہوتی ہے۔ جب وہ ساقی باقی کے ہاتھ سے شراب پیتے ہیں تو کپڑے پھاڑ کر قالوا بلٰی کا نعرہ مارتے ہیں۔ جب بیدل اس کے درد و غم سے ربّنا کا نعرہ لگاتے ہیں تو فرشتے آدھی رات کو نالہ و فغاں کرنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جو دونوں عالموں کو قیمت میں ایک جَو کے

برابر بھی خریدنے پر تیار نہیں ہوتے وہ بھلا دنیا کی محبت کا کب دم بھریں گے۔ وہ لوگ جو فنا پذیر مملکت سے دل نہیں لگاتے وہ دامنِ ہمت میں امید کی میخ کیوں ٹھونکیں گے۔ وہ لوگ جو دن میں زمین پر کوئی گھر نہیں رکھتے راتوں کو عشق کے نور سے آسمان پر قدم رکھتے ہیں۔ خستہ دل عشاق ہر وقت دل کو "لا" کی جھاڑو سے ماسوا سے پاک کیا کرتے ہیں۔ فقر کی راہ پر چلنے والے میخانہ الست سے جب کوئی جام نوش کرتے ہیں تو محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کا دم بھرتے ہیں وہ لوگ جن میں نہ سوزِ عشق ہے اور نہ یار کا شوق وہ حشر کے دن واحسرتا کا نعرہ بلند کریں گے۔ عاشقوں سے ملک سلیمان کی بات مت کرو کیوں کہ وہ تو عالمِ لامتناہی میں سانس لیتے ہیں۔ محمّد جو تیرے رخ کے نور سے فیض حاصل کرتے ہیں سدرہ کے فرشتے تجھ کو مرحبا کہتے ہیں)

محبوب! اہل سکر کے گروہ میں سکر وحیرت کی تین اقسام ہیں۔ سکر محبت، سکر مہابت۔ اور سکر حمیّت اور جو بات بھی اس مقام سے بیان میں آتی ہے شریعت میں مقبول نہیں ہوتی اس بات پر ان سے مواخذہ اور عتاب نہیں ہوتا جیسا کہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان اللہ تعالیٰ لایؤاخذ العشاق بما یصدر منھم (جو کچھ عاشقوں سے رونما ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ان سے مواخذہ نہیں کرتا) اور مشائخ کا قول بھی اسی بات کا قائل ہے کہ العشاق لایؤاخذون بما یقولون ویفعلون (عاشق جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں اس کے مواخذہ دار نہیں ہوتے) اے محبوب! حدیث نبوی علیہ السلام اور مشائخ قدس اللہ اسرارہم اجمعین جو حضرات مصطفیٰ علیہ السلام کی متابعت میں ہیں کے قول کے مطابق کلمات مستی کے صادر ہونے پر گرفت نہیں ہوتی کیوں کہ خطاب کا حکم خواب پر ساقط ہے اور مستی مثل خواب کے ہے۔ لیکن اے محبوب! مستی دو طرح کی ہے۔ ایک یہ کہ حواس بے کار اور معطل ہو جائیں۔ جیسے خواب۔ دوسرے یہ کہ حواس پھیل جائیں جیسے مستی۔ ابراہیم علیہ السلام کو سکر محبت تھا۔ یعنی اس دن جب کہ ان کا بازار گرم تھا ان کو بلا کے منجنیق میں ڈال کر آتشِ نمرودی جو امتحانِ حضرت ودودی تھا کی جانب بھیجا گیا ابھی وہ ہوا ہی میں تھے کہ ملکوتِ عرش سماوی وارضی میں شور برپا ہوا لیکن عالم انسانی میں خوشی منائی گئی۔ کیوں کہ اس دن

پردہ ہائے لاریب سے تسلیم امانت کی ندا کی گئی کہ انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها (۳۳/۸۲) (ہم نے امانت کے بار کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے) یعنی حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی بلا کا بار سارے موجودات برداشت نہ کر سکے کیوں کہ تحمل کے لیے تجمل چاہیے۔ لیکن خاکی نے برداشت کر لیا۔ اِبا کے بعد تیری بیچاری روح جو عرش سے فرش تک پھیلی ہوئی ہے اور جس نے خلقت انسانی پائی ہے فقیر کے ہاتھ کو آستین کے باہر کھینچا اور وہ بارِ امانت جس کا تحمل کل موجودات نہ کر سکے (خلعت) اپنے ہاتھ میں لے کر خاموش ہوگئی۔ اب آج کہاں بھاگتے ہو اور یہ کہ بھاگنے والوں سے خطاب ہوتا ہے کہ این المفر (جائے فرار کہاں) مقصود یہ کہ بے چارے ابراہیم علیہ السلام کہاں بھاگتے۔ سکرِ محبت میں غرق ہوگئے۔ پھر ملائکہ نے شور مچایا اور نالہ بلند ہوا کہ اے عیاں اور نہاں کے اسرار جاننے والے یہ کیا ہو رہا ہے کہ اپنے دوست کو ایک ذلیل ہاتھ میں گرفتار کر رہا ہے اور ہم آتش کدہ کو اس کا ٹھکانہ دیکھ رہے ہیں۔ ظاہر بیں ملائکہ کیا جانیں کہ ابراہیم کس مستی میں ہیں اور سکر محبت میں مستغرق ہیں گو کہ شراب دکھائی نہیں دیتی۔

شراب را تو نہ بینی و مست را بینی   نہ بینی نعمتِ نعیم و سرود
نوشتہ بَر رخِ ہر مست رو کہ جاں بردی   دلِ شہاں چو بسوری چہ بوئے عنبر و عود
دل خساں چو بسوزی چہ بوئے طین آمد   نوشتہ برلبِ ساغر کہ عاقبت محمود
بلیس گر زِ شرابِ خدائے مست بُدے   بہ صد گنہ نہ شدے ہیچ طاعتش مردود

(تو شراب کو نہیں دیکھتا اور مست کو دیکھتا ہے اور نعیم کی نعمت اور سرود کو نہیں دیکھتا۔ ہر مست رو کے چہرہ پر لکھا ہے کہ وہ جان لیتا ہے اور شاہوں کے دل جلا دیتا جس کی بو کے آگے عنبر و عود کی خوشبو کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ جب تو خسیس لوگوں کے دل جلاتا ہے تو کیسی مٹی کی خوشبو آتی ہے اور لبِ ساغر پر لکھا ہوتا ہے کہ "عاقبت محمود" ہوگی۔ ابلیس اگر محبتِ الٰہی کی شراب سے مست ہوتا تو سیکڑوں گناہ کرنے کے بعد بھی اس کی بندگی مردود نہ ٹھہرتی)

اے محبوب! ظاہر دیکھنے والے کیا جانیں۔ ناگاہ پیک اہلِ رسالت جبرئیل کو ندا پہونچی کہ اے میرے محبوب کے قاصد میرے دوست کے پاس ہوا میں جاؤ اگر تم سے کسی حاجت روائی کی تمنا کرے تو اس کی فریاد کو پہنچو۔ ناگاہ جبرئیل ہوا میں تیزی سے پہنچے اور کہا یا ابراهیم هل لك منی حاجة فقال اما الیك فلا یعنی کہا اے ابراہیم مجھ سے کوئی حاجت رکھتے ہو کہا تم سے حاجت نہیں رکھتا۔ یہ ہے اے محبوب! شریعت کہتی ہے کہ جبرئیل سے حاجت روائی چاہتے تا کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة (اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں مت ڈالو) میں داخل نہ ہوتے لیکن ابراہیم سکر محبت میں تھے مواخذہ نہ کیا گیا۔ کیوں کہ ان اللہ تعالیٰ لا یواخذ العشاق بما یصدر منهم (اللہ تعالیٰ عاشقوں سے ان باتوں کا مواخذہ نہیں کرتا جو ان سے صادر ہوتی ہیں) اور دوسرا باریک نکتہ یہ ہے کہ اے محبوب! جب خدمتگاری پر کمر باندھ لی تو اس حضرت کے وصل کے چار مراتب ہیں۔ پہلا عالمِ ناسوت۔ دوسرا عالم ملکوت تیسرا عالم جبروت چوتھا عالم لاہوت۔ اور ان چاروں کا واضح بیان مکتوبات میں کر چکا ہوں۔ لیکن اس مکتوب میں ایک دوسری ہی تجلی ہے۔ جانو کہ پہلا مرتبہ ناسوت سالک کا مقام ہے پھر جو سلوک میں ترقی کی کوشش کرنا چاہے اس کے لیے پہلے ناسوت ہے یعنی جب تک نفس کو ظاہری خرابات میں نہ ڈالے گا نفسانی خباثت کے موتی ظاہر نہ ہوں گے اور جب ظاہر ہوں گے تو ہر ایک کا مشاہدہ کرے گا۔ اور ہر ایک سے تبرّا کرے گا اور جو کوئی خراباتِ ظاہری میں نفس کو نہ ڈالے گا تو وہ نفس کو نہ پہچانے گا۔ کیوں کہ من عرف نفسه اصلاح ہے۔

ہرکوبہ خرابات نہ شد بے دین است
زیراکہ خرابات اصولِ دین است

(جو خرابات میں نہیں گیا (یعنی شرابِ معرفت حاصل نہیں کی) وہ بے دین ہے کیوں کہ اصل دین تو خراب ہی ہے) یعنی معرفت اور محبتِ الٰہی نہ ہو تو شریعت بے کار محض ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا)

جب اس مذکورہ ناسوت سے الگ ہو گے تب ملکوت کے پائے پر پہنچو گے یہ مقام

تسبیح وتہلیل کا ہے اور ملائکہ کا مقام ہے کہ یسبحون اللیل والنہار لایفترون (۲۱/۲۰) (وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں (نہ تھکتے ہیں نہ تھمتے ہیں) اس کے بعد ملائکہ کے اس مقام سے ترقی کر کے عالمِ جبروت میں پہنچو گے جو انبیاء علیہم السلام کا عالم ہے اور انبیاء کا عالم محبت، عشق، ذوق وشوق اور انس ونشاط کا عالم ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کے اس عالم سے ترقی کرو گے تو مقامِ لاہوت میں پہنچو گے یہ مقام (صرف) حضرت رسالت علیہ السلام سے مخصوص ہے اور آنحضرت ﷺ کے ان جرعہ نوشوں کے لیے ہے جو آپؐ کے قلب پر ہیں۔ مقصود یہ کہ اے محبوب! جبرئیل علیہ السلام عالمِ ملکوتی اور ابراہیم خلیل اللہ عالمِ جبروتی اور مرتبۂ ملکوت مرتبۂ جبروت سے کمتر۔ پس اعلیٰ کا اسفل سے التجا کرنا روا نہیں۔ یہی سبب تھا جو ابراہیم خلیل اللہ نے اما الیك فلا (تم سے حاجت نہیں ہے) کہا۔ پس اے محبوب! ؎

گر ساعتے پبری ز اندیشہا چہ باشد   غوطہ خوری چو ماہی در بحر ما چہ باشد
آخر تو برگ کاہی ما کہربائے دولت   از کاہلاں ببر بیں تا کہربا چہ باشد
تو گوہرے نہفتہ از کاہ وگل گرفتہ   گر رخ زگل بشوئی ای خوش لقا چہ باشد
از پشت بادشاہی مسجودِ جبرئیلی   ملک پدر بجوئی اے بے نوا چہ باشد

(اگر تم ایک گھڑی اندیشوں اور خیالوں سے قطع تعلق کرلو تو کیا حرج ہے۔ بس مچھلی کی طرح سمندر میں غوطہ کھاؤ گے اور فائدہ کچھ نہ ہوگا۔ تم (ایک) برگ کاہ ہو اور میں کہربائے دولت۔ کاہلوں سے رابطہ منقطع کرو اور پھر دیکھو کہ کہربا میں کیا قوت ہے اور کیسی کارآمد چیز ہے۔ تمہاری مثال گھاس میں چھپے ہوئے موتی کی سی ہے جس پر کیچڑ کی تہہ چڑھی ہوئی ہے چہرہ سے کیچڑ کی تہہ دھوڈالے تو اے ماہ لقا کیا حرج ہے۔ تو بادشاہ کی نسل سے ہے اور مسجود جبرئیل ہے (اگر) تو ملکِ پدر کی تلاش میں ہے تو بینوا اس سے کیا فائدہ؟)

مخلوقات کی تین قسمیں ہیں ایک ذلالت اختیار کیے ہوئے ہے جیسے ملائکہ دوسرے حیوانات کی طرح ذلیل تیسرے ذلیل جیسے ذلیل انسان۔ یہ صفت بالاتر ہے کیوں کہ اس میں ملائکہ کی صفت ہے اور ملائکہ میں انسان کی صفت نہیں ہے کہ وسخر لکم مافی السموات ومافی الارض جمیعا (۴۵/۱۳) (اور تمہارے لیے اس سب کو مسخر

کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) اسی طرح زہر آلودہ گوشت نے حضرت رسالت علیہ السلام پر کچھ اثر نہ کیا کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام کے اندر سکر محبت تھا۔ اور اسی طرح ابو الطیب حجام جب حضرت رسالت علیہ السلام کی حجامت (۱) (حجامت سے مراد سینگی لگوانا ہے) کرتا تھا تو حضرت رسالت علیہ السلام کا خون پی لیتا تھا اور اے محبوب! جانتے ہو کہ خون پینا حرام مطلق ہے اس دلیل قطعی سے جس میں شبہ نہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا والدم ولحم الخنزیر (اور خون اور سُور کا گوشت) ابو الطیب حجام سے مواخذہ نہ کیا گیا کیوں کہ اس کے اندر سکر محبت بھرا تھا کہ ان اللہ تعالیٰ لا یؤاخذ العشاق بما یصدر (عاشقوں سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتا) رسول علیہ السلام نے ابو طیب حجام کو بشارت دی کہ حرم اللہ جسدك علی النار (اللہ نے تیرے جسم کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا) اے محبوب! دوسرا سکر مہابت ہے جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت علیہ السلام کی چادر پکڑ کر کھینچی اور مانع ہوئے کہ یا رسول اللہ عبد اللہ بن ابی کے جنازہ پر نہ آیئے اور نہ نماز پڑھئے کیوں کہ وہ منافقوں میں سے تھا۔ حضرت رسالت علیہ السلام نے عمرؓ سے کوئی مواخذہ نہیں کیا یعنی عمرؓ نے قطعی بے ادبی کی کیوں کہ ان کے اندر سکر مہابت بھرا ہوا تھا۔ اور تیسرے سکر حمیت جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے توریت لانے کا وعدہ کیا اور طور پر گئے کہ ووعدنا موسیٰ ثلاثین لیلة (اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا) اس شب سے دن مراد ہے۔ پس دن کیوں نہ کہا اس وجہ سے کہ دوست سے راز کہنے کے لیے دن کے بجائے رات ہی موزوں، چنانچہ حبیب سے بھی خطاب ہوا کہ قم اللیل (رات قائم کرو (کھڑے ہو رات کو) یعنی ۔

تجدنی فی سواد اللیل عبدی
قریباً منك فاطلبنی تجدنی

(میرے بندے! تو مجھے رات کے اندھیروں میں پائے گا۔ میں تیرے قریب ہو جاؤں گا پس مجھے طلب کر۔ مجھے حاصل کر لے گا) محبوب! نور کی تجلی ظہور کی طالب ہے کیوں کہ تیری سیاہی نور کی اصل ہے کہ سارے نوروں کی مظہر ہے جیسے کہ خاک ظلمت کی

نعمت رکھتی ہے لہٰذا ذات وصفات کے نور کی مظہر ہوئی کہ انہ کان ظلوما جھولا (بے شک وہ ظلوم وجہول تھا) کی نعمت پائی۔

از کفِ گل چوں وجودِ آدمی است
آں چناں خورشید پنہاں کے شود

مقصود یہ کہ اے محبوب! تیس دن روزہ رکھا اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو قوم میں خلیفہ بنایا کہ اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین (۱۴۲/۷) (اے ہارون تم میری قوم میں میرے جانشین ہو جاؤ ان کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کا راستہ نہ چلنا)

تیس دن کے بعد فرمان ہوا واتممنا بعشر (اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا۔ یعنی ان تیس دنوں پر مزید دس دن ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ موسیٰ نے وعدہ خلافی کی یا انہیں پہاڑ پر بھیڑیا کھا گیا۔ ہارون علیہ السلام کو اپنے سے علیحدہ کر دیا اور گائے کی پوجا کرنے لگے۔ جب موسیٰ علیہ السلام چالیس دن بعد توریت لے کر آئے تو دیکھا کہ ہارون علیہ السلام قوم سے نکل چکے ہیں اور ان کی قوم گائے کو پوج رہی ہے واخذ برأس اخیہ یجرہ الیہ (اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑا اپنی طرف کھینچتے ہوئے) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ہارون سے عاجز ہو کر کہا کہ یاابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا برأسی (۲۰/۹۴) (اے بھائی میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑیئے) ایک پیغمبر مرسل کا یہ فعل دوسرے پیغمبر مرسل کے حق میں کیسا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام سے اس سبب سے مواخذہ نہ کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر سکرِ حمیت بھرا ہوا تھا۔ کہ ان اللہ تعالیٰ لایؤاخذ العشاق بما یصدر منھم (اللہ تعالیٰ عاشقوں سے اس بارہ میں مواخذہ نہ فرمائے گا جو ان سے صادر ہوتا ہے) علمائے ظاہر جو انبیاء علیہم السلام کے عالم یعنی عالَم جبروت سے محروم ہیں کہتے ہیں کہ ایسا سکر انبیاء میں جائز نہیں کیوں کہ وہ دعوت کے لیے احکامِ شرائع سے مکلف ہیں۔ لہٰذا ایسا سکر مانع ہے۔ اور امت میں سے کسی کو اقتداء نہ کرنا چاہیے۔ بے چارے علمائے ظاہر کہ بحر المعانی سے محروم ہیں۔ پس جانو کہ سکرِ محبت قطع

کرنے والا ہے اور سُکر مہابت اور حمیت اعتراف ہے۔ یہ مقصد تھا کہ عمرؓ اور موسیٰ علیہ السلام سے سُکرِ مہابت اور حمیت صادر ہوئے پس عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس قال یا عمر عفوت عنك (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور غصہ کو روکنے والے اور لوگوں کے قصور معاف کرنے والے) آپ نے فرمایا اے عمر! تم کو معاف کیا) اور اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کے ساتھ یہ فعل کیا تو کہا رب اغفرلی ولاخی (اے میرے رب مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے) اے محبوب سکر محبت غفلت اور حیرت کی طرح ہے جیسے شراب کی مستی۔ شراب پینے سے مستی مراد نہیں ہوتی بلکہ پینے والے کا مقصد انس ونشاط اور ذوق ہوتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام پر ہر دم مسلسل وارد ہوتا رہتا ہے۔ وہ مستی سے معصوم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ بے خبر رہتے ہیں لیکن ذوق اور انس ونشاط بے خبری سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے کرامت ہے۔ اولیاء قدس اللہ سرہٗ ارواحہم کا سُکر بھی اسی طریقہ سے ہے کیوں کہ اولیاء اقتداء اور متابعت کے مقام میں ہیں اور انبیاء علیہم السلام مسند اور مقتدا اور امامت کے مقام پر ہیں۔ شراب محبت کا سُکر نیات اور ذوقیات کے ساتھ انبیاء علیہم السلام پر بھی بلاحیل وحجت جائز ہے۔ پس اگر ایسا سُکر اولیاء قدس اللہ ارواحہم سے صادر ہو تو انکار نہ کرنا چاہیے۔ اہل تحقیق کے درمیان صحو اور سُکر میں اختلاف ہے الصحو والسکر صفتان للعبد مادام العبد محجوبا عن ربه حتی افنا اوصافه (صحو اور سکر بندہ کی دو صفتیں ہیں بندہ اپنے رب سے (اس وقت تک) مجوب رہتا ہے جب تک کہ اس کے اوصاف فنا نہ ہو جائیں) لیکن اے محبوب! اس فقیر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک درویش دونوں صفات سے خارج نہ ہو اور ہمارے زمرہ میں نہ آئے اور راہ نہ پائے۔ لیکن سُکر غلبہ سے عبارت ہے جیسا کہ ارباب معنٰی نے لکھا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا غلبہ ہے اور صحو عبارت ہے حصولِ مرادات سے یعنی حق تعالیٰ کی محبت حصولِ مراد ہے۔ لیکن اس فقیر کے نزدیک دونوں حجاب ہیں کیوں کہ سکر کی عبارت سوائے محبوب نامتناہی کے سارے محبوبوں کی نفی ہے اور صحو نہیں سے عبارت ہے میری اس عبارت سے سب مجوب صفت ہوئے لیکن اے محبوب! تیری مراد

ایسا سودا ہے جو ان دونوں مذکورہ صفات سے باہر ہے۔ سودے نے ہم کو ہمارے بازار میں کہ نئے بیچنے والے ہیں۔ سودائی کر دیا۔ فائدہ اٹھاؤ گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فقیر کی اس رباعی کا جمال تجلی کرے گا۔

ازنفی و ز اثبات برؤں صحرائے است   کیں طائفہ را دریں میاں سودائے است
عاشق چوبداں جائے رسد محو شود   بے نفی و ز اثبات نہ اورا جائے است

(نفی و اثبات سے پرے ایک میدان ہے جس میں اس سودا زدہ گروہ کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ عاشق جب اس جگہ پہنچتا ہے تو گم اور بے خود ہو جاتا ہے اور نفی و اثبات کے جھگڑوں سے لاتعلق ہو جاتا ہے)

اے محبوب! اگر وہ ارباب معانی آج زندہ ہوتے تو ان سے کہتا جو کہتا اس راہ میں افسوس ہی چاہیے۔

اے دریغا ہیچ کس را نیست تاب
دیدہا کو رو جہاں چو آفتاب

(ہائے افسوس کسی کو اس کی تاب نہیں ہے کہ دیدہ کور اور جہاں پر آفتاب سے آنکھ ملا سکے یعنی ان کی حقیقت سے آگاہی ہر شخص کے بس کی بات نہیں)

اللہ تعالیٰ آپ کو ویسا بنادے جیسا میں نے حضرت عزت جلت قدرتہٗ سے بحر المعانی اور دقائق المعانی کی دریافت کے لیے چاہا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ویسا ہی بنادے گا بلکہ بنا دیا ہے۔ اب مثنویات پر اس فقیر کی تضمین لکھی جاتی ہے۔

من زِ خمخانہ خوردہ ام جامے   نہ زِ مَن اسم ماندنے نامے
مست گشتم زِ اوُ و جام شکست   تانہ گیرد دِگر گسَم جاَمے
عاشق و عشق خود معشوق   خاص بیند چنیں نہ ہر عامے
چشمِ معنی کشادہ شدبہ یقیں   کردم ایں نکتہ را ازاں تضمیں
کز ہمہ اوست ہر چہ ہست یقیں   جانِ جاناں ودلبرو دل ودیں

(میں نے خمخانہ سے ایسا جام پیا ہے کہ نہ اپنا ہوش ہے اور نہ اپنے نام کی خبر میں

اس سے متکیف ہوگیا اور جام توڑ ڈالا تا کہ کوئی دوسرا شخص میرا جام نہ لے سکے۔ عاشق اور عشق خود معشوق بن گئے ۔ اسے اب اتنا بھی ہوش نہیں ہے کہ خاص و عام میں امتیاز کر سکے۔ چشمِ باطن اس یقین کے ساتھ کُھلی اور میں نے اس نکتہ کا اس میں اضافہ کر دیا کہ اگر یہ بات یقینی ہے کہ ہمہ اوست تو پھر جانِ جاناں، دلبر، دل اور دین میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ نہ وصل نہ فراق، نہ تو نہ میں۔ ہمہ اوست)

چھبیسواں مکتوب

(وصول)

گر ز سوزِ عشق اوُ داری خبر   جاں بدہ در عشق و در جاناں نگر
چوں کسے از عشق ہرگز جاں نہ برد   گر تو ہم از عاشقانے جاں مبر
عشق دریائے است قعرش ناپدید   آب دریا آتش و موجش گہر
سرکشی از ہر دو عالم ہمچو موئے   گر بہر موئے ازاں یابی خبر
گوہر اسرار ہر سرے ازو   سوئے آنحضرت دلِ من راہبر

(اگر تم اس کے سوزِ عشق سے واقف ہو تو بس پھر جان دے دو اور محبوب کو دیکھو (یعنی فنا فی المحبوب ہو جاؤ) چوں کہ کوئی شخص عشق کرنے کے بعد جان سلامت نہیں لے جا سکتا تو پھر اگر تم بھی عاشقوں میں سے ہو تو جان کا خیال چھوڑ دو عشق ایک سمندر ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں ہے اور اس سمندر کا پانی آگ ہے اور اس کی مَوج گُہر ہے۔ اگر عشق کے اسرار سے تم کو بال برابر بھی واقفیت حاصل ہو جائے تو تم دونوں عالموں سے بال کی طرح منھ موڑ لوگے (بال جب جلتا ہے تو اینٹھ جاتا ہے اور اصلی حالت پر نہیں رہتا) ہر راز کے اسرار کا موتی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ اے میرے دل مجھے اس بارگاہ کا راستہ دکھا)

مقصود یہ کہ اے محبوب! بارگاہِ جناب احدیت کی راہیں طالبان درگاہ حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے لیے اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کا بیان ممکن ہو کہ الطرق الی اللہ تعالیٰ بعدد انفاس الخلائق (اللہ کی طرف راستے مخلوق کی سانسوں کے برابر ہیں) لیکن محبوب! ساری راہوں کو میں نے تین اقسام پر مجمل کیا ہے۔ پہلی قسم ارباب معاملات کی راہ ہے اور یہ نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، حج اور جہاد وغیرہ کی زیادتی ہے یہ راہ عام

مسلمانوں کی ہے اور عذابِ ابدی سے ان کی خلاصی کا باعث ہے لیکن اس طرح کی عبادت کے راستہ سے اصولِ حقیقی دشوار ہے۔ اور دوسری قسم اصحابِ مجاہدات کی راہ ہے وہ تبدیل اخلاق، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور جس کا تعلق باطن سے ہو اور یہ اسرار کی راہ ہے۔ اور یہ نیکوں کی قوم ہے۔ اور انہیں میں ایک دوسرا گروہ اور ہے جس کو ''مقتصد کہتے ہیں اور واصلین بہت کم ہیں لیکن اے محبوب! تیسری قسم حضرت صمدیت کی سیر کرنے والوں کی ہے کہ بحکم مقام لاہوتی اور حضرت لایزال کی عنایت کی جزئیات میں سیر کرتے ہیں لیکن قدم ایک جگہ جمے رہتے ہیں اور یہ عالم طیر ہے ۔

ما چشم بستہ صورتِ جاں را نظر کنیم
ہر جا نشستہ گرد دو عالم سفر کنیم
بے آب و خاک دُر بناتست زر بہ پیش
زیں رو بوقت قطرۂ در خاک زر کنیم
بردستِ ما چو بادہ بیاری عَسل شود
در پیش ما چو زہر بیاری شکر کنیم
جز وہم ہیچ در دو جہان نیست غیر دوست
زیں رمز عشق بے خبراں را خبر کنیم
ز اسرار عاشقاں چو محمدؐ برون دہیم
ایں عشق و معرفت ہمہ زیروز بَر کنیم

(ہم آنکھ بند کیے محبوب کی صورت دیکھتے رہتے ہیں اور اپنی جگہ بیٹھے ہوئے دونوں عالموں کا سفر کرتے رہتے ہیں اس عالم میں زر و مال ہماری نگاہ میں آب و خاک کی بھی قیمت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ زر کو قطرہ کی صورت میں خاک میں ملا دیتے ہیں۔ یعنی ہماری نگاہوں میں اس کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ جب تم ہمارے ہاتھ میں بادہ وشراب دیتے ہو تو وہ شہد بن جاتا ہے اور جب زہر پیش کرتے ہو تو ہم اسے شکر بنا دیتے ہیں۔ ان دونوں جہانوں میں سوا دوست کے سب وہم ہی وہم ہے۔ میں عشق کے اس راز سے بے خبروں کو خبر دیتا ہوں۔ اے محمد! جب میں عاشقوں کے اسرار کو آشکارا کرتا ہوں تو عشق اور معرفت سب کو درہم برہم کر دیتا ہوں)

اس تیسری قوم کا وصول ابتداء میں نہایت کار والوں سے آمیزش ہے یہ راہ سب طریقوں سے اشرف ہے اور اس کے معنی موت ہیں کہ موتو قبل ان تموتوا (مرو قبل اس کے کہ تم مارے جاؤ) اور اس سعادت کے ظہور میں نے دس منازل پر رکھے ہیں۔ پہلی

منزل وہ ہے کہ توبہ کرنا چاہیے اور توبہ کی حقیقت وہ ہو کہ موت سے پہلے اپنے اختیار سے حضرت لایزالی کی طرف واپس ہو جائے جیسے کہ موت کے بعد اضطراراً واپس ہوگا اور اس طرح حضرت دوست کے پاس جانا ضروری ہے مگر وہ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے توبہ کے معنی دنیا اور عقبیٰ کے مراتب اور ہر اس چیز سے نکل آنا ہے جو حق تعالیٰ سے روکے کہ وہ گناہ کا غیر ہے سب سے نکل آؤ۔ توبوا الی اللہ جمیعا ایہ المومنون لعلکم تفلحون (۲۴/۳۱) (مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ) ؎

گرکلاہِ فقر خواہی اے پسر   از خود و جملہ جہاں یکسر بَر
ایں کلاہِ بے سرانست اے پسر   کے دہندت تا کہ می نازی بسر

(اگر تم فقر کی ٹوپی پہننا چاہتے ہو تو اپنی ذات اور ماسوا سے بالکل بے تعلق بن جاؤ۔ اے بیٹے یہ بے سَر کی ٹوپی ہے جو تمہیں اس وقت تک عطا نہیں ہوگی جب تک تم کو اپنے سَر پر ناز رہے گا۔ (یعنی جب خودی چھوڑ دو گے تب دولتِ فقر نصیب ہوگی)

محبوب! دوسری منزل یہ ہے کہ توبہ کے بعد زہد کرو۔ اور زہد کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ سے اور اپنے مقصود سے موتِ اختیاری سے قبل باہر آؤ جیسے کہ موتِ اضطراری کے بعد باہر آؤ گے۔ اور وہ ضروری اخراج اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے۔ آخرت کے سارے درجات اور دنیاوی لذتوں کو چھوڑ دو۔ اگر یہ سب تمہاری سب آنکھوں کے سامنے پیش کیے جائیں تو گوشۂ چشم سے بھی ان کی جانب نظر نہ کرو کہ الدنیا حرام علیٰ اھل الآخرۃ والآخرۃ حرام علی اھل الدنیا وھما حرامان علی اھل اللہ (دنیا حرام ہے آخرت والوں پر اور آخرت حرام ہے دنیا والوں پر اور وہ دونوں حرام ہیں اللہ والوں پر) پس اے محبوب! اس حرام میں سے کیا چیز حرام ہے۔ لذائذ دنیا یعنی اہل دنیا اور عقبیٰ سے محبت۔ نہ یہ کہ دنیا اور عقبیٰ کی خدمتگاری اور خدمت گار کے لیے سوائے خدمت کے محبت نہیں ہے یہی سبب ہے کہ خدمت گاران محبوب ازلی غیر محبوب سے محبت کرتے ہیں کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ خدمت گارانِ محبوب ازلی غیر محبوب سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے حرام مراد نہیں اور خلق اسی پر ہے کہ مفلس اور محتاج ہو جائیں۔ مطلق سمجھ نہیں

رکھتے۔ پس اے محبوب! اس حرام سے یہی محبت باطن مراد ہے کہ باطن میں حظِ دنیا اور عقبیٰ کی محبت تم پر حرام ہے لیکن اگر ظاہر میں ہزاروں خدمت میں ہوں تو وہ حرام نہیں ہے۔ اچھی طرح غور و فکر کرو۔

ہرآں کہ در نہ بازد ہر دو عالم
نہ گردد در حریم خاص محرم

(جب تک دونوں عالموں کے در نہ کھولے گا اس وقت تک حریم خاص کا محرم نہ ہوگا)

اس چھوڑ دینے سے حُبّ باطن مراد ہے کہ باطن میں بھی ان دونوں سے محبت نہ کرو۔ اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔ تیسری منزل توکل ہے اور توکل کی حقیقت یہ ہے کہ موت سے پہلے اختیار کے ساتھ واسطوں اور اسباب سے نکل آؤ جیسے موت اضطراری کے بعد خام اسباب اور تعلقات سے علیحدہ ہو جاؤ گے۔ اور یہ نکلنا اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے یعنی حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے کرم پر بھروسہ کر کے اپنے اختیار سے نکلو گے تو وہ خداوند کی رضا کا موجب ہوگا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فان تولوا فقل حسبی الله لا اله الا هو علیه توکلت وهو رب العرش العظیم (۹/۱۲۹) (پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں (اور نہ مانیں) تو کہہ دو کہ خدا مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے) اے محبوب! چوتھی منزل قناعت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ان اغیار سے جو یار سے باز رہتے ہیں تبرّا کرو۔ یعنی اغیار سے ذرہ برابر بھی باطنی میل نہ رکھو۔ لیکن ظاہری محبت جو عورتوں، بیٹوں اور دوسروں سے ہو اللہ کے نزدیک عاریتاً ہے۔ یعنی باطن میں سوائے یار کے غیر کو جگہ نہ دو۔ موت سے پہلے اختیار کے ساتھ جیسے موتِ اضطراری کے بعد قناعت کرو گے۔ اور وہ قناعت اللہ کے نزدیک شمار نہیں ہوتی۔

معاذ اللہ کہ من زیں پس بہر اغیار بنشینم — مرا چوں گل بدست آمد چرا با خار بنشینم
چہ باشد بہ ازیں دولت کہ من در خواب می جستم — دمے در صحبت یارے کہ بے اغیار بنشینم
بیا ساقی مے اندر دہ محمد دائما گوید — چرا لب بستہ بر دریا چو بو تیمار بنشینم

(توبہ توبہ جو میں اس کے بعد اغیار کے لیے بیٹھوں جب مجھے پھول حاصل ہو تو میں کانٹوں میں کیوں بیٹھوں۔ اس سے بہتر اور کون سی دولت ہوگی کہ میں خواب میں بلا اغیار کی دخل اندازی کے کچھ دیر محبوب کے ساتھ بیٹھنے کی کوشش کروں۔ اے ساقی آ اور شراب پلا۔ کیوں کہ محمد یہی کہتا رہتا ہے کہ میں بوتیمار کی طرح دریا کے کنارہ منھ بند کیے کیوں بیٹھا رہوں)

اے محبوب! پانچویں منزل عزلت ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے باطن کو غیر محبوب سے بند کرلو موت سے پہلے اختیار کے ساتھ جیسے موت کے بعد اضطرار کے ساتھ بند کروگے اور وہ ضروری بند کرنا اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے۔ عزلت دو طرح پر ہے۔ عزلت زنانہ اور عزلتِ مردانہ۔ عزلت زنانہ محبوب نہیں ہوتی۔ یہ اعضاء کو صومعہ کے گوشہ میں قید کرتی ہے اور باطن دوسری جگہوں پر ہوتا ہے لیکن عزلتِ مردانہ یہ ہے کہ ظاہر خلائق کی صحبت اور لوگوں سے باتیں کرنے میں ہو اور باطن اس حضرت میں مشغول رکھے یہ مَردوں کی عزلت ہے۔

اے دوست آں تعلق باطن زمن نہ رفت   من درمیان جمع ودل من بہ سوئے دوست
خرد مند آں بود کہ در ہمہ کار   گہے باگل نشیند گاہ باخار

(اے دوست میرا تعلق باطنی اور اندرونی لگاؤ مجھ سے زائل نہیں ہوا بہ ظاہر میں لوگوں میں گھرا ہوا ہوں لیکن بہ باطن دوست کہ جانب ہوں (یعنی دل بہ یار و دست بہ کار ہوں، عقلمند دراصل وہ ہے جو ہر کام میں کبھی پھول کے ساتھ بیٹھے اور کبھی کانٹوں کے درمیان)

اللہ تعالیٰ آپ کو یہ عزلت مذکور عطا کرے گا مگر پیرِ تربیت کی صحبت سے۔ یہ دونوں تربیتیں طبیبِ حاذق کی طرح ہیں جب تک طبیب پرہیز کراتا ہے استعمال کی دوائیں نہیں دیتا۔ پھر جب پرہیز کرانے والا استعمال کی دوائیں دیتا ہے تب حرارتِ غریزی کو قوتِ ملتی ہے اور صحت ہو جاتی ہے اسی طرح عاشقوں کے لیے مذکورہ عزلت پرہیز ہے اور استعمال کی دوا دائمی حضورِ باطن ہے کہ ابدانهم فی الدنیا وقلوبهم فی الآخرة

مع اللہ (ان کے بدن دنیا میں ہیں اوران کے دل اللہ کے ساتھ آخرت میں)

زخم خوردم روز وشب عمرِ دراز   تابہٗ صد زاری درش کردند باز
تانیاید دردِ ایں کارت پدید   قصۂ ایں درد نہ توانی شنید
گرشود ایں درد دامن گیر تو   برکشاید سَر بسر زنجیر تو

(عمر بھر رات دن زخم کھاتا رہا۔ آخر بڑی نالہ وفریاد کے بعد اس نے اپنا دروازہ میرے لیے کھولا جب تک تم پر خود اس درد کی تکلیف نہیں پڑے گی اس درد کا قصہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اگر یہ درد تمہارا دامن گیر ہوجائے تو تمہاری تمام زنجیریں کھل جائیں گی (یعنی حالتِ قبض رفع ہوجائے گی)

چھٹی منزل ذکر ہے اس کی حقیقت محبوب ازلی کے غیر کی یاد سے نکل آنا ہے موت سے پہلے اختیار کے ساتھ جیسے موت کے بعد اضطرار کے ساتھ نکلنا ہوگا کہ واذکر ربک اذا نسیت (یاد کرو اپنے رب کو جب بھول جاؤ) اے محبوب! ذکر نفی واثبات سے مرکب ہے اور لا الہ نفی ہے جو نفس امارہ کی فاسد مراد ہے اور شہوات حیوانی اور اخلاقِ ذمیمہ کے بہانوں سے صفات کی پرورش کرنے والا ہے جیسے کبروبخل، عجب، حسد، حرص اور ریا وغیرہ۔ ان میں کی ہر صفت روح کے لیے ایک بندھن اور دل کی بیماری ہے جو اپنے سے دور ڈال دیتی ہے اور میدانِ دل کی فضا کی ہوا کو جو بارگاہِ کبریا کا محل ہے اور آفتاب فردانیت کا مطلع ہے حدوث ظلمانی کے غبار سے پاک کردیتی ہے اور اس کے بعد الا اللہ کے اثبات سے دل سلامتی کے ساتھ اخلاقِ ذمیمہ اور کسب زندگانی سے حیاتِ طیبہ حاصل کرتا ہے اور نورِ وحدت کے دبدبہ سے کثرت کی ظلمت شکست کھا کر بھاگ جاتی ہے یہاں تک کہ بادشاہِ روح جو حق کا خلیفہ ہے اپنے جمال وکمال کے شواہد کے ساتھ تجھ پر جلوہ گر ہوتا ہے اور تیرے بدن کی زمین جمال وکمال کی ہدایت کے نور سے منور ہوجاتی ہے تیرا وجود آفتاب عزت میں متلاشی ہوتا ہے اور ماسوا اللہ کا غبار تیرے باطن کے وجود سے بھاگ جاتا ہے اور جمالِ مذکور ذاکر کے عین باطن میں ظاہر ہوتا ہے اور وھو معکم کی اشارت محقق ہوجاتی ہے۔

تا کہ باشد ذکرِ غیرے در حساب ذکرِ مولیٰ باشد از تو در حجاب
گر ہمہ عالم ثواب تو بود تا تو باشی آں عذاب تو بود
گر شوی چوں خاک در رَہ پائمال تا اَبد جاں را بدست آرمی کمال
تا بود یک ذرہ از ہستی بجائے کفر باشد گر نہی دَر عشق پائے
تا تو باخویشی عدد بینی ہمہ چوں شوی فانی اَحد بینی ہمہ

(جب تک تو غیر کا ذکر کرتا رہے گا یعنی تیرے دل میں خیال غیر رہے گا تو مولیٰ کا ذکر تجھ سے پوشیدہ رہے گا۔ یعنی یادِ الٰہی سے محرومی نصیب رہے گی۔ اگر تمام دنیا کا ثواب تیرے لیے ہو تو یہ ثواب تیرے لیے عذاب رہے گا (یعنی جب تو اس کا مرکز بنا رہے گا یعنی خود کو ثواب کا اہل سمجھے گا یعنی انا باقی رہے گی تو یہ ثواب تیرے لیے عذاب رہے گا) جب تک تیرے اندر انانیت کا شمہ بھی باقی رہے گا اور اس حالت میں تو عشق کا ارادہ کرے گا تو وہ کفر کے ہم پایہ ہوگا۔ اگر تو خاک کی طرح راہ میں پائمال ہو جائے گا تو البتہ تجھے اَبد تک جان (روح) کو قابو میں رکھنا بڑا کمال ہوگا۔ جب تک تیرے اندر انا باقی رہے گی ہر شے تجھے (اپنا دشمن نظر آئے گی) بہت سی نظر آئیں گی اور جب انا فنا ہو جائے گی تو ہر شے اَحد یعنی ہمہ اوست کا مشاہدہ ہوگا)

ساتویں منزل توجہ ہے اس کی حقیقت حضرت صمدیت کی جانب متوجہ ہونا ہے موت سے پہلے اختیار کے ساتھ جیسے کہ موت کے بعد اضطرار کے ساتھ ہوگی اور وہ ضروری توجہ اللہ کے نزدیک محسوب نہیں۔ عالی ہمت بنو کہ حق کے سوا کسی مطلوب و محبوب کو گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھو اور اگر انبیاء کے مقامات بھی پیش کیے جائیں تو ان پر بھی نظر نہ ڈالو اور حق تعالیٰ کے سوا باطن میں کسی سے مشغول نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بایزید کی ہمت عطا کرے کہ ایک دن بایزید کے سر میں کہا گیا کہ اے بایزید تجھے محمد رسول اللہ بنا دوں۔ بایزید نے کہا کہ خداوندا محمدؐ تو ایک ہے فرمان ہوا کہ تجھے اس عالم میں لے جاؤں جس میں آدمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو مبعوث کروں اور ختم نبوت تجھ پر کروں بایزید نے کہا مجھے تیرے سوا کچھ نہ چاہیے۔ فرمان ہوا کہ اے بایزیدؒ تو ہمارے قرب کے جوار میں ٹھہر۔ اور اسی طرح اے

محبوب! ۸۰۹ھ کی ایک شب میں بلخ میں تھا اور اسی طرح تمام علوی و سفلی مراتب سے عاجز تھا۔ ناگاہ آدھی رات کو میرے سر میں ندا ہوئی کہ اے فقیر تجھ کو ایسے مقام پر پہنچا دوں کہ ختم نبوت تجھ پر ہو۔ میں نے کہا کہ خداوندا خاتم رسل محمد ﷺ ہیں اور یہ فقیر ان کے در کا کمترین کتا ہے پھر میں نے کہا انا مشغول بك وانت مقصودی فلیس لی مقصود سواك فقال الله عزوجل یا محبوبی انت مشغول بی وانا مشغول بك (میں تجھ میں مشغول ہوں اور تو ہی میرا مقصود ہے۔ تیرے سوا میرا کوئی مقصود نہیں۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا اے میرے محبوب! تو مجھ میں مشغول ہے اور میں تجھ میں)

الحمدللہ اس خطاب کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔ جب درویش مقامِ کبریا پر نزول کرتا ہے تو اس پر انبیاء و رسل کے مقامات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اس کا امتحان لیا جائے کہ عالی ہمت ہے یا پست ہمت۔ اگر پست ہمت ہے تو ان مقامات پر نظر کرتا ہے اور باطن میں تمنا کرتا ہے فوراً اس مقام کبریا سے سرنگوں کر کے پلٹایا جاتا ہے اور اس کے احوال پلٹ دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقام میں پہنچائے گا۔ چاہیے کہ ہمت بلند رکھیں جیسی آپ کے پیر فقیر نے رکھی۔ یہاں تک کہ مذکورہ خطاب سے مخاطب ہو۔ پس اے محبوب! نبوت کے طویلے کے کتوں کو مسندِ نبوت سے کیا کام۔

من از جامِ محمدؐ مست گشتم
دو عالم پیش من گشت است پستم
نہ دارم لافِ فرزندی دریں راہ
منم خاکِ درش ہستم کہ ہستم

(میں جامِ محمدؐ سے مست ہوں۔ دونوں عالم میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس راہ میں ان کی نسل میں ہونے کا فخر نہیں کرتا۔ میں جو کچھ بھی ہوں ان کے در کی خاک ہوں)

اے محبوب! آٹھویں منزل صبر ہے۔ اس کی حقیقت ظاہر و باطن کی آنکھوں کو حظوظِ دارین سے سی لینا اور حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی بساطِ محبت پر ثابت قدم رہنا ہے موت سے پہلے اختیار کے ساتھ جیسے کہ مرنے کے بعد صبر کرنا ہوگا۔ اضطرار کے ساتھ اور وہ ضروری صبر اللہ کے نزدیک محسوب نہیں۔ یہ مقام اہم ہے۔ محبوب! صبر کرو کہ اس حضرت کے نورِ مقدس میں گم ہو جاؤ جیسے کہ تمہارا پیر فقیر اس مقام میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ

اس فقیر کی رباعی کا جمال اُس رفیق ازل اور عتیق اَبد پر تجلی کرے۔

دَر نورِ مقدسش چو گشتم پنہاں   وز حد مکاں گذشتم اے جانِ جہاں
دَر مسند عشق اوُ مقرر گشتم   اندر رہِ من نہ ایں ماند نہ آں

(اے جانِ جہاں جب میں اس کے نورِ مقدس میں پنہاں اور حدِ مکاں سے ماورا، ہوگیا (تو) اس کے مقامِ عشق میں جگہ پا گیا اور اس راہ میں امن واماں سے بے نیاز ہوگیا)

اے محبوب! نویں منزل مراقب (مراقبہ) ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہری وباطنی آنکھوں کو مطلوب ومحبوب کے حضور میں رکھو اور اپنی قوت کے حرکات وسکنات سے باہر آؤ اختیار کے ساتھ جیسے کہ موت کے بعد ہو جاؤ گے اضطرار کے ساتھ اور وہ اللہ کے نزدیک محسوب نہیں مراقبہ وہ ہے کہ تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس کے بعد مواہب الٰہی کے ابواب کھلنے کے انتظار میں آرام پاؤ اور الطافِ نامتناہی کی ہواؤں سے پوشیدہ رہ کر مودت کے میدان میں ہمت کے قدم سے مرادوں کو ٹھکراؤ۔ اور بحر احدیت میں غوطے کھاؤ۔ ہستی کے پروانہ کو جلالِ صمدیت کی شمع پر جلنے کے لیے جھونک دو اور مذکورہ شمع کی روشنی میں فراق کی منزلیں قطع کرو اور حجاب کے ادبا کی کملی پُشت پر ڈالو اور خود کو اس سے سنوارو اور مجاہدات کی بساط کو طے کرو اور مردوں کے قلوب کو مشاہدات کے انوار سے زندہ کرو۔ نفس کے سیأت کو حسنات سے بدلو اولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات (۲۵/۷۰) (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں (اچھائیوں) میں تبدیل کر دیتا ہے) اور پھر خود کو حلقۂ عصمت میں پرو دو۔ جمال وجلال کو قدم کے صحرا میں دیکھو اور آسمان وزمین اور قالب کے نعمات سے یکسر بھاگو۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

ہر کہ با اوُ ہمدمِ خود ہم پرست   یکدم از مُلک دوعالم برتر است
باخدائے خویش دائم در حضور   چوں شود دل تنگ با آں شمع نور
گر تو خواہی تا شوی از اہل راز   تا ابد منگر بہ سوئے ہیچ باز
زاں کہ ہرجائے نظر خواہی فگند   در گناہ خویش سر خواہی فگند
ہرکرا آئینہ باشد بادشاہ   کفر باشد گرکند در خود نگاہ

گر گدائے اوٗ شوی شاہت کند   ورنہ آگاہی آگاہت کند

(جوکوئی اس کا ہمدم وہم پرست ہوا وہ دونوں عالموں سے بالاتر ہو گیا۔ (یعنی ان سے لاتعلق)۔ جسے ہمیشہ اپنے خدا کی حضوری حاصل رہتی ہے وہ بھلا اس شمع نور سے کیسے بیزار اور رنجیدہ رہ سکتا ہے۔ اگر تو اہل راز میں سے ہونا چاہتا ہے تو سوائے اس ذات کے اَبد تک کسی کی جانب متوجہ نہ ہونا اس لیے کہ جس جگہ بھی تیری نظر پڑے گی تیرا سَر تیرے گناہوں میں پڑا نظر آئے گا۔ جس کسی کا آئینہ اس کا بادشاہ ہو (یعنی جسے اپنے بادشاہ کی معیت حاصل ہو) وہ اگر اپنی جانب دیکھتا ہے تو کافر ہے۔ اگر تو اس کا فقیر بن جائے تو وہ تجھے بادشاہ بنا دے گا اور اگر تو آگاہ نہیں ہے تو وہ تجھے آگاہی بخشے گا)

اے محبوب! دسویں منزل رضا ہے۔ اور رضا کی حقیقت اپنی رضا سے نکل کر محبوب کی رضا میں داخل ہونا ہے موت سے پہلے جیسے کہ موت کے بعد اضطرار کے ساتھ۔ یہ مقام بڑے سالکوں کا ہے کیوں کہ ہر مطلوب جو طلب سے حاصل ہوتا ہے وہ طالب کا حظ ہے لیکن مبتدی سالک مسکنت اور حقارت کے مقام میں ہے۔ جو اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے حقیر ہوتا ہے۔ جب اپنی خواہش کو درمیان سے اٹھا دو گے اور اپنے کارِ عظیم کو عظیم پر چھوڑ دو گے تو نا متناہی عطا پاؤ گے اور جناب کبریا کے سوا کسی کے لائق نہ رہو گے۔ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا حاکیا عن اللہ تعالیٰ من شغله ذکری عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطیت للسائلین ، یعنی جس کسی کو میری یاد مشغول کر لیتی ہے مجھ سے سوال کرنے سے میں اس کو سوال کرنے والے سے بہتر دیتا ہوں۔ جو طلب کے بیان میں گم ہوا اور وہ جو کچھ اسے ملے اس پر راضی ہو کیسے برابر ہوں گے۔ اور وہ کہ خود کو اپنے مقام میں دیکھتا ہے خود ہوتا ہے اور خود رہتا ہے پس تمہاری توجہ اور طلب کہاں سے ہے غور کرو ۔

تو نہ کردی ہیچ گم چیزے مجو   آں کہ جوئی نیست آن چیزے مگو
انچہ گوئی انچہ جوئی ہم توئی   خویش را بشناس صد چنداں توئی

(تونے کوئی چیز کھوئی نہیں لہٰذا کچھ نہ ڈھونڈھ اور تو جو کچھ ڈھونڈھتا ہے وہ نیست ہے یا حادث اسے چیز مت کہہ جو کچھ تو کہتا ہے اور ڈھونڈھتا ہے وہ تو خود ہے اپنے آپ کو پہچان تو تو ہی مخزن ہے)

ستائیسواں مکتوب

(نفس اور خود بینی کے بیان میں)

تا خاطرت مسخرِ طبعِ ہوا بود   جانت اسیرِ نفس بلا مبتلا بود
ہرگز بَہ سوئے صحبت بیگانہ التفات   نکند کسے کہ در رہِ دیں آشنا بود
بر طمع نفس پا منہ ار خواہی اے عزیز   تا بَر سرِ تو سایۂ لطف خدا بود
ایمن مباش خواجہ و نومید ہم مشو   کا سلام درمیانۂ خوف ورجا بود
زنہار بر بقا مکن اے خواجہ اعتماد   از بہر آنکہ عاقبت اؤ فنا بود
در پنج روز عمر کہ بر شارع فنا است   آں کن کہ دَر طریقِ شریعت روا بود
کز خوفِ جاں فقیر محمد بہ لب رسید   تا باز گشت اؤ بہ قیامت کجا بود

(جب تک تیرا دل خواہش کا تابع اور مسخر رہے گا تیری جان نفس بلا کی اسیر اور اس میں مبتلا رہے گی۔ وہ شخص ہرگز بیگانوں کی صحبت پسند نہیں کرتا جو راہِ دین کا مبتلا اور گرفتار ہوتا ہے۔ اے عزیز اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے سَر پر لطفِ خدا کا سایہ رہے تو نفس کی حرص اور خواہش پر قدم نہ رکھ۔ اے خواجہ نہ بے خوف رَہ اور نہ ناامید ہونے کی ضرورت ہے کیوں کہ سلامتی (اسلام) خوف ورجا کے بَین بَین ہے۔ (یعنی مایوسی کفر ہے اور بے خوفی خدا سے انکار کی مظہر ہے۔ اے خواجہ اس ظاہری بقا پر بھروسہ نہ کر کیوں کہ اس کا انجام فنا کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس پنج روزہ عمر میں جو فنا کے راستہ پر گامزن ہے ایسے طریقہ کو اختیار کر جو شریعت کی رُؤ سے ہو۔ محمد کی جان اس خوف سے ہونٹوں پر اَٹکی ہوئی ہے کہ روز قیامت نہ جانے اس کی واپسی کہاں ہوگی)

مقصود یہ کہ اے محبوب! حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عابد

کے حق میں اکثر طاعات معصیت ہوتے ہیں اور طالب کے حق میں اس کے اکثر معاصی طاعت ہوتے ہیں یہی معنی ارباب قلوب کے نزدیک مقرر ہیں کیوں کہ وہ ہر طاعت جو غرور اور عُجب کا سبب ہو وہ عین معصیت ہے اور ہر وہ معصیت جو اعتراف اور عذر کی طرف لے جائے طاعت ہے۔ درحقیقت وہ معصیت تیرے لیے طاعت سے زیادہ مفید ہے۔ یعنی جب تم کو اخلاقِ بشری اور اوصافِ بہیمی اور سباعی اور شیطانی کے سبب سے امیدوں اور اعمال کے آثار اور اخبار نظر آئیں تو اچھی طرح غور کرو تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ شیوخ عصر اور عوام زیادہ تر عبادات اور طاعات رسمی طور پر ادا کرتے ہیں اور یہ بے سعادتی کی نشانیاں ہیں گو کہ ظاہری صورت میں اچھی معلوم ہوتی ہیں کیوں کہ اگر ان سب کو میزان عدل میں رکھیں تو وہ ان کی گرفتاری کا سبب ہو جائیں۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ اور اے محبوب! جب یہ آیت نازل ہوئی وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (۴۷/۳۹) یعنی حضرت باری سے حشر کے دن قضاء کے مجمع میں ان پر وہ ظاہر ہوا جو ان کے گمان میں نہ تھا) صحابہؓ نے بھی حضرت رسالت علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ سید کونین علیہ السلام کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ عمل کرتے ہیں اس تصور کے ساتھ کہ یہ طاعت ہے اور جب قیامت میں دیکھیں گے تو جسے وہ طاعت سمجھتے تھے معصیت ہوگی۔ پس اے محبوب! بڑا مشکل کام ہے اور زمانہ کے زاہدوں نے تصور کر لیا ہے کہ صرف ایک ٹوپی سر پر رکھ لینے اور چند رکعات عادتی نماز اور شغل عبادتی اور چند سلوک کی مصلحتی حکایتیں جو سب کے سب بے سعادتی اور بے دولتی کی علامتیں ہیں یہی بڑا کام ہیں اور ان عبادتی عبادات سے ان کو بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں ہے کہ ان کے عیال کی روزی کا ذریعہ ہیں۔ تمہارے اور شیوخِ عصر کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ کسی ایسے پیر کی صحبت حاصل کریں جو اس راہ پر چل چکا ہو۔ اور منازل شریعت سے گذر چکا ہو اور اسرارِ حقیقت کے جام چکھ چکا ہو۔ ایسے صاحبِ دولت کا دامن پکڑیں تا کہ اعمالِ نفسانی اور شیطانی اور اعمالِ قلبی اور رحمانی سے آگاہ کر کے ہدایت دے۔ کیوں کہ بادشاہوں کی خدمت کا طریقہ صرف بادشاہ کے مقربین جانتے ہیں۔ اور حضرت صمدیت کے قرب کے اسرار اور دقایق سوائے مقربین بارگاہ کے کوئی نہیں

جانتا۔ جسے سلطان کے قرب کی طلب ہوتی ہے اس کے مقربین میں سے کسی ایک کے ذریعہ جلد مراد کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جو کوئی حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی رضا اور محبت کا طالب ہو جب تک کسی وحدت کا راستہ جاننے والے کا دامن نہ تھامے گا ہرگز مقصود نہ پائے گا۔ ایسی چند رکعتوں کی نماز جو (دراصل) نماز نہیں ہے کیوں کہ عُجب اور غرور سے ملوث ہے اور چند مردان سلوک کے قصوں سے جو مخنثوں کی زبان پر جاری ہیں کیسے کام چلے گا۔ جیسے کہ اے محبوب! ایک شخص کے گھر میں چراغ نہ تھا نہ اس نے چراغ دیکھا تھا اتفاقاً کسی چراغ والے کے گھر گیا اور دیکھا کہ چراغ کی روشنی نے حجرہ کی تاریکی کو روشن کر رکھا ہے اس نے چراغ والے سے پوچھا کہ چراغ کی روشنی کس چیز سے ہے۔ صاحب چراغ نے تِل کے چند دانے اس کو دکھا کر کہا کہ ان دانوں سے ایک تیل نکلتا ہے اسی سے چراغ کی روشنی ہے وہ بے چارہ محجوب ایک مٹھی تِل لے کر تیل نکالنے والے کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس کا تیل نکال دو میں چراغ جلاؤں گا اس نے کہا ارے نادان ایک مٹھی تِل سے تیل نہیں نکلتا جب تک دو من تِل کولہو میں نہ ڈالا جائے۔ اس راہ کے لیے آدمی کو مجموعہ ہونا چاہیے تب کام نکلتا ہے چند رکعتوں اور چند حکایتوں سے کام نہیں چلتا۔ جب عنایت ازلی سے مرید مقبول ہو جاتا ہے تو حضرت پروردگار جلت قدرتہٗ اس کو ایسے پیر کی صحبت میں پہنچاتا ہے کہ اس کا ظاہر علومِ شریعت سے آراستہ اور باطن حقیقت معرفت کے کمال سے پیراستہ ہوتا ہے۔ اور غرور اور ریا اکھاڑ چکا ہوتا ہے اور حرص کا منھ قناعت کے پتھر سے بند کر چکا ہوتا ہے یعنی اس پیر کا ظاہر شریعت سے مودب ہوتا ہے اور مخفی ریاضات سے اس کا باطن صاف ہوتا ہے اور اس کا سر عالم حقیقت میں اسرار توحید کی ہواؤں سے کھل چکا ہوتا ہے وہ ہر لحہ مقبول مرید کے دل کی کھیتی میں لطائف کے بیج بوتا ہے اور وہ صاحبِ ارشاد ہادی روزانہ اس بیج کو دقیق آداب کے ساتھ حقایق کے پانی سے سیراب کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ حسنِ رعایت اور قبولِ نصیحت اور حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی عنایت سے اعمالِ صالحہ اور افعال مرضیہ اور احوال شریفہ اور مقاماتِ سنیہ مقبول مرید کے دل میں جاگزیں ہو جاتے ہیں اور واردات غیبی کی ہوائیں مقبول مرید کی کھیتی پر چلنے لگتی ہیں اور اس

کا باطن اسرارِ محبت اور رضا اور وفا کے انوار سے مصفا ہو جاتا ہے۔ مقبول مرید کی یہ مذکورہ نشانی ہے۔ لیکن مرید بے دولت اور خود تدبیر کرنے والے کی یہ نشانی ہے کہ وہ جاہل شیخ کے پاس پہنچتا ہے اور خود کو اس کے دامن سے وابستہ کر لیتا ہے۔ وہ اجہل ظلمانی صفات حیوانی میں مشہور ہوتا ہے اس کے لیے کلام ربانی میں کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون (۸۳/۱۵) (بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے) موجود ہے گو کہ یہ آیت اہل کفر کی شان میں ہے لیکن جب طریقت میں آؤ گے تو لاکھوں کفر پیش آئیں گے پھر وہ گمراہ شیخ تقلیدات اسمی اور عباداتِ رسمی کی ظلمتوں کو مرید پر روز بروز بڑھاتا رہتا ہے اور جھوٹی آراستگی اور لغویات سے راہِ حق مسدود کر دیتا ہے اور بدعت کے کانٹے اور گمراہی بے چارے مرید کے راستہ میں رکھ دیتا ہے (اور) ہر لحمہ خساست اور خباثت کے بیج اس کے دل میں بوتا رہتا ہے اے محبوب! لیس الخبر کالمعائنۃ (سنا ہوا دیکھے ہوئے کی طرح نہیں (شنیدہ کے بود مانندہ دیدہ) اس زمانہ کے پیروں کے حال پر نظر ڈالنا چاہیے کہ کس طرح ہر وقت شیاطین اور تلبسات ابلیس سے وصایا حاصل کر کے اپنے نام پر اسمِ فقیر کا اضافہ کرتے ہیں اور چند اشقیاء نے اولیاء کا جامہ اختیار کیا ہے اور مردود مقبولوں کے رنگ میں نظر آتے ہیں اور اپنی ضلالتِ دین کو اہل یقین کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں اور ان کا شعار زندقہ اور کھیل کود ہے اور ان کی صحبت کے آداب بدعت اور بے نمازی ہیں۔ اور ان کا وجد رقص ہوائی ہے کیوں کہ السماع حرام للعوام لبغاء نفوسهم (سماع عوام کے لیے حرام ہے بہ وجہ ان کے نفوس کی سرکشی کے) اور ان کی مجلس مناقشت اور اشرار سے پر ہے اور ان کی خلوت تفرقہ اور خیانت ہے اور ان کو تحصیلِ حرام اور گدائی پر فخر ہے اور قباحت اور بے حیائی ان کے مباحات سے ہے۔ اور عام جاہلوں کا ایک گروہ اور ہے اور وہ موجود بے معنی مثل جانور اور وہ مردودوں کا ذلیل گروہ نفس اور ہوا کے دعوے دار کفر مذموم طریقہ کا نام دیتے ہیں اور اسلام کے احکام کے حقایق سے بیگانہ رہتے ہیں۔ اور ان کے مریدان گمراہوں سے ضلالت کی راہ سیکھ کر گمراہ ہوتے ہیں۔ حضرت صمدیت جلت قدرتہ قیامت کے مجمع میں احکام وقضا کے بارہ میں ان علمائے دین

سے جو جادۂ شریعت اور سجادۂ حقیقت کے عالم ہیں اس بدعت اور ضلالت جوان درویشوں کے فساد نے دین احدی اور ملتِ احمدیؐ میں پھیلائی ہے پوچھے گا۔ پھر اس زمانہ میں حکام سلطنت کا کاروبار فرماں دہی مسلّم ہے جو علوم کے اسرار سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اور اہل علم خود بھی اپنے علم سے فائدہ حاصل نہیں کرتے اور اپنے علم کو دنیاوی جاہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور حدیث بیان کر کے اپنی روزی کماتے ہیں اور اپنا وقت علم ظاہر کے حصول میں ضائع کرتے ہیں۔ اور اپنی ساری ہمت قال بے حال پر صرف کرتے ہیں۔ فسق و فجور کو اپنا مذہب بنایا ہے اور اہل دنیا کو حیلہ گر بنا دیا ہے۔ اور شیطان کی شاگردی پر بہ دل و جان کمر باندھی ہے اور اختلافی مناقشات اور زبانی مجادلات اور ننگے حیلوں اور جھوٹے دعووں پر فتوے دینے کا نام علم رکھا ہے اور منطقی خرافات کے ذریعہ اہل بدعت کے درمیان شہرت حاصل کر لی ہے اور علوم دینی کے حقایق سے جو دقائق کی معرفت اور کتاب وسنت کے دقیق اسرار ہیں منہ موڑا ہے۔ لازمی طور پر یہ گمراہ دنیا میں پھیل گئے اور دنیا کو اغوا کر کے قوت حاصل کی اور اسلام کے احکام اور حدود کے انوار چھپ گئے۔ اے محبوب! جب یہ بدعتی اور گمراہ لوگ پھیلے تو اہل اللہ اور ارباب قلوب ان تر دامنوں نام کے مسلمانوں اور ان دلی صورت کی نظروں سے بوجہِ غیرت پوشیدہ ہو گئے اور خود کو ظاہر نہیں کرتے اور ان لوگوں کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے اور غیرت سے اپنا منہ عزلت کی دیوار میں چھپاتے ہیں ؎

چو یک آزادۂ دانندہ دل نیست   چہ سود ار جاں پُر از گفتار دارم
چو یک ہمدم نمی یابم دَر آفاق   سزد گر روئے دَر دیوار دارم

(جب کوئی بھی آزاد حالتِ دل سے واقف نہیں ہے اور جب دنیا میں میرا کوئی ہمدم نہیں ہے تو پھر کیوں نہ میں دیوار کی جانب رُخ کر لوں (یعنی ہر شے سے بے تعلق ہو جاؤں اور اس کا منتظر رہوں کہ دیکھوں پس دیوار سے کیا ظاہر ہوتا ہے)

یعنی اے محبوب! وہ اپنے دن اس مصیبت کے ماتم میں بَسر کر رہے ہیں۔ اس فقیر کی رباعی میں غور کرو۔

آں یار کزو بوئے صفا آید کوُ   واں کس کہ از روئے جفا ناید کوُ

اسلام شدہ فسوس ایں مشتے دیو   مَردے کہ از و بوئے وفا آید کو

(وہ دوست کہاں ہے جس سے بوئے وفا آتی ہو اور وہ دوست کون اور کہاں ہے جو ظالم اور جفا جو نہ ہو۔ اسلام ایک مٹھی کے برابر دیو کے تمسخر کا آلہ بن کر رہ گیا ہے۔ ایسا انسان جس سے بوئے وفا آئے کون ہے)

اللہ تعالیٰ آپ کو اور اس فقیر کو زندگی بخشے تا کہ وہ علوم حقانی تحریر کیے جا سکیں۔ احوالِ مسلمانی کی صفا اوصافِ انسانی کی خباثت سے دور ہے اور کریہہ افعال اور رَد کیے ہوئے اعمال کے ساتھ اسلام کا دعویٰ غرور ہے۔ جب تک آئینۂ دل اوصافِ بشری کی کثافت سے پاک نہ ہو ایمان اور اسلام کے انوار دل سے الفت نہیں کرتے اور جس کسی کے افعال و اعمال اخلاص کے ساتھ نہ ہوں اور وہ نفس کا مطیع ہو ہرگز نجات اور فلاح نہ دیکھے گا۔ کیوں کہ ایمان کا پھل اور فلاح اسلام کا نتیجہ اور اسلام کی حقیقت فرمان کے مثل ہے۔ پھر نفس کی مخالفت فرمان ہی سے ہے اوحی اللہ تعالیٰ الی موسیٰ فقال یا موسیٰ ان اردت رضائی تخالف نفسک الیٰ لم اخلق خلقاناز عنی غیرھا (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ اگر تم میری رضا چاہتے ہو تو اپنے نفس کی مخالفت کرو کیوں کہ میں نے مخلوق میں سے کسی کو پیدا نہیں کیا جو اس کے علاوہ مجھ سے جھگڑتا ہو) نفس کی اطاعت سارے کفروں کا راز ہے اور اس کی موافقت سارے گناہوں کا راز ہے اور نفس کی مخالفت ساری طاعتوں کی اصل ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے غضنفر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب حضرت رسالت علیہ السلام غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لائے تو فرمایا یا اصحابی غزونا الجھاد الاصغر وبقی الجھاد الاکبر قلنا یا رسول اللہ ما الجھاد الاکبر قلنا یا رسول اللہ ما الجھاد الاکبر قال جھاد النفس التی بین جنبیك (اے میرے اصحاب ہم نے جہادِ اصغر کر لیا (ہم جہادِ اصغر سے فارغ ہو گئے اب جہادِ اکبر باقی رہا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ جہادِ اکبر کیا ہے آپؐ نے فرمایا نفس کا جہاد (نفس کے ساتھ جہاد کرنا) جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے) پس اے محبوب! غزوۂ اکبر، غزوۂ نفس ہے۔ کیوں کہ وہ ایسا دشمن ہے جو ہر لحظہ شہوت و غضب کی تلوار سے

دین کے حصار پر حملہ آور رہتا ہے اور تمہارے دین کی اساس کو زیر وزبر کرتا رہتا ہے اور تمہاری نجات کے گھر کو ویران کرتا ہے اور تم کو ہر لحہ آفات میں مبتلا کر کے ابدی ہلاکت اور سرمدی شقاوت پیش کرتا ہے۔ اگر اس دشمن کے دفاع میں لڑسکو اور اس مکّار کی مرادوں کو کچل سکو تو اس کے بعد سعادت کا گیند میدانِ محبت سے چوگانِ عشق میں لاسکو گے اور اس وقت عاشقوں کی صف میں جگہ پاؤ گے اور جو کوئی اس جہاد اکبر کی دولت سے محروم رہا اس کو خود اپنے دین کا ماتم کرنا چاہیے اور مسلمانی دعوے کو چھوڑ دینا چاہیے۔ خبائث اور شرک کو ایمان نہ کہو اور نفس وہوا کے تلبیسات کو اسلام نہ جانو اور اپنی گندی زبان سے حق کا پاک نام نہ لو۔ کیوں کہ واللہ یعلم المفسد من المصلح (۲/۲۲۰)

مردی باید تمام ایں راہ را   جاں فشاں باید دریں درگاہ را
کار آساں نیست بادرگاہِ اؤ   خاک می باید شدن در راہِ اؤ
سالہا بردند مرداں انتظار   تا یکے را بار بود از صد ہزار

(اس راہ کے چلنے والے کو صحیح معنوں میں مرد ہونا چاہیے (تا کہ) وہ اس بارگاہ میں جان قربان کر سکے۔ اس کی بارگاہ میں پہنچنا آسان نہیں ہے اس کی راہ میں خاک ہو جانا چاہیے۔ لوگوں نے مدتوں انتظار کیا تب کہیں جا کر ہزاروں میں سے ایک کو باریابی حاصل ہوئی)

پس اے محبوب! دنیا محبانِ حق کی بازارِ تجارت ہے اور اس تجارت کا سرمایہ عمر ہے۔ پس بازار دنیا کی قدر مخلصین جانتے ہیں اور جوہر عمر کی قیمت عارفین ہی پہچانتے ہیں جنہوں نے نورِ یقین سے جانا ہے اور عینِ یقین سے مشاہدہ کیا ہے۔ جو اس جگہ سعادت کی کھیتی نہ کرے وہ وہاں محروم ہے اور ہر محبّ جس نے یہاں خلعت نبوت یعنی علماءِ امتی کا نبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں) نہ پہنا اور جام احمدی کا جرعہ نوش نہ ہوا وہاں معذور ہے اور جس کسی نے یہاں دل کی آنکھ کو عرفان کے سرمہ سے روشن نہ کیا وہاں اندھا ہے ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی (۱۷/۷۲) (جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے)۔

ہر کہ دلش دیدۂ بینا نہ یافت — دیدۂ اوٗ محرم دیدار نیست
ہر کہ سزاوار دوگز گلخن است — در حرم شاہ سزاوار نیست
تا بر جاناں اگرت آرزوست — در گذر از خود رہِ بسیار نیست

(جس کسی کو دیدۂ بینا نہ ملا اس کی آنکھیں محرمِ دیدار نہیں ہو سکتیں وہ شخص جو دوگز آتش دان کے لائق ہے وہ شاہی حرم میں داخلہ کا اہل نہیں ہے اگر تم محبوب تک پہنچنے کی آرزو رکھتے ہو تو یہ بہت آسان ہے اپنے آپ سے گذر جاؤ اور بس) ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے محبت و معرفت کی اپنی قیمت ہے تیری قیمت تیری ہمت کے مطابق ہے۔ پھر خلق ان معنوں میں مختلف ہے یعنی عورتوں کی ہمت رنگ و بو۔ لڑکوں کی ہمت کھانا پینا اور دنیا والوں کی ہمت گفتگو اور دین کی طرف راغب لوگوں کی ہمت جستجو اور محبوں اور سالکوں کی ہمت شست و شو ہوتی ہے۔ اے محبوب! راغب وہ ہے جو آخرت کے لیے دنیا ترک کرے اور یہ پست ہمتوں کا مقام ہے کیوں کہ دنیا چھوڑ کر آخرت کی فراغت ڈھونڈھتے ہیں اور سالک وہ ہے جو دونوں کو طلاق دے اور محبّ وہ ہے جو قرب کی راہ میں مال (مالوفات) دیکھ کر عدم کی جانب روگردانی کرے۔ اور عارف وہ ہے جو اغیار کے نفوس کی پستی کو لوحِ وجود سے دھوڈالے۔ جس کسی سے یہ سعادت ظاہر ہو مواہب غیبی کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور وہ امید و بیم اور دنیا و آخرت کے ادبار و اقبال سے آسودہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اے محبوب حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے ایسے محبّ بھی روئے زمین پر موجود ہیں کہ حظِ دین کے قواعد ان کے اقدام صدق سے معمور ہیں۔ اور آدم و آدمیت کا سر ان کے احوال کے جمال سے پاک ہے وہ عرض ولایت کے سلطان اور بارگاہِ عنایت کے ستون ہیں۔ ان کی ہمت کا ہُما سوائے قافِ قرب کے کہیں نہیں بیٹھتا۔ اور ان کی دولت کا عنقا سوائے سدرۂ کبریائی کے کہیں قرار نہیں پاتا وہ وحدت کے شاہ باز ہیں ان کی ہمت کی اکسیر بادیۂ جہالت کے مردود کو خالص سونا بنا دیتی ہے اور وہ جناب حضرت کے پاکباز ہیں کہ ان کے مبارک انفاس کی برکت سے گمراہوں اور ظالموں کو قبول کر کے مقبول بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خطِ مذکور سے معمور فرمائے گا۔ اے محبوب! حضرت لایزالی کے شہباز

صحرائے محبت میں ڈیرے ڈالتے ہیں لیکن دیکھنے والوں کو آنکھیں میسر نہیں کہ ان حضرات کے محرم ہو سکیں۔

شاہ کشادست رُؤ دیدۂ شہ بیں کراست ؛ بادۂ گلگونِ شہ برگُل نسریں کراست
شاہ دگر بارہ بزم پائے طرب در نہاد ؛ بر سرِ زانوئے شہ تکیہ بالیں کراست
از اثر روئے شاہ ہر نفسے شاہد است ؛ سر کشد از لامکاں گوہر کا ہیں کراست

(بادشاہ نے اپنا چہرہ کھول دیا ہے یعنی بے نقاب ہو گیا ہے لیکن بادشاہ کو دیکھنے والی آنکھ کہاں ہے۔ بادشاہ کا بادۂ گلگوں کہاں ہے اور گُل نسریں کہاں ہے بادشاہ نے دوسری مرتبہ بزمِ طرب میں قدم رکھا۔ وہ شخص کہاں ہے جس کے سَر کے لیے زانوئے شاہ تکیہ کا کام کرے۔ بادشاہ کے چہرہ کے اثر کا ہر شخص شاہد ہے۔ لامکاں سے بے تعلق ہو کر پوچھتا ہے کہ یہ کس کے لیے ہے؟)

اے محبوب! خواص انسان کے دو گروہ ہیں۔ طالبانِ کمال عقبیٰ اور مطلوبانِ حضرت جلالت مولیٰ اور دوسرے مکتوبات میں مظلومان کا ذکر کیا گیا ہے لیکن جنت کے طالب نفس کی مرادوں پر قہر کی تلوار چلاتے ہیں کفار تو صرف مال لینا چاہتے ہیں لیکن یہ نفس مکار ایمان لینا چاہتا ہے یعنی ایسا دشمن ہے جو اپنے رفیق کو زخمی کرتا رہتا ہے اور ایسا کافر ہے کہ سارے گھوڑے اپنے شفیق پر دوڑاتا ہے۔ اے محبوب! جس کسی نے نفس کی دوستی کی زیادہ کوشش کی اس نے ہلاکت ابدی کا زہر زیادہ کھایا اور جو نفس کے عشووں پر فریفتہ ہوا اس نے اپنی دینی آبرو بہائی۔ تو اے محبوب! شرط یہ ہے کہ نفسِ غدار کے فریب میں نہ آؤ اور تلبیس ابلیس پر مغرور نہ ہو اور بصیرت کا چراغ عزیمت کے ہاتھ میں لیے رہو اور اپنے وجود کے اندر غور کرو اور انصاف سے اپنا حال دیکھو اور اچھی طرح غور کرو اگر دیکھو کہ نورِ حق کو اپنا رفیق بنایا ہے اور رویت کے اوقات میں ذوقِ مناجات حاصل ہے اور حظوظِ نفسانی سے تبرا کیا ہے اور جوارح کو ناشائستہ حرکات سے باز رکھا ہے اور کبر و غرور، حرص و بخل اور حَسَد جیسے مہلک امراض سے خلاصی پائی ہے اور اپنی جان کو آفتوں کا نشانہ بنایا ہے اور ذکرِ دوست کو اپنی زندگی کا مونس بنایا ہے تو اس دولتِ ابدی کو غنیمت جانو اور اس نعمت کے شکر

میں استقلال برتو تا کہ یہ سعادت حضرت جلت قدرتہ کے مواہب سے زیادہ ہو کہ لئن شکرتم لازیدنکم (۱۴/۷) (اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو اور زائد دوں گا) اگر کسی درویش کو دیکھو کہ نفسِ امارہ کے فرمان پر کمر باندھے ہے اور غولی ہوا کو اپنا معبود بنائے ہے اور گروہِ شیاطین کی شاگردی میں دل و جان سے مبتلا ہے اور جسمانی لذتوں اور نفسانی شہوتوں سے محبت کرتا ہے اور دنیا کو اپنی جان کا قبلہ بنالیا ہے تو اس سے کہو کہ اس مصیبت کو سمجھے اور غفلت کی روئی کانوں سے نکال ڈالے اور اس مرض کے علاج میں مشغول ہو اور اس سب کے باوجود درگاہِ کرم سے ناامید نہ ہو کہ عنایت خداوندی ہزاروں عابدوں اور زاہدوں سے بے سبب ایک غرور پر لباس اسلام اتروالیتی ہے اور ہتکڑیوں اور بیڑیوں میں منسلک کردیتی ہے کیوں کہ اس کے کام ہمارے قیاس میں نہیں سماتے۔ چون و چرا نہ کرنا چاہیے ؎

اُسیرِ چون و چرائی زِ کارِ بے علت   ولیک کارِ خدا نہ چوں بود نہ چرا
میانِ بیشۂ بے علتی چرا مطلب   کہ آں ستور بود گر فرو شود بہ چرا

(بے کار کاموں میں چون و چرا کے پھیر میں پڑ سکتے ہو لیکن خدا کے کاموں میں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلا سبب کسی معاملہ میں لیت و لعل نہ کرو۔ کیوں کہ صرف خچر ہی بلا وجہ اَڑ جاتا ہے)

اے محبوب! اس مکتوب میں جو کچھ مجھ میں اور آپ میں ہے لکھا گیا ہے شیوخِ عصر اس کو اپنے پر نہ لیں اگر عاقل ہیں تو یہ سمجھیں ؎

عشاق تو مقبلند و مردود   زیں ہر دو مَرا کدام گیرند
صیاد مَرا یکے بیاموز   دولت بہ کدام دام گیرند

(تیرے عاشقوں میں مقبول بھی ہیں اور مردود بھی۔ میں ان میں سے کس زمرہ میں ہوں اے میرے صیاد مجھے یہ سکھا دے دولت کس جال میں پھانستی ہے)

اس مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے اس محبوس (مقید) چڑیا کے لیے دامِ دولت ہے۔ جب چڑیا ہو گے تب ہمارے دامِ دولت میں پھنسو گے یعنی باز کے قیدی ہو گے۔ جو چڑیا باز

کی قید میں آجاتی ہے باز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کی رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے

ہرگہ کہ دِلم باغمت انباز شود　　صد دَر نظرت دَر دِلِ من باز شود
بہ زاں نہ بود کہ جاں فدائے تو کنم　　مرغے کہ اسیرِ باز شد باز شود

(جب میرا دل تیرے غم (محبت) سے ساز باز کر لیتا ہے (یعنی تیری محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے) تو میرے دل میں تیری نظر کے سیکڑوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ تجھ پر جان فدا کروں کیوں کہ جو مرغ باز کا اسیر (فدائی) ہو جاتا ہے وہ خود باز ہو جاتا ہے)

اللہ تعالیٰ جناب حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے طالبانِ مطلوب کو رُوحِ صفا کے انوار سے منور کرتا رہے اور سالکوں کے قلوب کی پھلواری بارگاہِ احدیت میں الطافِ ربانی سے مزین ہوتی رہے۔ بمنہٖ و کمالِ کرمہٖ بالنبی و آلہٖ انہٗ قریبٌ مجیبٌ

فقط

اٹھائیسواں مکتوب

(مذاہب کے بیان میں)

تا توبہ ہستیِ خود زیروزبر نہ گردی   دَر نیستیِ مطلق شیر دبیَر نہ گردی
ایں پردۂ نہادت بر دَر نہم کہ ہرگز   در پردہ رَہ نیابی تا پردہ در نہ گردی
دَر تیرِ قہر ریزند دُزدان ہر دو عالم   ہاں تا بہ دَفع کزدن گردِ سپر نہ گردی
گر عاقلی جہانے کس عاقلت نہ گوید   تا تو زِ عشق ہردم دیوانہ تر نہ گردی
گرتو کبود پوشی ہمچوں فلک دریں رَہ   پس چوں فلک چرا تو دائم بسر نہ گردی

(جب تک اپنی ہستی کو زیروزبر نہ کرے گا نیستی مطلق میں شیر و ببر نہ بن سکو گے۔ تیری نہاد میں جو پردہ ہے اُسے میں دَر پر رکھ دیتا ہوں تا کہ تو اس وقت پردہ میں داخل ہو جب تجھ میں پردہ دری کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور دونوں عالموں کے چور قہر کے تیر چلاتے رہیں گے تاوقتیکہ تو ان کے دور کرنے کے لیے سپر نہ بن جائے۔ اگر تو دنیا کا بہت بڑا عقلمند ہے تو تجھے کوئی اس وقت تک عقلمند نہیں کہے گا جب تک تو عشق میں مسلسل دیوانہ ہوتا نہیں چلا جائے گا۔ اگر اس عشق کی راہ میں تو فلک کی طرح نیل پوش ہو جاتا ہے تو پھر فلک کی طرح ہمیشہ سرگرداں بھی رہ)

اس فقیر نے سیرِ عالم میں اتنے مذاہب دیکھے ہیں کہ اگر ان کی تعداد لکھوں اور ہر مذہب کے متعلق علمی مباحثہ کروں تو بحر المعانی اتنی ضخیم ہو جائے کہ اونٹوں پر لادی جائے لیکن آپ کے لیے مختصر طور پر اس مکتوب میں لکھتا ہوں تا کہ مذہب کی حقیقت آپ پر واضح ہو جائے۔ پس اے محبوب! ایک گروہ کو بلادِ مغرب میں میں نے پہلی روش پر پایا کہ وہ مذہبِ ظلمات میں مستغرق ہیں اور جو کچھ اجسام کی طبیعت سے ظاہر ہوتا ہے اسی کو اپنی

طبیعت سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ نہ ان کو اپنی معرفت وادارک کی خبر ہے اور نہ اس کی جس سے طبعیات خلق ہو کر روشن ہوئیں۔ دوسرا گروہ بھی ظلمتِ محض میں ہے کہ شہواتِ نفسانی اور لذاتِ حیوانی اور اشغالِ نفسانی میں مستغرق ہے اور حق تعالیٰ کی محبت سے دور ہے کہ ھو النفس صنم الاکبر (وہ نفس سب سے بڑا بُت ہے) ظلمتِ محض کی جڑ نفس سے نہیں ہے کہ افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ (۴۵/۲۳) (کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا) اور مذاہب مذکورہ کی بہت سی اقسام ہیں جو سارے جہان میں پھیلی ہوئی ہیں کہ آپ بھی انہیں میں سے ایک گروہ کی روش پر ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مطلوبہ عنایت اور مقصود کی انتہا نفسانی مرادوں اور لذاتِ حیوانی کا ادراک ہے۔ یہ گروہ لذت اور شہوت کا بندہ ہے یعنی وہ بہایم کی طرح شہوت پرست ہیں کہ اولٰئك کالانعام بل ھم اضل (۷/۱۷۹) (وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی کمتر) اور ظلمتِ عظیم میں ہیں۔ اور دوسرا گروہ دوسری روش پر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مطلوب کی انتہا غصہ اور ظلم پر ہے۔ وہ صفات سباعی کی ظلمت میں ہیں فرشتے ان سے کمتر اور غصہ میں حضرت جبّار سے قریب تر ہیں کہ ان بطش ربك لشدید (۸۵/۱۲) (بے شک تمہارے رب کی پکڑ بہت سخت ہے) یہ بھی ظلمتِ عظیم اور جہالتِ مستقیم پر ہیں۔ اور ایک گروہ دوسری روش پر ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مطلوب ومقصود کی انتہا مال واسباب کی کثرت اور قضاءِ شہوات کے آلات پر ہے کہ جو وصولِ لذات کا سبب ہیں کیوں کہ مال کے ساتھ حاجتیں اور اس کی شاخیں آتی ہیں۔ اس سبب سے وقار کی سیر میں گرفتار ہیں کہ زیّن للناس حب الشھوات من النساء والبنین (۳/۱۴) الخ (لوگوں کو زینت دی گئی خواہشوں کی چیزوں سے یعنی عورتیں اور بیٹے)۔

دولت از مال واسپ وجامہ مداں — اے برادر دریں جہاں زنہار
دولت آں ست کہ کردگار دہد — در سرا پردۂ قبولیت بار

(اے بھائی! اس دنیا میں ہرگز مال واسپ وجامہ کو دولت نہ سمجھ۔ دولت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ تجھے بارگاہِ قبولیت میں عطا کرتا ہے)

وہ عبد الدراہم (روپیہ پیسہ کے بندہ اور غلام) عظیم ظلمت اور قدیم جہالت میں

ہیں۔ سونا، چاندی دونوں پتھر ہیں اور ان کی مقدار اور قدر تمہارے ان دو پتھروں کے پوجنے سے ہے یعنی حُبِّ باطن اگر تمہارے باطن میں ان کی محبت اور پوجا نہ ہوتی تو تمہارے نزدیک سونا اور پتھر برابر ہوتے جیسے کہ اصل کمال کے نزدیک ہیں۔

اے بہ اشغال جہاں مشتغل از نادانی ملک باقی بطلب دست بدار از فانی
یادکن حالِ منِ گم شدہ از مسند وجاہ تا فراموش کنی قاعدۂ سلطانی

(اے شخص کہ تو اپنی حماقت سے اشغال جہاں میں مشغول ہے۔ ملک فانی کو چھوڑ اور ملک باقی کو طلب کر میری حالت کو یاد کر جو مسند وجاہ سب گم کر چکا ہے تا کہ تو قاعدۂ سلطانی کو بھول جائے)

اور ایک گروہ دوسری روش پر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مطلوب ومقصود کی انتہا نام آوری ہے اور اتباع اور عشایر کی کثرت سے ریاء اور فغاں میں پڑ گئے ہیں یعنی ایک شخص دعووں اور عادی عبادتوں میں پوجے سعادتی کی نشانی میں مشغول ہوتا ہے اور رسمی اوراد میں جو بجز نام اور مستی کے کچھ نہیں ہیں کے ذریعہ عوام کالانعام سے ارادت حاصل کرتا ہے اور خود ظلمتِ عظیم اور تفرقہ میں پڑا ہوا ہے یا یہ کہ کوئی طالب علم جاہ ووقار کی خاطر بلادِ مسلمانی کے کسی عالم ربانی کے سامنے مسایل فقہ، فرائض ومعاملات مرد ماں پیش کرتا ہے اور جوابِ فتویٰ کو بغیر تقویٰ کی استعداد کے حاصل کر کے جہاد کی مستی کو رخصت کر دیتا ہے اور جملہ جوئی کے ذریعہ شہرت حاصل کرتا ہے اور تقلیدِ مذہب کے نام پر عوام میں نام آور ہو جاتا ہے۔ یہ سب نام کے بندے ہیں اور یہ سب نفسانی صفات ہیں جو دینی صورت میں اور چوں کہ معانی دینی نہیں ہیں لہٰذا آخرت کے لیے ناموزوں ہیں۔ ان کا کلمہ پڑھنا پانچ اسباب پر مبنی ہے پہلا سبب خوف قتل نفس۔ دوسرا سبب عیال واطفال سے پردہ کرنا اور تیسرا سبب مسلمانی کا اظہار اور چوتھا سبب حصولِ غنیمت اور مواجہات اور پانچواں سبب آباؤ اجداد کے مذہب کا تعصب۔ جب یہ کلمہ ان کو عمل صالح کی دعوت نہیں دیتا اور نام آوری کی ظلمت سے نورِ یقین تک نہیں پہنچاتا تو معلوم ہوگیا کہ آخرت کے لیے نہیں کیا گیا اور وہ باطنی عمل سے محروم ہیں کہ والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور

الی الظلمات (۲/۲۵۷) (جنہوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں جو ان کو نور سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں) یہ بھی ظلمتِ عظیم اور حیلہ، (جہالت) مستقیم میں ہیں۔ کیوں کہ نام و ناموس کے دعوے کے ساتھ کیسے مستفید ہو سکتے ہیں

اے بہ دعویٰ نمی بر آید کار   رو بہ معنی دَمے زِ عشق بر آر
معرفت قسم کا ملال آمد   ناقصاں راچہ کار بااِیں کار
مردِ صوفی بہ خرقہ کے باشد   تانہ گردد ز غیر حق بیزار
مردِ رہ را نشانۂ دگر است   در دل و دیدۂ اولی الابصار
بہ نوافل چو می شوی مشغول   مردمی کن فریضہ را مگذار
کوزہ و آفتابہ را یک روز   نرخ پیدا شود شتاب مدار
وائے زیں صوفیانِ باصافی   آہ ازیں معجبانِ دعوت خوار
ہمہ در فقر ماندہ اند اسیر   صورتِ خیر و سیرتِ اشرار
از بروں شیخ وز دروں فاسق   ظاہر صاف و باطن مردار
نیک خود را ز بد نہ دانستہ   فرق نا کردہ نور را از نار
درگذر زیں خراب صوف لباس   برگذر زیں عوام بے ہنجار
بہ یقیں داں کہ بے خدائے ترا   در دو عالم نمی بر آید کار
عزت از نزدِ اہل عزت جو   تانہ مانی بہ ہر دو عالم خوار
عجب آید مرا بہ مردم عصر   دل نہ می گیردت ازیں گفتار
اے محمد کہ گفتی از سرِ سوز   گفتہا را بکن تو استغفار

(اے شخص صرف دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلتا۔ باطن کی طرف متوجہ ہو اور ذرا عشق کا دَم بھر۔ معرفت کاملوں کا حصہ ہے ناقصوں کو اس سے کیا کام۔ مردِ صوفی خرقہ کا اہل کب ہوتا ہے تاوقتیکہ غیر حق سے لاتعلق اور بیزار نہ ہو جائے مردِ راہ کی پہچان کچھ اور ہی ہوتی ہے جو اولوالابصار کے دیدہ و دِل کو حاصل ہوتی ہے۔ نوافل میں مشغول ہونے سے کیا فائدہ۔ جرأت سے کام لے اور فرائض کو ادا کر۔ کوزہ اور شراب کی قیمت ایک نہ ایک دن

مقرر ہوگی (یعنی شراب محبت ایک نہ ایک دن رنگ لائے گی) جلدی نہ کر۔ افسوس ہے ان صوفیانِ باصافی پر اور وائے ان دعوت کھانے والے معجبوں پر جو قید و بند میں گرفتار ہیں جو صورت سے نیک نظر آتے ہیں اور سیرت سے شریر۔ بہ ظاہر بزرگ اور بہ باطن بدکردار اور فاسق۔ دیکھنے میں پاک و طاہر اور حقیقت میں مردار حرام۔ اپنی نیکی اور برائی میں ان کو کوئی امتیاز نظر نہیں آتا اور نہ نور اور نار میں فرق کر سکتے ہیں۔ ان صوف کا لباس پہننے والے خراب لوگوں سے اجتناب کرو اور ان ناہنجار اور نالائق ہستیوں سے دوری اختیار کرو۔ یقین جانو کہ بغیر خدا کی مدد کے ان دونوں عالموں میں کوئی کام پورا نہیں ہوسکتا۔ عزت اہل عزت کی قربت سے حاصل کرو تا کہ دونوں عالموں میں ذلیل و خوار نہ ہو۔ مجھے زمانہ والوں پر تعجب ہوتا ہے کہ اپنے چلن سے تمہارے دل کو مسخر نہیں کرتے۔ اے محمدؐ تو نے جو کچھ سوزِ باطن کے تحت کہا اپنی ان کہی ہوئی باتوں سے توبہ و استغفار کر)

محبوب! چند دوسرے گروہوں کا مشاہدہ کیا ان میں سے بعض حسن پرست ہیں یعنی جس کسی کو حسن و زینت کے ساتھ دیکھتے ہیں فوراً سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا معبود ہے لیکن اے محبوب! ان کو صاحب حسن سے بجز دیکھنے کے کوئی واسطہ نہیں ہوتا کیوں کہ ان کے نفس کو جنبش نہیں ہوتی۔ عالم روحانی ہے۔ وہ جمال مطبوع کو سجدہ کرتے ہیں کہ وہ صنع ربانی ہے نہ کہ جمالِ مصنوع کو سمجھا جو سمجھا۔ سمجھ پاؤ گے اور کرو گے کہ ان اللہ تعالیٰ جمیل ویحب الجمال (بے شک اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو دوست رکھتا ہے) یہ ایک رمز ہے بجز اس کام کے نہ دیکھو نہ جانو۔ جانو کہ اللہ تعالیٰ نے اشارتی کلام سے سب کچھ کھول دیا ہے کہ ذلک عالم الغیب والشهادة العزیز الرحیم الذی احسن کل شیء خلقه (یہی تو پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا (اور) غالب (اور) رحم والا (خدا) ہے۔ جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا)۔

شکنِ زلف چو زنجیرِ بتاں پیدا شد
پیرِ ما خرقۂ خود چاک زد و ترسا شد
عقل از طرۂ او نعرہ زناں مجنوں شد
روح از حلقۂ او رقص کناں مجنوں شد

(محبوبوں کی زلف کی شکن نے جب زنجیر کی شکل اختیار کی تو ہمارے پیر نے اپنا

خرقہ چاک کر ڈالا اور ترسا ہو گیا اور عقل اس کے طرہ کو دیکھ کر نعرہ لگا کر دیوانہ ہو گئی اور رؤح اس کے حلقہ سے رقص کرتی ہوئی ظاہر ہوئی)

تمام مذاہب اور ادیان جو اس فقیرؒ نے سیر میں معائنہ کیے ان کو حضرت صمدیت نے ہزاروں ایسی انواع پر ہر عالم میں ظاہر فرمایا ہے کہ ہر ایک تصور کرتا ہے کہ دین ہمارے پاس ہے اور یہی مذہب ہے اور یہی کلام ہے ان کے اس طرزِ فکر پر کل حزب بمالدیھم فرحون (۲۳/۵۳) (ہر گروہ، اس کے پاس جو ہے اس میں خوش ہے)۔

ہر کس بہ کسے است بست خودرا ما زانِ تو ایم ہر چہ ہستیم
در حلقۂ عاشقان چالاک ما صدر نشین وزیر دستیم

(ہر شخص نے خود کو کسی نہ کسی سے وابستہ کر رکھا ہے ہم جو کچھ ہیں تجھ سے مربوط ہیں عاشقانِ ہوشیار کے حلقہ میں ہم زیر دستوں (خادموں) کے صدر نشین ہیں)

اس فقیر نے ایک گروہ کو جابلقا اور سابلقا (جابلسا) کی زمین پر دیکھا ہے اور اس سرزمین جابلقا اور جابلسا میں رات نہیں ہوتی۔ اس زمین کے مسلمان چار وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ رات کی نماز نہیں ہوتی کیوں کہ مجرد غروب طلوع ہے اور اس سرزمین میں چار علم شہرت رکھتے ہیں جن کے لیے آپ نے ایک مکتوب میں التماس کیا تھا۔ کیمیا، سیمیا، ریمیا، اور ہیمیا۔ کیمیا اور سیمیا مشہور ہیں۔ لیکن رہمیا (ریمیا) یہ ہے کہ آسمان حضرت صمدیت جلت قدرتہ سے شرایط کثیر کے ساتھ چند سال اسمیت پر مواظبت کی جاتی ہے۔ قدرت یہ کرتی ہے کہ صرف اس اسم کے پڑھنے سے اپنے قالب سے باہر آتے ہیں اور مردے کے قالب میں داخل ہو جاتے ہیں اور حرکت کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے قالب میں آجاتے ہیں اس کو عالم رہمیا (ریمیا) کہتے ہیں۔ لیکن جو قدرت اسم اعظم سے حاصل کرتے ہیں وہ عارضی ہوتی ہے البتہ غیر عارضی وہ ہے کہ کسی ولی کو پائے اور اس مقام کو ترقی درجات سے حاصل کرے لیکن تصرف جائز نہیں ہے اگر کوئی نوع اِس عالم میں ٹھہر جائے تو قربت ختم ہو جاتی ہے اس سبب سے ارباب عالم کبریائی متصرف بن کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جب آپ اس مقام پر پہنچیں گے روشن ہو جائے گا اور علم سیمیا یہ ہے کہ یہ بھی اسماءِ اعظم میں

سے ایک اسم ہے جس کی شرائط کثیر سے مواظبت کرنے سے مردے کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اس کو علم ہیمیا کہتے ہیں لیکن یہ بھی عارضی ہے ولی کو ترقی درجات میں یہ مقام بھی پوری طرح حاصل ہوتا ہے اور اس ولی کو شیخ یحییٰ کہتے ہیں۔ جب آپ پہنچیں گے جان لیں گے۔ رہیمیا اور ہیمیا یہ ہیں۔ مقصود یہ کہ وہ گروہ بعض ایسے انوار سے جو ظلمت اور خیال کے پابند ہیں کئی طرح کی روشنیں رکھتا ہے لیکن وہ عالم جس سے تجاوز کر گئے ہیں لیکن عالمِ خیال سے تجاوز کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ موجود کو پوجتے ہیں جو عرش کا قاعد ہے۔ یہ قوم مجوسیوں کے مذہب پر ہے اور ذات پاک حق تعالیٰ کی عوارض سے تنزیہہ کرتی ہے۔ لیکن جہت فوقیہ سے جہت کی تخصیص کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک جو چیز جہات سے منسوب نہ ہو محال ہے یعنی ان کے نزدیک جو عالم سے خارج ہو نہ داخل موجود نہیں ہوتا۔ اس فقیر نے اس قوم مجوسیہ کو بہت صحیح جوابات دیے اور ان کو ملزم گردانا لیکن ان کی واپسی ممکن نہیں۔ یہ قوم بھی ظلمت عظیم اور جہل قدیم میں گرفتار ہے اور نہیں سمجھتی۔ اور ایک دوسرے گروہ کو پایا جن کو انوارِ الٰہی جل وعلا پر اعتقاد ہے۔ لیکن عقل فاسدہ کی معرفت سے خدائے تعالیٰ کی ظلمت کو پوجتے ہیں۔ اور اس کو سمیع وبصیر عالم ومتکلم اور قادر، مرید اور وحی جانتے ہیں لیکن حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے صفات کو اپنے جیسے صفات سمجھتے ہیں اور صریحاً کہتے ہیں کہ اس کا کلام حرف وصوت ہے اور حرف وصوت کے خلق سے متکلم ہوا۔ ازل میں متکلم نہ تھا۔ اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ وہ ایسے کلام کو جو نہ حرف ہو نہ آواز محال کہتے ہیں لیکن اس فقیر نے ان کو مثال کے حکم پر الشال مصابیح الاقوال (مثال اقوال کے چراغ ہیں(جوابات دیے ہیں اور یہ مثال ایک مکتوب میں لکھی جا چکی ہے۔ آپ سمجھ چکے ہوں گے۔ اے محبوب! یہ بھی اپنے اعتقاد فاسد کی وجہ سے محجوب اور منکر ہیں کہ کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون (۸۳/۱۵) (بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے) ان محجوبوں کے تین گروہ ہیں۔ پہلا ظلمتِ عظیم کے باعث محجوب ہے۔ اور دوسرا اس نور کے باعث جو ظلمتِ عظیم سے مقرون ہے تیسرا بعضے انوار کے باعث محجوب ہے۔ وہ بہت ہیں جن سے اس فقیر نے مختلف شہروں اور ملکوں میں مباحثہ اور

ملاقات کی اور سب کو علوم شریعت وحقیقت کی برہان سے محکم الزامات دیے۔ البتہ ایک گروہ ہے جس کے چار طائفے ہیں وہ حق پر ہیں اور عالم میں یہی چار طائفے حرف آخر ہیں۔ پہلے طائفہ نے حق تعالیٰ کے صفات کے معنی تحقیق سے حاصل کیے ہیں اور جانتے ہیں کہ اسم کلام وارادہ وقدرت کے اطلاق سے وہ مراد نہیں ہے جو صفاتِ بشری کے اطلاق سے ہوتی ہے۔ البتہ صانع عالم متحرک سماوات اور مدبر افلاک ہے اس کو جانتے ہیں اور دوسرے طائفہ نے ان سے ترقی کی وہ کہتے ہیں کہ سمٰوات کثرت ہیں اور ہر آسمان میں متحرک علیحدہ ہے اور اس میں بھی کثرت ہے کہ جس کی نسبت حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے انوار سے مثل اس نسبت کے ہے جو کواکب کو نور کے ساتھ ہے اور جانتے ہیں کہ ہر آسمان میں اور ہر آسمان کے بطن میں فلک الافلاک کی حرکت سے دن رات ایک حرکت ہے اور وہ حرکت میں ہیں اور صانعِ عالم اس کو متحرک کرتا ہے جو محیط اور مشتمل افلاک ہے۔ اس صورت میں کثرت منفی ہو جاتی ہے۔ اور تیسرے طائفہ نے اس دوسرے طائفہ سے ترقی کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اجسام کی حرکت فعل کے طریقہ پر ہونا چاہیے کہ جو رب العلمین کی طرف سے خلعت کے طریقہ پر ہوتا ہے۔ اور بندے کے لیے طاعت ہوتا ہے۔ اور بندوں سے متعلق ہوتا ہے (تعلق رکھتا ہے) حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے انوار سے اس کی نسبت انوارِ محسوسات میں مثل چاند کی نسبت کے ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ سب کا محرک ہے امر کے طریق سے نہ کہ فعل کے طریق سے۔ اور اے محبوب! امر اور اس کی ماہیت سے عقلیں قاصر ہیں اور یہ تینوں طائفے ان انوار سے محجوب ہیں جو مقرون بہ ظلمت ہیں۔ لیکن اہل عین الیقین کے مذہب کے لحاظ سے بہ سبب مذاہب مختلط کے ہیں اور اختلاط میں خلوص نہیں ہے۔ اور چوں کہ اخلاص نہیں ہے لہٰذا ان کو علم الیقین بھی مشاہدہ نہیں ہے۔ پس قیاس سے اپنے معقولات مذاہب کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ نہیں پاتے ہیں جیسے بوعلی سینا نے میدانِ خال سے افلاک معانی معقولات سے حاصل کر کے ایک کتاب میں لکھے تھے۔ ناگاہ اس وقت ایک درویش جو اہل مشاہدہ علوی وسفلی تھا آپہونچا۔ اور بوعلی سینا کے چند ورق پانی میں ڈال دیے۔ جب بوعلی کو خبر ہوئی تو افسوس کیا اور کہا کہ چالیس

سال معقولات میں خون جگر پی کر استخراج کیا تھا اور اے درویش تو نے کیا کیا۔ درویش نے کہا اے بوعلی میں نے اس دریائے علوی میں بہت سفر کیا ہے اور مجھ کو مشاہدہ ہوا ہے تو نے غلط لکھا تھا لیکن چوں کہ بوعلی کا وقت ہو گیا تھا لہٰذا اس درویش سے بوعلی نے سارا عالم علوی کا مشاہدہ کیا اور جب دیکھا تو اس پر یہ کھل گیا کہ جو کچھ معقولات سے لکھا تھا ویسی ایک بات بھی نہ تھی۔ اس فقیر نے بھی ان تینوں مذکورہ طائفوں کو مشاہدے اور معائنہ کی رو سے جواب دیے۔ اور ان میں سے کسی ایک کو بھی بوعلی جیسا نہ پایا۔ البتہ آپ کو اللہ تعالیٰ ان مشاہدات میں پہونچائے گا مقصود یہ کہ ان کے چوتھے طائفہ کو تحقیق ہوا کہ یہ متاع ایک ایسی صفت سے موصوف ہے جو وحدانیت محض جو کمال بالغ ہے کے منافی ہے کیوں کہ اس متاع کی نسبت سے حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے انوار کی نسبت مثل آفتاب کی نسبت کے انوارِ محسوسات میں ہوتی ہے ؎

روزم تو بَر فروز و شبم را تو نور بخش　　کیں کارِ تست کارِ مہ و آفتاب نیست

(میرے دن کو روشن کر اور میری رات کو منور فرما۔ کیوں کہ یہ کام تیرا ہے چاند اور سورج کا کام نہیں ہے)

پس اے محبوب! ایک چوتھے طائفہ نے کیا کیا ہے کہ کون متحرک سموات ہے۔ جیسا فرمایا ہے انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين (میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) یہ چوتھا طائفہ ایک ایسے موجود پر پہنچا ہے کہ وہ سب سے منزہ ہے اور سب اس کے محتاج ہیں اور یہ معنی اور وصول مشاہدہ سے ہے۔ یا محبوبی رزقك الله بهذ المشاهدات آمين آمين (اے میرے محبوب! اللہ تعالیٰ آپ کو یہ مشاہدات عطا فرمائے آمین آمین) اس راہ میں گم ہو جاؤ کیوں کہ اگر خود کو خود میں ڈھونڈو گے تو خود میں بھی نہ پاؤ گے کیوں کہ اس راہ میں تمہاری توئی حجاب اعظم ہے ؎

ہر شبے وقت سحر در کوئے جاناں می روم　　زاں کہ بس نامحرم از خویش پنہاں می روم

چوں حجاب مشکل آمد عشق و جاں در کوئے او   لاجرم در کوئے او بے عشق و بے جاں می روم
ہر سحر عنبر فشاند زلف عنبر بیز اوٗ   من برآں آموختم وقت سحر زاں می روم
تا بدیدم زلف چوں چوگانِ اوٗ بر روئے ماہ   در خمِ چوگانِ اوٗ چوں گوئے گرداں می روم
ماہ رویا در منِ مسکیں نگر کز عشق تو   بادلِ پُرخوں بہ زیرِ خاک پنہاں می روم
ذرہ ذرہ زاں شدم تا پیش خورشید رخت   ہمچو ذرہ بے سر و بے پا و کوباں می روم
چوں بیابانے نہی پیش محمدؐ ہر شبے   پس منِ شوریدہ دل سر در بیاباں می روم

(ہر رات کو وقتِ سحر کوئے جاناں کی طرف جاتا ہوں۔ اور چوں کہ نامحرم ہوں اس لیے خود سے چھپ کر جاتا ہوں۔ چوں کہ اس کے کوچہ میں عشق اور جان کو چھپانا مشکل ہے اس لیے لازماً بے عشق اور بے جان ہو کر وہاں جاتا ہوں۔ ہر صبح کو اس کی زلف عنبر بیز عنبر بکھیرتی ہے اور اسی سے سبق سیکھ کر میں صبح کو جاتا ہوں اس کی زلف کو چوگاں کی طرح اس کے رخ تاباں کے گرد دیکھ کر اس کے خمِ چوگاں میں گیند کی طرح لڑھکتا رہتا ہوں۔ اے ماہ رو مجھ مسکین کی طرف دیکھ کہ تیرے عشق کی بدولت خوں شدہ دل کے ساتھ خاک میں پوشیدہ ہو گیا ہوں۔ تیرے آفتاب کے مانند چہرہ کے آگے میں اس وجہ سے پارہ پارہ ہو گیا ہوں تاکہ ذرہ ذرہ کی طرح بے سرو پا اور کوباں جاؤں۔ چوں کہ تو ہر شب کو محمدؐ کے سامنے ایک بیاباں رکھ دیتا ہے میں آشفتہ سر اور پریشان دل بیابان کا راستہ پکڑ لیتا ہوں)

فقط

انیسواں مکتوب

(سماع کے بیان میں)

گوہروقت تواں یافت بَہ بازارِ سماع   گُل مقصود تواں چید زگلزارِ سماع
قیمت نغمہ چہ دانند ازیں مدعیاں   اہل دل جملہ بجانند گرفتارِ سماع
بَہ تجلی چوشد از کحلِ یقیں چشمِ دلت   خواجہ آنگہ نگری تابش انوارِ سماع
عاشقِ سوختہ خوش گفت کہ در باطنِ مرد   ہرچہ جز دوست بود سوختہ در نارِ سماع
دَر مبندید بر اغیار ہمہ یار انند   بجز آں دل شدہ باما کہ بود یارِ سماع
منگر دور ازیں جمع ہمی می پائی   غیرتِ سرِّ خدائی است در انکارِ سماع

(وقت کا موتی بازارِ سماع میں ہی مل سکتا ہے اور گُلِ مقصود گلزارِ سماع ہی سے ہاتھ لگ سکتا ہے۔ یہ مدعی نغمہ کی قیمت کیا جانیں یہ تو صرف اہل دل ہی جانتے ہیں جو جان سے گرفتارِ سماع ہوتے ہیں۔ جب تیرے دل کی آنکھ یقین کے سُرمہ سے روشن ہو جاتی ہے (تو) اے خواجہ اس وقت تو انوارِ سماع کی روشنی دیکھ سکتا ہے۔ دل جلے عاشق نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ مرد کے باطن میں سوائے دوست کے جو کچھ ہوتا ہے سماع کی آگ میں جل جاتا ہے۔ اغیار پر دروازے بند نہ کرو وہ بھی دوست ہیں کیوں کہ جو سماع میں ہمارے یار ہیں ان کے دل ہمارے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اس جماعت کو دور نہ سمجھو کیوں کہ انکارِ سماع میں غیرتِ سرِّ خدائی پوشیدہ ہے)

مقصود یہ کہ اے محبوب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انتم وازواجکم تحبرون (۴۳/۷۰) اس تحبرون سے سماع مراد ہے۔ یعنی بہشت میں مَردوں اور عورتوں کے لیے سماع ہوگا اور

بندگان حضرت صمدیت عورتوں کا گانا سنیں گے کہ ولو ان مافی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت کلمات الله (۲۱/۲۷) (اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی ہو جائیں تو (تب بھی) خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں) پس اے محبوب! تحبرون بے واسطہ سماع ہے۔ کہنے والا حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ ہوتا ہے اور سننے والے بندگانِ خاص واخص ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں فرمایا ہے غینا کم فلم تطربوا اوزمرنا کم فلم ترقصوا (ہم نے گانا گایا تم خوش نہ ہوئے اور ہم نے مزامیر بجائے تم نے رقص نہ کیا) اور اے محبوب سماع انبیاء اور اولیاء کی معراج ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ معراجی وجدی (یعنی میری دائمی معراج وجد ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ معراج الروح السماع ومعراج القلب الصلوٰة (روح کی معراج سماع ہے اور قلب کی معراج نماز) اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ للمومن معراجین السماع والصلوٰة (مومن کے لیے دو معراجیں ہیں ایک سماع دوسرے نماز) اور اے محبوب! درویش کی معراج کے لیے ایک وقت ہوتا ہے جس میں خاص وعام میں سے کسی ایک کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لی مع الله وقت لایسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل (میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی) اور سماع کے اس وقت سے وجد اور حالت مراد ہے یعنی حضرت رسالت علیہ السلام کا انس ونشاط وذوق مراد ہے۔ سماع دو طرح پر ہے۔ ایک سماع واسطہ اور دوسرا سماع بے واسطہ جو حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے کلامِ بے نہایت کا سماع جس کا ذکر اسی مکتوب میں پہلے کیا جا چکا ہے۔ یعنی خدائی جنت میں خدا کا سماع بے واسطہ سنا جاتا ہے کہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان الله تعالیٰ جنة لا فیها حور ولا قصور ولا لبن ولا عسل ولا خمر الا لقاء الله (اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ایسی ہے جس میں نہ محلات نہ دودھ نہ شہد نہ شراب صرف اللہ کی لقاء اور اس کا کلام) یعنی اس جنت میں بجز

سماع اور لقاء کی موانست کے کچھ نہیں ہوتا۔ اور اس جہان میں جو مفارقت کا مقام ہے سماع واسطہ ہے اور واسطہ کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن واسطہ سے سنو اور کان لگاؤ کہ یہ بھی بے واسطہ ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الصوت الحسن ریح من نفس الرحمن ثم قال یا موسیٰ علیکم الصوت اقرأ القرآن بھذ الصوت لان الصوت من نفسہ (میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا حُسنِ صوت رحمٰن کے نفس کی خوشبودار ہوا ہے پھر فرمایا کہ اے موسیٰ (تمہارے لیے) تم پر آواز لازم ہے۔ قرآن پڑھو اس آواز سے کیوں کہ آواز (حسنِ صوت) اس کی (خوشبودار) ہوا ہے) اور جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن ای صوت الیمن (میں رحمٰن کی خوشبو پاتا ہوں یمن کی طرف سے یعنی یمن کی آواز) پردۂ یمن آپ نے سنا ہوگا کہ وہ آواز کیا آواز ہے کہ جس کو ہندوستان میں پردۂ یمن کی آواز یعنی راگ بسنت کہتے ہیں جو پردۂ یمن کو نرم کر کے کھینچی گئی ہے کہ ایک عالم اس مہار کی آواز کے جال میں شیفتہ اور مبتلا ہے۔ پس اے محبوب خواجۂ عالم علیہ السلام نے اپنے سماع کو ظاہر بینوں کی وجہ سے اشارتاً بیان فرمایا کہ انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن ای صوت الیمن (میں یمن کی جانب سے رحمٰن کی خوشبو پاتا ہوں یعنی یمن کی آواز) اور اے محبوب! اہل ظاہر اور علمائے نادان کیا جانیں کہ میں کیا لکھتا ہوں افسوس کوئی نہیں کہ اس سے کہوں۔ آپ کو اور اس فقیر کو زندگی چاہیے کہ اپنے علم سے جو علمِ خدائی ہے انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑا تھوڑا کر کے لکھتا ہوں۔ میرے ان کلمات میں اچھی طرح غور کیجئے۔ اے محبوب! ان راگوں کو سرزمین ہندوستان میں سابقہ راگوں سے نرم کر کے لطیف و نازک کیا گیا ہے کہ ایک عالم اسیر ہے اور ہندوستان میں یہ سماع کی آگ حضرت رسالت علیہ السلام کی اجازت سے نافذ کی گئی ہے کیوں کہ جب قطب عالم شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہٗ العزیز اجمیر سے شیخ کبارِ معین الحق والشرع والدین سجزی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی اجازت سے پرانی دہلی تشریف لائے اور مقیم ہوئے اس دن سید نورالدین مبارک غزنوی قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے شہر کے

مقتدا تھے۔ جمعہ کے دن پرانی دہلی کی جامع مسجد میں نماز کے بعد دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ قطب عالم نے سید مبارک سے کہا اے مخدوم زادۂ کونین میں چاہتا ہوں کہ اس شہر میں سماع سنوں تم بھی آجاؤ۔ سید نے فرمایا کہ جب تک مجھے حضرت رسالت علیہ السلام سے اجازت نہ ملے حاضر نہ ہوں گا۔ حضرت قطب عالم نے فرمایا کہ آج رات تمہیں اجازت مل جائے گی۔ اتفاقاً اسی رات کو حضرت رسالت علیہ السلام نے سید مبارک غزنوی سے خواب میں فرمایا کہ ہمارے قطبِ عالم سماع سننا چاہتے ہیں اے فرزند تجھے حاضر ہونا چاہیے سید مبارک سنیچر کے دن حاضر ہوئے اور پہلا سماع سنا۔ پس اے محبوب! جو حضرت رسالت علیہ السلام کی اجازت سے ہو تو دیکھو کہ یہ آگ دِن بہ دن کیسی پھیل رہی ہے اور پھیلتی رہے گی۔ آمین۔ السماع یحرك القلوب المستعین ویوقد نار الشوق فی صدور المشتاقین (سماع سننے والوں کے قلوب کو حرکت دیتا اور مشتاقوں کے سینوں میں آتشِ شوق کو بھڑکاتا ہے) یہ آگ جدائی کی آگ ہے جو نار اللہ الموقدة (اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ) سے آئی ہے اہل سماع جانتے ہیں تب ہی اس پر جوش میں آتے ہیں اور خروش کرتے ہیں۔

دانی کراست دست رسی بر مرادِ جاں — باصوتِ خواب آں کہ درآ گوش می کند
چوں در سماع دست رسی بر مرادِ جاں — موئے برآتشیں است کہ آں جوش می کند
در دوش ایں فقیر کرامت ہمی نمود — دیدم نشستہ ساغرے نوش می کند

(کیا تو جانتا ہے کہ مقصدِ جاں تک کس کی رسائی ہوتی ہے (اُس کی) جو سونے میں بھی آواز کو سنتا ہے۔ محمدؐ کی سماع کے وقت یہ حالت ہوتی ہے جیسے بال آگ پر پڑ کر جوش میں آجاتا ہے۔ کل رات کو اس فقیر نے یہ کرامت دکھائی کہ بیٹھا ہوا شراب کا پیالہ پی رہا ہے۔ (یعنی حالتِ سماع میں مدہوش نظر آرہا تھا)

پس اے محبوب! السماع حرام للعوام لبغاء نفوسھم ومباح للعاشقین لحیوة قلوبھم ویستحب لاصحابھم بمتابعتھم (سماع عوام کے لیے بوجہ ان کے نفوس کے باغی رہنے کے حرام ہے۔ اور عشاق کے لیے بوجہ ان کے قلوب کے زندہ رہنے

کے مباح ہے اور مستحب ہے ان کے اصحاب کے لیے بوجہ ان کی متابعت کے) اب جانو کہ سماع میں فیض دو طرح پر ہے۔ ایک فیض مطلق ہے اور دوسرا فیض مقیّد۔ فیض مطلق وہ ہے کہ (حرف) صرف آواز (یعنی صرف راگ ہو اور اس کے کوئی معنی نہ ہوں) (چھا جائے) محو کر دے اور معانی سے واسطہ نہ ہو۔ اور فیضِ مقیّد معنی کے ادراک کے بعد ہے یعنی عربی۔ فارسی یا ہندی کے اشعار اس زبان میں جس پر اسے وقوف حاصل ہو۔ یہ فیضِ مطلق یا مقیّد جو حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ سے مسموعات کے واسطہ سے سننے والے پر وارد ہوتا ہے یہ بھی دو طرح پر ہے۔ ایک نوع وہ وارد ہے جو قوتِ بشری سے کم ہے چاہیے کہ اس حال میں کہ قوت بشری سے کمتر وارد ہو اور قوتِ بشری غالب ہو تو سامع حرکت نہ کرے یعنی ایسے حال پر خود متصرف رہے اور ایسے حال کو خود پر متصرف نہ ہونے دے کہ ہاتھ پاؤں پٹخے یہاں تک کہ ایسا حال وارد ہو جو قوتِ بشری سے زیادہ قوی ہو اور قوتِ بشری پر غالب آئے اور بشری وقوف کو مغلوب کر دے۔ اور حال مذکور تم میں متصرف ہو جائے جو حرکت بھی کرو گے مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان اللہ تعالیٰ لایؤاخذ العشاق بما یصدر منھم (اللہ تعالیٰ عشاق سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس پر مواخذہ نہیں کرتا) یہ دونوں سماع کے رکن ہیں۔ لیکن سماع کے لیے تین شرطیں ہیں۔ زمان، مکان، اخوان۔ زمان یہ ہے کہ تمام حاضرین مجلس کو چاہیے کہ اس وقت سب کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو یعنی گانے کی ابتداء تکبیر تحریمہ کی طرح ہے اس وقت حاضرین مجلس سب کچھ اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور مکان محفوظ گھر ہے کہ جس میں نامحرم داخل نہ ہو اور اخوان یہ ہے کہ سب ایک پیر کے مرید ہوں اور ایک طبقہ سے ہوں۔ لیکن اے محبوب! اس زمانہ کی حالت سماع کے لیے نامناسب ہے۔ جیسے کہ ایک دن ملک یوسف کے گھر میں توریت خوانی کے ضمن میں حضرت قطب عالم قدس سرہٗ العزیز کو بلایا گیا اور حضرت قطب عالم نے قبول فرمایا۔ یہ فقیر بھی ہمراہ رکاب مبارک تھا۔ ایک صوفی قطب عالم کی موجودگی میں سماع سے اٹھتا اور چلتا تھا اور جب قطب عالم کے قریب سے گذرتا تھا تو تواضع کرتا تھا۔ خلوت میں اسے منع کیا گیا کہ اگر تو حالت میں تھا تو تجھے درویش کی کیا خبر۔ ایسے سماع میں ہرگز نہ

جاؤ اے محبوب! ایک دوسری حرکت جو سماع میں کرتے ہیں کہ دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سماع میں آتے ہیں اور وہ نادان بھی بے وقت سماع میں آجاتا ہے یہ نوع بھی اچھی نہیں اور وہ اہل سماع نہیں ہوتے اور اس آیت میں داخل ہوتے ہیں کہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ (۳۱/۶) (اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے خدا کے رستہ سے گمراہ کرے) پھر دوسری شرط یہ ہے کہ اہل سماع کو چاہیے کہ وقت کی مقدار کے مطابق پیر پٹخیں جیسے ہی وقت مطلع ہو مطلق حرکت نہ کریں۔ جس جگہ وقت منقطع ہو فوراً وہیں بیٹھ جائیں۔ اگر وقت کے منقطع ہونے کے بعد ایک قدم بھی بے وقت چلائیں تو ایک بلا آسمان سے نازل ہوتی ہے جو ان اطراف کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہے۔ البتہ یہ حکم صاحبِ وقت کے لیے ہے۔ وقت کا وارد ہونا موسم بہار کی بارش کی طرح ہے کہ یکایک برس پڑتی ہے اور پھر ایک قطرہ آسمان پر نہیں رہتا۔ یہ میں نے مشاہدہ کے حکم پر لکھا ہے۔ وقت حالت کے انقطاع کا مفصل بیان رسالۂ سماع میں لکھوں گا۔ اس میں تمام مقدمات روشن ہوں گے اور تم بھی مشاہدہ کرو گے۔ ورودِ وقت اسی طرح پر ہے لیکن بے حال اور بے وقت اگر دس دن میں بھی قدم نامبارک پٹختے رہیں تو بجز وبال کے انھیں کچھ حاصل نہیں ہے جیسے کہ اے محبوب ایک دن حضرت قطب حقیقت شیخ نظام الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے سماع میں تواجد فرمایا اور وقت منقطع ہو چکا تھا۔ ایک قدم بغیر وقت کے پہنچا۔ کوٹھے پر سے اتر رہے تھے کہ پائے مبارک مجروح ہوا۔ جب باندھ لیا پائے مبارک ٹھیک ہو گیا شکر ہے کہ پَیر لنگ نہ ہوا۔ دہلی کے نادان لوگ کہتے تھے کہ شیخ نظام الدین اگر بزرگ ہوتے تو پائے مبارک زخمی نہ ہوتا۔ لیکن ہوا البتہ ٹھیک ہو گیا۔ اور لوگوں کی یہ بات شیخ رکن الدین تک پہنچی۔ ان کی نادانی پر افسوس کیا اور کہا کہ اے بھائی ہم نے ایک قدم بے وقت پٹخا تھا اور بلا نازل ہوئی تھی اگر وہ اپنے پائے مبارک پر نہ لیتے تو دہلی کے تمام اطراف اور اہل دہلی ہلاک ہو جاتے۔ پس جو بلا دہلی کو ہلاک کرنے والی تھی اپنے پیر پر لی تو وہ پیر کیسے ٹھیک رہتا۔ بڑا مشکل کام ہے اور لوگوں نے اس سماع کو کیا بنا رکھا ہے اور کس طرح سنتے ہیں۔ مقصود یہ کہ اے محبوب! اپنی فنا

میں سماع فیض مطلق ہے یعنی اگر آواز سے کچھ سن لیا تو سن لیا اور سنتے ہی حالت پیدا ہوئی۔ اور انس نے لذت کو تازہ کر دیا۔ گویا کہ الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اور غیر محبوب سے بے خبر ہو گئے جیسے کہ مصر کی عورتوں نے یوسفؑ کو دیکھتے ہی خود کو فراموش کر دیا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ فلما رأینه اکبرنه وقطعن ایدیھن (۱۲/۳۱) (جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر ایسا چھا گیا کہ (پھل تراشتے اپنے ہاتھ کاٹ لیے) جیسا کہ فقیر نے کہا جس کا شوق محبت ازلیہ سے تولد ہوتا ہے۔

مطربا اسرار مارا باز گو　　قصہ ہائے جاں فزارا باز گو
ماجرائے رفت مارا در ازل　　باز گو آں ماجرا را باز گو
مخزنِ انا فتحنا برکشا　　سرِّ جانِ مصطفیؐ را باز گو

(اے مطرب! ہمارے اسرار پھر بیان کرو ان جانفزا قصوں کو پھر بیان کرو۔ ازل میں ہمارے اوپر جو کچھ گزرا ہے کو پھر بیان کرو۔ انا فتحنا کے خزانے کا منہ کھول دو مصطفیؐ کی جان کا سرّ پھر بیان کرو)

اے محبوب! الشوق نوعان شوق الانبیاء وشوق الاولیاء فشوق الانبیاء واسطة وشوق الاولیاء بواسطتہ وھو المسموعات بصوت الحسن وھذه الصوت داعی الی اللہ (شوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک انبیاء کا شوق اور دوسرا اولیاء کا شوق۔ انبیاء کا شوق واسطہ ہے اور اولیاء کا شوق ان کے واسطہ سے اور وہ مسموعات ہیں حسنِ صوت کے اور یہ صوت اللہ کی طرف داعی ہے) اور یہ آواز شرع کی رُو سے مقبول نہیں ہے۔ اے محبوب! اہل ظاہر نادانوں کا گروہ ہے وہ نہیں جانتے کہ شریعت حضرت رسالت علیہ السلام کے نفس کا عمل ہے اور سماع حضرت رسالت علیہ السلام کی رُوح کا عمل ہے۔ پس نفس کے عمل کو مقبول اور روح کے عمل کو غیر مقبول بنا دیا۔ اور وہ جو جامع الصغیر میں ہے کہ غنا مزامیر کے ساتھ حرام ہے یعنی ضرب کے ساتھ بھی حرام ہے حرمت کا ثبوت اس پر ہے کہ عوام ہوائے نفس سے سنتے ہیں لہٰذا سماع ہوا کا داعی اور لغو ولہو کا شوق دلانے والا ہوا۔ لیکن اولیاء کا سننا ان کے لیے اس حضرت کا داعی ہے اور شوق دلانے والا ہے حضوری اور مشاہدہ کے ساتھ۔

اگر چہ بام بلند است بامِ عرش مجید گذشتہ است ازاں بام نردبانِ سماع
بہ زیرپائے بکوبیم انچہ غیرحق است سماع زانِ شما وشما ازانِ سماع
بیا کہ صورتِ عشق است ایں سماع دلم ؛ ہمہ بہ رقص در آئیم درمیان سماع

(اگر چہ عرش مجید کا بام بہت بلند ہے لیکن سماع کی سیڑھی اس سے بھی بلند ہے (آگے جاتی ہے) ہر وہ چیز جو غیرحق ہے ہم اسے پاؤں کے نیچے کوٹ ڈالتے ہیں۔ سماع تمہاری آن اور تم سماع کی آن ہو) دیکھو کہ یہ سماع عشق ہے اور سماع کے دوران میرا دل رقص کرنے لگتا ہے)

اور اے محبوب جس کسی کو سماع سے رغبت نہیں ہے وہ اہل غرور سے ہے اور اہل عرفان کے مذہب سے دور ہے لیکن اہل سماع اس کو کہتے ہیں کہ جب سماع میں آئے اور اوپر نظر اٹھائے تو عرش پر دیکھے کیوں کہ اس کے لیے حجاب نہیں ہوتا۔ اور جب نظر نیچی کرے تو گائے اور مچھلی کو دیکھے یہ سماع صفات کو متجلی کرنے کا اہل ہے۔ لیکن ذات کو متجلی کرنے کا اہل وہ سماع ہے کہ عرش سے ثرٰی تک اپنے آپ میں دیکھے۔ اور اس سے زیادہ مکمل یہ ہے کہ عرش سے ثرٰی تک اور جو کچھ شش جہت میں ہے اس کو مشغول نہ کرے۔

من از خوبی ز ساقی آنچنان مست
نمی دانم کہ در مجلس چہارفت
(میں ساقی کی بدولت ایسا مست ہو گیا کہ مجھے مجلس کا کوئی علم نہیں رہا)

اگر کسی درویش کو سماع میں دیکھو تو تصور کرو کہ یہ درویش شاید ان تین حالات مذکور میں سے کسی ایک حال میں ہو خواہ وہ کسی حال میں نہ ہو لیکن نیک اعتقاد کی برکت سے احوالِ مذکور کا فیض تم کو پہونچے گا البتہ امیدوار ہوں کہ آپ کی نظر اس حد کو پہونچے کہ مذکورہ حالات میں سے ہر ایک کو مشاہدہ کرے۔ جیسے ذی الحجہ دوسرے پنجشنبہ کی شب ۸۳۰ھ کو اس فقیر کو بندگی شیخ یعقوب جمالی (جو شہر سواس میں جو ولایت روم میں ایک شہر ہے مقیم ہیں) سے ملاقات کی نیت ہوئی۔ شب مذکور یہ فقیر عالم طیر میں سواس پہنچا اور رات کی نماز باجماعت شیخ یعقوب جمالی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پڑھی۔ نماز کے بعد سماع شروع

ہوا شیخ محی الدین یمنی اور شیخ نور الدین گلبرگی بھی اس شب طیر میں ان کے جماعت خانہ میں پہونچے۔ قطب عالم شیخ یعقوب اور شیخ محی الدین یمنی اور شیخ نور الدین گلبرگی تینوں نے سماع میں کھڑے ہوکر تواجد کیا اور حلقہ بنالیا۔ اور یہ فقیر تواجد میں اس وقت ایسی حالت میں کھڑا ہوا کہ جب ان تینوں بزرگوں کے واردات ان کی قوتِ بشری پر غالب تر ہوگئے اور ان کو حرکت میں لائے ان کا یہ حال اس فقیر کی قوتِ بشری سے کمتر تھا یعنی یہ فقیر ان کی حالت پر متصرف تھا مگر میں نے ان کے مقامات کا مشاہدہ کیا کہ حضرت قطب عالم شیخ یعقوب اور شیخ محی الدین یمنی جب تواجد میں عالم علوی پر نظر ڈالتے تھے تو عرش تک دیکھتے تھے اور جب سفلی پر نظر ڈالتے تھے تو ثریٰ ان کا مشاہدہ ہوتا تھا لیکن فر دحقیقت شیخ نور الدین گلبرگی عرش سے فرش تک مشاہدہ کرتے تھے یہاں تک ان کا حال قوتِ بشری سے قوی تر ہوکر اس فقیر پر غالب آیا اور میں ان کے احوال سے خارج ہوگیا اور یہ وہ مقام ہے کہ تحریر میں نہیں آتا۔ جب آپ پہونچیں گے جانیں گے۔ اسی حال میں یہ ترکیب اس فقیر کی زبانِ حال پر آئی کیوں کہ میں مشاہدہ میں تھا۔ شیخ نور الدین نے میرے حال کی یہ ترکیب لکھ لی کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات بلاجہت اور وصل کے بذاتہٖ ہے۔ پھر جب شیخ نور الدین کا وقت انقطاع ہوا تو وہ قسم یاد کرتے تھے۔ واللہ ماتکون ومارأینا برؤیتك ووصالك وتاللہ ماتکون ومارأینا برویتك ووصالك اس وقت کے بعد اس فقیر کی زبان پر یہ رباعی آئی۔

بگذر زِ صفاتِ اوُ ودر خود بنگر برسدرہ، بر آو پس خرابات بہ بیں
درمصحفِ عقل حرف طامات بہ بیں بے واسطۂ تجلّی ذات بہ بیں

(اس کے صفات سے گذر جاؤ اور اپنے میں غور کرو۔ سدرہ تک پہنچ جاؤ اور پھر خرابات کی جانب نظر کرو۔ مصحفِ عقل میں حرفِ طامات کو دیکھو (اور) تجلی ذات کو بے واسطہ دیکھو)

اللہ تعالیٰ تجلی مذکور اور اس پیر فقیر کی حالت اپنے اس محبوب ازلی ولم یزلی پر ارزانی فرمائے گا۔ اور اے محبوب ایسا حال کہ صاحب حال کو کونین مشغول نہ کرے حضرت رسالت علیہ السلام کا احوال ہے جیسا کہ صحابۂ کرام سے فرمایا کہ رأیت ربی فی لیلة

المعراج فی احسن صورۃ (میں نے شبِ معراج میں اپنے رب کو بہت حسین شکل میں دیکھا (پیاری صورت میں) اس حدیث کا مطلب پوچھا گیا۔ حضرت سید کونینؐ نے دوسری عبارت میں فرمایا رأیت صورۃ حسنۃ تلك اللیلة لم تشغلنی عن رؤیة الله (میں نے اس رات بہترین صورت دیکھی (جس نے) مجھے اللہ کی رویت سے مشغول نہیں کیا) اے محبوب! اچھی طرح غور کرو کہ ان فی ذلك لآیة لقوم یتفکرون (۱۳/۳) (غور کرنے والوں کے لیے اس میں (بڑی) نشانی ہے) حضرت رسالت علیہ السلام کا یہ حال ضرب وکرامت وضیافت کی شب میں تھا کہ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) رات میں حضرت رسالت کمالیت وجلالیت وعظمت نبوت کے ساتھ خورشید عظمتِ عظیم وقدیم کے مہمان ہوئے۔ حضرت صمدیت جلت قدرتہ نے ان کے آئینۂ قاب قوسین او ادنی میں تجلی کی اور ان کو دو صفات سے مخصوص ومحظوظ گردانا اور وہ دو صفات ایک جلال ذات دوسرے جمال صفات ہیں۔ اب اپنے پیر فقیر سے مشاہدہ کی رو سے نہ حکایتاً سنو کہ جلال وجمال چند قسم پر ہیں۔ جلال پانچ قسموں پر منقسم ہے۔ جلالِ ذات وجلالِ صفات وجلالِ اسماء وجلال افعال وجلال آثار اور ہر جلال کے تحت لاکھوں جلال نامتناہی ہیں۔ جمال بھی پانچ قسموں پر منقسم ہے۔ جمالِ ذات وجمالِ صفات وجمال اسماء وجمالِ افعال وجمالِ آثار اور ہر جمال کے تحت لاکھوں جمال ہیں۔ جمال لامتناہی ہے۔ جلال وجمال جو صاحب تجلیات انوار حقانی پر فیض ربانی جمال وجلال سے ہے حضرت رسالت علیہ السلام کو لاکھوں عظمتوں اور جلال وجمال کی رویتوں سے وجد وحالت سے مشرف فرمایا۔ اور بعض اولیاء بھی جو خواجہ علیہ السلام کے ہم مشرب ہیں انہیں تشریفاتِ مذکور سے ملبوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان تشریفاتِ مذکورات (اعزازاتِ مذکورہ) میں سے عطا فرمائے۔ آمین۔ آمین۔ آمین اور اے محبوب! سماع کی عبادت اور معراج ہر کسی کا کام نہیں ہے جیسا کہ ایک دن حضرت شیخ کبیر بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے مریدوں میں اہل سماع اور اہل وجد کا ذکر فرما رہے تھے اور موقعہ پر بات پہنچی کہ فرمایا ہم نہریں کھود کر کاشتکاری کرتے ہیں لیکن چشتی پانی لے گئے اور لے

جاتے ہیں کیوں کہ ان کو سماع میں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو ہم کو چالیس دن میں حاصل نہیں ہوتی۔ بعض بزرگ مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کیوں نہیں سنتے۔ فرمایا کہ وہ ایسی معراج ہے جس سے ہم محروم ہیں۔ صوفیانِ ناصافی اور درویشان بے دانی نے سماع اور حالت کو کیا بنادیا ہے اور یہ کام بہت مشکل ہے جیسے ایک دن حضرت فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہٗ العزیز سماع میں اٹھے۔ ایک درویش بھی بے وقت اور بغیر حالت کے خواجہ قدس اللہ سرہ کے ساتھ اٹھا جیسا کہ بعض صوفیاء اس زمانہ میں کرتے ہیں۔ جب خواجہ کی نظر اس درویش پر پڑی بے حال ہوگیا۔ خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز نے کلام فرمایا اور کہا کہ ان اللہ تعالیٰ یری حین تقوم (اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جس وقت تو کھڑا ہوتا ہے) درویش پر ہیبت طاری ہوئی اور بیٹھ گیا۔ جیسے کہ اے محبوب نماز جو معراج دل ہے بے وقت درست نہیں ہے کیوں کہ اس کا فریضہ ہونا وقت پر ثابت ہے کہ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (۴/۱۰۳) ای فرضا موقوتا (بیشک نماز مومنوں پر فرض ہے وقت وقت سے) یعنی پس اے محبوب سماع جو روح کی معراج ہے بے وقت کیسے درست ہوگا۔ جیسا نبی ﷺ نے فرمایا کہ معراج الروح السماع و معراج القلب الصلوٰۃ (روح کی معراج سماع ہے اور قلب کی معراج نماز ہے) اے محبوب ان کلمات میں بہت غور وخوض کرو۔ ہر کلمہ کے لیے ایک رسالہ چاہیے کہ میرے کلمات کی شرح ہوسکے گو کہ میں نے نصوص کے حکم اور احادیث کے علم پر سماع کو شروع کیا ہے جب اہل شریعت اس کے انکار میں بات کریں تو ان سے حجت نہ کرو اور کہو کہ مبتلا ہو کر سنتا ہوں۔ حجت میں مشغول نہ ہو۔ تمام مشائخ کبار نے یہی مدنظر رکھا ہے اور ایسا ہی کہا ہے کہ مبتلا ہو کر سنتے ہیں گو کہ ان کے حالات حالاتِ مذکور تھے اور اس قاعدہ میں ہوش سے کام لو۔ اور سماع کے بعد یہ دعا پڑھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم صل علی محمد و علی آل محمد اللھم اجعلنا من الذین عملت فیھم خیرا فاستمعتھم و من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اللھم نور قلوبنا بانوار قدسك یا نور یانور اللھم انزل علینا من برکاتك حالات الانبیاء والاولیاء وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ واھل بیتہ الاصفیاء برحمتك یا

ارحم الراحمین (اے اللہ درود ہو محمد ﷺ اور آپ کے آل پر۔ اے اللہ ہم کو بنا ان لوگوں میں سے جن میں تو نے بھلائی کی پھر ان کو سنایا اور ان لوگوں میں سے جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے قلوب کو اپنے پاک انوار سے منور فرما۔ یا نور یا نور اے اللہ ہم پر نازل فرما اپنی برکتوں سے انبیاء اور اولیاء کے حالات اور درود و سلام ہو ہمارے پیشوا و سردار محمد ﷺ اور آپ کے آل اور اہل بیت اطہار پر اپنی رحمت سے۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زائد رحم کرنے والے) کیوں کہ تمہارا پیر فقیر سماع کے بعد یہی دعا کرتا ہے۔

بیا بیا کہ توئی جانِ جانِ سماع   ہزار شمع منور بہ خاندانِ سماع
چوصد ہزار ستارہ زتست روشن دل   بیا کہ ماہِ تمامی بر آسمان سماع
بیا کہ بے تو بہ بازارِ عشق نقدے نیست   کہ چوں تو ہیچ زرے را نہ دید کان سماع
بیا کہ بر درِ تو تشنہ اند مشاقاں   زبامِ خویش فروکن تو نردبانِ سماع
بیا کہ رونقِ بازارِ عشق از لب تست   کہ شاہدے است نہانی دریں دکانِ سماع

(آجا آجا کہ تو ہی سماع کی جانِ جاں ہے اور تجھ ہی سے خاندانِ سماع میں ہزاروں شمعیں منور ہیں۔ تیری ذات سے ہزاروں ستاروں کی طرح دل روشن ہیں۔ آجا کہ آسمانِ سماع کا تو ہی ماہِ کامل ہے۔ آجا کہ تیرے بغیر عشق کے بازار میں کوئی نقد نہیں ہے کیوں کہ سماع کی کان میں تیری طرح کوئی سونا (دولت) نہیں ہے۔ آجا کہ مشتاق تیرے آستانہ پر منتظر بیٹھے ہیں اور اپنے بام سے سماع کی نردبان (سیڑھی) نیچے لگا دے۔ آجا کہ بازارِ عشق کی رونق تیرے ہونٹوں سے ہے کیوں کہ سماع کی اس دوکان میں تو ہی پوشیدہ معشوق ہے) فقط

۲۶ ذی الحجہ ۸۲۴ھ روز دوشنبہ

محبوب جانم مطلوب روزگارم۔ اپنی اس رباعی کو اپنے پیر کبیر حضرت قطب عالم کی خدمت میں ہدیہ کے لیے لے گیا جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت پیر کبیر نے اپنے ضمیر منیر سے (یعنی بغیر میرے کہے خود سے) فرمایا کہ اے شہباز! نیاز کے لیے کیا

لائے ہو۔ فوراً اپنا منہ خاک پر رگڑا اور دل کے گداز سے پڑھا ۔

خونم ہمہ آب گشت چشم بگریست　　در عشق تو بے چشم ہمی خواہم زیست
از من اثرے نماند ایں عشقم چیست　　چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

(میرا تمام خون پانی ہوگیا اور آنکھیں آنسو بن کر بہ گئیں لیکن میں تیرے عشق میں بغیر آنکھوں کے جیوں گا۔ میرا یہ عشق کیسا ہے کہ میری ہستی کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ جب میں سراپا معشوق بن گیا تو پھر عاشق کون ہے)

حضرت مخدومی جب تک اس عالم میں رہے اس فقیر کو دیکھتے ہی یہ رباعی اپنی زبانِ مبارک سے پڑھتے تھے اور عجیب حالت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس رباعی کا جمال آپ پر تجلی کرے اس رباعی کو پڑھتے وقت دل گداز رہے۔

تیسواں مکتوب

(خوابوں کے بارے میں)

خوشی آخر بگو اے یار چونی　　ازیں یاران ناہموار چونی
بہ روز وشب مرا اندیشہ این است　　کزیں روز وشب خونخوار چونی
ازیں آتش کہ در عالم فتاد است　　زدودِ لشکر تا تار چونی
دریں دریائے بے رنگی دوصد موج　　تو اندر کشتی پُر بار چونی
محمد را چو جان ودل خراب است　　دلا دیگر بگو بسیار چونی

(اے دوست بتا کہ تو آخر کیسے خوش ہے اور ان بے ڈھنگے دوستوں کے ساتھ آخر کیسے گذر کرتا ہے۔ مجھے رات دن یہی اندیشہ رہتا ہے کہ تو ان خونخوار اور ظالم شب وروز کے ساتھ کیسے گذارہ کرتا ہے۔ تاتاریوں کے لشکر نے دنیا بھر میں جو آگ لگائی ہے اس کے دھویں میں تو کیسے گذر کررہا ہے۔ اس بے رنگی کے دریا میں سیکڑوں موجیں ابھرتی رہتی ہیں تو اس بوجھ سے لدی کشتی کے اندر کیسے گذر کرتا ہے۔ جب محمد کے جان ودل دونوں خراب ہیں تو اے دل بار بار مت کہو کہ کیسی گذر رہی ہے)

مقصود یہ کہ اے محبوب! الرؤیا ثلاثة، رؤیا من الرحمانیه ورؤیا من الشیطانیة ورؤیا من النفسانیة (خواب کی تین قسمیں ہیں۔ رحمانی، شیطانی، نفسانی) اسرار وآثار ملکوتی کی قوت اور ضعف جو عالمِ مثال میں متجلی ہوتے ہیں ایسی حالت میں کہ حواس آئینہ خیال مقید میں ہوں مشاہدہ کرنا اسباب ہے اور قوی ترین سبب جو عالمِ مثال کے معانی حدیث ووحدت (احدیت) پر خواب دیکھنے والے کی اطلاع کا موجب ہوتا ہے مقصود کی جانب سالک کی توجہ ہے اور تمام امور جیسے احکام کی وضاحت اور خواطر کا فکر وغم

کے باعث معطل ہونا کئی طرح (مختلف اقسام) پر ہے۔ جب شعور نفسانی طبیعت اور محسوساتِ متفرقہ کے پردے کے پیچھے معانی سے مجرد ہو جاتا ہے تو مطلع ہوتا ہے اور صورتوں کے مادے جو عالمِ حسّی میں اس کے مصاحب تھے عالمِ حسّی سے خواب کی حالت میں قوتِ خیال کے سامنے جلوہ گر ہوتے ہیں جیسے روح بیداری میں اسرارِ روحانی کا مطالعہ حواسِ ظاہری کے ذریعہ کرتی ہے۔ اسی طرح نیند میں بھی مشغول ہوتی ہے اور تمام عالموں کے دروازے فیضِ الٰہی سے اس پر بند کر دیتی ہے۔ ایسے خواب کسی معنی پر دلالت نہیں کرتے اور صورتیں بے روح ہوتی ہیں کیوں کہ ان میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جانو کہ عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام کے درمیان ایک دوسرا عالم ہے اور اس میں دونوں عالم نمودار ہیں۔ ہر فیض جو عالمِ ارواح سے عالمِ اجسام تک پہنچتا ہے عالمِ متوسط کے توسط سے پہنچتا ہے کیوں کہ جو فیض روحانی عالمِ ارواح سے تنزل کرتا ہے وہ عالمِ اجسام کی مناسبت اور الفت سے مجرد ہوتا ہے۔ اور جب عالمِ مثال مطلق میں پہونچتا ہے تو وہ عالمِ مثال کریم الطرفین ہے۔ وہ عالم عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام (دونوں) سے پوری پوری مشابہت رکھتا ہے۔ اسی طرح جب اس عالم سے فیض وارد ہوتا ہے تو غربت کے مقام میں آشنائی کی نسیم دیتا ہے اور وطنِ اصلی کا اشتیاق غالب ہو جاتا ہے اور اس روحانی اثر سے جس سے اس کا حال محبت کرتا ہے خود جلوہ گر ہوتا ہے اور ان روحانی آثار سے مل جاتا ہے۔ اور اے محبوب! اس عالم متوسط کے دو مرتبہ ہیں۔ مرتبۂ تقیید یعنی ہر ایک کے ساتھ صحیح طور پر متجلی ہے۔ لیکن اس مرتبہ میں اس کو خیال مقیّد کہتے ہیں (دوسرا) مرتبہ اطلاق اور اس مرتبہ میں اس کو مثالِ مطلق کہتے ہیں۔ کیوں کہ مرتبۂ اطلاق میں اس عالم کے معانی بلاشک اصل کے مطابق ہوتے ہیں (کیوں کہ اس عالم سے معانی اس عالم کے مرتبۂ اطلاق کے مطابق بلاشک اصل ہوتے ہیں) لیکن مرتبۂ تقیید کبھی مطابق ہوتا ہے اور کبھی غیر مطابق (بہ لحاظِ شکل دماغ کی صحت اور اس کا اختلال اور انحراف اور اعتدال مزاج اور مصوّرہ کا قوت یا ضعف) یہ خیال مقیدہ کی وجہ سے ہے لیکن لوگوں کے لیے عالمِ مثال مطلق کے ساتھ اور چھوٹی نہروں کی وجہ سے نسبت ہے جو بحر اعظم سے نکلی ہیں۔ اور ہر ایک ایک طرف عالمِ مثال سے متصل ہے اور دوسری طرف شہر بدن کے عارض ہونے والے خیالات اور لواحق ولوازم وعواقب

امور اور محسوسات کے اقسام و اصناف سے۔ خیال مقید شہر جسم میں مثل جاسوس کے ہے اور وہ ہمیشہ خبروں کے تجسس میں رہتا ہے کبھی اس کی توجہ امورِ دنیوی اور کیفیات عواقب اور وقایع اور حوادثِ عالم حسّی کی جانب ہوتی ہے اور کبھی اس کی توجہ عالم مثال سے متصل ہو جاتی ہے اور مثال مطلق کے بحر اعظم سے معانی اور اسرار کا اعتراف کرتا ہے اور کبھی احکام کثرت کی ظلمت مجازی میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ اپنے مرجع اصلی پر واپس نہیں ہو پاتا۔ اور علوم اور معانی کے اعتراف کی طرف رجوع ممکن نہیں رہتا۔ اور مختلف امور جو حواسِ ظاہری کے ادراک سے خیال میں آتے ہیں۔ ان کا مستصحب (ساتھ رہنے والا) بن جاتا ہے اور انہیں میں مبتلا رہتا ہے۔ اس وقت حواس اور تمام چیزیں قوتِ مصورہ کی معاونت سے پردۂ خیال پر ظاہر ہوتی ہیں۔ ایسے خواب کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور ایسے آدمی کا خواب اضغاث احلام ہوتا ہے اور اکثر خلق کا یہی حال ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ پس اے محبوب! جب یہ قاعدہ مرتب ہوا تو جانو کہ نوعِ انسانی کے خوابوں کی صحتِ خیال کی موجب چند چیزیں ہیں۔ ان میں سے بعض مزاج میں داخل ہیں اور بعض مزاج سے خارج ہیں لیکن جو مزاج میں داخل ہیں وہ ہیئت دماغ کی صحت اور اعتدال مزاج اور قوت مصورہ کا تصرف ہے۔ اور وہ جو مزاج سے خارج ہے وہ اس شخص کے خیالِ مقیّد کا اتصال و قرب ہے جو عالمِ مثال کے ساتھ اتحاد کا مقتضی ہے۔ اور وہ تعلقات لذاتِ نفسانی اور افکار فاسدہ اور باطل تصورات اور مختلف امور کے ساتھ تعصب ہموم اور اقوالِ سنیہ کے صدق اور احوالِ مرضیہ سے واسطوں کی کمی پر ہے۔ اس سبب سے صاحبِ بصیرت معبر کامل چاہیے کہ کشفِ سری اور روحی کی قوت سے ارواح کے مدارج اور عالمِ مثال کے تمثیلات کے مراتب پر اطلاع پائے ہوئے ہو۔ کیوں کہ صاحب مزاج کا خواب سیدھا نہیں ہوتا۔ (پس وہ معبر کامل) اپنی معرفت کے مطابق خواب کے مقام اور خیال کے مواطن کے موانع تشخیص کر کے ان کے مناسب معنوں کو اس عالم سے نسبت دیتا ہے۔ بلکہ اگر معبّر عارف ہوتا ہے تو مراتب علویات سے نسبت دیتا ہے اور عالمِ مثال میں توقف نہیں کرتا۔ اور ترقی کر کے عالمِ ارواح اور وہاں سے عالمِ جبروت پر منتہی ہوتا ہے اور اس کی استعداد کے آئینہ میں اس شخص کا عین ثابت مشاہدہ کرتا ہے کہ اس خواب کی اصل اس کی استعداد کے

مقتضا سے کیا ظاہر کرتی ہے اور اس کی حقیقت عالمِ شہادت میں کس وقت اور کس صورت میں ظاہر ہوگی اور اس سر کے مطالعہ کے بعد اگر کہنا خلاف مصلحت ہو تو خود کچھ نہیں کہتا۔ اور اگر کہنے کی مصلحت ہو تو اس مضمون سے کچھ بتا دیتا اس خبر کو تعبیر کہتے ہیں اور اس مخبر کو معبّر کہتے ہیں اور ہر وہ خلل جو خواب میں واقع ہوتا ہے وہ معانی کی صورت مصورہ اور صورتِ ممثلہ کے درمیان خواب دیکھنے والے کی کدورتِ باطن اور انحراف اور ہیئت دماغ کے فساد اور احوال حسی کے فساد اور احوال حسی کے اختلال سے عدمِ مطالعہ کی وجہ سے آثار کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے اقوال اور سیرتِ نامرضی اور صرفِ اوقات میں کذب (شامل ہو تو) صفاتِ حمیدہ کے بقیہ آثار مستہلک ہو جاتے ہیں۔ والامر اذا کان بالعکس لایستہلک (اور جو چیز برعکس ہو وہ ہلاک نہیں کی جاتی) وہ جو حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا کہ اصدقکم رؤیا واصدقکم حدیثا (میں خواب کے سلسلہ میں تم سب سے زائد سچا اور بات کرنے میں بھی تم سب سے زائد سچا ہوں) تو وہ بھی انہیں معنوں کی طرف اشارہ ہے اصناف کے خطوط حالتِ خواب میں خیال مقیّد کے واسطہ سے عالمِ ارواح وغیرہ کے اسرار ومعانی کے ادراک سے (پیدا ہوتے ہیں) کئی طرح پر ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کے خواب تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے خواب تعبیر کے قابل نہیں ہوتے اور یہ گروہ دو طرح پر ہیں۔ پہلے محجوب ہیں کہ تقیّدی صفات اور احکام اور انحراف خلقیہ ان کے نفوس پر غالب ہوگئے اور کدورتِ نفسانی اور قوائے دماغی کی ہیئت کے فساد نے خیال کو جو عالمِ مثال سے متصل ہے مسدود کر دیا اور ظلمت کے غلبہ اور خباثت کے لباس نے اسرار پر مطلع ہونے سے دور پھینکا اور تعریفاتِ الٰہی کی کرامت کی خلعت سے محروم کر دیا۔ اس قوم کی بیداری عین خواب ہے اور ان کا خواب عبث ہے اور نہ ان کی بیداری کا کوئی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سواء محیاھم ومماتھم (ان کی زندگی اور موت برابر ہیں) اور دوسرا گروہ متوسط اہل سلوک کا ہے۔ انہوں نے اپنے دل کے آئینہ کو اسرارِ عالم مثالی کے فیض معانی کو قبول کرنے کے لیے مستعد کر لیا ہے لیکن خیال کی قربت کی وجہ سے علائق سے انقطاع حاصل نہیں کیا ہے۔ خواب کی حالت میں عالمِ مثال کے اسرار کا جو عکس ان کے آئینۂ دل پر پڑتا ہے۔ دل اس کا عکس دماغ پر ڈالتا ہے اس نوع کی طرح جس کے خواب

محتاج تعبیر ہیں یہ بھی دو گروہ ہیں۔ پہلے متوسط اور دوسرے کامل۔ لیکن متوسط وہ ہیں کہ بعض اوقات جسمانی تعلقات جمع کر لیتے ہیں اور ان کا آئینہ دل شواغل سے فراغ کے مطابق تھوڑی صفائی قبول کرتا ہے اور عالمِ مثال کے بعض معانی اس میں الٹ جاتے ہیں۔ اور اس عکس کا عکس دماغ پر پڑتا ہے۔ پس اوصافِ ذمیمہ کے آثار کے واسطہ سے حدیثِ نفس اس میں شامل ہو جاتی ہے اور قوت مصورہ ان معانی کو حال کے ساتھ ملا کر متمثل کرتی ہے۔ اور ایسے خوابوں کے لیے معبر کامل چاہیے کہ حدیث نفس کے اثر کو مجرد اثر سے تمیز کر کے خبر دے۔ دوسرا گروہ کاملوں کا ہے کہ ان کے نفس کا سونا مجاہدہ سے صاف ہو چکا ہے اور آئینۂ دل کو طبیعت کے زنگار سے پاک کر چکے ہیں اور سیر الی اللہ میں کنگرۂ کبریا پر قدم ہمت ڈال چکے ہیں اور میدان شہود میں کرو اور ملاءِ اعلیٰ کے روحانیوں سے سبق حاصل کر چکے ہیں اور زمان و مکان کی بساط طے کر لی ہے اور عالم امکان کے بوجھ کی گدڑی پھینک چکے ہیں اور اسرارِ ازل کو لوح ابد پر پڑھ چکے اور روزنِ ازلی سے صحرائے ابدی کا نظارہ کر چکے اور عالمِ جبروت کے اسماء وصفات کے مدارج سے ترقی کر چکے اور مشرقِ ہویت سے آفتاب غیب طلوع کر چکے اور دل کے عرش کو حضرتِ الٰہی جلت قدرتہ سے مستوی کر چکے ہیں۔ جب ان کاملوں کا دل حضرت عزت جلت قدرتہٗ کے اسرار کا خزانہ بن گیا تو خواب کی حالت میں ان کے خزانۂ دل کے بعض متوسط اسرار دماغ پر پڑتے ہیں اور قوت مصورہ ان کو خیال مقیدہ کی صورت میں پیش کرتی ہے۔ چونکہ عکس اصل صورت نہیں ہے لازماً تعبیر کا محتاج ہے اور اس طرح کا خواب اہل کمال انبیاء و رسل و خواص اولیاء کا ہوتا ہے۔ اے محبوب جب یہ معلوم ہو گیا تب جانو کہ نتیجہ کا ظہور بعض جگہوں پر تاخیر سے ہوتا ہے۔ اور بعض سریع الظہور کا حکم رکھتے ہیں خواب کے نتیجہ کے ظہور میں تاخیر ارباب تحقیق کے نزدیک خواب دیکھنے والے کے نفس کے علوے مرتبت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ نفس کے ادراک کی قوت عروج کمال پر ہوتی ہے اور وہ علوی علوم سے حجت کرتا ہے اور محلِ اعلیٰ میں جو علم قدیم کا خزانہ ہے اس امر کا طلوع قریب الوقوع کر دیتا ہے مگر ان اسرار پر اطلاع کے بعد سالکانِ امر اس حضرت سے جب وہ عالمہائے عالیہ کے جس عالم میں نزول کرتا ہے (مطلع ہوتے ہیں) لیکن ایک مدت تک رکے رہتے ہیں۔ اور اس اسم کے تصور سے جو اس

عالم کا مدبر ہے ظاہر ہوتا ہے اور اس عالم سے دوسرے عالم میں ظہور کرتا ہے۔ اسی سے کہا ہے کہ اہل کمال کے بعض خوابوں کا نتیجہ چالیس سال بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اور مہتر یوسف علیہ السلام کا خواب اسی طرح کا تھا کہ اس دن سے جب کہا انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتهم لی ساجدین (۱۲/۴) (میں نے دیکھے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھ کو سجدہ کرتے ہوئے) اس دن تک جب کہا هذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلها ربی حقا (۱۲/۱۰۰) (یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا) اے محبوب چالیس سال ہوئے۔ خواب کے حکم کا جلد ظاہر ہونا خواب دیکھنے والے کے نفس کے ضعف کی دلیل ہے جو ترقی اور عروج کی قوت نہیں رکھتا کہ امور اور حقائق کی صورتوں کی کیفیت عالمِ عالیہ سے اخذ کرے اور تعلقات جسمانی اور شواغل نفسانی سے اعراض کی حالت میں غایت ترقی یہ ہے کہ جو کچھ فلک القمر سے بقضائے جسمانی نازل ہوا اس میں سے بعض کا ادراک اپنی صفائے نفس کے مطابق کرلے اور اس سے تجاوز نہ کرے اور عالمِ علوی پر عروج کی قوت نہ رکھتا ہو۔ تب لازماً اس امر مدرک کے قرب کی وجہ سے خواب کے نتیجہ کا اثر ظاہر ہونے میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اے محبوب! جس درویش کو اس تیسویں مکتوب سے واقفیت نہ ہو اپنے خواب کی تمیز نہیں کر سکتا اور مریدوں کے خواب کا خود جواب نہیں دے سکتا اور غلطی میں پڑ جاتا ہے۔ ایزدِ تعالیٰ سالکوں کے خطرات انفاس اور منازلِ اعلیٰ اور قاصدانِ اقصیٰ کو روکنے والے عوارض کے آفتاب اور خوفناک آثار شہود سے عصمت کی پناہ میں محفوظ رکھے۔ بمنہٖ وکمالِ کرمہٖ بالنبی وآلہ ؎

معبّر دوش پایش را بہ خواب اندر ہمی بوسم
چنیں خواب ہمایوں را یکے برگوئے تعبیرے

(اے خواب کی تعبیر بتانے والے کل رات میں خواب میں اس کے پاؤں چوم رہا تھا۔ ایسے مبارک خواب کی کوئی تعبیر بتا)

فقط

اکتیسواں مکتوب

(نماز کے اسرار کے بارے میں)

تا گرد خاکِ کوئے تو بادِ صبا گذشت   مارا بہ بادِ صبح بسے ماجرا گذشت
در دل اسیر تیر غم ناوک فراق   بے چارہ دل ببیں کہ بہ جانش چہا گذشت
گر چہ بلا است تیغِ فراق از وِصال او   لیکن ازین بلا بہ سرم بارہا گذشت
در حیرتم ززلفِ شبِ تیرہ روز تو   گر بَر رُخت رسید زرویت چرا گذشت
مرہم چو نیست لعل لب اُو بَہ کامِ ما   بَرخیز اے طبیب کہ درد از دوا گذشت
دائم بہ آہِ سردِ دمِ گرم زندہ ام   حیف از حیات ما کہ بہ یادِ ہوا گذشت
تیغِ بلا و دردِ محمدؐ بَہ خود گرفت   ظلمے کہ بر حسینؓ برآں کربلا گذشت

(اے محبوب! جب بادِ صبا تیرے کوچہ کی خاک کے گرد گذری تو بادِ صبح کے ساتھ ہمارا عجیب ماجرا گذرا (ہم کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ بے چارے دل کو دیکھو کہ اس کی جان پر کیا بیت گئی۔ کیوں کہ ناوکِ فراق کے غم کا تیر اس میں ترازو ہو گیا اگر چہ اس کے وصل کے مقابلہ میں اس کی تیغِ فراق بلا کا کام کرتی ہے لیکن ہمارے سر سے یہ بلا بارہا گذر چکی ہے۔ چونکہ اس کے لب لعلیں ہمارے لیے مرہم کا کام نہیں کرتے اس لیے اے طبیب تیرا ٹھہرنا بے کار ہے۔ کیوں کہ درد کا کوئی علاج نہیں میں ہمیشہ دمِ گرم و آہِ سرد کی آمد و شد سے زندہ ہوں۔ اس زندگی پر افسوس ہے جو ہوا کے دوش پر گذر رہی ہے۔ محمدؐ نے خود تیغ بلا و درد کو دعوت دی ہے اور اس ظلم کے سہنے پر تیار ہے جو کربلا میں حضرت امام حسینؓ کو اٹھانا پڑا)

مقصود یہ کہ اے محبوب! نمازی کو تکبیر اولیٰ سے سلام آخر تک باطنی طور پر نماز کے

اسرار میں مشغول ہونا چاہیے۔ تا کہ وہ نماز اس حضرت کے لائق ہو اور لامحالہ قبول ہو۔ اب جانو کہ جب نماز میں تکبیر اولیٰ کہتے ہو۔ اور تکبیر کے بعد سبحانك اللہ پڑھتے ہو۔ یعنی بارِ الٰہا۔ ساری پاکی اور سارے ناسزا اوصاف اور ناروا باتوں سے دوری اور امر تیرے لیے ہے کیوں کہ ہی تو ساری دشمنی کی باتوں اور سارے دوستوں کے کمال سے دور ہے۔ اس کے بعد کہتے ہو بحمدك اور میں پوری سپردگی اور تیری ستائش سے نماز پڑھتا ہوں اور تیری خدمت اور پرستش یعنی تیرا شکر مجھ پر فاضل ہے اس کے بعد کہتے ہو و تبارك اسمك یعنی اپنے فائدے اور افزونی کے لیے تیری یاد کرتا ہوں اور اپنے ایام کی برکت کے لیے تیرا نام لیتا ہوں اس کے بعد کہتے ہو و تعالیٰ جدك یعنی تیری ملک داری تجھ سے تجھ پر ہے۔ اس کے بعد کہتے ہو و لا الہ غیرك یعنی کوئی شخص اور کوئی چیز پرستش کرنے والوں کی پرستش کے لیے اور ڈرنے والوں کے نگاہ رکھنے کے لیے اور ستائش کرنے والوں کی ستائش کے لیے سزاوار نہیں تیرے سوا۔ اور بخشش چاہنے والے اور ہمیشہ رہنے والوں کی بخشائش یعنی اہل بہشت اور ستم رسیدگان کے حال کا تدارک اور گرے پڑوں کی دستگیری اور عاجزوں کی فریادرسی کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ جب دعا پڑھو گے اور معانی کے یہ اسرار دل پر گذارو گے اس کے بعد جانو گے کہ تمہارے اس لطیف حال کے ساتھ ایک کینہ رکھنے والا تمہارا حاسد ہے اور اس شریف کام میں تمہارا ایک مکار قاصد ہے جو اس وقت تمہاری جائے نماز پر تمہارے حال کو شہرت دے رہا ہے اور تمہارے کام کو بے کار کر رہا ہے پس تم پر لازم ہے کہ اس کے بعد کہو اعوذ باللہ یعنی اس خدا کی طرف واپسی چاہتا ہوں کہ جس کی عصمت مظلوموں کی پناہ ہے اور اس کی رحمت محروموں کی امید گاہ ہے۔ من الشیطان الرجیم یعنی دیو کے شر سے دشمن کی شکل والا ابد گو کہ وہ رحمت سے دور رہا اور اس کی عقوبت سے ہلاک ہوا۔ اس کے بعد اے محبوب! یقین جانو کہ دشمن کے جال سے دوست کے نام کے بغیر نہیں چھوٹ سکتے۔ پس دشمن کے راستہ کے لیے لازم اور واجب ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو یعنی میں خدائے تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جو

دوستوں پر لطف کرنے والا اور دشمنوں پر قہر کرنے والا ہے اور قدرت بے علت کے ساتھ قادر ہے کہ دوستوں کو جو دوستی اور یگانگی کا دعویٰ کرتے ہیں ایک عجب کے سبب دشمنوں کی قطار میں لے آئے اور دشمنوں کو ایک عذر کے سبب محبوں کی قطار میں منسلک کر دے اور یہ کہ فضول باتوں اور ظاہر بینی سے چون و چرا کی زبان کھلتی ہے اور لا یسئل عما یفعل (وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہ ہوگی) کا چاؤش گردن جدا کر دیتا ہے اور اس کے سامنے دوسرا لطیفہ رکھتا ہے فعّال لما یرید

اسیر چون و چرائی زکارِ بے علت ولیک کارِ خدا را نہ چوں بود نہ چرا
میان بیشۂ بے علتی چرا مطلب کہ آں ستور بود کو فرو شود بہ چرا
کہ پختگان رہ و کاملان موئے شگاف چوں طفلان شیر اندر طریق خدا
بداں خدائے کہ در آفتاب معرفتش بذرّۂ نرسد عقل جملۂ عقلا
اگر دلیل چو خورشید بایدت بنگر کہ ہر خدائی او ہست ذرہ ذرہ گوا
ز دور آدم تا ایں زماں نہ یافت کسے نظیر ایں گہر اندر خزانۂ شعرا
کہ شعرِ جانِ محمد چو ہست عیسیٰ دم ازاں کہ ہست چو موسیٰ دریں یدِ بیضا
ز درگہت بَہ مشامِ دلم رساں بَہ کرم بدست پیک صبا و سحر نسیم صبا
دراں زماں برِ خویشم رساں کہ می سوزم میانِ سجدۂ سبحان ربی الاعلیٰ

(بے کار کام کے متعلق بحث مباحثہ میں مشغول ہونے سے کیا فائدہ رہ گیا اللہ کا کام اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ بے علتی کے میدان میں چون و چرا مت کر کیوں کہ صرف خچر ہی چرائی کے لیے زمین کی طرف یعنی پستی کی جانب جھکتا ہے۔ راستہ سے واقف اور بال کی کھال نکالنے والے کی مثال راہِ خدا میں دودھ پینے والے بچہ کی سی ہے۔ کون خدا وہ خدا جس کی معرفت کے آفتاب میں تمام عقلاء کی عقلیں ایک ذرہ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتیں۔ اگر آفتاب کی طرح تم کو دلیل کی ضرورت ہو تو ذرہ ذرہ اس کی خدائی کا گواہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک شعراء کے خزانہ میں کسی

نے اس موتی کا مثل نہیں پایا۔ محمدؐ کی جان کا شعر نفسِ عیسیٰ کے مانند ہے اس لیے کہ اس کی مثال حضرت موسیٰ کے یدِ بیضا کی سی ہے۔ براہِ کرم اپنی بارگاہ سے میرے مشامِ دل تک پیکِ صبا اور نسیم سحر کے ہاتھ بوئے خوش بھیج دیے اور اس وقت مجھے خود تک رسائی عطا کر تاکہ میں سبحان ربی الاعلی کے سجدہ کے دوران سوخت ہو جاؤں)

مقصود یہ کہ الرحمٰن یعنی اے بے بہا اور بہانے سے بخشنے والے کہ دشمن بھی دوست کی طرح اس کا پروردۂ نعمت ہے اور بیگانہ کا آشنائی کی عادت ڈالنا اس کی رحمت ہے۔ الرحیم یعنی بندوں کے دلوں پر بخشائش کرنے والا اور ان کی عقلوں کو کشادہ کرنے والا جو مومنوں پر رحمت خاص سے ان کو ایمان و امان و بہشت رویت جادوانی کے ساتھ دیتا ہے اور جانو کہ اس حال پر سپاس داری اور شکر گذاری تم پر لازم ہے۔ پس پڑھو الحمد للہ یعنی خدائے تعالیٰ کے لیے سپاس و ستائش و مدحت میری زبان سے اور سپاس و منت میری جان سے ہے وہ جس کو معبودیت سزاوار ہے اور منعم بے ہمتا ہے۔ پس اے محبوب! جب سب لوگوں کو تربیت عبودیت میں اپنے ساتھ شریک دیکھو اور اجناس عالم کو اس کی نعمت میں غرق دیکھو تب کہو کہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم یعنی وہ خداوند ساری خلق کا پروردگار ہے اور سب کو روزی بخشنے والا ہے اور ہر موجود کے رزق کی جنس مختلف ہے۔ پھر اے محبوب ایک جہان کو شوریدہ دیکھو کہ ایک نے بدی کی اور دوسرے نے اٹھائی ایک نے بد کہا دوسرے نے سنا۔ ایک نے اپنی آرزوئیں چھوڑ دیں اور دوسرا امید فردا پر رہا۔ ایک ظالم دوسرا مظلوم۔ ایک وافر روزی پانے والا اور دوسرا محروم۔ تو یقین میں در آؤ کہ ان شوریدہ حالوں کا وہی تدارک کرتا ہے اور یہ کارہائے پریشاں اس کے لطف سے نظام پاتے ہیں۔ تب پڑھو مالك يوم الدين یعنی بادشاہ پروردگار اور روزِ شمار کا داور کہ سارے گردنیں اکڑانے والے اس روز سرنگوں ہوں گے اور سارے بے انصاف اس روز ضرورتاً انصاف کریں گے پھر اے محبوب جب ثنا کی قبولیت کو پاؤ تو دل کو فکر دارین سے اٹھالو۔ اور غیب سے حاضر حضور ہو جاؤ۔ اور ثنا کہنے کے مقام سے راز کہنے پر آؤ۔ اور جواب پانے کی خوشی کی امید میں خطاب کی زبان کھولو اور پڑھو ایاک نعبد یعنی میں تجھ کو یگانگی سے پوجتا ہوں اور

یگانگت کے ساتھ پہچانتا ہوں یعنی صدقِ دل سے تیرا بندہ ہوں اور پورے جسم سے تیری عبادت کرتا ہوں، اور بندگی کرنے میں وہ سب کرتا ہوں جو تجھے پسند ہے اور بندہ رہتے ہوئے وہ سب کرتا ہوں جو تو قبول کرلے۔ پس اے محبوب تم یقین جانو کہ بجز اس کی عصمت کی توفیق کے بندہ نہیں ہوسکتا اور نہ بندگی کرسکتا ہے بغیر اللہ کی اعانت کے جو نصرت ہے۔ پس پڑھو ایاك نستعین، اور تجھ ہی سے تیری طاعت کی یاری اور تیری خدمت کی سزا واری چاہتا ہوں اور نہ تیرے علاوہ کسی سے امید وار ہوں۔ اور نہ تیرے سوا کسی کی سزاواری پہچانتا ہوں۔ جب اے محبوب عزِ طاعت میں اپنی نیک بختی پاؤ گے اور اپنی خجستگی اور نیک اختری اس کے شرفِ خدمت میں دیکھو گے تو نعمتِ دوام کے طالب ہو جاؤ گے اور اس دولت کا نظام بن جاؤ گے۔ اور پڑھو گے اهدنا الصراط المستقیم یعنی میرے قدموں کو اس راہ پر ثبات دے اور میرے دل کو یاری بخش۔ یعنی جو کچھ دیکھا ہے اس پر میری حفاظت کر اور جو نہیں دیکھا ہے وہ طرفۃ العین میں دکھا دے۔ یقین جانو کہ راہ چلنے والے کو دلیل چاہیے اور راہ چلنا بغیر پیش رو کے درست نہیں۔ آگے جانے والوں اور مشفق راہ پانے والوں میں زیادہ نشاط پاؤ گے اور ان کے نام سے فالِ سعادت لو تب پڑھو صراط الذین انعمت علیھم یعنی ان لوگوں کا راستہ چاہتا ہوں کہ جن پر تو نے اپنی ہدایت کی نعمت تمام کی۔ اور ان کو اپنی حمایت میں محفوظ رکھا۔ اور اس کے بعد تمام بے رضاؤں سے تبرّا کرو پڑھو غیر المغضوب علیھم یعنی سوائے ان لوگوں کی راہ کے جنہوں نے تیری رضا دیکھی ہے اور تیری دونوں آنکھوں کے سامنے حاضر ہیں۔ و لا الضالین اور نہ ان لوگوں کا راستہ جنہوں نے ہوا کو نشانہ بنایا اور راہ میں نگوں سار ہوئے۔ پھر اے محبوب ثناؤ دعا پر آمین کی مہر لگاؤ۔ آمین کے معنی یہ ہیں کہ بارِ خدایا میری ثنا قبول فرما۔ اور میری دعا کی استجابت فرما۔ اور روایت ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا کہ آمین مومنوں کی دعا و ثنا پر قبولیت خداوندی کی مہر ہے جو جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ فاتحہ کو بھیج کر دو قسم کا فرمان بھیجا کہ آدھا مالك یوم الدین تک میری ثنا ہے اور دوسرا آدھا میرے بندہ کی دعا ہے ایاك نعبد سے و لا الضالین تک۔ فاتحہ کے جو معنی میں نے بھیجے

اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان اور وہ جو میری ثنا ہے وہ ویسی ہی ہے جیسا میرا بندہ مجھے پکارتا ہے اور جو میرے بندہ کی دعا ہے میں ویسا ہی کرتا ہوں جیسا میرا بندہ چاہتا ہے اس کے بعد اے محبوب کوئی سورت ملاؤ اور معانی کے ان اسرار کو جو فاتحہ میں بیان کیے گئے باطن پر گذارو چاہیے کہ حالتِ قیام میں اسرارِ مذکور کے معانی میں مستغرق ہو جاؤ تا کہ کوئی باطل حرکت یا فاسد التفات نہ پیدا ہو تا کہ حال کا جمال تمہیں نہ لے جائے اور تمہارے کام کا فائدہ باطل نہ کر دے۔ تب لازماً حضوری پاؤ گے اور یہ معنی عام عبادت کرنے والوں اور عوام کالانعام (جانوروں جیسے آدمیوں) پر دشوار ہیں۔

مردم از معصیت خود چو کند استغفار   طاعتِ اُو ہمہ مستوجب استغفار است
چہ نہی دل بہ مقامے کہ زِ راہِ تحقیق   راحتش رنج و سرورش حزن و گل خار است
پائے برروئے زمیں از سرِ عبرت نہ ازاں   خاک زیرِ قدمت جملہ گل رخسار است
کشف اسرارِ معانی ز محمد تو مجوئے   کہ رموزِ بخشش کاشف ایں اسرار است

(جب انسان اپنے گناہ سے استغفار کرتا ہے تو اس کی تمام طاعات بھی استغفار کے لائق ہیں۔ اس مقام پر دل کیوں لگاتے ہو جہاں تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ راحت، رنج، سرور و حزن اور پھول دراصل کانٹے ہوتے ہیں۔ جب زمین پر قدم رکھو تو غیرت سے رکھو اس لیے کہ تمہارے قدموں کے نیچے جو خاک ہے کسی زمانے میں گل رخسار تھے بقول غالب۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

مقصود یہ کہ اے محبوب قیام اور قرأت کے بعد نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ سمجھو کہ قیامت کے حساب سے فارغ ہوئے کیوں کہ خواجۂ عالم نے فرمایا ہے حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا (اپنے نفوس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے) سے یہی مراد ہے۔ کیوں کہ اہل حضور کے لیے قرأت نماز کا حال مقامِ حساب کا نمونہ ہے رکوع میں ایسی حالت میں ہو کہ قیامت کے حساب کے بار کی گرانی سے اور حساب کے نتیجہ میں جو تم پر قیام و قرأت کی حالت میں گذرا پیٹھ ٹوٹ گئی۔ کیوں کہ ظاہر کی

شکستگی باطن کا عنوان ہے اور رکوع کی صورت اسی پر اشارہ کرتی ہے کیوں کہ زیر بار ہونے کے لیے ہمت چاہیے۔ تب ہزار شکستگی کے ساتھ تین بار یا کثرت سے سبحان ربی العظیم یعنی سارے عیوب سے پاکی اور سارے ناسزا صفات سے دوری میرے خداوند کے لیے ہے اور خدائے عزوجل اپنے صفات سے بزرگوار ہے اور اپنی نعمت اور رحمت سے پروردگار ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہونے کے لیے سر اٹھاؤ اور سر اٹھانا اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ سمجھو کہ خداوند تعالیٰ نے میری شکستگی پر رحمت کی اور بخش دیا۔ اور سر اٹھانے کے وقت کہو سمع اللہ لمن حمدہ یعنی خدائے عزوجل نے قبول فرمایا اور سن لیا جو اس کی تعریف کی گئی۔ اور کہا گیا سمع اللہ لمن حمدہ، اللہ کا کہنا ہے یہ کلمات حاضری کے متقاضی ہیں۔ کہو کہ ربنا لک الحمد کیوں کہ راز کہنے کی حالت میں بندہ کے لیے حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ سے خواہش کرنا روا نہیں اور اس کے سزاوار نہیں۔ حاضری کے ساتھ ربنا لک الحمد کہو یعنی اے میرے خداوند اور پروردگار ستائش تجھے سزاوار ہے اور سپاس داری تجھے روا ہے کہ تو نے اس وقت جب میں حقیر بھی نہ تھا اپنے کرم سے مجھے نکالا اور میں ناکس ونگونسار اور جھکا ہوا تھا کہ تو نے بزرگوار کیا۔ پس اے محبوب مناجات دل سے کرو کہ اپنے فضل سے مجھے نکالا اور اپنے لطف سے مجھ پر نظر رکھی۔ اب کہ میں نکلا اور تو نے کرم کو نیچے چھوڑ کر کام میرے سپرد کیا۔ دو جہانوں سے ثبوت حاصل کرتا ہوں تب کہو اللہ اکبر یعنی خداوند تعالیٰ بہت بزرگ ہے اور اس کے نزدیک وہ بندہ زیادہ عزیز ہے کہ جو اپنے نزدیک زیادہ ذلیل ہے جو کوئی اپنے نزدیک بزرگ ہو تیرے نزدیک زیادہ نگونسار ہے۔ اور ہر رکن سے دوسرے رکن پر جاتے وقت تکبیر کہنا اس طرح اشارہ کرتا ہے کہ خداوند بزرگوار حال کی گردش سے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے منزہ ہے۔ جیسے اعراض جو منتقل ہوئے اور زوال پذیر ہیں۔ اے محبوب سجدہ میں جاؤ اور حالتِ سجود اپنی قربت ہے یعنی سجدہ کرنا سارے وجود کا ترک کرنا اور اپنی مراد پاتا ہے۔ اور ہوا کی آفت سب سے بڑی ہستی ہے جب سر سجدہ میں لے جاؤ تو ہر سرکشی جو سر میں ہو نکال ڈالو۔ اور بندگی کی داد دو۔ سر کو اس طرح خاک پر رکھو جو کچھ سر میں ہے سب پاک ہو جائے کہ لاکبر مع السجود (سجدوں کے ساتھ غرور

نہیں) اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلی کہو یعنی میرا خدا تمام عیوب سے دور اور سارے ناسزا اوصاف سے پاک ہے اور ساری ثنا و ستائش سے زیادہ بزرگ ہے۔ اور میری ثنا اسی کے لیے ہے۔ پھر جلسہ کے لیے سر اٹھاؤ اور دوسرے سجدہ میں جاؤ اور دوسرا سجدہ پہلے شکر کا بدلہ ہے جب ملائکہ نے سجدہ کی توفیق پائی تو دوسرا سجدہ شکر پہلی توفیق کے لیے کہا اس کے بعد میں نے جیسے پہلی رکعت کے لیے اسرارِ معانی بتائے ہیں چاہیے کہ دوسری تیسری اور چوتھی رکعت بھی ویسے ہی حضور باطن سے ادا کرو۔ کیوں کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اور قلب کی معراج نماز ہے۔ اے محبوب وتر میں دعائے قنوت رات کی عبودیت کی خاتمت ہے جیسے مغرب کی نماز کا وتر دن کی خدمتِ عبودیت کی خاتمت ہے۔ البتہ اے محبوب دوگانی اور چہارگانی نمازیں صفات و حالات خلق کی نسبت سے ہیں۔ یعنی خلق کے سارے صفات کشادہ ہیں یعنی جیسے بقا و فنا، علم و جہل، عزت و ذلت، قدرت و عجز، غنا و فقر، رات کی خدمت عبودیت کو ختم کرنے والی وتر کی وہ ایک رکعت ہے۔ (وتر میں اتمام عبودیت دن کی خدمت کا ہے اور اتمام عبودیت رات کی خدمت کا وہ ایک رکعت ہے) جو حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی صفات کی نسبت ہے یعنی جیسے بقا بغیر فنا، علم بغیر جہل، عزت بغیر ذلت، قدرت بغیر عجز، غنا بغیر فقر۔ ایسا ہے کہ اس رکعت کے ادا کرنے کے بعد بندہ کو خدمتِ عبودیت کے حال سے خلوت کی حاجت ہوتی ہے۔ اچھی طرح غور کرو اور خدا کے علم کو اچھی طرح سمجھو۔ اب جانو کہ تکبیر قنوت کا راز جو اخلاص کے بعد کہتے ہو کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جیسے تکبیر اولیٰ حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی حضوری میں آنا اور خلق سے حرمت اختیار کرنا اور ان کے کہنے سننے سے بھاگنا اور ان سب سے ہاتھ جھٹکنا ہے اسی طرح اے محبوب قنوت کی تکبیر اپنے آپ سے حرمت اختیار کرنا ہے اور اپنا دیکھنا اپنے اوپر حرام کر لینا ہے اور تمام چیزوں اور دارین کی مرادوں کو جھٹک دینا ہے۔ جب کونین کی مرادوں سے خالی ہاتھ ہو جاؤ تو درماندگی اور بے چارگی کی زبان سے اللھم انا نستعینک کہو۔ یعنی بارِ خدایا! ساری خلق اور ساری مدد اور یاری تجھ سے تیری طاعت پر چاہتا ہوں کہ سخت بے چارہ ہوں۔ اور تجھ سے تیری خدمت کی توفیق چاہتا ہوں کہ میں خود درماندہ ہوں۔

و نستغفرك اور آمرزش تجھ سے چاہتا ہوں تیرے عفو اور رحمت کے واسطہ سے کیوں کہ خود مجھ میں کوئی ہنر نہیں یعنی اپنی عمر کے غم میں رہا ہوں۔ تیری توفیق سے بخشش چاہتا ہوں و نؤمن بك اور کہتا ہوں کہ بارِ خدایا تو اور تیری بندہ نوازی کہ میرے گذشتہ سوا تیرے کوئی نہیں بخش سکتا۔ و نتوکل علیك ، یعنی اپنا کام تیرے سپرد کرتا ہوں اور اپنے اختیار کو تجھ پر چھوڑتا ہوں اور چونکہ تجھ پر اعتماد رکھتا ہوں و نثنی علیك الخیر ، یعنی ہمیشہ تیری ثنا کرتا رہتا ہوں۔ اور ساری ثنا سے نیکوتر جانتا ہوں۔ و نشکرك یعنی تیری سپاس داری ساری نعمتوں پر اور تیری فرماں برداری ساری طاعتوں پر کرتا ہوں۔ و لا نکفرك، یعنی جب تیری خلوت آشنائی میں آتا ہوں تو ناشناسوں کے کام نہیں کرتا و نخلع و نترك من یفجرك ، یعنی جو کوئی تیرے فرمان کی راہ میں بے راہی کرتا ہے اور تیرے پیمان میں تباہی ڈالتا ہے اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور خود کو اس کے عہدۂ عہد سے باہر کر لیتا ہوں۔ یعنی شیطان جو تیرے فرمان میں نہیں ہے اس کے فرمان میں نہیں رہتا۔ اور میرا نفس جو تیرے پیمان میں نہیں ہے اس کے پیمان میں نہیں رہتا۔ اللھم اے بارخدایا ایاك نعبد ، یعنی تیری پرستش کرتا ہوں اور بہ ظاہر تیری بندگی کرتا رہوں اور بہ باطن تیرا بندہ ہوں۔ یعنی ہمہ تن وہی کرتا ہوں جسے تو پسند کرتا ہے اور پورے دل سے اسے پسند کرتا ہوں جو تو کرے۔ و لك نصلی و نسجد ، یعنی نماز اور سجدہ تیرے لیے کرتا ہوں۔ یعنی اپنے مرقد کو سوائے تیرے کسی کے سامنے خم نہیں کرتا اور اپنے چہرہ کو کسی کے سامنے زمین پر نہیں رکھتا و الیك نسعیٰ و نحفد و نرجو رحمتك ، یعنی جب ہر فرمان کی راہ پر چلتا ہوں تو تیری رضا ڈھونڈھتا ہوں۔ اور جس امید کے نشان پر چلتا ہوں تیری ہی طرف چلتا ہوں۔ اور تیری بخشائش اور رحمت سے امید رکھتا ہوں گو کہ بد کردار ہوں۔ و نخشی عذابک عذاب کے دن اور تیری عقوبت سے ڈرتا ہوں کیوں کہ اپنے کیے میں گرفتار ہوں ان عذابك بالکفار ملحق ، یعنی صحیح ہے کہ تیرا عذاب تیرے دشمنوں پر پہنچا ہے اور تیرے دوستوں کے لیے یہی دنیا کا فراق کافی ہے۔

اے محبوب جو چیز سب کے اتفاق سے رکن آخر ہے وہ نماز کا آخری قعدہ ہے اور قعدہ کبھی راز و نیاز ہوتا ہے، اور تحقیق سے قعدۂ اول استراحت کے لیے واجب ہے۔ اور قعدۂ اخیر

فرض ہے اللہ کی تمکین اور کرامت کے لیے راز کھولنے اور حاجت پوری کرنے کے لیے نماز کے کسی رکن میں بندہ پر شرم وخجالت ایسی لازم نہیں جیسی کہ قعدہ میں۔ کیوں کہ جب دستوری خدمت کی حالت بندہ پر ظاہر ہوتی ہے تو فروتنی اور خجالت بڑھ جاتی ہے اور قعدہ کی اصل یہ ہے کہ جب حضرت رسالت علیہ السلام شب میں سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً کی انتہا کو پہنچے تو فرمان ہوا کہ اجلس یا حبیبی وقل ثنائی یعنی اے میرے محبوب بیٹھ جاؤ اور میری ثناء کہو اس کے بعد حضرت رسالت علیہ السلام عاجزی سے معترف ہوئے اس کے بعد خزانۂ لطیف سے ان کے منہ میں کوئی چیز ٹپکائی گئی اور التحیات للہ کی تلقین کی مدد سے ان کی فصیح زبان نے شیرینی چکھی۔ تحیت ملک ہوتا ہے اور بقائی یعنی بلا جھگڑے کی بادشاہی اور بے عنایت ہمیشگی صرف خدائے عزوجل کے لیے ہے۔ اور اے محبوب التحیات لفظ جمع سے اس لیے آیا کہ سارے بادشاہوں کا ملک اسی کا دیا ہوا ہے اور سارے بندوں کی بقا اسی کی عطا ہے۔ والصلوٰت یعنی ساری ثنائیں ہمیشہ اور پیوستہ والطیبات یعنی ساری اچھی اور پاکیزہ باتیں اور پسندیدہ ستائش بھی خدائے عزوجل کے لیے ہیں۔ جب حضرت رسالت علیہ السلام نے ثنا کہی تو حضرت عزت جلت قدرتہٗ سے عطا پائی۔ اور سلام ورحمت وبرکات کا خطاب سنا کہ السلام علیك ایها النبی یعنی مجھ حضرت کی جانب سے سلام اور میرے غصہ اور میری عقوبت سے تم پر امان۔ اے میری خلق کو میری وحدانیت کی خبر دینے والے اور اے میری تربیت سے نکلے ہوئے بلند ہمت اور اللہ کی رحمت اور میری رحمت اور بخشائش تمہارے لیے اور ہمیشہ رہنے والی اور بڑھنے والی برکتیں اور نعمتیں میری بخشش سے اس کے بعد مہتر عالم علیہ السلام کو مہتری کے مہر اور کہتر پروری کی ہمت نے اپنی دولت کے دل بستگان کو نہ چھوڑا یعنی متقدمین اور متاخرین خادموں اور چاکروں کو یاد فرمایا۔ جو ہدیہ حضرت جلت قدرتہ سے ملا تھا اس کو مشترک فرمایا اور کہا السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اس کے ملائکہ زمین وآسمان کو الہام ہوا کہ ایک بار اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله کہہ اٹھے۔ پس اے محبوب چاہیے کہ تشہد کے وقت دل کو معراج میں رکھے اور ہمت کی آنکھ وہاں کھولے اور ایسا سمجھے التحیات للہ کی ثنا حضرت

عزت جلت قدرتہٗ پر کہہ رہا ہے اور السلام علیک کی تشریف اجابت بے واسطہ سن رہا ہے۔

کیوں کہ حضرت رسالت علیہ السلام کے لیے معراج شخصی تھی اور ان کے چاکروں کے لیے معراج قلبی ہے الصلوٰۃ معراج القلب رزقك الله تعالی هذه الحضورات المذكورات آمین آمین بحرمة النبی و آله (نماز دل کی معراج ہے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی یہ حضورات مذکورات (مذکورہ بالا حضوری) عطا فرمائے۔ بحرمة النبی آلہٖ

فقد طاعت اگر این است بغایت ہزل است یا چنیں نقد کہ ماراست مقامِ خجل است
نفسِ خویش بہ غفلت مبَر آور پس ازیں اے برادر کہ نفس گوہرِ بس بے بدل است
وگر انگشت بہ شیرینیٔ دنیا بزنی فعلِ اوٗ زہر بود گرچہ بہ صورت عسل است
سعد و نحس اند ازو حکم خداداں ومگو کہ ز خاصیت تاثیر کواکب زحل است
ہر چہ بینی تو ازو بیں و مرنج از دگراں زاں کہ نیکی و بدی ہر دو بہ حکم ازل است
چون محمد بکند فکر دریں نکتہ کہ گفت ہمہ اندیشہٗ و رنج دل اوٗ زیں قبل است

(فقد طاعت یہی ہے جو دل سے ہو نہ ایسی طاعت جو ہمارے لیے شرمندگی کا باعث ہو۔ جو سانس لو وہ غفلت کی سانس نہ ہو اس لیے کہ اے بھائی ہر سانس ایک گوہر بے بدل ہے۔ اگر تو دنیا شیرینی سے لذت گیری کے لیے انگلی مارتا ہے تو یہ شیرینی دنیا یا حلاوت دراصل زہر ہوتی ہے اگرچہ وہ بہ ظاہر شہد نظر آتا ہے۔ سعد و نحس دونوں خدا کے حکم سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ زحل ایسے کواکب کے اثرات کی خاصیت سے پیدا ہوتے ہیں جو کچھ تم دیکھتے ہو یا تم پر گذرتی ہے اسے خدا کی جانب سے سمجھو اور کسی سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

کیوں کہ نیکی اور بدی حکم ازلی کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہیں جب محمدؐ نے اس نکتہ پر غور کیا تو اسے یہ منکشف ہوا کہ اس کے دل کا تمام رنج و فکر اسی وجہ سے ہے) فقط

بتیسواں مکتوب

(نوروجنون)

نیست چیزے بہتر از دیوانگی　　بگسلد صد لشکر از دیوانگی
اے بسا کافر شدہ از عقلِ خود　　ہیچ دیدی کافر از دیوانگی
وہ چہ محرو مند از احسانِ اوُ　　عالمانِ ظاہر از دیوانگی
من برائے ''شیخن'' از باطن زِسر　　برکشادم صد در از دیوانگی
چوں کہ شد مجنوں محمدؐ اے دلم　　زود بستاں ساغر از دیوانگی

(دیوانگی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ دیوانگی سیکڑوں لشکروں کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ معلوم نہیں کتنے لوگ اپنی عقل سے کام لینے کے باعث کافر ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی دیوانگی کی حالت میں کافر ہو جائے ہائے افسوس علمائے ظاہر دیوانگی کے احسان سے کیسے محروم رہ جاتے ہیں۔ میں نے شیخن کے لیے دیوانگی کے ذریعہ نہ جانے کتنے رازوں کے دروازے کھول دیے۔ چونکہ محمدؐ مجنوں ہو گیا اس لیے اے دل جلد از جلد دیوانگی کا جام پی لے اور بے خود اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جا)

مقصود یہ کہ اے محبوب! الجنون نور من جوهر العشق والعشق نور من جوهر العقل والعقل نور من جوهر السمٰوات والسمٰوات نور من جوهر الكرسى والكرسى نور من جوهر العرش والعرش نور من جوهر القلب والقلب نور من جوهر الروح والروح نور من جوهر السر الصمدية جلت قدرته والسر نور من نور محمدؐ والنور محمد جوهر من ذات الله تعالىٰ، الانسان سرى بنيانى سألت عن قطب العالم قدس الله سرهٗ العزيز، ما الانسان نور ، كما قال على كرم الله وجهه،

سمعت عن رسول الله ﷺ انه قال الانسان نور فهو ذات البشر فذاته نور من ذاتی و ذاتی نور من ذات الله تعالیٰ

(جنون ایک نور ہے عشق کے جوہر میں سے اور عشق ایک نور ہے عقل کے جوہر میں سے اور عقل آسمانوں کے جوہر کا نور ہے اور آسمان کرسی کے جوہر کا نور ہیں اور کرسی عرش کے جوہر کا نور اور عرش قلب کے جوہر کا نور اور قلب روح کے جوہر کا نور اور روح حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کے سِر کا جوہر اور سِر نور ہے، محمد ﷺ کے نور سے اور نورِ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات کا جوہر ہے۔ انسان میرا سِر اور بنیاد ہے، میں نے قطب عالم قدس اللہ سرہٗ سے عرض کیا کیا انسان نور ہے جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں نے سنا نبی ﷺ سے آپؐ نے فرمایا انسان نور ہے وہ ذاتِ بشر ہے۔ اس کی ذات میری ذات کا نور ہے۔ اور میری ذات اللہ کی ذات کا نور ہے)

جنون ایسا نور ہے کہ اُس نور سے اُس حضرت سے وِصال ہوتا ہے ؎

گفت کہ دیوانہ نۂ لایقِ این خانہ نۂ
رفتم و دیوانہ شدم لائقِ ایں خانہ شدم

(اس نے کہا تم چوں کہ دیوانہ نہیں ہو لہٰذا اس گھر کے لائق بھی نہیں ہو (میں یہ سن کر) گیا اور دیوانہ ہو گیا یہاں تک کہ اس گھر کے لائق ہو گیا) اور اے محبوب جب تک لوگوں کے نزدیک دیوانے نہ ہو گے اللہ کے نزدیک ہوشیار نہ ہو گے جب مجنون ہو گے نور ہو جاؤ گے کہ المومن نور و الجنون نور (مومن نور ہے اور جنون (بھی) نور ہے) نورٌ علی نور کی خلعت پہن لی ؎

ویں بوالعجبی بہ بیں کہ از بادۂ عشق
ہشیار گہے شوی کہ مست شوی

(اس بوالعجبی پر غور کرو کہ شرابِ عشق سے تم اس وقت ہوشیار ہو گے جب تم پر مستی طاری ہو گی (یہ عشق کی کارفرمائی کا صدقہ ہے) اللہ تعالیٰ نے ان سب مذکورہ نوروں کو اپنے کلام میں مجمل بیان فرمایا ہے کہ اللہ نور السموات و الارض (اللہ آسمانوں اور

زمین کا نور ہے) محمد ﷺ کی ذات جو اللہ کا اسم ہے موجودات کی مصدر ہے اور نور سے اول ماخلق اللہ تعالیٰ نوری (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) کی جانب اشارہ ہے۔ یعنی اظہر اللہ تعالیٰ نور محمد ﷺ ومظہر السمٰوات والارض وما بینھما من العرش الی الثریٰ "کمشکوٰۃ فیھا مصباح، المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا". (۲۴/۳۵)

(اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا نورِ محمد ﷺ کو اور آسمانوں و زمین کے مظہر کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عرش سے تحت الثریٰ تک جیسے طاقچہ میں چراغ ہو اور وہ چراغ ایک قندیل میں ایسی (صفاف و شفاف ہو) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارہ ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل الخ) یعنی اے محبوب! ان سب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت علیہ السلام کے وجودِ مبارک کی صفت (قرار دے کر) ان نشانیوں سے بیان فرمایا ہے۔ بے چارے علمائے ظاہر اس آیت سے کیا سمجھتے کہ علمِ خدا سے محروم ہیں ؎

علمِ الٰہی آں کہ بود موجب وصول   دروَے نہ کرد خوض کس الا کہ اولیاء
یسمرغ قافِ قرب شود در فضائے قدس   ایں موہبت بہر کہ خدامی کند عطا
کردی چو نورِ ذات بہ دار البقاءِ وصل   آں دَم کہ از صفاتِ خودی چوں شوی فنا
گردی چو آفتاب زِ انوارِ نورِ ذات   چوں مشتری شوی تو بہ بازارِ ایں منا

(علم الٰہی جو وصول کا سبب بنتا ہے اس میں سوا اولیاء کے کوئی غور و خوض نہیں کرتا۔ فضائے قدس کے قافِ قرب کا سیمرغ ہونا اسی کو نصیب ہوتا ہے جسے خدا یہ تحفہ عطا فرمائے۔ وصل کے دار البقاء میں تم اس وقت نورِ ذات کے ہم مثل ہو جاؤ گے جب تم صفاتِ خودی سے پاک ہو جاؤ گے۔ نورِ ذات کے انوار سے منور ہو کر تم آفتاب بن جاؤ گے۔ اور اس بازارِ منا میں تم مشتری کے مانند ہو جاؤ گے)

مقصود یہ کہ اے محبوب! نور تین طرح پر ہے۔ پہلا مرتبہ نورِ حقیقی مطلق ہے اور

دوسرا ظلمت ہے اور تیسرا اضیاء ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ نورِ مطلق مجرد ہے اور اس کے اضافات غالب ہیں۔ کیوں کہ وہ ہویت مطلق کا عین ہے۔ اور عتبۂ بارگاہِ جناب حضرت صمدیت اس سے بلند ہے کہ کسی مخلوق کی فہم و عقل آنحضرت کے پردہ ہائے جلال تک پہنچ سکے۔ کیوں کہ لاتدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار (۶/۱۰۳) (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے) البتہ اس نور کی رویت تنزل کی حالت میں مظاہر تعینات میں جو مراتب نسبت اور اضافات اور اوصاف کے حجاب ہیں ممکن ہے اور دوسرا مرتبہ ظلمت ہے جو نور کے مقابل ہے وہ بھی تین طرح پر ہے۔ پہلی نوع ظلمتِ حقیقی ہے کہ اس کی رویت کسی طرح ممکن نہیں اور وہ عدم محض ہے۔ دوسری نوع جہل کی ظلمت ہے جس کی رویت گو بصر کے حس سے ممکن نہیں لیکن نورِ بصیرت سے اس کی فتح کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ تیسری نوع ظلمتِ محسوس ہے۔ جیسے ظلمتِ شب اور منازلِ مظلمہ کی تاریکی جو حس سے ادارک کی جاتی ہے اور وہ مراتب ظلمات امکان ہیں تنزل کی وجہ سے نورِ مطلق ہے اور اس کا اتصال انوارِ حقیقی ہے اور تیسرا مرتبہ ضیاء ہے اور یہ حضرت نور وظلمت کا جامع ہے اور وجود وعدم کے درمیان ان دونوں اطراف کی حقیقت بن گیا ہے کیوں کہ نورِ وجود کی صفت ہے۔ اور ظلمت عدم کی صفت ہے۔ اور اس جہت سے بھی کہ ممکن کی اصل کو ظلمت کے وصف سے (تعبیر کرتے ہیں) کیوں کہ نورانیت کی وہ مقدار جو ممکن کو حاصل ہے وہ وجود کے سبب سے ہے جس کے واسطہ سے اس نے کتمِ عدم سے ظہور کیا ہے۔ عدم کی جہت سے اس کی ظلمت اس کی موت ہے۔ جیسے اس کی نورانیت نورِ وجود سے استفاضہ کی وجہ سے ہے۔ اور جو نقص بھی ممکنات سے ملحق ہوتا ہے وہ عدمیت کے احکام کے سبب سے ہوتا ہے حضرت رسالت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق فی ظلمتہ ثم رش علیھم من نورہٖ (اللہ تعالیٰ نے خلق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کا چھڑکاؤ کیا) بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے میں اس محل پر تقدیر کے معنی مراد لیتا ہوں یعنی تقدیر سابق ممکنات پر جود کے خزانہ سے نورِ وجود کا اضافہ ہے۔ اور یہی ایجاد قدس نور کا کنایتاً راز ہے۔ اے محبوب! جب یہ معنی مقرر ہو گئے تو جانو کہ عدمِ حقیقی جو وجودِ مطلق کا مقابل ہے اور بجز تعقل کے واسطہ کے متحقق نہیں ہے اور وجود کا ادراک جو نورِ مطلق ہے

بجز تنزل کے واسطہ کے ممکن نہیں ہے اور عدم کی تربیت مثال کے تعقل کی رؤ سے ابتدا ہے۔ کیوں کہ وجود کے انوار کی تجلیات کے قابل ہے اور دونوں اطراف سے (یعنی وجود و عدم یا نور و ظلمت) ضیاء ہے کہ اس کی حقیقت عالمِ مثالی ہے اور نورِ مطلق کا جمال اس عالم میں ادراک کرنا چاہیے۔ کیوں کہ عالمِ ارواح اور جو کچھ اس کے ماوراء ہے وہ ملکوت اور جبروت سے نور کے صفات ہیں۔ اور عالمِ اجسام اس ظلمت کی چھت ہے جو تم میں ہے۔ اور عالمِ ضیاء عالمِ اجسام اور عالمِ ارواح کے درمیان یعنی متوسط بین العالمین ہے اور ان دونوں عالموں میں ہر ایک سے مناسبت اور تشبہ رکھتا ہے۔ اور افراد اور مراتب عالمِ اجسام وارواح کے اعیان میں سے ہر عین ذات اس مناسبت کے واسطہ سے جو وہ اس عالم سے رکھتا ہے۔ قوت اور ضعف کے ساتھ اس عالم میں جولانی کرتا ہے اور اپنے عالم کے اسرار کے حقایق خیال کے میدان کو دیتے ہیں اور وجود کے آئینہ میں اسرار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ چوں کہ ہویت غیب مطلق نور حقیقی ہے اور نور کی رویت کا کمال اس کی ضد کے وجود پر موقوف ہے۔ وہ ظلمت ہے پس مختلف عالموں کی ایجاد حق تعالیٰ کی ارادت سے تعلق کا موجب ہے (اور وہ موجب) وحدت کی رؤ سے آثارِ عظمت اور احکامِ قدرت کا رویت کے کمال کے مطابق ہونا ہے۔ اور مراتب شان میں اس کے ظہور کی رؤ سے اور شان بجز ہر مرتبہ میں ظہور کے حاصل نہیں ہوتی۔ اور وہ دن رات مراتب میں سے ایک ہی شان میں ہے۔ اور وجود میں شان ہر مرتبہ معین کی استعداد اور قابلیت کے مطابق شان مقید ہے۔ رویت کا کمال سارے مراتب و شان میں ظہور پر موقوف ہوا۔ اور چوں کہ اختلاف شان اعیان کے مراتب اور ان کی استعدادات اور قابلیاتِ مراتب اطلاق اور تعین و تقید اور تفاوت میں ہر ایک کی خصوصیات لامتناہی ہیں۔ ضروری ہوا کہ عدم انحصار ظہورات حق کے دوامِ تنوع کا مختلف عالموں میں مستلزم ہو گو کہ اعیان کے مراتب اور شانوں کی کثرت افراد واشخاص کے اعتبار سے غیر متناہی تعینات پیدا کرتی ہے۔ لیکن وجہ کلی ظاہر اور باطن دو عالموں میں محصور ہے۔ اور ظہور و بطون کے سارے مراتب کا امتیاز اعتدال اور انحراف اور ظہور مظاہر نتائج اعتدالات اور انحرافات پر مبنی ہے۔ اور چاروں عالموں کے منازل کی سیر کے واسطہ سے کمال کو پہونچتا ہے۔ اول عالم معنوی، دوسرا عالم روحانی تیسرا مثالی۔

چوتھا حسی، جب تک دریائے وحدت نورِ حقیقی کی موجوں کا تلاطم صحرائے عالمِ مثال مطلق کو مٹا کر مراتب جبروت تک نہ پہونچے محبت کے پیاسوں اور مودت کے طلبگاروں کو زلال اسرار حضرت صمدیت کا نور محظوظ نہیں کرتا۔ اور ہویتِ غیب کا آفتاب فلکِ کبریا کے اُوج سے منازل وجود میں غروب نہ ہو۔ اعیانِ مقید کے خفافیش (چمگادڑ) اسماء وصفات کے ستاروں سے انوارِ ہدایت کا استفاضہ نہیں کرسکتے۔ اے محبوب! ضیاء دو طرح پر ہے ایک نورِ محسوس جو نفس کے ساتھ ظاہر ہے اور مظہر لغیرہٖ ہے اور اشکال والوان سے مظہر لغیرہٖ ہے۔ اور دوسرا نور نوع لطیف ہے کہ وہ کسوتِ خیال میں اسرارِ غیب کا مظہر ہے۔ اور وہ عالم مثال مطلق ہے۔ اور عالمِ مثالِ مطلق کے دو رُخ ہیں۔ ایک رخ ذاتی اور دوسرا مخصوص بہ مقیدات عالمِ خیال اور نوعِ انسان اور خلائق میں سے ہر خیال کرنے والا خیالاتِ مقید میں سیر اور خیال مقید کے واسطہ سے ملکوتی علوم کا اکتساب اور جبروتی اسرار کا اقتباس عالم مثال اور عدم میں کرتا ہے۔ اور ان کی قوت اور ضعف کے درجات اتنے ہیں کہ ان کا بیان ممکن نہیں۔ اور آپ کو یہ سب مشاہدہ میں معائنہ ہوں گے۔ کیوں کہ یہ نور اور تجلیات اور تمثیلات کا عالم اس طائفہ کا نہایت کار ہے کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ الناس علی ثلثة اقسام، قسم یشبهون البهائم وقسم یشبهون الملائکة وقسم یشبهون الانبیاء، یعنی قسم اول اہل دنیا ہیں اور دنیا سے مستفید ہونے والے ہوائے نفس پر ہیں اور دوسری قسم اہل جنت ہیں جو بقاء کی نعمت میں مشغول ہوئے اور تیسری قسم اہلِ رویت ہیں کہ سوائے رویت کے ان کے لیے کوئی دوسرا معاملہ نہیں ؎

قدح چوں دورِ من آید بہ ہشیارانِ مجلس دہ
مرا بگذار تا حیراں بمانم چشم در ساقی

(جب مجھے پانے کی باری آئے تو میرا پیالہ ہوشیارانِ محفل کو دے دو (اور) مجھ کو ساقی میں گم ہو جانے دو)

اس حال کے مجنوں کئی طرح پر ہیں۔ بعض ساقی کے مجنوں، بعض پیالہ کے مجنوں بعض قرابہ کے مجنوں اور بعض راہِ عشق کے مجنوں ؎

مستِ من چوں بادہ نوشی جرعۂ بر من بریز   دُردِ جامِ خود برایں رسوائے تر دامن بریز

خلعت رنگیں است واجب گر کشم نیمے سبوٗ   نیمۂ دیگر برایں دستار و پیراہن بریز

(اے میرے مست! جب تو بادہ نوشی کرے تو ایک جرعہ مجھ پر بھی ڈال دے۔ اپنے جام کی تلچھٹ اس رسوائے تر دامن پر انڈیل دے۔ اگر میں آدھا سبوٗ پیوں تو میرے لیے رنگین خلعت ضروری ہے۔ دوسرا آدھا سبوٗ اس پیراہن اور دستار پر پھینک دے) اے محبوب! نیمۂ سبو نصف حال باطن کے سرایت کرنے سے عبارت ہے اور دوسرا (آدھا سبوٗ) نیمہ احوال ظاہر کے مراتب سے۔ جنوں کا جام بعض کو عین الیقین کے طور پر اور بعض کو حق الیقین کے طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ذلك فضل الله یو تیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے) (جتنا لکھتا ہوں اتنے ہی اشکال سامنے آتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کو اور آپ کو زندگی بخشے تا کہ بحر المعانی اور دقایق المعانی آپ پر مرتب ہو جائے بحرمۃ النبی و آلہٖ

اے صورتِ تو جہانِ معنی   یک صورتِ تست جانِ معنی
یک شاخ گلے نہ بست صورت   مثلِ تو بہ بوستانِ معنی
از صورتِ تست خاطرِ ما   بینند در اوٗ نشانِ معنی
ہر عضو کند بہ صد زباں پیش   از صورتِ تو بیانِ معنی
دَر صورتِ وصفِ تو محمدؐ   تا حشر نہادہ خوانِ معنی
دَر صورتِ حالِ من نظر کن   اے بادشہِ جہانِ معنی

(اے وہ کہ تیری صورت جہانِ معنٰی ہے اور تیری ایک صورت جانِ معنٰی ہے۔ معنی کے گلستاں میں تیرے مثل کسی شاخ نے کوئی پھول نہیں کھلایا۔ ہمارے دل تیری صورت دیکھ کر معانی کے نشان حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تیری صورت سے زیادہ تیرا ہر عضو سیکڑوں زبانوں میں معانی بیان کرتا ہے۔ محمدؐ نے تیرے اوصاف کی صورت میں حشر تک کے لیے معانی کا دستر خوان پھیلا رکھا ہے۔ اے جہانِ معنٰی کے بادشاہ۔ میری صورتِ حال پر نظر کر۔) فقط

تینتیسواں مکتوب

(اسرار کے بیان میں)

رَو کہ امروز در آفاق نہ داری یارے　　صَد دل آویختہ در زلفِ تو در ہر تارے
ہر دلے از دل عشاق یکے ناقوسے　　ہر خمے از خمِ زلفِ تو یکے زنارے
دِل بہ صد جاں بَہ سرِ زلف تو بستم یعنی　　نیست در ہر دو جہاں جز تو مرا دلدارے
گُل صَد برگِ چمن راچہ محل پیش رخت　　اے زعکس رُخت خاک درت گلزارے
چشم من گر بجز از رویٔ تو در کس نگرد　　باد در دیدۂ من ہر مژۂ چوں خارے
صفت جملہ نگارانِ پری روئے چوں گل　　پیش نقشِ رخِ تو صورتِ ہر دیوارے
سود سرمایہ محمدؐ بہ زیاں نیست بداں　　کرد سودائے رخت بر سرِ ہر بازارے
ہر کہ آں حسن و جمال تو بہ بیند گوید　　جز تمنائے وصالِ تو نہ دارد کارے

(جا کہ آج دنیا میں تیرا کوئی دوست نہیں اور تیری زلف کے ہر تار میں سیکڑوں دِل آویزاں ہیں۔ عشاق میں سے ہر عاشق کا دل ایک ناقوس بن گیا ہے۔ تیری زلف کے ہر خم کا تار زنار کا کام کر رہا ہے۔ تیرے سر زلف سے میں نے سو جان سے دل باندھ رکھا ہے (بہ الفاظ دیگر) دونوں جہانوں میں تیرے سوا میرا کوئی دلدار نہیں ہے۔ تیرے چہرے کے سامنے چمن کے گُل صد برگ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور تیرے رُخ زیبا کے عکس سے تیرے دَر کی خاک گلزار کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ اگر میں تیرے چہرہ کے سوا کسی اور پر نظر ڈالوں تو میری ہر پلک آنکھ میں کانٹا بن جائے۔ تمام پری چہرہ محبوبوں کے پھول جیسے چہرے تیرے رخ روشن کی تصویر کے مقابلے میں تصویر دیوار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ محمدؐ کے سرمایہ کے فائدہ میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اس نے تیرے چہرہ کا

سودا ہر بازار میں کر کے دیکھ لیا۔ جو بھی تیرے حسن و جمال کو دیکھتا (دیکھے) یہی کہتا ہے (کہے گا) کہ مجھے تیرے وصال کی تمنا کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے)

مقصود یہ کہ اے محبوب! عشق کے تین حرف ہیں۔ عینؔ، شینؔ، قافؔ۔ البتہ اے محبوب! حضرت عزت جلت قدرتہٗ کے لطف کی صفت سے قیامت کے دن حضرت رسالت علیہ السلام کی امت کے تین گروہ ہوں گے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخيرات باذن الله ذلك هو الفضل الكبير، (۳۵/۳۲) (ان میں سے کچھ اپنے نفس کے لیے ظالم ہیں اور کچھ میانہ رو۔ اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہ بہت بڑا فضل ہے) گروہ اول ظالمان نفس ہیں جن کا ذکر کیا گیا ان کے بارہ میں عشق کا حرف عین دلالت کرتا ہے یعنی ان کے رستگاری عنایت سے ہوگی۔ دوسرا گروہ مقتصد یعنی میانہ رو ہیں۔ ان کے بارہ میں عشق کا حرف شین دلالت کرتا ہے حضرت رسالت علیہ السلام کی شفاعت پر کیوں کہ فرمان ہوگا کہ اے حبیب میانہ رو کی شفاعت کرو۔ تیسرا گروہ سابق الخیرات والطاعات کا ہوگا اس کے بارہ میں عشق کا حرفِ قاف قرب خداوند عز وجل پر دلالت کرتا ہے کہ فی مقعد صدق عند مليك مقتدر (۵۴/۵۵) (پاک مقام میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں) اس آیت میں چند مشکلیں ہیں لیکن آپ کے واسطہ سے ان کو لوگوں کے لیے حل کرتا ہوں۔ پہلی مشکل یہ ہے کہ ظالم کی مقتصد پر اور مقتصد کی سابق مذکور پر تقدیم ہے۔ گروہِ ظالم کی تقدیم اس سبب سے ہے (کہ) علمائے ظاہر نے تفسیر کی دلیل یہ دی کہ الظالم وان كان مقدما فی الذكر فهو مؤخر فی الحقيقة لان الله تعالیٰ وعدلهم الجنة والسابق اقرب فی الذكر من الظالم، الا ترى انه قال ومنهم سابق بالخيرات باذن الله ذلك هو الفضل الكبير، ثم قال جنات عدن يدخلونها فصار الظالم العبد فی الذكر من الجنة والبداية بالذكر لا يوجب لتفضيل كما قال الله تعالیٰ منكم كافر ومنكم مومن ومثله فی القرآن كثير، (ظالم کا ذکر اگرچہ مقدم کیا گیا لیکن حقیقتاً وہ مؤخر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور سابق ذکر میں ظالم سے زائد قریب ہے۔ کیا تم اس کے فرمان کو نہیں دیکھتے کہ ومنهم سابق بالخیرات باذن الله، پھر فرمایا ان کے لیے بہشت جاودانی ہے جن میں وہ داخل ہوں گے۔ پس ظالم لنفسہٖ جنتی ہو گیا۔ اور (اگرچہ) اس کا ذکر (تعریف) مقدم کی گئی۔ لیکن اس سے اس کی فضیلت واجب نہیں ہوتی جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور اسی کے مثل قرآن میں بہت آیا ہے۔ (یعنی اس سے کافر کی مومن پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی) پس اے محبوب! سر کی رؤ سے اس فقیر کی تفسیر یہ ہے کہ الظالم وان کان مقدما فی الذکر عن العنایة من عبدنا ثم قال عزوجل واقرب فی الخطاب المخصوصیة الکرامة الا تریٰ انه قال ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبدنا ثم قال عزوجل فمنهم ظالم لنفسه ومنهم سابق بالخیرات فا الظالم فی الذکر اقرب الی الخطاب المخصوص وهو من عبادنا والثانی اصطفینا السابق والمقتصد بعدها فی الذکر الخطاب المخصوص واقربهما بالجنة لان الجنة مقام الباهیین کما قال علیه السلام، اکثر اهل الجنة البله، (ظالم گو کہ عنایت کی وجہ سے ہمارے بندوں میں سے ذکر میں مقدم ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ وہ کرامت خاص کے خطاب میں زائد قریب ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے کتاب کا وارث اپنے اس بندہ کو کیا جس کو ہم نے برگزیدہ کیا۔ پھر فرمایا کہ ''ان میں سے بعض اپنے نفس کے لیے ظالم ہیں اور بعض میانہ رو اور بعض نیکیوں میں آگے نکل جانے والے۔ اور ظالم ذکر کے سلسلہ میں مخصوص خطاب کی جانب زائد قریب ہے۔ اور وہ ہمارے بندوں میں سے ہے اور دوسرا سابق ہے جس کو ہم نے برگزیدہ کیا اور مقتصد اس کے بعد ہے ذکر کے سلسلہ میں مخصوص خطاب کے ساتھ اور ان دونوں کے مقابلہ میں جنت سے زائد قریب ہے کیوں کہ جنت بھولے لوگوں کا مقام ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''بیشتر جنت والے بھولے ہیں'') پس اے محبوب! کل سیاہ روؤں کو دیکھو گے جو اپنے عذر اور پشیمانی کی وجہ سے ماہ رؤ ہو جائیں گے۔ جانتے ہو کہ من عبادنا کیسی تخصیص ہے۔ چنانچہ کل جب شیطان ظالمانِ نفس کو دیکھے گا تو خوش ہوگا کہ یہ میرا گروہ ہے جو میرے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمان دے گا

کہ ان عبادی لیس لك علیهم بسلطان (۴۲/۱۵) (یہ میرے بندے ہیں جن پر تیرا غلبہ نہیں) یہ بھی مخصوص خطاب ہے۔ کیوں کہ ان مبالغہ کے لیے ہے اور ریاء تقرب ہے جیسے کہ المثال مصابیح الاقوال (مثال اقوال کے چراغ ہیں) اگر کسی کو عنایت کی حمایت میں لیتا ہے تو اس کو بے حمایت کارکنوں پر فضل دیتا ہے۔

واں جا کہ عنایت تو باشد باشد
ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

(جس جگہ تیری عنایت ہوتی ہے وہاں ناکردہ کام کردہ کام اور کردہ کام ناکردہ کام کی شکل اختیار کر لیتا ہے)

پس اے محبوب! جب قلم اس جگہ پہنچا تو بہت سے مدارج اور بیشمار معارج نمودار ہوئے۔ اگر لکھتا تو آج بھی میرا خون بہادیتے لیکن عنقریب بہادیں گے۔ اس سبب سے قلم نہ چلا۔ البتہ امید ہے کہ بحر المعانی کے مطالعہ سے آپ مذکورہ مدارج اور معارج مشاہدہ ومعاینہ کریں گے۔ اور اس سے متجلی بھی ہوں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کلما اذدادوا جریمة زادلهم الله رحمة (وہ جتنا جرم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اتنی ہی رحمتیں ان پر نازل فرماتا ہے) بے چارے علمائے ظاہر کلامِ ربانی کے اسرار اور بحر المعانی کے ضمائر سے محروم ومحجوب ہیں۔

زِ دانشہائے ظاہر ہر چہ آرند   بہ پیش نکتۂ توحید معدوم
ہمہ لہو است لیکن کود کانہ   بہ نزدِ ما کہ در دنیہا است مرسوم
دراں شہرے کہ ترک عشق خوں ریخت   نیابد داد آں جا ہیچ مظلوم
ہرآں حرفے کہ پوشیدہ است معنی   زلوحِ عارض خوباں است مفہوم

(ظاہری عقل ودانش سے جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں۔ توحید کے نکتہ کے آگے وہ سب معدوم ہیں۔ یہ سب کودکانہ بچکانہ لہو ولعب میں اور ہمارے نزدیک یہ صرف رسمی باتیں ہیں۔ جس شہر میں تُرکِ عشق نے خون بہایا وہاں کسی مظلوم کو انصاف حاصل نہیں ہوتا۔ ہر وہ حرف جس میں معنی پوشیدہ ہے اس کو محبوبوں کے عارض کی لوح سے سمجھا جا سکتا ہے) اہل

ظاہر فمنکم کافر ومنکم مومن (۲/۶۴) (تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن) کی آیت کو ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا (۳۲/۳۵) (پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث کیا جن کو ہم نے برگزیدہ کیا) پر گواہ لائے ہیں تو اس آیت سے پہلے ھو الذی خلقکم (وہ جس نے تم کو پیدا کیا) کی آیت مذکور ہے۔ پھر فرمایا فمنکم کافر ومنکم مومن، یہ پہلی خلعت ہے اور نہ اسلام ہے نہ کفر۔ اسی لیے نفی کا ذکر مقدم کیا جاتا ہے تب اثبات درست ہوتا ہے۔

کفر وایماں قرین یک دگر اند هر کرا کفر نیست ایماں نیست
اولاً کفر باید اے درویش ورنہ بے کفر کس مسلماں نیست

(کفر وایمان ایک دوسرے سے قریب ہیں جس میں کفر نہیں اس میں ایمان بھی نہیں (جو کافر نہیں وہ ایماندار بھی نہیں) اے درویش انسان میں پہلے کفر کا ہونا ضروری ہے ورنہ بغیر کفر کے مسلمان نہیں ہوسکتا)

اور اس آیت میں دوسری شکل یہ ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن میں جہاں کہیں ظالموں کا ذکر ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد کافر ہیں۔ لیکن ایک حدیث جو مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ السابق والمقتصد یدخلن الجنة بغیر حساب ومع الظالم یحاسب حسابا یسیرا ثم یدخله الجنة (سابق اور مقتصد بغیر حساب کے داخل کیے جائیں گے اور ظالم کے ساتھ آسان حساب کیا جائے گا پھر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا) لیکن اس فقیر کے لیے یہ حدیث بھی مشکل تھی۔ میں نے ماہ رمضان المبارک ۸۰۹ھ کی ستائیسویں شب کو حضرت رسالت علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور اسی وقت اس حدیث کو حضرت رسالت علیہ السلام کے سامنے پڑھا اور خاموش ہوگیا۔ یکبارگی سید مختار اور سرور عالمیان نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا یا ولدی هذا الحدیث من لسانی (اے میرے بیٹے یہ حدیث میری زبان سے ہے) تو قتادہ کے قول کی تاخیر کرنا چاہیے۔ اور جیسا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا الظالم هو الکافر من کفران النعمة لان من الکفر الذی هو ضد الایمان والمقتصد المرائی لا الذی ینافق فی الدین والسابق

العابد (ظالم کافر ہے کفران نعمت سے کیوں کہ اس کفر سے جس میں وہ ہے ایمان کی ضد ہے اور مقتصد مرائی ہے نہ کہ وہ جو دین میں منافق ہو اور سابق عابد ہے)

مقصود عشق بازی ہے نہ کہ بازی۔ اور عشق بازی ایک جاننا اور ایک کہنا ہے۔ اگر مطلوب ہونا چاہتے ہو تو فاتبعونی یحببکم اللہ (میری اتباع کرو اللہ تم کو دوست رکھے گا) یعنی وہ فرماتا ہے کہ ہمارے حبیب کا اتباع کرو تا کہ مطلوبی کی مسند پر بیٹھو اور اس اتباع سے جو اہل ظاہر نے سمجھا ہے وہ ان کا نصیب ہے لیکن میرا اور تمہارا نصیب لی مع اللہ ہونا چاہیے تا کہ اللہ کے کرم سے نبوت اور ولایت نبیؐ اور علیؑ میں منسلک ہو جاؤ۔ نہیں دیکھتے کہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام دونوں اولوالعزم رسول تھے۔ ایک نے کہا ربنا وابعث فیھم رسولا منھم (اے ہمارے رب ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیج) اور دوسرے نے کہا اجعلنی امة احمدؐ (مجھ کو محمد ﷺ کی امت (میں سے) بنا دے) میرے اور تمہارے لیے کیا اچھی دولت ہے اور کیسی خوب رسولانِ اولوالعزم کی تمنا اور فریاد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ تمنا کیسے ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ جب ان پر توریت نازل ہوئی اور اس کے مطالعہ میں مشغول ہوئے اور اس میں حضرت رسالت علیہ السلام کی فضیلت اور کرامت اور ان کی امت کا فضل مطالعہ کیا تو مناجات کی اور کہا۔ خداوندا میں نے توریت میں ایک امت کی صفت دریافت کی جو رات دن تجھ سے کلام کرتے ہیں یعنی قرآن کو مصحف میں پڑھتے ہیں اور یاد بھی پڑھتے ہیں۔ (یعنی دیکھ کر پڑھتے ہیں اور زبانی بھی پڑھتے ہیں) کہ گذشتہ امتوں کو یہ میسر نہ تھا۔ ان کو میری امت بنا۔ فرمان ہوا کہ وہ احمد ﷺ کی امت ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر مناجات کی اور کہا، خداوندا میں نے توریت میں ایک امت دریافت کی کہ جاھدون بالنھار ورھبانیون باللیل لیلا اللھم اجعلھم من امتی فقال اللہ عزوجل ھذ امة محمد ﷺ (وہ مجاہدہ کرنے والے دن میں اور رات میں اے اللہ ان کو میری امت میں سے بنا بس اللہ نے فرمایا یہ محمد ﷺ کی امت ہے) ایسی ہی ستر (۷۰) سے کچھ زائد آیتیں اس امت کے وصف اور فضیلت میں تھیں جو توریت میں مرقوم تھیں۔ اور ہر فضیلت کے لیے انہوں نے مناجات کی کہ

التائبون العابدون الحامدون والسایحون الخ (توبہ کرنے والے عبادت گذار حمد کرنے والے الخ) اور دوسری ان المسلمین والمسلمات الخ (مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں الخ تیسری قد افلح المومنون الی یدثون الفردوس ، اور مخصوص عبادات کی آیتیں جو ان کے لیے کرامت ہوئیں۔ جیسے اذان اور جمعہ کی جماعت اور رمضان اور تسمیہ اور فاتحہ اور قسم کا کفارہ اور تیمم اور مطلقہ عورتوں کی تحلیل اور اسی طرح کی دوسری خصوصیات کہ یہ سب گذشتہ امتوں (میں) کے لیے نہ تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے ان محبوبانِ الٰہی اور مشتاقانِ لم یزلی کی فضیلتیں اور کرامتیں مشاہدہ کیں۔ اور ان کے حرف عشق میں اہل نبوت وولایت کی محرمیت معاینہ کی تو درد کو اپنے حال کا مونس بنایا ۔

ہر کہ دردِ عشق دارد سوز ہم　　شب کجا دارد قرار وروز ہم
ہر کرا ایں حسرت وایں درد نیست　　خاک بر فرقش کہ آنکس مرد نیست

(جسے یہ حسرت اور درد نصیب نہیں ہے اس پر لعنت اس لیے کہ وہ مرد نہیں ہے۔)

اس کے بعد اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام زبانِ حال سے قال میں آئے اور کہا کہ اے غیب کے اسرار جاننے والے اور اے بلاشک عشاق نوازِ رسالت میں اس نبوت سے کیا مراد ہے۔ مجھے بھی اپنے حبیب کے ان محبوبوں میں منسلک فرما۔

اور اپنے کلیمان حضرت جلیل وخلیل میں منسلک فرما کہ اللھم اجعلنی من امة احمد فقال اللہ عزوجل یا ابن عمران انت طالبی وھم امة مطلوبی

(اے اللہ مجھ کو احمدؐ امتی بنا۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے ابن عمران تو میرا طالب ہے اور وہ میرے مطلوب کی امت ہے) جب موسیٰ علیہ السلام حسرت سے پگھلے اور اپنی پوری ہستی ہار بیٹھے اور اپنی مسکینی پر راضی بہ رضا ہوئے تو عین شکستگی میں حضرت پروردگار کے حضور عرض کیا کہ اے مکان سے منزہ اور طمان سے مبرا۔ اگر میں ان میں منسلک نہیں ہوسکتا تو ان کی اجابت واطاعت کی آواز ہی میرے کانوں کو سنادے۔ فرمان ہوا کہ بیت المقدس کے جنگل میں جاؤ میں اپنے حبیب کی امت کے محبوبوں کو مواصلت کی آواز سے ندا کرتا ہوں۔ دیکھو کہ ان کی اجابت انبیاء کی اجابت کے مانند ہے۔ بلکہ حبیب

کی اجابت کے مانند ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام باہر آئے اور محبوبانِ حضرت لم یزل ولایزال کی آواز سننے کے شوق میں مست اور لڑکھڑاتے ہوئے جنگل میں پہنچے اور حضرت لایزال کی ندا ہوئی کہ یا امة حبیبی (اے میرے حبیب کی امت) ناگاہ سراپردۂ غیب اور محبوبان عالم الغیب کے مسکنوں میں جوش وخروش ظاہر ہوا میں اور تم سب کے سب جو تھے اور ہوں گے جواباً گویا ہوئے کہ لبیك لك الحمد ولك الملك لا شريك لك لبيك ان محبوبوں کی آواز سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر جنگل میں گرے اور صحو کا جام ان کو چکھایا گیا تب ہوش میں آئے۔ فرمان ہوا کہ اے موسیٰ لبیک کہنے والوں کو ایک تشریف کرامت کرتا ہوں پھر اللہ عزوجل نے فرمایا استجب لکم قبل ان تدعونی واعطیت لکم قبل ان تسألونی وغفرت لکم قبل ان تستغفرونی (میں قبول کروں گا قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا مانگو اور میں تمہارے سوال کرنے سے قبل ہی تم کو عطا کروں گا اور تمہارے مغفرت مانگنے سے قبل ہی تم کو بخش دیا) جب موسیٰ علیہ السلام نے مخلصوں پر انعامات خصوصی اور عطا دیکھی تو فریاد کی اللھم اجعلنی من امة احمدؐ (اے اللہ مجھ کو احمدؐ کا امتی بنا دے) پس اے محبوب! میری اور تیری دولت کیسی خوب ہے کہ میری اور تیری تمنا موسیٰ علیہ السلام جیسے انبیاء ونیز دیگر انبیاءؑ کو تھی ۔

نیست لافم چوں کہ فرزندم رسولؐ   باد راضی مصطفیٰ ومرتضیٰؓ
می زنم در راہِ اُو از دل قدم   تا تجلی خاص ہستم در بقا

(مجھے اس پر فخر نہیں ہے کہ میں فرزندِ رسولؐ ہوں اور مجھ سے مصطفیٰ ومرتضیٰ راضی ہوں گے۔ میں اس کی راہ میں صدقِ دل سے قدم رکھتا ہوں اور تجلی خاص حاصل ہونے تک مقامِ بقا میں ہوں)

اے محبوب! اس درود کو کثرت سے مواظبت کے ساتھ پڑھو کہ سارے درودوں میں اکمل ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحيم اللهم صل على محمد و آله بعد د كل معلوم لك یعنی معلومات حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ نہایت ہیں اور جو تحفہ تو بارگاہ حضرت

رسول اللہ ﷺ میں بھیجتا ہے یہ بھی بے نہایت پہنچتا ہے۔ مواظبت کرو کہ اس میں اتنی تاثیریں ہیں کہ ان کی انتہا نہیں ۔

اے مقبلاں بہ قبلۂ دلہا سفر کنید ؛ یک بار کوی شاہ مظفر گذر کنید
حالِ دلم بہ عرض رسانید پیش اوٗ   بہر خدائے را کہ شود کیں قدر کنید
زاں لعلِ آبدار بیارید جُرعۂ   تا کے مرا حکایت شہد و شکر کنید
از روئے مہر گر بنماید چو ماہ روٗ   تا روزِ حشر طعنۂ شمس و قمر کنید
ترسم کہ یادِ زلفِ پریشانِ اوکنم   کاں قصۂ دراز شما مختصر کنید
اے خسروانِ ملکِ ملاحت قدم زنید   تا دست پیشِ خسروِ ما در کمر کنید
احرامِ راہِ کعبۂ وصلش چو بستہ شد   از لطف واز کرم بہ محمد خبر کنید

(اے مقبلو۔ (قبلہ والو) دلوں کے قبلہ کی جانب سفر کرو اور ایک مرتبہ شاہِ مظفر کے کوچہ کی طرف گذر کرو۔ میرا حال دل اس تک پہنچا دو (اور) خدا کے لیے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ وہ اس حال دل کی قدر کرے۔ اس کے لعل آبدار (ہونٹوں) سے ایک گھونٹ پلا دو۔ شہد اور شکر کے قصے کب تک مجھے سناتے رہو گے۔ اگر وہ محبت سے چاند کی طرح اپنا چہرہ دکھائے تو حشر تک سورج اور چاند پر طعنہ زنی ہوگی۔ میں ڈرتا ہوں (مجھے یہ خوف ہے کہ اس کی ہوائے زلف مجھے پریشان کردے اس لیے تم اپنے قصۂ دراز کو مختصر کرو۔ اے ملکِ ملاحت کے بادشاہو! قدم بڑھاؤ اور ہمارے بادشاہ کے آگے دست بستہ کھڑے ہو جاؤ۔ جب اس کے کعبہ وصل کی راہ کے لیے احرام باندھ لیا تو عنایت وکرم سے (بہ راہِ کرم) محمد تک یہ خبر پہنچا دو)

فقط

چونتیسواں مکتوب

(مشربوں کے بیان میں)

ساقیا در دِہ شراب لالہ رنگ   آتشے درزن بہ کوئے نام وننگ
تا کے از ناموس ونامِ گفتگواست   تا کے از سالوس زرق وبوئے ورنگ
ہستی مارا بہ مَے بستان زِما   شیشۂ ناموس را بشکن زِ سنگ
من خود از چشم تو بے خود ماندہ ام   گر بہ شوخی برد عقلم را بہ چنگ
بر دلِ مجروح ما آید ہمہ   گر پسند آید فشانم بے درنگ
نیم جانے دارم اینک بَرسَرت   بَر کماں ابرُو کہ انداز د خدنگ
چوں محمدؐ صد ہزاراں کشتہ اید   والۂ زلف ورخت در روم وزنگ

(اے ساقی شراب لالہ رنگ دے (اور) ایسی آگ لگادے جس سے نام وننگ سب جل کر خاک ہوجائیں۔ نام وناموس کا یہ ڈھونگ کب تک چلتا رہے گا۔ اور مکروفریب اور رنگ وبو کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔ مَے پلاکر ہماری ہستی کو ہم سے مٹادے اور ناموس کے شیشہ کو پتھر مار کر ٹکڑے کردے۔ میں خود تیری مستی بھری (نشیلی) نگاہ سے بے خود وسرمست ہوں (گوکہ) تیری شوخ نگاہی میری عقل کو اڑا لے جاتی ہے۔ اگر تجھ کو میرا بکھرنا پسند ہے تو بلا تامل اپنا کام کر میرا مجروح دل سب کچھ برداشت کرنے پر تیار ہے۔ اگر میں نیم جاں ہوں تو یہ تیری بدولت ہے کہ تیرے کمان ابرو مسلسل تیر چلایا کرتے ہیں۔ محمدؐ کی طرح تونے اپنی زلف ورخ کے ہزاروں والہ وشیدائیوں کو روم اور زنگ میں موت کے گھاٹ اتاردیا ہے)

(مقصود یہ کہ اے محبوب! ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا

کافور، (۷۶/۵) یعنی اے محبوب طائفہ ابرار یعنی نیکوکاروں کو کافور کے پیالہ میں شراب دیتے ہیں اس لیے کہ طائفہ ابرار کو مقربوں کے مقام کی تمنا ہوتی ہے۔ اور مقربوں کے گروہ کے لیے زنجبیل کے پیالہ میں شراب ہوتی ہے جس وقت ان پر مقربوں کے مقام کی حسرت غالب آتی ہے۔ جیسے ابرار کو مقربوں کی غیرت دفع کرنے کے لیے کافوری مزاج دیتے ہیں جس کی حرارت سے وہ سرگرداں رہتے ہیں کہ المقربون غیورون (مقربین غیرت دار ہیں) تاکہ اہل قربت کی غیرت زائل ہوجائے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی اچھائیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔ اور طائفہ ابرار کے مشارب کو بہشت کے غلمان اور ولدان دیتے ہیں اور مقربین کو زنجبیل کے پیالہ میں حورانِ بہشتی دیتے ہیں۔ کہ ویسقون فیہا کاسا کان مزاجہا زنجبیلا (۷۶/۱۷) (ان کو وہاں ایسی شراب (بھی) پلائی جائے گی جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی) اس سبب سے اے محبوب کہ مقربوں کے گروہ کو اپنے مقام قرب کی تمنا سے آرام پہنچے اور جب محلوں میں حوروں کے ساتھ زنجبیل کے پیالے پاتے ہیں تو قربت کی حرارت مقربوں کے لیے زیادہ ہوتی ہے۔ کیسی فائدہ مند بات ہے۔

ساقیا مَے بدہ تو مالا مال　　کہ گرفتست مرازِ خویش ملال
گرشوم مست و بے خبر چہ شود　　چوں قریبم بہ دوست در ہمہ حال

(چوں کہ مجھے اپنی ذات سے رنج و ملال پیدا ہوگیا ہے اس لیے اے ساقی مجھے دل کھول کر مَے پلا دے۔ اگر میں اس کے سرور میں مست اور اپنے گرد و پیش سے بے خبر بھی ہوجاؤں تو کوئی بات نہیں۔ مجھے تو اس کی قربت ہر حال میں حاصل ہے)

تیسری شراب کے پیالے بے مزاج ہیں اور وہ عاشقوں کی شراب ہے۔ وسقاہم ربہم شرابا طہوراً (۷۶/۲۱) (اور ان کو ان کے رب نے شراب طہور پلائی)

نے گرم ہمی نمایدم نے سردے　　کیں آں قدح است یکے و مردے

(نہ گرم دکھاتا ہوں نہ سرد کیوں کہ پیالہ بھی ایک ہے اور پینے والا بھی ایک)

یعنی اے محبوب! عاشقوں کی شراب پیالہ کے مزاج سے ممزوج نہیں ہے اس وجہ سے کہ حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ خود ساقی ہے۔ یہ حسنات المقربین سیئات العاشقین

(مقربین کی نیکیاں عاشقوں کی برائیاں ہیں (گناہ ہیں)

آں را کہ نگار ہم وثاقے باشد تا روز آید جانش باقی باشد
دانی کہ چہ مست گردد آں درویشک کورا سلطان بہ خویش ساقی باشد

(جس شخص کا محبوب اس کا راز داں بھی ہو وہ اس وقت تک زندہ رہے گا (یعنی قیامت تک) جب تک اس راز کو نباہتا رہے گا کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ درویش کتنا مست ہو جاتا ہے جس کا ساقی خود سلطان ہو)

عاشقوں کے لیے کیسی دولت ہے کہ اس کے بغیر نہیں پیتے۔

الشراب نوعان شراب الجمال فهو مهجور و من يشرب شراب الوصال فهو مسرور لان شراب الجمال للعاشقين و ان شراب الوصال للواصلين و العاشق مهجور لا بد و الواصل مسرور الا بد

(شراب کی دو قسمیں ہیں۔ شراب وصال اور شرابِ جمال۔ یعنی واصلوں کے لیے شراب وصال اور عاشقوں کے لیے شراب جمال و شراب جمال پینے والا مہجور ہے اور شراب وصال پینے والا مسرور۔ کیوں کہ شرابِ جمال عاشقوں کے لیے ہے اور شرابِ وصال واصلین کے لیے۔ عاشق ابدی مہجورر ہے (ابد تک) اور واصل ابدی مسرور ہے)
اے محبوب! ہر شراب سے مختلف سکر ظاہر ہوتے ہیں اور ہر سکر میں ذوق وشوق کی زیادتی (سکر کی اس قسم) کے مطابق ہوتی ہے اور یہ ساری پوشیدہ باتیں کھل جاتی ہیں۔

شراب و شاہد نہاں نہ می ماند
کہ صبح پردہ در آمد شود غماز

(شراب اور شاہد چھپ نہیں سکتے۔ کیوں کہ صبح آکر پردہ چاک کر دیتی ہے اور ان کی غماز بن جاتی ہے)

البتہ اے محبوب! حضرت لایزال جلت قدرتہٗ کی تینوں شرابیں دنیا میں بھی ملتی ہیں اور یہاں بھی بعض شراب جمال اور بعض شرابِ وصال پیتے ہیں اور ذرا سا بھی خروش نہیں کرتے۔

مطربا پردہ ساز وجامم دِہ کہ فراقم بدل شدہ بہ وصال
گشتم امروز عاشق ومعشوق ہم آمیختہ چو آبِ زلال
علمِ توحید گشتہ حق یقیں کردم ایں نکتہ را ازاں تضمیں
گرہمہ اوست ہرچہ ہست یقیں جان وجانان ودلبر ودل ودیں

(مطرب! ساز بجا اور مجھے جام دے۔ میرا فراق وصال میں تبدیل ہوگیا آج میں عاشق ومعشوق دونوں ہوگیا اور اس طرح مل گیا جیسے آب زُلال۔ علم توحید حق الیقین بن گیا یہ نکتہ وہیں سے پیدا کیا اگر وہی سب کچھ ہے تو جو ہے سب یقین ہے جان ہو، جانان ہو، دلبر ہو، دل ہو، دین ہو)

تو اے محبوب! ساقی دو طرح پر ہے۔ ساقی واسطہ اور ساقی بے واسطہ۔ البتہ ساقی واسطہ جیسے انبیاء، اولیاء، کروبیاں اور روحانیان اور اکابر اور پیران تربیت کہ الشیخ المربی افضل من شیخ الارادۃ، مرید کے لیے پیرِ تربیت پیر ارادت سے افضل ہے کیوں کہ یہی پیر تربیت ساقی واسطہ ہے اور یہ کہ اصحاب دولت کے لیے پیر ارادت اور پیر تربیت دونوں دولت عظیم ہیں لیکن ایک محکم قاعدہ ہے چوں کہ پیر ارادت پیر کی تربیت اس سبب سے کرتا ہے کہ مرید کو پیر کی خدمت میسر ہو اور پیر اپنے نورِ باطن سے مرید کے مقامات کو بے نہایت دیکھتا ہے تو اپنی نعمت عطا کرتا ہے اور پھر دوسری نعمتوں کے لیے اس کو دوسرے کے حوالہ کرتا ہے تا کہ یہ نعمت پا کر مکمل ہو جائے۔ یہ حال کامل مریدوں کا ہے۔ جیسے یہ پیر فقیر اپنے پیر قطب عالم قدس سرہٗ کے حکم اور فرمان ہمایوں سے سفر پر گیا تھا۔ پیر تربیت کا فضل یہ ہے کہ عالمِ جبروت، ملکوت اور لاہوت کا فیض اس کی عنایت اور روحانیت کے واسطہ سے مرید کو پہنچتا ہے۔ لیکن مرید پر واجب ہے کہ ان دونوں پر یکساں اعتقاد رکھے۔ ذرہ بھر قصور نہ کرے۔ میں یہ بات معاملت کے لحاظ سے لکھ رہا ہوں۔ لیکن تمام مشائخ اس پر متفق ہیں کہ پیر تربیت پیر ہے، اگر مرید نے پیر ارادت سے تربیت نہ پائی ہو تو اس مرید کو زاریہ کہتے ہیں نہ کہ مرید۔ کیوں کہ اس سے پہلے ارادت اور گلاہ نہ تھی۔ یہی تربیت صحبت میں تھی۔ اور ارادت اسی صحبت و تربیت کو کہتے ہیں۔ البتہ اے محبوب! قطب

عالم قدس اللہ سرہٗ العزیز میرے پیر تربیت بھی تھے۔ میں نے جو کچھ پایا انہیں کی رعایت اور عنایت اور واسطہ سے پایا۔

اے ساقی ازاں بادۂ گل رنگ بدہ   واں شادی عاشقان دل تنگ بدہ
از زنگِ دل آئینہ من گشت سیاہ   بہ صیقل مئے یک رنگ بدہ

(اے ساقی بادۂ گلرنگ دہ اور عاشقانِ رنجور کو خوشی عطا کر۔ دل کے زنگ سے میرا آئینہ سیاہ ہوگیا ہے۔ مئے یکرنگ سے اس کی صیقل کردے)

جب حق تعالیٰ کی محبت کا فیض شیخ مربی کے دل سے صاحب دولت مرید کے دل میں سرایت کرتا ہے وہ شیخ کے لیے مرید کی ارادت اور محبت اور اعتقاد کے اندازے پر ہوتا ہے کیوں کہ مرید کے احوال کی حالت شیخ کے احوال سے ہے۔ مذکورہ مشارب مرید کو بھی ساقی واسطہ سے دنیا میں حاصل ہوتے ہیں۔

ہرکہ امروز بعین رُخ آں یار نہ دید
طفل را ہست کہ اوٗ منتظر فردا باشد

(جس نے آج اس محبوب کا چہرہ زیبا نہ دیکھا وہ بچہ ہے جو کل کے انتظار میں ہے)

اور اے محبوب! دوسرا ساقی بے واسطہ ہے کہ سقاھم ربھم شرابا طھورا یعنی اے محبوب! شراب محبت کو کہتے ہیں اور طہور صاف طور سے محبت سے عبارت ہے کہ اس میں اپنا کوئی مقصود نہیں ہوتا۔ یعنی غیر کی محبت سے پاک تھا اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرنے والا۔ اور واصلوں کے نزدیک وہ اخلاقِ ذمیمہ یہ ہیں۔ کرامت، زہد اور وقار کا علم اور عبادت اور مرتبۂ شیخی کی سیادت اور مقام کشف وکرامت کی امانت اور مقتدائی اور پیشوائی عشق کی ہوس اور مدرسی اور مفسری اور مذکری کا شوق دوسرے تمام مدارج جو ہمارے سامنے ہیں۔

ہمہ لہو است لیکن کودکانہ
بہ نزدِ ما کہ دردیں ہاست مرسوم

(ہمارے نزدیک دینوں میں جو مدارج ہیں وہ سب لہو ولعب کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ بھی بچکانہ)

ان سب کو ہم نے اخلاقِ ذمیمہ پایا ہے۔ جب ان اعمال مذکور سے جو حور وقصور کی طلب کے لیے ہوتے ہیں پاک ہو جاتا ہے تو ساقی بیواسطہ سے شراب پاتا ہے۔ کیسی فائدہ مند بات ہے۔

معاذ اللہ کہ من زیں پس بہر اغیار بنشینم مرا چوں گُل بہ دست آمد چرا با خار بنشینم
چہ باشد بہ ازیں دولت کہ من در خواب می جستم دَمے در صحبت یارے کہ بے اغیار بنشینم

(معاذ اللہ کہ اس کے بعد میں اغیار کے ساتھ اٹھوں بیٹھوں۔ جب مجھے پھول حاصل ہے تو پھر کانٹوں میں کیوں بیٹھوں۔ اس سے بہتر اور کون سی دولت ہو سکتی ہے کہ میں خواب میں یار کو تلاش کروں اور بلا اغیار کی موجودگی کے تنہا اس کی صحبت سے لطف اندوز ہوں) پس اے محبوب! یہ تینوں مشارب مذکور جو میں نے بیان کیے ابرار اور مقربین اور عاشقوں کے لیے ہیں۔ لیکن واصل ان تینوں مشارب سے محروم ہیں۔ اور ان مشارب کی آلائش کو منہ نہیں لگاتے۔ حسنات العاشقین سیئتات الواصلین، (عاشقوں کی اچھائیاں واصلوں کی برائیاں ہیں) اے محبوب! جب ساقی بے واسطہ واصلوں کے لبوں پر قدحوں کا دور چلاتا ہے تو وہ لبوں کو مضبوطی سے بند کر لیتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں کہ واللہ ہم نہ پئیں گے۔ اور زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ ہم کو سقاہم ربہم شراب کافی ہے۔ شرابا طہورا خود کہاں ہے۔

قدح چوں دورِ من آید بہ ہشیارانِ مجلس دہ
مرا بگذار تا حیراں بہ مانم چشم در ساقی

(جب دورِ جام مجھ تک آئے تو ہوشیارانِ مجلس کو دے دو اور مجھے چھوڑ دو تا کہ میں ساقی کی چشم مست سے متکیف ہوں)

وہ واصل کرنے والی واصلین کی شراب الوصال مسرور ابدی ہے۔ اس شرابِ وصال کے بارہ میں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا وصول ہے انشاء اللہ تعالیٰ دقائق المعانی میں لکھوں گا۔ تو مقام محمود یہی مقام وصال ہے اور یہ نبی علیہ السلام کا مقام ہے۔ یا محبوبی

رزقك اللہ تعالیٰ هذا المقام بحرمۃ النبی و آلہ، آمین آمین آمین (اے محبوب! اللہ تعالیٰ تم کو بھی یہ مقام عطا فرمائے نبیؐ اور آپ کے آل کے طفیل۔ آمین آمین آمین) اب جانو کہ وہ عاشق جو جمال ذوالجلال جلت قدرتہٗ کی شراب میں اس جہان کے حساب سے مست ہزار سال رہتے ہیں کہ جہاں کا ایک دن اللہ کے نزدیک اس جہان کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے فرمان ہوتا ہے کہ آسمان حقیقت کے نور پر آفتاب رویت جلت قدرتہ کے حجاب کے لیے ریح مواصلت کا سفید ابر چھا جائے۔ اور حضرت وہاب کا خطاب بیتاب عاشقوں تک پہنچتا ہے کہ اے عاشقو! ہمارے بازار کی طرف جاؤ کہ ان فی الجنۃ سوقا تباع فیها الصور (جنت میں ایک بازار ہے جہاں صورتیں فروخت کی جاتی ہیں) یعنی وہ اہل عشق کا حجاب ہے۔ البتہ حضرت لایزالی کے عاشقوں کے لیے ایک دن بازار کا حجاب ہوتا ہے کہ اهل العشق حجاب فی الیوم الاحد عاشقوں کو ہر ہفتہ میں یکشنبہ یعنی اتوار کو لیک روز حجاب ہوتا ہے اور آخری چھ دن وہ شراب جمال کی رویت میں رہتے ہیں۔ بے چارے اہل عشق، لیکن عوام کا حجاب رویت حور و قصور و تنعم و حظوظ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بازار خرابات حقیقت ہے۔ جب تک کلیات میں نقش نہ ہو جزویات میں ظہور کیسے ہوگا۔

خراباتے است بیروں از دو عالم   دو عالم در بر آں ہم خراب است
بہ بیں کز بوئے دزدانِ خرابات   فلک را روز و شب چندیں شتاب است

(خراباتی دونوں عالم سے ماورا ہے اس کے نزدیک دو عالم خرابات ہیں۔.....

اس خرابات حقیقت میں سوائے صورت پرستی کے کچھ نہیں ہوتا۔ کافرِ عشق ہوں کہ لکھ رہا ہوں مجھے معذور رکھو (سمجھو) میری حقیقت پر غور کرو کہ تمہارا یہ پیر فقیر کون سی چڑیا ہے جسے حضرت عزت کو عوام نے زمین و آسمان کی خلقت سے پہچانا۔ اس پیر فقیر کو اس کے کلمات سے پہچانو۔ قدرت اور صفات سے پہچاننا عوام کا کام ہے اور کلمات سے پہچاننا خواص کا کام ہے۔ جیسے کہ امیر مرداں اور شیر حضرت سبحان علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ عرفت ربی بربی (میں نے اپنے رب کو اپنے رب سے (کے ذریعہ پہچانا) جب قلم صورت پرستی کے محل میں پہنچا تو اس نے چاہا کہ دیوانگی کرے (فوراً) فی الحال میرے جد علیہ السلام کی شریعت نے میری زبان پکڑی کہ اے دیوانے۔ اپنے جد کی شریعت کو نہ

توڑ۔ اس سبب سے چھپالیا کہ نامحرم محروم رہیں۔ میں نے جو صورت پرستی کے خرابات کی بابتہ لکھا ہے انہیں دو کلمات سے آپ پر بہت کچھ مکشوف ہوگا۔ مذکورہ بازار اور صورت پرستی کو عین الیقین سے مشاہدہ کیجئے گا اس کے بعد حق الیقین کی صورت ہوگی اور یہ ساری تجلی اسی مکتوب سے ہونی ہے کوئی دیوانہ بازار مذکور سے مطلع نہ ہوا اور نہ اس کی اطلاع کی بابت کچھ لکھا اور نہ پہونچا۔ حضرت رسالت علیہ السلام کی حدیث ان فی الجنة سوقاتباع فیھا الصور کے تلفظ پر اکتفا کرتے ہیں۔

گرنہاں کردند مرداں پیش ازیں اسرارہا   انیک آوردم نشانے از ورائے کفرودیں
خالقِ بے چوں برائے طالبان اندر صور   می نماید خویشتین را درمیان آب وطیں

(مردان حق اس سے قبل اسرار چھپائے ہوئے تھے تو میں اس وقت کفر و دین کے ماورا کچھ نشانات لے آیا ہوں۔ خالق حقیقی طالبین کے لیے خود کو صورت بشری میں پانی ومٹی کے درمیان ظاہر فرماتا ہے)

یہ مٹی اسی ارض واسعۃ کی ہوتی ہے اور یہ پانی دریائے بجور کا ہوتا ہے کہ وفی البحر المسجور اس آب وخاک باقی سے جمال لقا طالع اور لامع ہوتا ہے لاکھوں صورتوں کے نقش ابھرتے ہیں۔

پرتوے از عکس رویت گرفتد بر روئے خاک   گردد از ہر ذرہ پیدا صد ہزاراں آفتاب

(اگر تیرے چہرہ کے عکس کا ایک شمہ بھی روئے خاک پر پڑ جائے تو ہر ذرہ سے سیکڑوں آفتاب نمایاں ہو جائیں)

ان صورتوں کے خریدار بازار یعنی خرابات حقیقت میں عاشق ہوتے ہیں اور عاشقوں کی تسلی انہیں صورتوں سے ہوتی ہے۔ البتہ واصلوں کی تسلی بھی وصالِ غیر سے قطع ہوتی ہے اور عاشقوں کے لیے ابدالآباد تک یہی صورت پرستی ہوتی ہے۔

اگر پُرسی زِ سرّ ایں سوالے   چگویم من کہ خاموشی صواب است

(اگر تم اس راز کے متعلق پوچھتے ہو تو میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ خاموشی ہی بہتر ہے)

فقط

پینتیسواں مکتوب

(حقیقت کے بیان میں)

اے صورتِ زیبایت سَر تا بہ قدم معنی   در صورت و معنی خود مثل تو بہ عالم نے
در ہر صنمے نہ بود ایں صورت و معنی زانکہ   پس شاخ سرافراز دلیکن نہ شود طوبیٰ
با مردم بے معنی منشیں کہ دریں صورت   شمعے است کہ بر داری اندر نظر اعمیٰ
مجنونِ حقیقت زؤ مستغرق معنی شد   زاں خرم و خوش بود است از صورت و از معنی
معشوقۂ بے معنی چوں صورت خشکی داں   در بتکدہ ہا خوانند ایں مریم و آں عیسیٰ
دل بست بہ صد جانش محمدؐ چو دریں صورت   کز بر سرِ ہر حرفے اظہار شود معنی
در صورتِ محبوبم معنی دگر بینم   ہر کہ بہ سرمستی کردم غزلے انشاء

(اے محبوب! تیری صورت زیبا سر سے پیر تک معنی سے بھری ہوئی ہے اور صورت و معنی میں (ظاہر و باطن میں) عالم میں کوئی تیرے مثل نہیں ہے۔ ہر صنم (معشوق) میں یہ ظاہر و باطن بیک وقت موجود نہیں رہتا۔ جیسے کہ کسی درخت کی شاخ بلند تو ہوسکتی ہے لیکن وہ طوبیٰ نہیں بن سکتی۔ بے باطن لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیوں کہ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے اندھے کے آگے چراغ روشن کرو۔ مجنونِ حقیقت اس سے معنی میں مستغرق ہو جاتا ہے اور ظاہر و باطن دونوں طرح سے خوش و خرم ہوتا ہے۔ بے باطن معشوقہ کی صورت خس کے مانند سمجھو۔ جسے بتکدہ میں کوئی مریمؑ کے نام سے موسوم کرتا ہے اور کوئی ابن مریم سمجھتا ہے۔ اگر ہر حرف سے معنی کا اظہار ہونے لگے تو محمدؐ سو جان سے اس پر مفتوں ہو جائے۔ جب میں مستی کی حالت میں کوئی غزل تصنیف کرتا ہوں تو مجھے محبوب کی صورت میں نئے معنی نظر آتے ہیں)

حضرت عزت جلت قدرتہٗ نے اے محبوب و دوست تیری ذات کی صورت یعنی آدم اور آدمیوں کی ذات کو اسما اور صفات کی صورتوں میں نولاکھ قالبوں میں ترکیب، دی تھی اس کے بعد آدم علیہ السلام کی صورت کے قالب اور تیری صورت کے قالب اور آدمیوں کے قالب کو اپنے اسمِ ذات کی صورت اور شکل پر کہ وہ اسم اللہ ہے مرکب کیا جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ خلق آدم و ذریتہ علی صورۃ اسماء صفاتہ فخلق علی صورۃ اسم ذاتہ و ھو اسم اللہ، (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی ذریت کو اپنے اسمائے صفاتی کی صورت پر پیدا کیا۔ پھر اپنے اسمِ ذات کی صورت پر پیدا کیا اور وہ اسم اللہ ہے) یعنی حضرت صمدیت جلت قدرتہ کے نولاکھ ننانوے اور ایک نام حضرت عزت جل وعلا اس میں سے آٹھ لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے عزوجل کے صفاتی نام ہیں اور ایک نام حضرت عزت جل وعلا کی ذات کا ہے اور وہ اسم اللہ ہے۔ حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ نے آٹھ لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے آدم مع مومن اور کافر لڑکے اور لڑکیوں کے یہ دراصل آدمی تھے یعنی میں اور تم اور جو تھے اور جو ہوں گے (ان سب کو) اپنے اسماء صفات میں سے کسی ایک اسم کی شکل وصورت پر مصور کیا اس کے بعد ہزار سال تک اپنا جمال بے مثال آدم اور آدمیوں کے آئینہ میں کہ جو اسم صفات کی شکل وصورت پر تھے ہر آئینہ میں معاینہ کرتا اور توڑتا رہا۔ اور دوسرے اسم کی (شکل وصورت) پر درست کرتا رہا۔ اور اس طرح جب اپنے جمال کو صفات کے آئینہ میں (ملاحظہ کرلیا) معاینہ کرلیا یعنی آٹھ لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے نشانیاں معاینہ کرلیں اس کے بعد آدم علیہ السلام کو اپنے اسمِ ذات کی شکل وصورت پر مصور کیا لیکن ساری ذریات کے ساتھ کہ اذا تم صورۃ آدم و ذریتہ علی صورۃ اسم ذاتہ، فقال اللہ عزوجل فتبارک اللہ احسن الخالقین (جب آدمؑ اور ان کی اذیت کی صورت اس کے اسم ذات کی صورت پر مکمل ہوگئی تو اللہ عزوجل نے فرمایا فتبارک اللہ احسن الخالقین (۲۳/۲۴) یعنی خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے) اے محبوب! اپنے میں نظر کرو۔ تمہارے سارے اعضاء سے تمہارے حسن پر اسم ذات کی صورت نقش ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی جان پر

رحمت ہو کہ انہوں نے بھی تمہارے پیر فقیر کے خمخانہ سے تھوڑی شراب چکھی تھی کہ اس محل میں حرکت کی۔

نہصد ہزاراں سال شد تا قالبم را ساختند
وایں قالبم خود وے بُدست من عاشقِ دیرینہ ام

(۹ لاکھ سال ہوئے کہ میرا بشری قالب بنایا یہ قالب وہ خود ہی تھا میں پیدائشی پرانا عاشق ہوں)

یعنی اے محبوب! عالمِ قدم سے ثابت قدم نشانی ہونا چاہیے تا کہ ثبوت ملے۔ اور اس عالم قدم سے اس فقیر کی جنبش اس مجمل میں ہے کہ مولانا جلال الدین رومی بھی اس مجمل سے باہر ہیں اور اس مجمل کی انہیں یہ خبر نہ تھی۔ اور بغیر خود کو میٹے ہوئے پہنچنا دور دراز ہے۔ اور تمہارے پیر فقیر کا مجمل یہ ہے کہ کہتا ہے۔

پیش ازاں روز کہ یادِ مے و میخانہ نہ بود   جان ما سوئے خرابات ہمی کرد سجود
میرِ خرابات غلامِ من است   گرچہ من امروز سبوُ می کشم

(اس دن سے قبل کہ مجھے مے و میخانہ کی یاد نہیں تھی۔ میری جان خرابات کی سمت محو سجود تھی۔ (اور) آج جب کہ میں (صرف) سبوکش ہوں میر خرابات میرا غلام ہے)

اللہ تعالیٰ اس فقیر کی مثنویات کا جمال آپ پر تجلی کرے۔

چوں تجلی کرد بر کل الصفات   زاں تجلی یافتند ایشاں حیات
صورتت را کردہ سرخود پدید   مومن المراۃ زاں جاشد پدید
مومناں آئینۂ یک دیگر اند   صیقل اریابند در خود بنگرند
نقطۂ را در حرفِ خود پیدا کنند   کورِ مادر زاد را بینا کنند
درصورشاں ہست پیدا ذاتِ اوٗ   کس نہ بیند جز بداں مرآت اوٗ
زنگ مرآت ترا گر حق زدود   ہرچہ باشی خود ترا خواہد نمود
ہرچہ باشی خویش را بینی تمام   من سخن کوتاہ کردم والسلام

(جب باری تعالیٰ نے اپنی صفات پر تجلی کی تو صفات کو زندگی ملی (یعنی صفات کی

تعریف سمجھ میں آئی۔ سیر نے خود تیری شکل کو متشکل کیا اور مومن کا آئینہ اس سے ظہور پذیر ہوا۔ مومن ایک دوسرے کا آئینہ ہیں اور جب ان کو صیقل مل جاتی ہے تو انہیں اپنی ذات کا ادراک ہوتا ہے۔ اپنے حرف میں نقطہ پیدا کرتے ہیں اور مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے ہیں۔ ان کی صورتوں میں ذات ظاہر ہوتی ہے اور سوائے اس کے آئینہ کے اور کوئی اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ذات باری تعالیٰ تمہارے آئینہ کے زنگ کو صاف کر دے تو تم کو اپنی حقیقت کا ادراک ہو جائے۔ تم جو کچھ ہو تمہیں خود نظر آئے گا۔ میں نے بات مختصر کہہ دی اور یہ کافی ہے)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین قسموں پر پیدا کیا ہے۔ پہلی قسم آدمؑ کی شکل و صورت پر ہے لیکن آدمؑ کی حقیقت اور آدمؑ کے معنی سے خالی ہے۔ حضرت عزت جلت قدرتہ نے اس طائفہ کو اپنے کلام میں ندا کی ان کو اس درجہ میں بیان فرمایا اولئك كالانعام بل هم اضل سبيلا (۴۴/۲۵) (وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے) اس سبب سے کہ اولئك هم الغافلون کی صفت رکھتے ہیں۔ وہ اس لائق نہ تھے کہ کلام مجید میں ان کا ذکر ہوتا۔ لیکن اہل صورت و معنی کے لیے ان کی اصل کا ذکر کیا گیا کہ اس سے اہل صورت و معنی اپنی کرامت و فضیلت جانیں اور اسی لیے حضرت رسالت علیہ السلام سے فرمایا کہ اے میرے حبیب میں نے تجھ کو ابوبکر و علی اور ان کے جرعہ نوشوں کے لیے بھیجا ہے نہ بے معنی اہل صورت کے لیے یعنی ابو جہل، عتبہ اور شیبہ کے لیے نہیں بھیجا ہے فذرهم يخوضوا ويلعبوا حتى يلاقوا يومهم الذي يوعدون (۴۳/۸۳) (اے پیغمبرؐ) ان کو باطل میں پڑے رہنے دو اور کھیل لینے دو یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ان کے سامنے آموجود ہو) یعنی اے محبوب! حبیب کو فرمان ہوا کہ تجھے مدبروں سے کیا کام کہ وہ عالم حیوانی میں ہیں اور اپنے سے کہو کہ ہم اس عالم الٰہی میں ہیں اور رحمت اور دیدار ہمارا نصیب ہے اور ان کا نصیب اس سے باز رہنا اور ادبار ہے وان كذبوك فقل لی عملی ولكم عملكم انتم بريئون مما اعمل وانا بریء مما تعملون (۱۰/۴۱) (اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں (جھٹلائیں) تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو

تمہارے اعمال کا تم میرے عملوں کے جوابدہ نہیں ہو۔ اور میں تمہارے عملوں کا جواب دہ نہیں ہوں) اور فرمان ہوا کہ اے میرے حبیب اگر میں چاہتا ہوں تو سب کی فطرت یکساں حلقہ کرتا اور وہ یکساں ہوتے لیکن میری خواہش یہ تھی کہ بہت سے گروہ ایک دوسرے سے مختلف ظہور کریں اور ہر ایک میری وحدت میں کوشش کرے اور مفسد مخلصوں سے خارج ہو جائیں اور اس عالم میں گفتگو پیدا ہو جیسے اے محبوب! ایک حسین عورت گھر سے باہر نکلی ایک عالم اس کا دیوانہ ہوا۔ ایک گھر میں جا کر اس نے دروازے مضبوطی سے بند کر لیے۔ خلق میں جو اس کی دیوانہ تھی شور وغوغا بلند ہوا۔ فریادی ہوئے کہ جب وصال ممکن نہ تھا تو یہ دکھاوا کیا تھا۔ اس نے پردہ سے کہا کہ خلق کا شور وغوغا اچھا لگتا ہے اور خلق نے باہر سے فریاد کی لامعك القرار ولامنك الفرار (نہ تیرے ساتھ قرار ہے اور نہ تجھ سے فرار ہے) انہیں معنوں میں ایک غزل ہوئی یعنی کسی پر نہیں پڑی۔ فقیر کو حال قال میں لایا۔

با بلائے ہجر مارا مبتلا ماندی ورفت
عاشقاں را آرزو مندِ لقا ماندی ورفت
داشتم از آتش عشقت بہ دل سوز وگداز
باز داغ ہجر بر جانم چرا ماندی ورفت
بود در دستش دل وجانم چو کردی عزمِ راہ
کس نہ داند آں فقیراں را کجا ماندی ورفت
دل بتو دادم فگندی در زنخداں جان من
بے گناہش از چہ در چاہ بلا ماندی ورفت
آمدی در چشم چوں بیروں شدی اے نور چشم
آب حسرت در درون چشم ما ماندی ورفت
کز برائے دوستی چشم محمد دیدہ باز
تو تیا جوید در ونش خاکِ پا ماندی ورفت

(مجھ کو بلائے ہجر میں گرفتار چھوڑ کر چلا گیا اور عاشقوں کو دیدار کا آرزو مند بنا کر چلتا بنا۔ تیری آتش عشق سے میرے دل میں سوز وگداز پیدا ہو گیا تھا۔ پھر (اس کے باوجود) میری جان پر جو داغ تھا تو اسے چھوڑ کر کیوں چلتا بنا۔ میں نے تجھے دل دیا اور تو نے میری جان کو چاہِ زنخداں میں قید کر دیا۔ آخر میں نے تجھے دل دیا اور تو نے میری جان کو چاہ زنخداں میں قید کر دیا۔ آخر بلا کسی تقصیر کے تو اسے چاہ بلا میں ڈال کر کیوں چلتا بنا۔ اے میری آنکھوں کے نور۔ تو میری آنکھوں سے کیوں دور ہو گیا اور میری آنکھوں میں اشک حسرت چھوڑ کر چلتا بنا۔ میرا دل دست بوسی کے لیے تڑپتا رہا اور تو اسے مرحبا مرحبا کہتا

ہوا چھوڑ کر چلتا بنا۔ محمد کی آنکھ دوستی کرنے کے لیے کھلی تھی اور اس کا باطن سرمہ کی تلاش میں تھا۔ اور وہ خاک پا چھوڑ کر چلتا بنا۔)

اصل فطرت میں دو علم (عالم) ایک عدم دوسرے وجود۔ یعنی ظلمت اور ظہور شور وغوغا کا یہی تقاضہ ہے۔

در عدم کے بود مارا اختیار　　تا شوم موجود وفعل آریم کار
از عدم آورد مارا در وجود　　گاہ از ما فسق آمد گہ سجود
علم بودست دَر سرشت ما نخست　　ہرچہ می آید زما تقدیر تست

(عدم میں ہمیں کب اختیار تھا کہ وجود میں آئیں۔ اور کوئی کام کریں۔ ہم کو عدم سے وجود میں لایا گیا اور اب کبھی سجدے کرتے ہیں اور کبھی فسق وفجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ علم ابتدا ہی سے ہماری سرشت میں تھا۔ ہم سے جو بھی صادر ہوتا ہے وہ تیرا مقدر کیا ہوا ہوتا ہے)

یعنی حضرت عزت جلت قدرتہٗ کا منشاء عالم کثرت تھا کہ ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی فلا تکونن من الجھلین (۶/۳۵) (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تم ہرگز نادانوں میں نہ ہونا) دوسرا فرمان ہوا کہ اے میرے حبیب! تمہاری رسالت ان کو سنوار نہ سکے گی۔ کیوں کہ ہماری ارادت کے کیمیا گر نے ان کو تمہاری نبوت اور ہدایت سے محروم قرار دیا ہے کہ لیس لک من الامر شی ولا یزالون مختلفین (۱۱/۱۱۸) (تم کو اس کام میں کچھ اختیار نہیں اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے) یعنی ان میں فرق کیا گیا ہے۔ کیا کیا جائے۔ اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ چون وچرا درست نہیں اور دوسری قسم وہ گروہ ہے کہ صورت معنی اور حقیقت میں آدم ہیں اور آدم کی حقیقت رکھتے ہیں۔

از پشت بادشاہی مسجودِ جبرئیلی
ملک پدر بجوئی اے بے نواچہ خواہی

(تو بادشاہ کی نسل سے ہے اور مسجود جبرئیل ہے (اگر) تو ملک پدر کی تلاش میں ہے تو اے بینوا اس سے کیا فائدہ)

اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے گروہ کو اپنے کلام میں فضل اور عنایت سے یاد کیا ہے کہ ان کی نعتِ خطبہ یہ ہے ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر ورزقناھم (۱۷/۷۰) (اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی) اس دوسرے گروہ کی تفصیل سونے اور چاندی سے نہیں ہے بلکہ معنی اور حقیقت کی جہت سے ہے کہ گوہر ان کی حقیقت کو اپنی قسمت میں نہیں پاتا۔ اگر ان کی حقیقت کے گوہر کو کونین سے تولیں تو کونین آدھی رتی کے برابر نہ ہوگی کیوں کہ آدم علیہ السلام کو روح قدسی سے مزین کیا کہ ونفخت فیہ من روحی (۱۵/۲۹) (اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) اسی طرح ہر ایک کی روح کو روُحِ قدسی سے مزین کیا کہ وایدناہ بروح القدس (اور ہم نے روح القدس سے ان کو مدد دی) پس اے محبوب! پہلی قسم دنیا میں بھی دوزخ میں تھی اور ہے یعنی بُعد میں کہ کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (۸۳/۲۴) (دیکھو یہ جو (اعمال بَد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ بیشک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے) یعنی آج حجاب میں اور کل فراق میں اور یہ دوسری قسم آج معرفت اور حقیقت میں اور کل رویت اور قربت میں کہ کلا ان کتاب الابرار لفی علیین وما ادراك ما علیون کتاب مرقوم یشھدہ المقربون (۸۳/۲۰) (یہ بھی) سن رکھو کہ نیکو کاروں کے اعمال علیین میں ہیں اور تم کو کیا معلوم کہ علیین کیا چیز ہے (وہ) ایک لکھا ہوا دفتر ہے جن کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں) یعنی قربت اور رویت کے ساتھ خاصانِ حضرت میں ہوں گے۔ البتہ اس دوسرے گروہ کے بارہ میں حضرت رسالت علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ عباد خلقھم لمنافع الناس (اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اس نے لوگوں کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے) یعنی دنیا و آخرت میں لوگوں کے لیے نفع بخش ہوں گے۔ یعنی دنیا میں ان سے لوگوں کو خوراک اور لباس ملے گا اور آخرت میں ان کا مقام شفاعت ہوگا۔ جیسا نبی علیہ

السلام نے فرمایا یشفع یوم القیامۃ الانبیاء ثم الشھداء (قیامت کے روز پہلے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت ہوگی پھر اولیاء کی پھر شہداء کی)

ہر ساعتے کہ از دل شوریدہ عاشقاں
لبیک عشق در حرم کبریا زدند

(عاشقوں کے شوریدہ دلوں سے ہر گھڑی حرم کبریا میں لبیک عشق کی آواز بلند ہوتی رہتی ہیں)

تیسری قسم وہ گروہ ہے کہ خود حقیقت اور معنی ہو گئے ہیں۔ غیروں کی حمایت میں الٰہی ہو گئے ہیں۔ کہ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری (میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں۔ ان کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا) حضرت عزت جلت قدرتہ نے اس تیسرے گروہ کی طرف کلام مجید میں اہل معنی کے لیے ظاہر فرمایا ہے کہ رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ (۳۳/۲۳) (وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا) اس عہد اور اس صدق سے نزول کرنا چاہیے اور مردانہ خلعت حاصل کرنا چاہیے تب اپنے کو رجال اللہ کے مقام سے منسلک دیکھو گے۔ اس تیسرے گروہ کے لیے ضرورت ہے کہ سوائے تمثیل اور تشبیہ کے کچھ نہ کہوں کہ ما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لایغنی من الحق شیئا (۱۰/۳۶) (اور ان میں کے اکثر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہوسکتا) اور اے محبوب! حضرت خواجہ علیہ السلام نے بھی اس تیسرے گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کما قال علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ عباد قلوبھم انور من الشمس وفعلھم لفعل الانبیاء وھم عنداللہ بمنزلۃ الشھداء (نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے دل آفتاب سے زائد روشن ہوتے ہیں۔ ان کے فعل انبیاءؑ کے فعل کی طرح ہیں اور وہ اللہ کے نزدیک شہداء کے مثل ہیں) حضرت رسالت علیہ السلام نے تمثیلی اور تشبیہی اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اس عالم میں ان کے دل کا نور ایک آفتاب ہوگا جس کے سامنے دنیا کا آفتاب چراغ کا جیسا ہوگا اور ان کا فعل انبیاء کے افعال جیسا ہوگا یعنی وہ پیغمبر نہ ہوں گے لیکن کرامت

معجزوں جیسی ہوگی اور شہید نہ ہوں گے (لیکن) شہید کا درجہ رکھیں گے اور شہیدوں کا درجہ یہ ہے کہ احیاء عند ربھم یرزقون فرحین (۳/۱۶۹) (زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک رزق دیے جاتے ہیں خوش وخوش) البتہ یہ تیسرا گروہ مشاہدہ حضور سے ایک لحظہ خالی نہ ہوگا جیسا نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ انی لا اعرف قواما ھم بمنزلتی عند اللہ تعالیٰ ماھم انبیاء ولا شھداء ویغبطھم الانبیاء والشھداء لمکانھم وعند اللہ ھم المتحابون بروح اللہ تعالیٰ کہ میری امت کے ایک گروہ کی منزلت مجھے معلوم کرائی گئی کہ ان کی منزلت حضرت صمدیت جلت قدرتہ کے نزدیک میری منزلت جیسی ہے (وہ) پیغمبر اور شہید نہ ہوں گے بلکہ ان پر انبیاء اور شہداء غبطہ (رشک) کریں گے یعنی ان کو ان کے مقام اور منزلت کی آرزو ہوگی اور وہ خداوند تعالیٰ کے لیے دوستی کرتے ہیں کہ ان کی نعمت کا جمال اس حدیث سے لیا گیا ہے کہ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری (میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا) کیوں کہ وہ تصور کرتے ہیں کہ اس کے دوستوں کو اس کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ اور یہ معنی نہیں ہیں۔

بہ عقل ایں راہ کم رو اندریں راہ
جہان عقل چوں خر در خلاب است

(اس راہ میں (یعنی محبت) عقل سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ عقل کی مثال دنیا میں کیچڑ میں پھنسے گدھے کی طرح ہے)

اب جانو کہ یہ یائے غیری یائے نسبت ہے یعنی لایعرفھم غیری یعنی غیر احیائی، یعنی حضرت صمدیت جلت قدرتہ اپنے محبت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور محبت کرنے والے بھی محبت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں۔ البتہ ان کو محبت نہ کرنے والے نہیں پہچانتے لایعرفھم غیری سے یہی مراد ہے۔ اگر یائے نسبت نہ سمجھی جائے تو مشائخ کبار کے قول کے خلاف ہوتا ہے جیسے کہ سلطان بایزید قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا ہے کہ میں نے تین سو اولیاء کو دریافت کیا ہے اور شیخ قطب عالم شیخ فرید گنجشکر قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ میں نے چالیس اولیاء کو دریافت کیا ہے اس کے بعد قطب عالم شیخ قطب الدین بختیار

اوشی قدس اللہ سرہ العزیز سے ارادت کی۔ اسی طرح ہر ایک نے ایسی ہی روایت کی ہے جیسے کہ اس فقیر نے بھی تین سو بیاسی ولی اور قطب اقطاب۔ افراد کامل اور اقطاب حقیقت دریافت کیے اور اتنے مجذوب کہ تحریر میں نہیں آتے۔ یائے غیری یائے نسبت ہے۔ یہ تیسرا گروہ مطلوب ہے غیرتِ الٰہی میں ہے اور حقیقت ہو گیا ہے۔ رجال اللہ کا خطاب رکھتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے موتِ اختیاری اختیار کی تھی۔ کہ موتوا قبل ان تموتوا (مرو اس سے قبل کہ تم مارے جاؤ) یعنی زندگی میں جب تک موت اضطراری سے چھٹکارا نہ پائیں ایک مکتوب میں میں نے اس حدیث کی شرح کی ہے لیکن اس کا سِر اور رمز اس مکتوب میں پورا کرتا ہوں۔ یعنی اگر موتِ اختیاری موتِ ضروری سے خلاص پانے تک اختیار کرتے ہو کیوں کہ موت ایک بار آتی ہے دوبارہ جائز نہیں۔ علمائے ظاہر جو آیت امتنا اثنتین (تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا) میں کہتے ہیں کہ دو موت ہیں ایک کو علمائے ظاہر موتِ ضروری کہتے ہیں اور دوسری موت منکر نکیر کے سوال کے بعد بتاتے ہیں۔ اور ان دو موتوں کی بابت اس حقیر کی تفسیر یہ ہے کہ ایک موت عدم ہے جس سے ظہور ہوا تھا پس وہ بھی موت تھا۔ اور دوسری موت ضروری ہے لیکن ایک موت عدم جس میں ظہور نہ تھا گذر گیا (تو) موت ضروری باقی رہی۔ جب تم موتوا قبل ان تموتوا کے حکم پر موتِ اختیاری اختیار کرو یعنی مر جاؤ۔ یعنی موتِ ضروری سے پہلے حرکات و سکنات سے منقطع ہو جاؤ تو تمہارے لیے دوسری موت یہی اختیار ہو گی۔ ضروری موت سے خلاصی پا جاؤ گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے او من کان میتا فاحییناہ و کما قال علیہ السلام المومن حی فی الدارین (بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مومن دونوں عالموں میں ہیں زندہ ہے) لوگ سمجھتے ہیں کہ موت ضروری سے مرا لیکن حیاتِ ابدی پاتا ہے صاحب موت اختیاری کے لیے موت اضطراری درست نہیں کیوں کہ موت وہی ایک ہے یعنی ادریس کا خلعت پہنو گے۔ اس جگہ بہت سے مدارج اور بے شمار معارج اپنے کتابخانہ باطن میں رکھتا ہوں لیکن علمائے رہزن اور نادان کی وجہ سے تحریر میں نہ لایا کہ وہ اس کا تصور بھی نہ کر سکیں گے اور ان کو تناسخ نظر آئے گا۔

این نیست تناسخ سخن وحدت محض است — کز جوشش این قلزم زخار بر آمد
گر شمس فرو شد بہ غروب اؤ نہ فنا شد — از برج دگر آں مہ انوار بر آمد

(یہ تناسخ نہیں وحدت محض ہے جو اس موجزن سمندر سے نکلی ہے۔ اگر آفتاب غروب ہو کر گم ہو گیا تو وہ فنا نہیں ہوا بلکہ وہی آفتاب دوسرے برج سے نمودار ہوا)

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجہ الارض فلینظر الی ابن ابی قحافۃ (جو مردہ کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہیے تو وہ ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت ابوبکرؓ) کو دیکھ لے۔ اے محبوب! جب موت اختیاری میں حقیقت ہو جاؤ گے تو موت کو حقیقت سے کیا واسطہ یعنی تمہارا پوست شریعت ہو جائے گا دل طریقت ہو جائے گا اور تمہاری رؤح حقیقت ہو جائے گی۔ موت کو شریعت اور طریقت سے کیا مناسبت اور ملک الموت کو ان سے کیا مناقشہ (جھگڑا) یعنی قالب اور قلب اور رؤح یک رنگ ہو جائیں گے۔ جیسے کہ رؤح پر موت نہیں ہے یہ دوسری دو چیزیں جب رؤح کے رنگ میں رنگ جاویں گی۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان اولیاء اللہ لایموتون ولکن ینقلبون من دار الی دار (اولیاءاللہ مرتے نہیں ہیں لیکن وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کر دیے جاتے ہیں (پلٹ دیے جاتے ہیں) کیا خوب اشارہ ہے کہ معنی واضح ہیں۔ جو کچھ لکھ رہا ہوں برسوں سے اس کا علم تھا لیکن نہیں لکھا۔ جب یقینی اور حقیقی علم ہوا تو آپ کے لیے لکھا۔ موت اختیاری میں حیاتِ ابدی ہے۔ جیسے کہ اے محبوب! قطب حقیقت شیخ نظام الدین بدایونی قدس سرہٗ نے اہل ظاہر کو وصیت کی تھی کہ نمازِ شریعت کے بعد یعنی نمازِ جنازہ کے بعد صلوات حقیقت یعنی سماع کرنا میں تواجد کروں گا۔ جب سماع ہوا شیخ ابوالفتح رکن الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے معاینہ کیا کہ وہ زندۂ ابد ہیں تواجد بھی کریں گے۔ تاکہ حیاتِ ابدی کی کیفیت نامحرموں پر روشن ہو جائے اس لیے منع فرما دیا۔ پس اہل اختیار کے لیے موت ضروری نہیں ہے۔ اچھی طرح غور کرو۔ اے میرے محبوب! اللہ تعالیٰ تم کو موت اختیاری عطا فرمائے۔ آمین آمین بحرمۃ النبی وآلہ

حدیث کا یہ نتیجہ تھا کہ خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا موتوا یعنی موتِ اختیاری اختیار کرو تاکہ

موت اضطراری سے نہ مرو یعنی قبل ان تموتوا اگر اس فقیر کی شرح مراد نہ ہوتی تو قبل ان تموتوا کے معنی کچھ فائدہ نہ دیتے۔ اب کان لگا کر سنو۔ اس موت اختیاری سے سارے اولیاء اور اہل ظاہر کی مراد یہ ہے کہ اعضائے ظاہر کو روک دینا مردے کے مثل ہے۔ لیکن تمہارے پیر فقیر کی مراد اس موت سے یہ ہے کہ باطن کو سوی اللہ کے حرکات سے باز رکھنا جیسا کہ مردہ موت ضروری سے ہو جاتا ہے اور اسی طرح باطن کو غیر کی طرف نہ جانے دو کیوں کہ حضرت رسالت علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ میں موتِ اختیاری مشاہدہ فرمائی تھی کہ فرمایا الی میت یمشی علی وجہ الارض (ایسے مردہ کی طرف جو زمین پر چلتا ہو) پس ابوبکرؓ کے اعضائے ظاہر مردے کے طریق پر نہ تھے کہ یمشی علی وجہ الارض فرمایا۔ پس ابوبکرؓ کے اعضائے ظاہری کو مثل مردہ کے سمجھنا درست نہیں اور نہ یہ مراد ہے وہی باطن کو سوی اللہ سے مارنا مراد ہے۔ اچھی طرح غور کرو۔ یہ موت موت ضروری سے پہلے ہے ۔ گو کہ مشاہدہ اور معاینہ سے لکھ رہا ہوں لیکن علمائے ظاہر کی وجہ سے قواعد کے طریقہ پر لکھ رہا ہوں تا کہ اپنے کانوں کی روئی نکالیں کہ لهم اذان لایسمعون بها (ان کے کان ایسے ہیں جن سے وہ سنتے نہیں) اور بحر المعانی کے کلمات کی تجلی سے متجلی ہوں۔ مقصود یہ کہ اے محبوب! خرابات حقیقت کی تجلی کہ ان فی الجنة سوقا یباع فیها الصور یہ بیع اسی کے لیے ہے جس کا شمار موت اضطراری میں نہ ہو۔ یعنی موت اختیاری سے واصل ہوا ہو اور جس نے ایک جان پر قناعت کی ہو وہ خضر علیہ السلام کا جیسا ہے۔ پس جب وہ موت اضطراری سے مرتا ہے تو حشر میں پھر زندہ کرتے ہیں۔ اگر عملِ صالح کے ساتھ مومن ہے جو جنت کی نعمتوں میں قرار پاتا ہے اور جنت بھولوں کا مقام ہے کہ اکثر اهل الجنة البله (اکثر (بیشتر) جنت والے بھولے ہیں)

موت اختیاری اختیار کرے تب تجھ کو محیط ارواح میں غوطہ دیں گے یہاں تک کہ تو جان ہو جائے گا۔

اگر مردی بجان دَر باز جاں را　　　کہ یک جاں را عوض آنجا ہزار است
اگر در ہر دمے صد جاں دہندیت　　　نثارش کن کہ جانہا بے شمار است

تو ہر وقتے کہ جاں را بر فشانی　　ہزاراں جان تو بر تو نثار است
چہ خواہی کرد خود رانیم جانے　　چو دائم زندگیِ تو بہ یار است
کسے کز جاں بود زندہ دریں راہ　　زِ جرم خود ہمیشہ خضر وار است

(اگر تو مرد ہے تو پوری ہمت سے جان کی بازی لگا ڈال کیوں کہ وہاں ایک جان کے بدلہ ہزاروں جانیں ملتی ہیں۔ اگر ہر سانس میں تجھے سو جانیں عطا کریں تو ان سب کو تو اس پر نثار کر دے کیوں کہ جانیں بے شمار ہیں۔ تو جس وقت جان چھڑکتا ہے تو ہزار جانیں تجھ پر نثار ہوتی ہیں۔ آدھی جان لے کر کیا کرے گا جب کہ تیری زندگی ہمیشہ دوست کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو شخص اس راہ میں جان سے زندہ رہتا ہے تو ہمیشہ اپنے جرم کے باعث خضر کی طرح مارا مارا پھرتا ہے)

تباع فیھا الصور یعنی جس لمحہ خرابات حقیقت میں آؤ گے بے انتہا جانیں بے غایت محیط سے اس بازار صورت میں صورتوں میں جلوہ گری کریں گی اور تم خریداری کرو گے اور ہر صورت کی تجلی میں ہزار سال بے ہوش پڑے رہو گے اس کے بعد حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ خود ندا کرے گا کہ اشتغلت عبدی بالسوق الروحانیة ونسبته لقاء نا انا الی لقاء کم لاشد شوقا منکم (میں نے اپنے بندہ کو بازارِ روحانیت اور اپنی لقاء کی نسبت کی جانب مشغول کر دیا میں تمہاری ملاقات کا تم سے بہت زائد مشتاق ہوں) جب خرابات حقیقت سے تمہارا پندارِ خاص ہوش میں آئے گا تو فرمان ہوگا کہ اے میرے دوست کہاں تھا۔ فریاد کرو گے کہ افسوس الا ہو کہو گے کہ خداوند انہیں جانتا کہ کہاں تھا۔ فرمان ہوگا کہ ایک ساعت کیا ہزار سال سے بے ہوش اور مست پڑا تھا اور ہم خود اپنی قدرت کی انگلیوں سے تیری زلف پریشاں سنوارتے رہے۔ کیسی نفع بخش بات۔ اے محبوب! خراباتِ حقیقت کی شرح میں آدم کے وقت سے اس وقت تک کسی نے سوق جنت کے بارہ میں کچھ نہ لکھا۔ آپ کی کیسی اچھی دولت ہے کہ بحرالمعانی میں اس یوسف ثانی اور محبوب جانی کے لیے لکھی گئی۔ جزویات میں کلیات ہیں اور اہل عشق کے لیے جزویات خرابات کلیات کا سایہ ہیں اور اہل عشق کو خرابات سے میل اس سبب سے ہے کہ خرابات

کے نقش سے کلیات ہے اور عاشق اس خرابات سے یہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ بے چارے علمائے ظاہر قبح دیکھنے والے ہیں۔ پس ان کی نظر میں قبیحات ہی آتے ہیں اور اگر خوبی دیکھنے والے ہوتے تو حسن ہی دیکھتے ہیں۔

دَر ظل آفتاب تو چرخے ہمی زنیم
کورے است آں کہ گوید ظل از شجر جداست

(تیرے آفتاب کے سایہ میں گردش کرتا ہوں وہ اندھا ہے جو یہ کہے کہ سایہ درخت سے جدا ہوتا ہے)

پس اے محبوب جان کو درمیان میں نہ دیکھو یعنی اس کو اپنے اختیار سے استقبال کے لیے بھیج دو تا کہ جان کا حال دستیاب ہو جائے۔

رَو درِ میکدہ زند تکیہ بہ طاعات مکن بیش ازیں از پئے ناموس مقالات مکن
تو زِ اسرارِ خرابات قوی بے خبری طعنہ برحالت مستانِ خرابات مکن
ساکنِ خانۂ خمار شوار مَردِ رہی جز بہ رنداں تو دریں کوی ملاقات مکن
از درِ میکدہ ہا مستِ بہ بازار برآئی خلق را جُز بخرابات مراعات مکن
درد باید کہ زِ طاعت نہ کشاید کارے تکیہ بر دلق و مصلی و بہ طاعات مکن
چوں عبادات درِ صومعہ از روئے ریاست بر درِ میکدہ می باش عبادات مکن
تا کے از زہد چو بے بادہ ہمی پیمائی بادہ می خور سخن از زہد و مقامات مکن
نفی ہستی کن و صورت مطلب جانِ عزیز بت پرستیِ نہاں را بہ خود اثبات مکن
تا بہ صد جاں بہ خود آزاد نیائی ہرگز دعویٰ بندگی میر خرابات مکن
حور و جنت چو حجاب اند محمد ایں راہ طاعتے گر بہ کنی بہر مکافات مکن

(جاؤ میکدہ کے دروازہ پر جا کر سر جھکا دو اور بندگی وطاعات پر بھروسہ نہ کرو۔ عزت و ناموس کی خاطر ضرورت سے زائد باتیں نہ بناؤ۔ تم خرابات کے قوی اسرار سے واقف نہیں ہو اس لیے خرابات کے مستوں پر طعنہ زنی مت کرو۔ اگر تم مرد ہو تو شرابخانہ میں سکونت اختیار کر لو اور اس کوچہ میں رندوں کے سوا کسی سے ملاقات نہ کرو۔ میکدہ سے

مست ہو کر بازار میں نکلو اور صرف خرابات والوں کے ساتھ مراعات کرو۔ اصل چیز درد ہے اطاعت اور بندگی سے کشود کار نہیں ہوتا (کام نہیں بنتا) دلق و مصلیٰ اور عبادات پر بھروسہ نہ کرو۔ چوں کہ بت کدہ کے دروازہ پر عبادت کرنا ریا کاری ہے (لہٰذا) میکدہ کے دروازہ پر قیام کرو اور عبادت نہ کرو۔ ہستی کی نفی کرو اور صورت کی تلاش میں نہ رہو پوشیدہ بت پرستی کو تسلیم نہ کرو۔ جب تک سو جان سے خود کو آزاد نہ کر لو ہرگز خرابات کی بندگی کا دعویٰ نہ کرو۔ اے محمدؐ حور و جنت اس راہ کے حجابات ہیں۔ اگر عبادت کرتے ہو تو بدلہ (ثواب) کے لیے نہ کرو)

فقط

چھتیسواں مکتوب

(عشق واسرار وخاتمہ الکتاب)

در آمد دوش ترک نیم مستم — بہ ترکی برد دین و دل ز دستم
دلم برخاست و دینم رفت از دست — کنوں من بے دل و بے دیں نشستم
چو آتش شیشۂ مے پیشم آورد — بہ شیشہ توبۂ سنگیں شکستم
چو یک دُردے بہ حلق من فرو ریخت — من از رد وقبولِ خلق رستم
ز مستی خرقہ برآتش نہادم — میان گبر گاں زنار بستم
چو مغز زہد کردن کفر دیدم — بہ صد چستی ز کفر وزہد رستم
چہ گویم چوں نہ فانی ام نہ باقی — چہ گویم چوں نہ ہشیارم نہ مستم
چہ پرسی تو محمد را کہ چونی — بہ مے ہستم چناں از عشق ہستم
چو در لاکون افتادم بہ شاہد — بلند کون بودم گرچہ پستم

(کل میرا ترک نیم مست آیا اور میرے ہاتھ سے زبردستی میرا دین و دل چھین کر لے گیا۔ میرا دل اچاٹ ہوگیا اور دین بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اب میں بے دل و بے دین بیٹھا ہوں جب آگ کی طرح گرم شیشہ میرے پاس لایا گیا تو میں نے شیشہ سے توبہ سنگیں کو توڑ ڈالا، جب میری حلق کے نیچے درد (تلچھٹ) اتاری گئی تو میں حلق کے رد وقبول سے بے نیاز ہوگیا۔ میں نے مستی کے عالم میں خرقہ جلا دیا اور آتش پرستوں کے درمیان زنار پوش ہوگیا۔ جب میں نے زہد کی حقیقت کو کفر آفریں دیکھا تو نہایت تیزی سے کفر وزہد سے چھٹکارا حاصل کرگیا۔ میں کیا کہوں جب میں نہ فانی ہوں نہ باقی نہ ہشیار ہوں نہ مست مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ تو کیا ہے اور کیسا ہے میں جو کچھ ہوں عشق ہی عشق ہوں۔

جب میں لاکون کے چکر میں پڑ گیا۔ تو مجھے اس کا احساس نہیں رہا کہ باوجود پست ہونے کے میں کائنات سے بھی بالاتر ہوں)

مقصود یہ کہ اے محبوب حضرت صمدیت جلت قدرتہ نے کروروں نقطہ نبوتؐ خلق میں اس لیے بھیجے ہیں تا کہ بیگانے آشنا ہوں غور کرو کوئی بیگانہ آشنا ہوا اور اگر علمائے نادان کہتے ہیں کہ اتنے بیگانوں نے آشنائی پائی تو واللہ ایک بیگانہ بھی اس حضرت سے آشنا نہ ہوا۔ جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے اعتراض کے جواب میں کہو کہ جو کوئی آشنا ہوا اور ہوتا ہے سب ازلی آشنا ہیں اور ابدی بیگانے ہیں کہ حضرت سے بیگانہ ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں۔ ابوطالب اور ابراہیم علیہ السلام کے والد اور سام پسر نوح علیہ السلام بیگانے تھے اور ان کی طرح ہزاروں ہیں اور ابوطالب کی بیگانگی کے لیے حبیبؐ کو فرمان ہوا کہ انك لا تهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء (۲۸/۵۶) (تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) اور حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر کی بیگانگی کے لیے فرمان ہوا۔ فلما تبين له انه عدو لله تبرأ منه (۹/۱۱۴) (جب ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہوگئے) اور سام پسر نوح کی بیگانگی کے لیے فرمان ہوا کہ قال يا نوح انه ليس من اهلك (۱۱/۹۶) (خدا نے فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے) پس اے محبوب! یہ وہ بیگانے ہیں جنہوں نے انبیاء کے قول سے آشنائی کی بو بھی نہ پائی کہ سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون (۲/۶) (تم ان کو نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے) لیکن اے محبوب! واللہ اور باللہ اور تاللہ اگر حضرت عزت جلت قدرتہٗ عشق کے ایک ذرہ کو رسالت کے ذریعہ خلایق پر بھیجتا تو سارے بیگانے آشنائی پاتے۔ اور اس عالم میں ایک بیگانہ بھی بیگانگی پر نہ رہتا۔ اور تمہارے پیر فقیر کا نکتہ یہ ہے کہ انبیاء شریعت کے ساتھ آئے کہ سارے بیگانے جو اپنے اپنے دین میں تھے متنفر ہوگئے کہ فلما جائهم ما عرفوا كفروا به (۲/۸۹) (جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہوگئے) اے محبوب واللہ اگر انبیاء حقیقت اور محبت اور عشق کی دعوت خلائق کو دیتے

ہوئے آتے تو سارے بیگانے اس حضرت کے آشنا ہو جاتے اور انبیاء کے مشتاق رہتے۔ لیکن حضرت صمدیت کا منشاء یہ تھا کہ ایک جہان حقیقت سے دور رہے۔ ان معنی کے سبب انبیاء کو حقیقت کے ساتھ نہ بھیجا۔ اچھی طرح غور کرو کما قال علیہ السلام لو اراد اللہ ان یغفر العباد لما خلق ابلیس (اگر اللہ بندوں کی مغفرت چاہتا تو ابلیس کو پیدا نہ فرماتا) یعنی اگر حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ چاہتا کہ سب لوگ مقرب ہو جائیں تو خود شیطان کو درمیانی حجاب کا واسطہ نہ بناتا۔

گوہر وصلت ازاں در پردہ ماند
درجہاں شائستۂ آں کس نہ دید

(تیرے وصل کا موتی اس لیے چھپا دیا گیا کہ دنیا میں کوئی اس کے لائق نہیں)

خلائق خاص جو عام ہیں اور عام جو کالانعام سمجھے جاتے ہیں حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کی محبت اور عطا جو وہ خلائق کے ساتھ رکھتا ہے اور خلائق کے لیے ہے واللہ سب خود اسی کے لیے ہے تم کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ ذرہ بھر بھی خلائق کے لیے نہیں۔ اس فقیر کی ان مثنویات سے جو حال سے وارد ہوئی ہیں مشاہدہ کرو گے کیوں کہ میرے سر میں ندا ہوئی تھی۔

شاہ گفتا خلوت آمد راز گو   آں جواب خاص مارا باز گو
چوں بگفتم از کمالِ لطف شاہ   می کنی سوئے من مسکیں نگاہ
در فروغ پَر تو آں یک نظر   محو می گردد وجودم سر بسر
از شعاع آفتاب فرِّ شاہ   پاک بری خیزم آں ساعت ز راہ
چوں تو می بینی بہ من از لامکاں   نیستم من ہست آں شاہِ جہاں
گر یکے لطف ودگر صدمی کنی   از خداوندے تو باخود می کنی

(بادشاہ نے کہا خلوت میں آ اور اپنا راز کہہ اور مجھے جواب خاص سے مطلع کر۔ شاہ کے کمالِ لطف سے میں نے کہا مجھ مسکین کی طرف ایک نگاہ ڈال۔ تیری اس ایک نظر کی روشنی کے عکس سے میرا وجود یکسر محو ہو جاؤں گا۔ جب تو لامکان سے میری جانب دیکھے گا تو

میں نہ ہوں گا بلکہ وہی شاہِ جہاں موجود ہوگا۔ (میرا وجود عدم (کالعدم ہو جائے گا) اگر تو ایک مہربانی کرے یا سو مہربانیاں تو اپنی خداوندی سے تو جو چاہتا ہے اپنے ساتھ کرتا ہے)

پس اے محبوب! جب عاشق معشوق کو کچھ عطا کرتا ہے یا معشوق کے ساتھ لطف سے پیش آتا ہے تو وہ عطائے لطف معشوق کے ساتھ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ عاشق جو کچھ کرتا ہے اپنے عشق سے کرتا ہے گویا خود اپنے لیے کرتا ہے۔

گر یکے لطف و دِگر صد می کنی
از خداوندے تو با خود می کنی

(اگر چہ تو سیکڑوں لطف و کرم کرتا ہے لیکن در حقیقت وہ سب تیرے اپنے ہی لیے ہے)

اے محبوب! حضرت صمدیت جلت قدرتہٗ کو اپنے آپ سے ایسا عشق ہے کہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ساتھ کرتا ہے جیسے کہ شب معراج میں حضرت رسالت علیہ السلام کو قاب قوسین اوادنی میں ندا پہنچی کہ قف یا حبیبی (اے میرے محبوب ٹھہر جایئے) خواجۂ عالم نے نامرادی کا نعرہ مارا اور کہا کہ کیوں ٹھہروں۔ دوسری ندا پہنچی کہ ان اللہ یصلی (بیشک اللہ نماز پڑھ رہا ہے) خواجۂ عالم علیہ السلام نے فرمایا ما صلوٰتک (تیری نماز کیا ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا الثناء لذاتی (ثنائے ذاتی)۔ یہ جلال عظمت اور کمال سلطنت جو کچھ رکھتا ہے اپنے آپ سے رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قال موسی ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فان اللہ لغنی حمید (۱۴/۸) (اور موسیٰؑ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو خدا بھی بے نیاز اور قابل تعریف ہے) چنانچہ اے محبوب! میں ایک رات خلوت میں طواف کعبہ کر رہا تھا اور حرم کے اندر مشغول تھا۔ شوق نے جوش مارا۔ میں نے کہا خداوندا تو کس کا ہے میرے سر میں کہا۔ کسی کا نہیں۔ پھر کہا تو کس کا تھا۔ کہا کسی کا نہیں۔ پھر کہا کس کو چاہتا تھا کہا کسی کو نہیں۔ نامرادی سے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گیا۔ مکہ کی سلطنت رکھنے والوں نے مجھے اٹھایا اور گھر لے گئے۔ صبح سے عشاء تک چار نمازیں قضا ہوئیں۔

گفتم کہ کرائی تو بدیں زیبائی اے خالق ما سرور و مولائی
گفتا کہ چنیں سخن تو می فرمائی من خود خود را کہ من منم یکتائی

(میں نے کہا اے میرے خالق و مولا اور اے میرے سرور۔ تو اس خوبی و زیبائی کے ساتھ کس کا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تو ایسی بات کہہ رہا ہے میں خود اپنا ہوں اور یکتا ہوں)

اے محبوب! بحر المعانی کے کلمات لکھتے وقت ایک حال اور وقت اس فقیر پر وارد ہوتا ہے کہ اگر اس کو پوری طرح لکھوں تو عالم کی سلامتی درہم برہم ہو جائے۔ اپنے جد علیہ التحیہ والصلوٰۃ سے ڈرتا ہوں یعنی سمجھو کہ دو غیرتوں کے درمیان لکھتا ہوں کہ خواجہ عالم علیہ السلام نے فرمایا کہ انا غیور واللہ اغیر منی (میں بہت زائد غیرت دار ہوں اور اللہ مجھ سے زائد غیرت دار ہے) اور مجھے یقین ہے کہ جو کچھ لکھا ہے اور جو علمائے نادان کی عقل وفہم کے قصور کے سبب نہ لکھا آپ اس سے محروم نہ رہیں گے۔ کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام علم نبوت اور علم ولایت میں کامل تھے۔ خضر علیہ السلام کے تین عملوں کا تحمل نہ کر سکے اور اندیشہ کو برداشت نہ کر پائے اور خضر علیہ السلام میرے ان کلمات میں سرگرداں ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت پروردگار کی تین حرکات اسرار کے حامل نہ ہو سکے تو اے محبوب! کوئے محمدیؐ کا گدا اور دریوزہ گر۔ بحر المعانی کے تمام حرکات کا حامل ہو گیا۔ پس نعمت بے غایت و بے نہایت کا شکر بجالا اور ہمت قائم رکھ تا کہ تیرے لیے دقائق المعانی بھی لکھنے کی توفیق پاؤں۔ اور دن رات دعا کرو کہ زندگی یاری کرے۔

از دعائے زاہداں چوں برنیاید کارِ من
شاہداں را پائے می بوسم کہ درکارے کند

(زاہدوں کی دعا سے جب میرا کام نہیں بنتا (تو) میں اپنی کار برآری کے لیے معشوقوں کی قدم بوسی کروں گا) اے محبوب! اچھی طرح غور کروں کہ میرے کلمات مجھ کو تمہارے لیے کس قالب اور قلب میں رکھتے ہیں اور کس اسرار خانہ سے مجھے مطلع کرتے ہیں اب کان لگا کر سنو کہ اذ قال موسی لفتہ لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین

(۶۰/۱۸) (جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں) اے محبوب! دو دریا۔ ایک دریائے محبت اور دوسرا دریائے بشریت مراد ہے۔ اور دونوں ایک جگہ جاری ہیں۔ محبت بشریت کے ساتھ اور بشریت محبت کے ساتھ المحبة و البشرية توامان (محبت اور بشریت توام (جڑواں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا يبغيان ((۲۰/۵۵) اس نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں دونوں میں ایک آڑ ہے اس سے تجاوز نہیں کر سکتے یعنی اللہ تعالیٰ نے دو دریا یکجا جاری کیے گو کہ توام ہیں لیکن ملتے ہیں کیوں کہ دریائے محبت كان عليه عرش الرحمن حين لا ليل و لا نهار كما قال الله تعالىٰ و كان عرشه على الماء اى ماء المحبة و كما قال عليه السلام قلب المومن عرش الله تعالىٰ (اس پر رحمٰن کا عرش تھا (ہے) جس وقت نہ دن تھا نہ رات۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا یعنی آب محبت (پر) اور جیسا نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے) اس عرش سے مراد قلب ہے کہ الرحمن على العرش استوىٰ (۵/۲۰) (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) لیکن امید ہے کہ مشاہدہ بھی کرو گے کہ تمہارا عرش قلب کس طرح دریائے محبت پر ٹھہرا ہوا ہے کہ رأى قلبى ربى (میرے قلب نے میرے رب کو دیکھا) بھی تم پر جلوہ گری کرے۔ پس اے محبوب قلوب جو رحمٰن کے عرش ہیں ان کی حرمت کرو اور دل آزاری نہ کرنے کی کوشش کرو تا کہ الرحمن على العرش استوىٰ کی تجلی حق الیقین سے پاؤ۔ لیکن بے چارے علمائے ظاہر الرحمن على العرش استوى کے سر تک نہیں پہنچے۔ دقائق المعانی میں کشف کروں گا۔ اور دوسرا دریا دریائے بشریت ہے اور یہ دنیا کا دریا ہے۔ یعنی اس پر امن دریا سے ایک قدم چل کر باہر آ جاؤ۔ یعنی دنیا کی محبت دل سے جدا کرو تا کہ رجال الله (مردانِ خدا) کے زمرہ میں منسلک ہو جاؤ کہ رجال لا تلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر الله (۳۷/۲۴) (وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت) بے چارے زاہدِ خشک دین کے سر سے جو دنیا کے واسطہ سے ہے اور رجال لا تلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر الله کے زمرہ سے محروم ہیں۔ یعنی

دنیا سے خدمت لو اور اس کو اپنی صحبت میں نہ آنے دو اور اپنی ہمت کا قدم باطنی محبت پر رکھو۔ اور اس قاعدہ پر مضبوطی سے قائم رہو کہ دنیاوی نقصان پر غمگین نہ ہو۔ اور دنیا پانے پر خوش نہ ہو۔ جیسے ہی یہ بات حاصل کر لو گے "رجال اللہ" ہو جاؤ گے کہ لا تحزنوا علی ما فاتکم و لا تفرحوا بما آتاکم (جو تم سے چلا جائے اس پر رنجیدہ نہ ہو اور جو تمہارے پاس آئے اس پر خوش نہ ہو)

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجیے جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے

اور دوسری حکایت حتی اذا رکبا فی السفینة خرقها (یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو (خضرؑ نے) کہا کشتی کو پھاڑ ڈالا) موسیٰ علیہ السلام نے اخرقتها (آپ نے اسے کیوں پھاڑ ڈالا) اعتراض کیا۔ مجبور ہوئے کیوں کہ حامل نہ تھے۔ اور اے محبوب! خضر علیہ السلام بھی اس سر کے ادراک میں سرگرداں ہیں کیوں کہ وہ بھی حامل نہیں ہیں۔ اس سفینہ سے ہدایت کی کشتی مراد ہے کہ الدنیا بحر عمیق و سفینتها هدایة (دنیا ایک گہرا سمندر ہے اور اس کی کشتی ہدایت ہے) ہدایت کی کشتی میں ضلالت عشق کا سوراخ ہونا چاہیے۔ اگر تمہاری ہدایت کی کشتی میں خضر حقیقت ضلالتِ عشق کا سوراخ کرتا ہے کہ تو بشریت اور محبت دونوں دریاؤں کا عالم ہے تو درحقیقت اعتراض درست نہیں ہوتا۔ اور یہ ضلالت عشق کا سوراخ اس سبب سے کرتا ہے کہ وکان وراء هم ملك یاخذ کل سفینة غصبا (۸۹/ ۱۸) (اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا) یعنی دریائے دنیا کا مالک شیطان ہے جو دریائے بشریت پر مملکت و سلطنت رکھتا ہے اور وہ غاصب ہے اور کشتی ہدایت کی تاک میں ہے۔ ؎

دست از اقطاع اوٗ کوتاہ کن
تا نہ باشد ہیچ کس را با تو کار

(اس سے مال و دولت کے سلسلہ میں ہاتھ کھینچ لو (قطع تعلق کر لو) تا کہ کسی کو تم سے کام نہ رہے)

پس اے محبوب! غاصب جب ہدایت کی کشتی کا قصد کرتا ہے اور اس میں

ضلالت عشق کا سوراخ دیکھتا ہے تو اس سے درگذر کرتا ہے کیوں کہ اس نے کل یہی تیر عشق کھایا تھا۔ یعنی ابلیس کو سوائے تیر عشق کے کسی شے سے ہراس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب ہدایت کی کشتی سے خضر حقیقت کے ساتھ نیچے آؤ گے تو دوسرے حرکات اذا لقیا غلاما فقتله (جب انہیں (خضرؑ کو) ایک لڑکا ملا تو اسے مار ڈالا) اس غلام (لڑکے) سے نفس مراد ہے۔ یعنی جب اس راہ میں نفس پیش آئے کہ جس کو لامحالہ پیش آنا ہے فقتله اگر خضر علیہ السلام اس کو واقعی کرتے ہیں تو اعتراض نہ کرو۔ کیوں کہ فاقتلوا انفسکم (اپنے نفوس کو مارو) امر ہے۔ جب غلام نفس مار ڈالا گیا اس کے بعد دوسری حکایت واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینة (۱۸/۸۲) (اور وہ جو دیوار تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی شہر میں) اے محبوب! اس جدار یعنی دیوار سے شریعت مراد ہے کہ ثبت الجدار ثم انقش (دیوار بناؤ پھر نقش کرو) اگر شریعت کی دیوار پر قائم رہو گے اور اس دیوار کے نیچے حقیقت کا خزانہ ہے وکان تحته کنز لهما (اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا) یعنی یہ خزانہ جو دیوار کے نیچے ہے دو یتیموں کا ہے۔ ایک یتیم نبوت کہ الم یجدك یتیما فآوی (کیا بھلا) اس نے تمہیں یتیم پا کر پناہ نہیں دی) اور دوسرا یتیم ولایت جیسا نبیؐ نے فرمایا کہ انا وعلی یتیمان من اصداف النبوة والولایة (میں اور علی نبوت و ولایت کی سیپیوں کے انمول موتی ہیں) پس اے محبوب! جو خزانہ شریعت کے دیوار کے نیچے ہے وہ نبوت و ولایت کا خزانہ ہے۔ نبوت کا خزانہ ختم ہو گیا ولایت کا خزانہ البتہ ابدالآباد تک صرف میں ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی جان پر رحمت ہو کہ انہوں نے اس مقام کو بھی تمام کیا۔

ہارونِ ولایت کہ پس از موسیٰ عمراں   واللہ علیؑ بود علیؑ بود علیؑ بود
ایں نیست تناسخ سخنِ وحدت محض است   تا ہست علیؑ باشد و تا بود علیؑ بود

(موسیٰ کے بعد پاسبان ولایت واللہ علیؑ تھے۔ علیؑ تھے علیؑ تھے۔ یہ تناسخ نہیں وحدتِ محض ہے۔ جب تک ہستی ہے علیؑ ہوں گے اور جب تک ہستی تھی علیؑ تھے)

ان اشعار سے بہت لوگ گمراہ ہوئے اور مولانا کی بات کو نہ پہونچے۔ اس علی سے ولایت مراد ہے۔ یعنی ابدالآباد تک ولایت جاری رہے گی اور جب تک بود ہے

ولایت ہی سے کام پڑے گا۔ یعنی جنت کی ابدی نعمتوں کا ظہور ولایت سے ع تا ہست علیؑ باشد و تا بود علیؑ بود ترتیب دیا گیا ہے۔ بیچارے اہل ظاہر ان معنوں سے محروم ہیں۔ پس اے محبوب! یتیمین فی المدینة (مدینہ میں دو یتیم) اس مدینہ سے مراد کون مدینہ ہے (اور اس مدینہ سے مراد مدینہ علم سے) جیسا کہ نبی نے فرمایا کہ انا مدینة العلم و علی بابھا (میںؐ علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ) اے محبوب! نبوت و ولایت کا خزانہ شریعت کی دیوار کے نیچے جانو۔ ہمارے علمائے نادان نے حضرت صمدیت کے کلام کو بانجھ قالب اور قلب سے بیان کیا ہے۔ خضر علیہ السلام خود میرے کلمات کے جویا ہیں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام میرے زمانہ میں ہوتے تو کہنے والی بات ان سے کہتا۔ زمینی زاویوں میں خضر علیہ السلام سے کہا ہے اور وہ میرے کلمات پر سرگرداں ہیں۔ لیکن آپ موسیٰ وقت ہو گئے کہ بحر المعانی کے ہزاروں حرکات و کلمات کے حامل ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کوئے محمدیؐ کے گدا ہیں۔ ورنہ کہاں آپ اور کہاں میرے کلمات۔ اے محبوب نہ کہنا کہ تزکیۂ نفس کرتا ہوں اس راہ میں بیچارہ نفس ہاتھی سے مچھر بن گیا ہے۔ مقامِ کبریائی سے قلم رواں (متکلم) ہے۔ اب ضلالت عشق کو سمجھو تا کہ ہدایت پاؤ و وجدك ضالا فھدی (اور اس نے تم کو راستہ سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا) حضرت رسالت علیہ السلام کی ضلالت عشق سے تھی۔ یعنی خدائے تعالیٰ کا عشق ان کے لیے حجاب (بن) ہو گیا تھا۔ البتہ اے محبوب! اپنے جد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیرت سے ڈرتا ہوں کہ یہ بات کہتا ہوں لیکن رمز کو سمجھو کہ حضرت رسالت علیہ السلام ہر دن ہر رات ستر بار استغفار کرتے تھے۔ یہ استغفار کیسا۔ ان کا کیا گناہ تھا۔ یعنی اگلے اور پچھلے گناہ بخشے جا چکے تھے کہ لیغفر اللہ لك ماتقدم من ذنبك وما تاخر (۲۸/۴۸) (تا کہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے) البتہ یہ استغفار رفع حجاب کے لیے تھا کیوں کہ عشق بھی حجاب ہے۔ پس ضلالت نہ تھی سب ہدایت تھی ۔

چوں حجاب مشکل آمد عشق و جاں در کوئے اوٗ
لاجرم در کوئے اوٗ بے عشق و بے جاں می روم

اے محبوب! ٹھہرو۔ ایک وقت ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم (۱۰/۴۸) (بیشک جولوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) کے مقام میں مشاہدہ کروگے اور خانۂ بیعت میں راہ پاؤ گے۔ تب جانوگے کہ اس زمانہ کے مرید بے چارے لفظ بیعت پر قناعت کرتے ہیں اور بیعت کے خبر اور اثر سے نابلد ہیں۔

شما عمرے دریں وادی بہ سر رفتید روز و شب
زِگردِ کوئے اوْ آخر مرا آثار بنماید

(تم نے اس وادی میں رات دن ایک عمر بسر کردی۔ آخر اس گلی کی گرد کے ہمیں بھی تو آثار دکھاؤ)

دوسری قطعی دلیل یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اے یوسف روزگار، سنو کہ یعقوبؑ کے عشق کی شان میں ان کے بیٹوں نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ انك لفی ضلالك القدیم (۱۲/۹۵) (آپ اپنی پرانی گمراہی میں ہیں) یعنی ضلالتِ قدیم پر ملامت کی۔ اس ضلالت سے ضلالتِ عشق مراد ہے۔ اپنی بات پر واپس آتا ہوں کہ کہا تھا کہ حضرت صمدیت جلت قدرتہ صرف اپنا عاشق ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے عشق میں اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اسی واسطے کہتا ہوں کہ سارے عالم نے خدا کو جانا حضرت رسالت علیہ السلام کو نہ جانا اور ذرہ بھر بھی نہ پہچانا کڑی راہ اور بلند نتائج ہیں۔ خسروؔ کی جان پر رحمت ہو کہ کہا۔

ایوانِ مراد بس بلند است   کانجا بہ ہوس رسیدہ نتواں
کیں شربتِ عاشقی است خسروؔ   جُز خونِ جگر چشیدہ نتواں

(مراد کا محل بہت بلند ہے۔ وہاں ہوس کی حالت میں نہیں پہنچا جاسکتا۔ اے خسروؔ۔ یہ عاشقی (عشق) کا شربت بغیر جگر خون کیے ہوئے نہیں چکھا جاسکتا)

اے محبوب! اس راہ میں عاشق کے لیے اختیار اور خود رائی نہیں ہے۔ کیوں کہ اختیار اور رائے حضرت عزت جلت قدرتہٗ جل وعلا کا ہے کہ انا اخترتك فاستمع لما

یوحیٰ (۲۰/۱۳) (اور میں نے تم کو انتخاب کرلیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو) اس راہ میں ہر عاشق سے یہی خطاب اختیار ہے۔

اختیارم چوُ نیست دانستم
بعد ازیں گوشِ ما وحلقۂ یار

عاشق کے لیے یہی عشق دوزخ کی آگ ہے کہ العشق عذاب الاکبر (عشق سب سے بڑا عذاب ہے) اور اے محبوب! اس آیت پر کان لگاؤ۔ وان منکم الا واردھا (۱۹/۷۱) ای داخلھا (اور تم میں کوئی نہیں مگر اسے اس پر گذرنا ہوگا (یعنی اس میں داخل ہونا ہوگا) یعنی نارِ عشق میں داخلہ اور وہ نار اللہ الموقدۃ (اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ) جیسا کہ شبلی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا العشق نار فی القلوب احرقت ماسوی المحبوب (عشق قلوب میں ایک ایسی آگ ہے جس نے محبوب کے علاوہ ہر چیز کو جلادیا) اور کلام مجید سے یہ برہان سنو ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر (۳۲/۲۱) (اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے) یہ حجاب بھی بہت سے فوائد رکھتا ہے یعنی جب حجاب ہوتا ہے اور حجاب عاشق کے شوق کو دار الجمال والجلال کی طرف بڑھانے والا ہوتا ہے۔ زر غبا تزدد حُبا (کم آیا کرو محبت بڑھے گی) اے محبوب! ۲۷ ماہ محرم روز پنجشنبہ جب چھتیسواں مکتوب لکھ رہا تھا اور اسرارِ عشق میں قلم چلا رہا تھا۔ جب قلم زرغبا تزدد حبا پر پہنچا تو مجھ پر ایک عجیب حال اور کیفیت طاری ہوئی۔ اسی جگہ سر زانو پر رکھا اور دیکھا کہ مسجد قبا میں سب صحابہ کرام اور طبقۂ عظام کے ساتھ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود رضی اللہ عنہم تک سب حاضر ہیں اور میں بھی مسجد قبا میں سلام اور تواضع اور کمال انکسار سے داخل ہوا اور سب کی پاک نظریں اس عاصی پر پڑیں۔ نظریں ڈال کر فرمان ہوا کہ بیٹھو۔ ایک جگہ بیٹھ گیا۔

در حلقۂ عاشقانِ چالاک
ماصدر نشینِ زیر دستیم
(ہوشیار عاشقوں کے حلقہ میں بلند وپست کے صدر نشین ہم ہیں)

دیکھا کہ ہر ایک کا چہرہ مبارک بزرگی کی گواہی دیتا تھا۔ ناگاہ حضرت رسالت علیہ السلام نے فارسی میں فرمایا کہ اے فرزند مست حضرت لم یزل ولا یزال۔ بحر المعانی لاؤ اسی وقت میں نے پینتیسواں اور چھتیسواں مکتوب جس میں زرغبًا تک پہنچا تھا لایا اور آپؐ کے دستِ مبارک میں دے دیا۔ آپؐ نے اس کو بہ نظر نبوت ملاحظہ فرمایا۔ پھر فرمایا الحمد للہ اے بیٹے اللہ نے تم پر وہ علم اسرار الہام فرمایا جن کے اظہار سے اللہ نے تم کو منع فرمایا۔ پھر فرمایا اللہ تم کو اور زیادہ عمل کی ہدایت دے پھر فارسی زبان میں فرمایا۔ اے یار و یہ بحر المعانی کا مصنف ایسا شخص ہے جو پورے کلام مجید کے حقیقی معنی بیان کرتا ہے اور اگر روئے زمین کا سارا علم دھل جائے اور ایک ورق بھی باقی نہ رہے اور یہ شخص قلم ہاتھ میں لے تو سارے علم کو از سر نو لکھ دے۔ اس کے بعد فرمان ہوا کہ بس کرو اس سے زیادہ اسرار صحرا میں نہ ڈالو کیوں کہ امورِ شریعت کو دنیا میں نقصان پہنچتا ہے۔ اور اہل شریعت کی طبیعتوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور میں نے اس کو قبول کیا۔ بحر المعانی کو اس چھتیسویں مکتوب پر ختم کر دیا۔ اے محبوب اس کے بعد حضرت رسالت علیہ السلام نے بحر المعانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ حسن بصریؒ کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ عبد الواحد زید کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد ابراہیم ادھم کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ فضیل عیاض کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد حذیفہ مرعشی کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ ہبیرہ بصری کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ قدوۃ الدین علو دینوری کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ احمد مشتاق حبشی کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے بھی مطالعہ کے بعد خواجہ ناصر ابو محمد کے ہاتھ میں دی۔ اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ مودود چشتی کے ہاتھ میں دی۔ اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ حاجی شریف زنجانی کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ عثمان ہارونی کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ہاتھ میں دی اور انہوں

نے مطالعہ کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے ہاتھ میں دی۔ اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے مطالعہ کے بعد خواجہ نظام الدین کے ہاتھ میں دی اور انہوں نے بھی مطالعہ کے بعد قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ ارواحہم کے ہاتھ میں دی۔ اور حضرت قطب عالم نے مطالعہ کے بعد تمہارے اس فقیر کے ہاتھ میں دی اور میں نے بھی اے محبوب تمہارے ہاتھ میں دی۔ نامحرموں اور ظاہر بینوں کو ہرگز نہ دکھانا اور جلد ساز کو اپنے سامنے طلب کر کے جلد بندھوانا۔ اور کسی پر بھروسہ نہ کرنا کہ اس زمانہ میں ان کلمات اور حروف کا کوئی حامل نہیں ہے۔ یہ باتیں نیکوں کے لیے ہیں ان کو ہوش میں لاؤ اور جو کچھ ظاہر کرو اس میں خیال رکھو کہ میرے جد علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی غیرت میں نہ آ جاؤ اور حضرت رسالت علیہ السلام کے شکر میں فکرِ عظیم کرو۔ کہ بحر المعانی کے مطالعہ کے بعد انہوں نے کس طرح شکرِ عظیم کیا۔ خود پیو اور خروش نہ کرو اور اس فقیر کو حضرت علیہ السلام کی اجازت کا منتظر جانو کہ بیٹھے اور دقائق المعانی کا آغاز کرے لیکن وہ جو فرمایا ہے ارشدك الله تعالى فى علمك زيادة (اللہ تعالیٰ تم کو وافر علم میں ہدایت دینے والا فرمائے) پوری طرح امیدوار ہوں کہ اجازت ملے گی۔ تم بھی تضرع کرو اے محبوب بحر المعانی کے کلمات اور حرکات کو اس سب سے چھپانا ہے کہ اہل ظاہر سوائے علومِ ظاہر کے اور اہل باطن سلوک سوائے حکایتوں کے اور کچھ نہیں جانتے اور ملوکِ حقیقت اور ان کے ان افعال اور اعمال سے کہ جو ان کے حال اور احوال میں بیان کیے گئے کوئی خبر اور اثر نہیں رکھتے۔ جو نادان ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز اپنے گھر میں نہیں ہے وہ بادشاہ کے وہاں بھی نہیں ہے۔ اور یہ بے علمی اور بے عقلی ہے۔ بادشاہ کے گھر کی پونجی نفیس ترین ہوتی ہے اور گمراہوں اور نادانوں کے گھر ادبار کی گدڑی اور اضطراری فقر ہوتا ہے۔ پس کہاں شاہی نفاس اور کہاں اضطراری فقر کی روسیاہی کہ الفقر سواد الوجه فى الدارين (فقر دارین میں روسیاہی ہے) پس بحر المعانی کے یہ کلمات لوگوں کی فکروں میں نہیں آتے۔ اس بنا پر ان کا چھپانا فرض ہے وبالله التوفيق واليه المصير (اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے اور اسی کی جانب لوٹنا ہے) بحر المعانی کے کلمات ایک حالت اور سکر میں لکھے گئے ہیں۔ اگر قلم

سے سہو ہوا ہو تو درست کرلو ؎

چوں مستم و بیہوش از خویش نمی دانم
محرم چو بہ ذات اوٗ در خود شدہ حیرانم

(چوں کہ میں مست اور بیہوش ہوں (لہٰذا) مجھے اپنی ہی خبر نہیں ہے۔ اس کی ذات کا محرم (واقف) ہو جانے کے بعد میں اپنی جگہ پر حیران ہوں) (الٰہی) یا اللہ اس محبوب جانم اور مطلوب روزگارم کو بحر المعانی کے کلمات کی حرکات کا دائمی طور پر حامل بنا اور سید مختار علیہ السلام کے دیدار کی منزلت سے واصل اور متواصل فرما۔ بمنہ وکمال کرمہٖ بانسی وآلہ اجمعین اور اے محبوب! اپنے اس پیر فقیر کی مناجات کی مواظبت کرو کیوں کہ اس میں تمام اثرات ہیں۔ مثنوی ؎

یا الٰہ العالمیں در ماندہ ام　　غرقِ خون وخشک کشتی راندہ ام
دستِ من گیر ومرا فریادرس　　دست بر سر چند دارم چوں مگس
اے گنہ آمر ز عذر آموزِ مَن　　سوختم سدرہ چہ خواہی سوزِ من
خونم از بَس شوقِ تو آمد بہ جوش　　تا جواں مردی بسے کردم نیوش
من ز غفلت صد گنہ کردم بہ ساز　　تو عوض صد گونہ رحمت دادہ باز
چوں بدانستم خطا کردم بہ بخش　　بر دل و بر جان پُر دَردم بہ بخش
خالقا گر نیک وگر بد کردہ ام　　ہرچہ کردم باتنِ خود کردہ ام
مبتلائے خویش وحیرانِ تو ام　　گر بدَم در نیک ہم زانِ تو ام
نیم جزدم بے تو من درمن نگر　　گُل شوم گر تو کنی در من نظر
من کہ باشم تا کسے باشم ترا　　ایں بسم گرنا کسے باشم ترا
کے توانم گفت ہند وئے تو ام　　ہندوئے خاکِ درِ کوئے تو ام
گر نیم ہندوت چوں مقبل شدم　　تا شدم ہندوت جان ودل شدم
یارب آگاہی زیارب ہائے من　　حاضری در ماتم شب ہائے من
ماتمم از حد بشد سورے فرست　　درمیانِ ظلمتم نورے فرست

پائے مزد من دریں ماتم تو باش   کس نہ دارم دستگیر من تو باش
لذتم نور مسلما نیم دہ   نیستی نور ظلمانیم دہ
پس بروں آیم ازیں روزن کہ ہست   پیش گیرم عالمے روشن کہ ہست
چوں نہ دارم جاں نہ دارم جز تو کس   ہمرہِ جانم تو باش آخر نفس
چوں زِ من خالی بماند جائے من   گر تو ہمراہ ہم نہ باشی وائے من
روئے آں دارم کہ ہمراہی کنی   می توانی کرد اگر خواہی کنی

(اے الٰہ العالمین میں عاجز ہوں اور میری کشتی خون و خشکی میں ڈوبی ہوئی چلی جارہی ہے۔ میری دستگیری فرما اور فریاد کو پہنچ۔ میں کب تک مکھی کی طرح سر پر ہاتھ رکھے رہوں (یعنی مبتلائے غم رہوں) اے گناہ بخشنے والے اور مجھے عذر خواہی سکھانے والے میں سوطرح سے جل چکا ہوں اب تو مجھے کیوں جلانا چاہتا ہے۔ تیری لقا کے شوق میں میرا خون جوش مار رہا ہے اور میں عرصہ تک اپنی کم ہمتی کو چھپاتا رہا۔ میں نے اپنی غفلت سے سیکڑوں گناہ کیے اس کے باوجود تو نے میرے گناہوں کے بدلہ میں مجھے رحمتوں سے نوازا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے خطا کی ہے مگر تو مجھے معاف کردے اور میرے دل اور پر درد جان پر رحم فرما۔ اے میرے پیدا کرنے والے۔ میں نے جو کچھ بُرا یا اچھا کیا اپنی ذات پر کیا۔ میری کم ہمتی پر مجھے معاف کردے اور میری اپنے منتہا سے بے خبری کو ختم کردے (یعنی مجھے اپنی منزل مقصود کا ادراک کرادے تاکہ اس کی طرف بڑھوں) میں ابتلا میں گرفتار ہوں اور تیرے لیے حیران ہوں۔ میں برا ہوں یا بھلا۔ ہوں تیرا ہی وابستہ۔ تیرے بغیر میں نیم جزو (ناقص) ہوں میری جانب توجہ فرما۔ اگر تو اپنے لطف سے میری طرف نظر فرمادے تو میں گُل ہوجاؤں۔ میری کیا حقیقت ہے کہ خود کو تیرا کہلاؤں۔ میرے لیے یہی (کیا کم ہے کہ) کافی ہے کہ کسی کی نسبت سے تجھ سے منتسب ہوں۔ میری کیا مجال ہے کہ خود کو تیرا غلام کہوں۔ میں تیرے کوچہ کے کتے کی خاک کا غلام ہوں۔ اگر میں اس قابل نہیں ہوں کہ تیرا مقبول بارگاہ ہوں تو تیرا غلام بننے کی اہلیت پیدا کرنے تک جان و دل سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔ اے خدا تو میری یاری کی شدت سے واقف ہے اور میری آہ وزاری اور ماتم

میں موجود رہتا ہے۔ یعنی ان سے باخبر ہے۔ میرا ماتم حد سے گذر گیا ہے اب مجھے خوشی عطا کر میں ظلمت میں ہوں میرے لیے نور بھیج۔ اس رنج وغم کا معاوضہ دینے والا تو ہے اور کوئی میرا دست نگر نہیں ہے تو ہی میری مدد کر۔ مجھ کو نورِ مسلمانی کی لذت عطا کر (اور) ظلمت کے نور کو نیست و نابود کر د۔ پس میں اس روزن سے باہر نکل آؤں اور عالم روشن جو موجود ہے (باقی رہنے والا) اس میں داخل ہو جاؤں تیرے بغیر مجھ میں جان باقی نہیں ہے۔ تو آخری سانس تک میری جان کے ساتھ رَہ۔ جب میری جگہ مجھ سے خالی ہو جائے اور تو میرے ساتھ نہ ہو تو مجھ پر افسوس ہے۔ مجھے (پوری) امید ہے کہ تو میرے ساتھ رہے گا۔ اور اگر تو چاہے تو یہ کام کر سکتا ہے)

پس اے محبوب! طریقت کے سالک سوائے اس کے کسی طرف التفات نہیں کرتے اور مقامِ معرفت کے عارف سوائے اس کے کسی کو نہیں پہچانتے اور راہِ توکل کے متوکل اس کے در کی خاک پر منہ رگڑتے ہیں۔ اور مقامِ اشتیاق کے مشتاق اس کے در کی خاک کا سُرمہ بناتے ہیں۔ اور بیابان طلب کے عاشق اس کی طلب کرتے ہیں اور کامل مقامِ کبریا سے اس حضرت کے مطلوب ہو جاتے ہیں۔ یا محبوبی رزقك الله تعالیٰ فی زمرة المطلوبین، آمین آمین آمین (اے میرے محبوب! اللہ تعالیٰ مطلوبین کے زمرہ میں تم کو بھی عطا فرمائے۔ آمین۔ آمین۔ آمین) اے اللہ لاکھوں کروروں درود اور تحفۂ خواجۂ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح پر واصل ومتواصل فرما۔ اور نور کی قندیلیں صحابۂ کرام اور طبقۂ خواجگان کی قبور پر اے ملک غفور رات اور دن کی ہر ساعت پر نازل فرما۔ اولیائے دین، علمائے یقین اور سالکان سید المرسلین کو علی الدوام تحفۂ اکرام ومستدام سے مکرم فرما اور لغزشیں کرنے والوں کو سرچشمۂ نجات پر پہنچا اور طریقت کے پس ماندگان کو وصالِ جمال سے منزلت اور حقیقت تک پہنچا۔ بمنہ و کمالِ کرمہ وصلی الله علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین ۔

شرح گفتم رسمِ آدابِ ملوک   زاں کہ نتواں کرد بر جہل ایں سلوک
زاں کہ می دانم کہ ایں راہِ دراز   درمیانِ شبہ نہ دہد نور باز

دل چو فارغ گشت تن در ہم نہی بے دل و جاں سر دراں در کہ نہی

(میں بادشاہوں کے طور طریقوں کو (تفصیل سے) شرح وبسط سے بیان کرتا ہوں اس وجہ سے کہ جب تک جہل خرد باقی ہے راہِ سلوک طے نہیں کی جاسکتی (معرفت حاصل نہیں ہوسکتی) کیوں کہ میں بخوبی اس بات سے واقف ہوں کہ یہ راستہ بہت طویل ہے۔ اگر ہم شک میں پھنسے پڑے رہیں تو تجلیِ الٰہی ہم پر عیاں نہیں ہوسکتی جب تک تمہارا دل آلائش دنیا سے صاف نہ ہو جائے اور جسم کے تقاضوں کی نفی نہ کرتا رہے تو بغیر دل و جاں کے کب تو اس کی چوکھٹ پر سر رکھ سکتا ہے۔) فقط